

جلد ہفتم

# اَسْنُ الْاِہْدِیَہ

ترجمہ و شرح اردو

## ہٰذَا سِرُّ

از کتاب السیر  
تا  
از کتاب الوقف

تصنیف

شیخ الاسلام محمد بن ابی بکر فرغانی مرغینانی

مترجم و شائع

مفتی عبدالحکیم قاسمی ستوبی  
مفتی معین دارالعلوم دیوبند



مکتبہ رحمانیہ

تسہیل عنوانات و تخریج

مولانا صہیب اشفاق صاحب

اقرا سنٹر عرفی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور  
فون: 042-37224228-37221395



جلد ۷  
حسن الہدایہ

ترجمہ و شرح اردو

ہدایہ



جلد ۷

# اسن الہدایہ

ترجمہ و شرح اردو

## ہدایہ

از کتاب السیرۃ کتاب الوقف

تصنیف

شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر قرغانی مرغینانی

المتوفی ۵۹۳ ہجری الفری

مترجم و شائع

مفتی عبدالمجید قاسمی ستوی  
مُعین مفتی دارالعلوم دیوبند

نشر

مکتبہ احانیہ

اقراسنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جملہ حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: ..... **اَسْنُ الْهِدَايَةِ** (جلد ہفتم)

مصنف: ..... شیخ الاسلام ابو الحسن علی ابن ابی بکر نقشبند

ناشر: ..... مکتبہ رحمانیہ

مطبع: ..... لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

#### ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

## فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۵	<b>فصل ای ہذا فصل فی بیان احکام الامان</b>	۹	<b>کتاب السیر</b>
۳۶	امان اور اس کی شرائط		یہ کتاب احکام سیر کے بیان میں ہے
۳۷	ذمی کی عطا کردہ امان کا معتبر نہ ہونا		
۳۹	غلام کا امان دینا		
۴۱	<b>باب الغنائم و قسمتها</b>	۱۰	”سیر“ کے لغوی اور اصطلاحی معنی
۴۲	مفتوحہ اراضی کے احکام	۱۳	جہاد کی شرعی حیثیت اور اس کے دلائل
۴۵	دشمن کے مرد قیدیوں کے احکام	۱۵	مختلف حالات میں جہاد کے مختلف احکام
۴۸	دشمن کے قیدیوں کو احسان کے طور پر آزاد کرنا	۱۶	<b>باب کیفیۃ القتال</b>
۵۰	مال غنیمت میں غازیوں کی ملکیت کے وقت کا مسئلہ	۱۸	جنگ کے ابتدائی احکام
۵۱	مال غنیمت میں مقاتلین اور معاونین کی مساوات	۲۰	قتال کے جواز کے لیے تبلیغ کا مسئلہ
۵۳	مال غنیمت اور لشکر کے بازار والے	۲۱	جزیہ سے انکار کے بعد کالائحہ عمل
۵۴	غنیمت کے مال کو دارالسلام تک پہنچانے کے لیے	۲۳	کفار کا مسلمانوں کو ڈھال بنانا
۵۵	غازیوں کے سپرد کرنا	۲۴	عورتوں اور قرآن مجید کو لشکر کے ساتھ لے چلنے کا مسئلہ
۵۷	تقسیم سے پہلے غنائم کی بیع	۲۵	بیوی اور غلام کے لیے اجازت کا مسئلہ
۵۹	دارالحرب میں چارہ اور کھانا پینا استعمال کرنا	۲۷	ان لوگوں کا بیان جن کو جنگ میں بھی قتل کرنا ممنوع ہے
۶۱	دارالحرب کی مباح اشیاء کا بیان	۲۸	میدان جنگ میں اپنے کافر رشتہ دار کو تلاش کر کے قتل
۶۳	دارالحرب کے مسلمان	۲۹	کرنے کی کوشش کرنا
۶۵	کسی نو مسلم کے مقصوب مال کا حکم	۳۱	<b>باب الموائد ومن یجوز امانہ</b>
۶۶	دارالحرب سے نکل کر مال غنیمت کو استعمال کرنا	۳۲	مصالحات کا جواز اور شرائط جواز
۶۷	<b>فصل فی کیفیۃ القسمة</b>	۳۳	کفار کا معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا
۷۰	خمس نکالنا اور شہ سوار کے حصے کی بحث		مال کے عوض مصالحات
۷۲	شہسوار کا حصہ گھوڑوں کے بقدر ہونے کا مسئلہ		اہل ارتداد سے صلح کرنا
	شہ سوار کی تعریف		

۷۵	دارالاسلام میں آ کر مسلمان ہونے والے حربی کی	مال غنیمت میں غلام عورت اور بچے کا حصہ
۷۶	دارالحرب والی جائیداد کا حکم	خمس کے مصارف
۷۸	مسلمان ہونے والے حربی کو قتل کرنا	خمس کی تقسیم
۷۹	اس مقتول کی دیت جس کا کوئی وارث نہ ہو	امام کی اجازت کے بغیر دارالحرب میں غارت گری
۸۰	<b>باب العشر والخراج</b>	کرنے والوں کی غنیمت کا مسئلہ
۸۱	عرب کی ساری زمینوں کے عشری ہونے کا مسئلہ	<b>فصل فی التنفیل</b>
۸۲	کوئی بھی زمین عشری کب بنتی ہے	امام کی طرف سے ”نفل“ سے نوازنے کا وعدہ
۸۳	ہجر اور بے آباد زمینوں کو آباد کرنا	مقتول کے سامان میں قاتل کا استحقاق
۸۵	خراج اور محصولات کی شرح	”سلب“ کی تشریح اور تعیین
۸۶	امام کو محصول کم کرنے کا اختیار	<b>باب استیلاء الکفار</b>
۸۷	ترک زراعت سے خراج ساقط نہ ہونے کا بیان	کفار کے قبضے میں جانے والے اموال کا حکم
۸۸	عشر اور خراج کو جمع کرنا	حربوں کے غصب کردہ اموال کی واپسی
۸۹	<b>باب الجزیۃ</b>	حربوں کے غصب کردہ اموال کی واپسی
۹۱	جزیہ کی اقسام اور مقدار کا بیان	کفاد تسلط کے ذریعے کن اموال کے مالک بن سکتے ہیں
۹۶	اہل کتاب اور مجوسیوں سے جزیہ لینا	کفاد تسلط کے ذریعے کن اموال کے مالک بن سکتے ہیں
۹۷	مشرکین عرب اور مرتدین پر جزیہ کا عدم جواز	حربوں کے مسلمانوں ہو جانے والے غلاموں کا حکم
۹۸	معذوروں اور بوڑھوں پر جزیہ	<b>باب المستامن</b>
۹۹	جزیہ دینے والے کی موت یا اسلام قبول کرنا	امان لے کر دارالحرب میں جانے والے کے احکام
۱۰۰	جزیہ کی قضا	دارالحرب سے قرض یا غصب کا مال لے آنا
۱۰۱	<b>فصل</b>	جس حربی کا مال لوٹا وہ مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آ گیا
۱۰۳	ذمیوں کی مذہبی سرگرمیاں	دارالحرب میں کسی مسلمان کو قتل کرنا
۱۰۶	دارالاسلام میں ذمیوں کے رہنے کے طور طریقے	<b>فصل ای ہذا فصل فی بیان احکام</b>
۱۰۷	ذمی کی جنایات کی سزا	<b>الحربی المستامن</b>
۱۰۸	<b>فصل ای ہذا فصل فی احکام نصاریٰ</b>	حربی کو دی جانے والی امان کی زیادہ سے زیادہ مدت
۱۰۹	<b>بنی تغلب</b>	حربی کا دارالاسلام میں زمین خریدنا
۱۱۰	بنو تغلب کے جزیہ کی مقدار	حربی کے دارالاسلام میں امانت یا قرض دیے ہوئے مال کا حکم
	بنو تغلب کے آزاد کردہ غلاموں کا حکم	بغیر جنگ کے حاصل ہونے والے اموال کا حکم



۱۹۶	ذمی کا لقیط کے بارے میں دعوائے نسب	۱۵۱	خراج، جزیہ اور حربیوں کے ہدایا کے مصارف
۱۹۷	لقیط کے بارے میں اپنا غلام ہونے کا دعویٰ کرنا	۱۵۳	احکام المرتدین
۱۹۹	لقیط کے تصرفات مالیہ کا اختیار	۱۵۴	مرتد کے احکام
۲۰۱	<b>کِتَابُ اللَّقِطَةِ</b> یہ کتاب احکام لقیط کے بیان میں ہے	۱۵۶	اسلام پیش کرنے سے پیشتر قتل کرنا
۲۰۲	لقط کا حکم	۱۵۷	مرتد کی ملکیت کا زائل ہونا
۲۰۵	لقط کے لیے تشہیر کا حکم	۱۶۰	مرتد کے قتل کے بعد اس کے اموال کا حکم
۲۰۸	جانوروں کا لقیط	۱۶۲	مرتد کا دارالحرب چلے جانا
۲۱۰	لقط جانور کے اخراجات	۱۶۴	مرتد کے قرضے
۲۱۱	حل اور حرم کا لقیط	۱۶۷	حالت ارتداد کے تصرفات
۲۱۴	لقط کے مالک ہونے کا دعویٰ کرنے کا حکم	۱۶۹	مرتد کا دارالحرب سے مسلمان ہو کر واپس آ جانا
۲۱۶	مالدار کے لیے لقیط سے فائدہ اٹھانا	۱۷۰	حالت ارتداد میں کافر باندی سے وطی کرنا
۲۱۸	<b>کِتَابُ الْإِبَاقِ</b> یہ کتاب بھاگے ہوئے غلام کے احکام کے بیان میں ہے	۱۷۲	مرتد کی غیر موجودگی کے تصرفات
۲۱۹	آبق اور ضال کی تعریف اور احکام	۱۷۳	ارتداد اور دیت نفس کا ایک مسئلہ
۲۲۱	واپس لانے والے کی اجرت	۱۷۵	میاں بیوی کا اکٹھے ارتداد اور دارالحرب چلے جانا
۲۲۲	واپس لانے والے کی شرعی حیثیت	۱۷۸	بچے کا ارتداد
۲۲۳	غلام کو پکڑتے وقت گواہ نہ بنانا	۱۸۰	<b>باب البغاة</b>
۲۲۵	واپس لانے والے کی اجرت کس پر ہوگی	۱۸۲	اہل نبی سے جنگ سے پہلے مذاکرات کا حکم
۲۲۶	<b>کِتَابُ الْمَفْقُودِ</b> یہ کتاب احکام مفقود کے بیان میں ہے	۱۸۴	باغیوں سے کب جنگ کی جائے
۲۲۷	مفقود الخمر کے احکام	۱۸۶	باغیوں کے مددگاروں کا حکم
۲۲۸		۱۸۸	باغیوں کا وصول کردہ عشر اور خراج
		۱۹۱	باغیوں کے ساتھ جنگ میں قاتل و مقتول کا وارث بننا
			اہل فتنہ کو ہتھیار فروخت کرنا
		۱۹۲	<b>کِتَابُ اللَّقِيطِ</b> یہ کتاب احکام لقیط کے بیان میں ہے
		۱۹۳	گرے پڑے بچے کا حکم
		۱۹۴	لقیط کا زیادہ حقدار کون ہوگا

۲۷۰	شرکت وجوہ کے احکام	۲۲۹	مفقود کے مستحق نفقہ متعلقین کا حکم
۲۷۱	<b>فصل فی الشركة الفاسدة</b>	۲۳۱	مفقود کی بیوی کے احکام
۲۷۲	مباح مال لینے میں شرکت کرنا	۲۳۳	مفقود کا انتظار کب تک کیا جائے گا
۲۷۳	شرکت فاسدہ کی ایک مثال اور باطل ہونے کی صورتیں	۲۳۵	مفقود کی وصیت کا موقوف ہونا
۲۷۵	<b>فصل</b>	۲۳۷	<b>کتاب الشركة</b>
۲۷۶	شریک کی طرف سے زکوٰۃ دینا		یہ کتاب احکام شرکت کے بیان میں ہے
۲۷۸	مفاوضہ کے ایک شریک کا وطی کے لیے پابندی خریدنا	۲۳۸	شرکت کی دو بنیادی قسمیں اور ان کی تعریفات
۲۸۰	<b>کتاب الوقف</b>	۲۴۰	شرکت عقد کی اقسام اور شرکت مفادضہ کی تعریف
	یہ کتاب احکام وقف کے بیان میں ہے	۲۴۲	شرکت مفادضہ اور شریکین کا مذہب
۲۸۳	وقف کی شرعی حیثیت اور اس میں اختلاف	۲۴۴	عقد مفادضہ کے شرکاء کی شرعی حیثیت
۲۸۵	موقوف چیز کا واقف کی ملکیت سے نکل جانا	۲۴۶	مفاوضہ میں ایک شریک کا کفالہ قبول کرنا
۲۸۶	مشاع کا وقف	۲۴۷	مفاوضین میں سے ایک کے مال میں اضافہ ہونا
۲۸۸	وقف کے تام ہونے کے لیے فقراء پر ہونے کی شرط	۲۴۸	<b>فصل</b>
۲۹۰	منقولہ اموال کا وقف	۲۴۹	شرکت مفادضہ کے اموال
۲۹۲	گھوڑے اور ہتھیار کو وقف کرنا	۲۵۲	مذکورہ بالا مسئلہ سے استثناء
۲۹۳	وقف مکمل ہو جانے کے بعد بیع وغیرہ کا حکم	۲۵۴	سامان و عروض میں شرکت مفادضہ
۲۹۵	وقف کی آمدنی خرچ کرنے میں ترجیحات کی ترکیب	۲۵۵	شرکت عنان کی تعریف
۲۹۶	اپنی اولاد پر وقف کیے گئے گھر کی تعمیر کس کے ذمے ہوگی	۲۵۶	عنان میں ایک شریک کے لیے زیادہ نفع کی شرط لگانا
۲۹۸	وقف کے ٹوٹے ہوئے سامان کا حکم	۲۵۸	سرمایہ کاری کے لیے شرکت عنان میں پائی جانے والی گنجائشیں
۳۰۱	وقف میں اپنے لیے شرط لگانا	۲۶۰	شریکین کے اموال کا ہلاک ہونا
۳۰۳	<b>فصل</b>	۲۶۱	ما قبل والے مسئلے میں خریدے ہوئے سامان کا حکم
۳۰۴	مسجد کا وقف کب ملکیت سے نکلے گا	۲۶۳	شرکت کے لیے خلط مال کی شرط
۳۰۶	مسجد کی عمارت میں تہہ خانہ یا بالا خانہ بنانے کا حکم	۲۶۵	کسی شریک کے لیے متعین دراہم کی شرط لگانا
۳۰۸	مسجد بنانے کا حکم	۲۶۷	شرکت صنائع کا بیان
۳۱۰	سبیل، مسافر خانہ چھاؤنی وغیرہ بنوانے کا حکم	۲۶۸	شرکت صنائع کا نتیجہ

# کِتَابُ السَّيْرِ

یہ کتاب احکام سیر کے بیان میں ہے

کتاب السیر کو کتاب الحدود کے بعد فوراً بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حدود اور سیر دونوں کا مقصد دنیا کو فتنہ و فساد سے پاک کرنا ہے، لیکن حدود میں چوں کہ ادنیٰ درجے کی تطہیر ہے اور سیر یعنی جہاد میں اعلیٰ درجے کی تطہیر ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوتی ہے، اس لیے صاحب ہدایہ ادنیٰ تطہیر کے بعد اعلیٰ کو بیان کر رہے ہیں، محشی ہدایہ علامہ لکھنویؒ نے حدود کو مغازی یعنی سیر پر مقدم کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حدود کا مقصد دنیا کو فسق و فجور سے پاک کرنا ہے جب کہ سیر یعنی جہاد کا مقصد کفر و شرک سے پاک کرنا ہے نیز بعض حدود حق العبد بھی ہیں جب کہ جہاد صرف حق اللہ ہے اور حقوق العبد حقوق اللہ سے مقدم ہوتے ہیں، لہذا ان حوالوں سے بھی حدود کو سیر سے مقدم کیا گیا ہے، سیر کے لغوی اور شرعی معنی کتاب میں موجود ہیں۔ (دیکھئے ہدایہ: ۶/۲۸۹)

الْكِسِيرُ جَمْعُ سِيرَةٍ وَهِيَ الطَّرِيقَةُ فِي الْأُمُورِ، وَفِي الشَّرْعِ تَخْتَصُّ بِسِيرِ النَّبِيِّ ﷺ فِي مَغَازِيهِ.

**ترجمہ:** سیر سیرۃ کی جمع ہے (جس کے لغوی معنی ہیں) کاموں کا طریقہ اور شریعت میں یہ اُس طریقے کے ساتھ خاص ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے اپنے غزوات میں اپنایا تھا۔

**اللغات:**

﴿سیر﴾ واحد سیرۃ؛ طریقہ، طرز، اسلوب۔ ﴿مغازی﴾ جنگیں، غزوات۔

**”سیر“ کے لغوی اور اصطلاحی معنی:**

سیرۃ کے لغوی معنی ہیں طریقہ، عادت، ہیئت۔ اور شریعت میں سیرۃ اس طریقے کا نام ہے جو آپ ﷺ اپنے غزوات میں اختیار فرمایا کرتے تھے۔ اور چوں کہ اس کتاب میں حضرت نبی اکرم ﷺ حضرات صحابہ کرام اور غازی مسلمانوں کے احوال و واقعات بیان کئے گئے ہیں اس لیے اسی مناسبت سے اس کتاب کا نام کتاب السیر رکھا گیا ہے۔ (ہدایہ: ۶/۲۸۹)



قَالَ الْجِهَادُ فَرَضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ إِذَا قَامَ بِهِ فَرِيقٌ مِنَ النَّاسِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِينَ، أَمَّا الْفَرِيضَةُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَاقتُلُوا الْمُشْرِكِينَ كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً﴾ (سورة التوبة : ۳۶) وَلِقَوْلِهِ ❶ ﴿الْعَلَيْكُمْ﴾ ((الْجِهَادُ مَا ضِيَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)) وَأَرَادَ بِهِ فَرَضًا بَاقِيًا وَهُوَ فَرَضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ، لِأَنَّهُ مَا فَرَضَ لِعَيْنِهِ إِذْ هُوَ إِفْسَادٌ فِي نَفْسِهِ، وَإِنَّمَا فَرَضَ لِإِعْزَازِ دِينِ اللَّهِ وَدَفْعِ الشَّرِّ عَنِ الْعِبَادِ فَإِذَا حَصَلَ الْمَقْصُودُ بِالْبَعْضِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِينَ كَصَلَاةِ الْجَنَازَةِ وَرَدِّ السَّلَامِ، فَإِنْ لَمْ يَقُمْ بِهِ أَحَدٌ أَثِمَ جَمِيعُ النَّاسِ بِتَرْكِهِ، لِأَنَّ الْوُجُوبَ عَلَى الْكُلِّ وَلِأَنَّ فِي إِسْتِغَالِ الْكُلِّ بِهِ قَطْعَ مَادَّةِ الْجِهَادِ مِنَ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ فَيَجِبُ عَلَى الْكِفَايَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ النَّفِيرُ عَامًّا فَيَحْتَاجُ بَصِيرَةً مِنْ فُرُوضِ الْأَعْيَانِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا﴾ (سورة التوبة : ۴۱).

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ جہاد فرض کفایہ ہے اگر ایک جماعت اسے انجام دے گی تو باقی لوگوں سے فرضیت ساقط ہو جائے گی۔ رعیت فرضیت تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ہے ”تم سب لوگ مل کر مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ مل کر تم سے قتال کرتے ہیں“ اور آپ ﷺ کے اس فرمان گرامی سے ثابت ہے ”جہاد قیامت تک لیے جاری ہے اور اس فرمان سے آپ کی مراد یہ ہے کہ جہاد باقی رہنے والا فرض ہے، اور جہاد فرض کفایہ اس لیے ہے کہ جہاد بالذات فرض نہیں ہوا، کیونکہ یہ فی نفسہ فساد پھیلانا ہے۔ اور جہاد تو دین خداوندی کے اعزاز کی خاطر اور بندوں سے شر کو دفع کرنے کے لیے فرض ہوا ہے، لہذا جب کچھ لوگوں سے مقصود حاصل ہو جائے گا تو باقی لوگوں سے فرضیت ساقط ہو جائے گی جیسے نماز جنازہ اور سلام کا جواب۔ چنانچہ اگر کسی نے بھی جہاد نہیں کیا تو ترک جہاد کی وجہ سے سارے لوگ گناہ گار ہوں گے، کیونکہ وجوب سب پر ہے، اور اس وجہ کہ تمام لوگوں کے جہاد میں مشغول ہونے سے جہاد کے سامان یعنی گھوڑے اور ہتھیار کو ختم کرنا لازم آئے گا اس لیے جہاد فرض کفایہ کے طور پر واجب ہے، لیکن اگر نفیر عام ہو تو اس صورت میں جہاد فرض عین ہوگا اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وانفروا خفافا وثقالا الخ۔

## اللغات:

﴿فریق﴾ جماعت، گروہ۔ ﴿کافۃ﴾ سب کے سب۔ ﴿افساد﴾ خراب کرنا۔ ﴿اثم﴾ گناہ گار ہوں گے۔ ﴿کراع﴾ مراد جہاد کے گھوڑے وغیرہ۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار، اسلحہ۔ ﴿نفیر﴾ نکلنا۔ ﴿بصیر﴾ ہو جائے گا۔

## تخریج:

❶ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الجہاد باب فی الغزو مع ائمة الجور، حدیث: ۲۵۳۲.

## جہاد کی شرعی حیثیت اور اس کے دلائل:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جہاد اس زمانے میں عام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے اور اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت جہاد کر کے اس کا حق ادا کر دے تو تمام لوگوں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جائے گی، لیکن جس شہر یا جس ملک میں کفار مسلمانوں پر حملہ کر دیں اس جگہ

کے تمام لوگوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے، نفسِ فرضیت کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے: **فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ كَمَا يَقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً** نیز اس حدیث سے بھی جہاد کی فرضیت ثابت ہے **الْجِهَادُ مَا ضَإِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ** اور بہ قول صاحب ہدایہ اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ ہے کہ جہاد قیام قیامت تک باقی رہنے والا فریضہ ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جہاد کی اصل اور حقیقت افساد ہے، کیونکہ اس سے لوگوں کو تکلیف دینا اور ملکوں اور شہروں کو خراب کرنا لازم آتا ہے، اس لیے یہ فرض لعینہ نہیں ہوگا، بلکہ فرض لغیرہ ہوگا، کیونکہ جہاد کے ذریعے دین خداوندی کا استحکام اور اعزاز ہوتا ہے اور بندوں سے شر دور کیا جاتا ہے اور جب بعض لوگوں کے جہاد کرنے سے یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ ہر ایک پر فرداً فرداً اسے فرض کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے جنازہ کی نماز پڑھنا یا ایک ساتھ بیٹھے ہوئے چند لوگوں میں سے بعض کا سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے اور ہر شخص پر جنازے کی نماز یا سلام کا جواب فرض نہیں ہے، اسی طرح جہاد کرنا اور جہاد میں مشغول ہونا بھی ہر ایک پر فرض نہیں ہے، لیکن اگر کوئی بھی قوم اور کوئی بھی جماعت اس فریضے کو ادا نہیں کرے گی تو سب کے سب گنہگار اور سزاوار ہوں گے، کیونکہ نفس وجوب تو ہر ایک پر ہے البتہ وجوب ادا سب پر نہیں ہے اور کسی کے بھی جہاد نہ کرنے سے نفس وجوب کا ترک لازم آتا ہے، اس لیے ترک وجوب کی وجہ سے سب لوگ گنہگار ہوں گے۔

ولأن في اشتغال الكل الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمام لوگ جہاد میں مشغول ہو جائیں گے تو جہاد کے سامان یعنی گھوڑے اور ہتھیار سب ناپید ہو جائیں گے اور مجاہدین مشقت میں مبتلا ہو جائیں گے، اسی لیے شریعت نے جہاد کو فرض کفایہ قرار دیا ہے، ہاں اگر امام المسلمین کی طرف سے نفیر عام ہو اور ہر ایک کے لیے کوچ کرنا لازمی ہو تو اس صورت میں جہاد فرض عین ہو جائے گا اور بچوں اور بوڑھوں سب پر فرض ہوگا تاکہ مسلمانوں کی کثرت اور قوت دیکھ کر کافر مرعوب ہوں اور ان پر ہیبت طاری ہو جائے۔ اس حکم کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ہے انفروا خفافا و ثقالا یعنی خواہ تم ہلکے پھلکے نکلو یا بھاری بھر کم ہو کر نکلو بہر صورت نفیر عام کی صورت میں نکلنا ہی نکلنا ہی ہے اور بدون نکلے چمکنا نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے خفافا و ثقالا کی تفسیر پیادہ پا اور سوار ہو کر نکلنے سے کی ہے۔

وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَاجِبٌ إِلَّا أَنَّ الْمُسْلِمِينَ فِي سَعَةٍ حَتَّى يَحْتَاجَ إِلَيْهِمْ قَائِلٌ هَذَا الْكَلَامِ إِشَارَةً إِلَى  
الْوُجُوبِ عَلَى الْكِفَايَةِ وَآخِرُهُ إِلَى النَّفِيرِ الْعَامِّ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ عِنْدَ ذَلِكَ لَا يَتَحَصَّلُ إِلَّا بِإِقَامَةِ الْكُلِّ  
فَيُقْتَرَضُ عَلَى الْكُلِّ، وَقِتَالُ الْكُفَّارِ وَاجِبٌ وَإِنْ لَمْ يَبْدُوا لِلْعُمُومَاتِ، وَلَا يَجِبُ الْجِهَادُ عَلَى الصَّيِّ، لِأَنَّ  
الصَّيِّ مِثْلُ الْمَرْحَمَةِ وَلَا عَبْدٌ وَلَا امْرَأَةٌ لَتَقْدُمَ حَقِّ الْمَوْلَى وَالزَّوْجِ، وَلَا أَعْمَى وَلَا مُقْعَدٌ وَلَا أَقْطَعُ  
لِعِجْزِهِمْ، فَإِنْ هَجَمَ الْعَدُوُّ عَلَى بَلَدٍ وَجَبَ عَلَى جَمِيعِ النَّاسِ الدَّفْعُ تَخْرُجُ الْمَرْأَةُ بِغَيْرِ إِذْنِ زَوْجِهَا وَالْعَبْدُ  
بِغَيْرِ إِذْنِ الْمَوْلَى، لِأَنَّهُ صَارَ فَرَضَ عَيْنٍ وَمِلْكُ الْيَمِينِ وَرِقُّ النِّكَاحِ لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ فُرُوضِ الْأَعْيَانِ كَمَا فِي

الصَّلَاةَ وَالصَّوْمَ، بِخِلَافِ مَا قَبَلَ النَّفِيرَ، لِأَنَّ بَغْيَهُمَا مَقْنَعًا فَلَا ضَرُورَةَ إِلَى إِبْطَالِ حَقِّ الْمَوْلَى وَالزَّوْجِ، وَيُكْرَهُ الْجَعْلُ مَا دَامَ لِلْمُسْلِمِينَ فِيْءٌ، لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الْأَجْرَ، وَلَا ضَرُورَةَ إِلَيْهِ، لِأَنَّ مَالَ بَيْتِ الْمَالِ مُعَدُّ لِنَوَائِبِ الْمُسْلِمِينَ، فَإِذَا لَمْ يَكُنْ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَقْوَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا، لِأَنَّ فِيْهِ دَفْعُ الضَّرَرِ الْأَعْلَى بِالْحَاقِ الْأَدْنَى يُوَيِّدُهُ ❶ وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَخَذَ دُرُوعًا مِنْ صَفْوَانَ، وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يُغْزِي الْأَعَزَبَ عَنْ ذِي الْحَلِيلَةِ وَيُعْطِي الشَّائِخَ فَرَسَ الْقَاعِدِ.

**ترجمہ:** امام محمد رحمہ اللہ نے جامع صغیر میں فرمایا کہ جہاد واجب ہے تاہم مسلمانوں کے لیے گنجائش ہے یہاں تک کہ ان کی ضرورت پیش آئے۔ اس کلام کے پہلے حصے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اور آخری حصے میں نفیر عام کی طرف اشارہ ہے اور یہ اس وجہ سے کہ نفیر عام کے وقت تمام لوگوں کے جہاد کیے بغیر مقصود حاصل نہیں ہوگا لہذا سب پر جہاد فرض ہوگا۔ اور کفار سے جہاد کرنا واجب ہے اگرچہ وہ پیش قدمی نہ کریں، کیونکہ آیات و احادیث میں عموم ہے، بچے پر جہاد واجب نہیں ہے، کیونکہ بچہ محل شفقت ہے۔ غلام اور عورت پر بھی جہاد نہیں ہے، اس لیے کہ مولیٰ اور شوہر کا حق مقدم ہے۔ لندھے، لنگڑے اور پاؤں کٹے ہوئے شخص پر بھی جہاد واجب نہیں ہے اس لیے کہ یہ لوگ عاجز اور بے بس ہوتے ہیں۔

پھر اگر دشمن کسی ملک پر حملہ کر دیں تو تمام لوگوں پر نکلنا واجب ہوگا چنانچہ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نکلے گی اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکلے گا، کیونکہ اب جہاد فرض عین ہو گیا ہے اور فرض عین میں ملک یمین اور ملک نکاح کا اثر ظاہر نہیں ہوتا جیسے روزے اور نماز میں ہے۔ برخلاف نفیر سے پہلے کے، کیونکہ (اس صورت میں) ان کے بغیر بھی کفایت ہو جاتی ہے، لہذا مولیٰ اور شوہر کے حق کو باطل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور جب تک مسلمانوں کے پاس مال ہو اس وقت تک خاص جہاد کے لیے چندہ وغیرہ وصول کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ جہاد میں چندہ کرنا اجرت کے مشابہ ہے اور چندہ کی ضرورت بھی نہیں ہے، اس لیے کہ بیت المال کا مال مسلمانوں کی آفات دور کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہے لیکن اگر بیت المال میں مال نہ ہو تو (چندہ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے) ایک کے دوسرے کو تقویت پہنچانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنے میں ضرر ادنیٰ کو برداشت کر کے اعلیٰ ضرر کو دور کرنا ہے، اس کی تائید اس واقعے سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے صفوان سے کچھ زرہیں لی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ غیر شادی شدہ لوگوں کو شادی شدہ لوگوں کی طرف سے بھیجتے تھے اور جہاد میں جانے والے کو نہ جانے والے کا گھوڑا دیدیتے تھے۔

### اللغات:

﴿سعة﴾ گنجائش۔ ﴿لم یبدوا﴾ وہ پیش قدمی نہ کریں۔ ﴿صبی﴾ بچے۔ ﴿مظنة﴾ مقام، محل۔ ﴿مقعد﴾ اپاج، معذور۔ ﴿ہجم﴾ حملہ آور ہو جائے۔ ﴿عدو﴾ دشمن۔ ﴿دفع﴾ دفاع کرنا، مدافعت کرنا۔ ﴿رق﴾ غلامی۔ ﴿مقنع﴾ کفایت، کام چل جانا۔ ﴿معد﴾ تیار کیا گیا ہے۔ ﴿نوائب﴾ پیش آمدہ ضروریات۔ ﴿دروع﴾ واحد درع؛ زرہیں۔ ﴿یغزی﴾ جنگ پر بھیجتے تھے۔ ﴿اعزب﴾ کنوارا، غیر شادی شدہ۔ ﴿حلیلة﴾ بیوی۔ ﴿شاخص﴾ لڑنے والا، جہاد پر جانے والا۔ ﴿فرس﴾ گھوڑا۔



① أخرجه ابوداؤد فی کتاب البیوع، باب فی تضمین العاریۃ (۳۵۶۲).

### مختلف حالات میں جہاد کے مختلف احکام:

قدوری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے جہاد کی فرضیت اور اس کی نوعیت واضح کرنے کے بعد صاحب کتاب جامع صغیر کے حوالے سے جہاد کی فرضیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جہاد واجب تو ہے لیکن ہر ایک پر واجب نہیں ہے، بلکہ اس میں گنجائش ہے یعنی تمام لوگوں کو جہاد کرنا واجب نہیں ہے، ہاں اگر نفیر عام ہو اور امام المسلمین کی طرف سے سب کے لیے نکلنا لازمی قرار دے دیا جائے تو اس صورت میں یہ گنجائش اور رعایت ختم ہو جائے گی۔

إلا أن المسلمین فی سعة سے جہاد کا فرض کفایہ ہونا ثابت ہے اور حتی یحتاج إلیہم سے اس کا فرض عین ہونا ثابت ہے۔ و قتال الکفار واجب الخ فرماتے ہیں کہ کفار اور مشرکین سے جہاد کرنا فرض اور واجب ہے اگرچہ ان کی طرف سے قتال اور جدال پر پیش قدمی نہ ہو، اس لیے کہ قرآن کریم کی آیتوں اقتلوا المشرکین وقاتلوہم الخ میں عموم ہے نیز احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں بھی عموم ہے مثلاً الجہاد ماض إلی یوم القیامۃ، أمرت أن أقاتل حتی یقولوا لا إله إلا اللہ، اور یہ عموم اس بات کی دلیل ہے کہ کفار سے قتال کیا جائے خواہ ان کی طرف سے پہل ہو یا نہ ہو۔

ولا یجب الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ بچے، غلام اور عورت پر جہاد فرض نہیں ہے، کیونکہ اولاً تو بچہ امور شرع کا مکلف نہیں ہے، ثانیاً وہ محل شفقت ہے اور اسے جہاد میں لے جانا شفقت والفت کے خلاف ہے اور عورت اور غلام چوں کہ اپنے شوہر اور آقا کی خدمت کے لیے وقف رہتے ہیں اور ان کے جہاد میں جانے سے ان لوگوں کے حقوق کی پامالی ہوگی اور چوں کہ یہ حقوق العبد ہیں لہذا حق اللہ پر مقدم ہوں گے۔

فإن هجم العدو الخ فرماتے ہیں کہ اگر دشمن مسلمانوں کے ملک پر حملہ کر دیں تو اس صورت میں ہر ایک پر جہاد فرض عین ہو جائے گا حتی کہ بیوی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نکل جائے گی اور غلام اپنے مولیٰ کی مرضی کے بغیر نکلے گا، کیونکہ فرض عین کی ادائیگی میں شوہر اور سردار کا حق مانع نہیں ہوتا جیسے نماز اور روزہ فرض عین ہیں اور ان کی ادائیگی میں کسی کا حق مانع نہیں ہے اسی طرح نفیر عام ہونے کی صورت میں جہاد میں جانے سے بھی کسی کا حق مانع نہیں ہوگا۔

البتہ اگر نفیر عام نہ ہو تو اس صورت میں عورت اور غلام پر جہاد فرض عین نہیں ہوگا، کیونکہ اب ان کے بغیر بھی موجودہ مسلمان مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہوں گے اور ان کے نہ رہنے سے مسلمانوں کی قوت میں کمی نہیں آئے گی لہذا بلا وجہ شوہر اور مولیٰ کے حق کو باطل نہیں کیا جائے گا۔

ویکرہ الجعل الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بیت المال میں مال موجود ہو تو اسی مال سے جہاد کیا جائے اور جہاد کے لیے مخصوص چندہ نہ کیا جائے، کیونکہ جہاد کے لیے چندہ جمع کرنا اجرت لینے کے مشابہ ہے حالانکہ جہاد خالص اللہ کا حق ہے اور اس میں اجرت کی گنجائش نہیں ہے اور بیت المال میں مال ہوتے ہوئے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیونکہ بیت المال اسی لیے تو بنایا جاتا ہے

تاکہ مسلمانوں پر پیش آنے والی آفات و بلیات میں وہ ان کے کام آئے اس لیے جب تک بیت المال میں مال ہوگا اس وقت تک جہاد کے لیے چندہ جمع کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ فقہائے کرام کی نگاہوں میں مکروہ ہے، ہاں اگر بیت المال میں مال نہ ہو تو اس صورت میں چندہ وغیرہ جمع کر کے ایک دوسرے کی مدد کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ چندہ کرنا ادنیٰ ضرر ہے اور کفار کا مقابلہ کر کے انہیں مار بھگانے کو ترک کرنا اعلیٰ درجے کا ضرر ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ إِذَا اجْتَمَعَ مَفْسَدَتَانِ رُوِيَ عَنْ أَكْثَرِهِمَا ضَرَرًا يَارْتِكَابُ أَخَفَّهُمَا یعنی جب کسی مسئلے میں دو ضرر جمع ہو جائیں تو ان میں سے اخف اور ادنیٰ کو اختیار کیا جاتا ہے لہذا یہاں بھی ادنیٰ یعنی چندہ جمع کرنے کو برداشت کر لیا جائے گا تاکہ کفار کے شر سے بچا اور بچایا جاسکے۔

اس کی تائید حضرت نبی اکرم ﷺ کے اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے صفوان بن امیہ سے غزوہ حنین میں چند زرہیں عاریت پر لی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار یہ تھا کہ آپ غیر شادی شدہ نوجوانوں کو شادی شدہ مردوں کی طرف سے جہاد میں بھیجتے تھے اور جو شخص جہاد میں جاتا اور اس کے پاس سواری نہ ہوتی اسے نہ جانے والے کا گھوڑا دلوا دیتے تھے، اسی کا نام جعل ہے اس سے معلوم ہوا کہ بقدر حاجت و ضرورت جعل کی گنجائش ہے ہاں بلا ضرورت مکروہ ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ



## بَابُ كَيْفِيَّةِ الْقِتَالِ

یہ باب قتال کی کیفیت کے بیان میں ہے

چوں کہ جہاد کا سب سے پہلا مرحلہ قتل و قتال ہے اسی لیے صاحب کتاب کتاب السیر کے معا بعد باب کیفیۃ القتال کو بیان کر رہے ہیں۔

وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُونَ دَارَ الْحَرْبِ فَحَاصَرُوا مَدِينَةً أَوْ حَصَنًا دَعَوْهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ لِمَا رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ <sup>①</sup> ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَا قَاتَلَ قَوْمًا حَتَّى دَعَاهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ)) فَإِنْ أَجَابُوا كَفُّوا عَنْ قِتَالِهِمْ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ <sup>②</sup> ((وَقَدْ قَالَ ﷺ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ))، الْحَدِيثُ وَإِنْ امْتَنَعُوا دَعَوْهُمْ إِلَى أَدَاءِ الْجِزْيَةِ، بِهِ <sup>③</sup> ((أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَمْرَاءَ الْجُيُوشِ))، وَلِأَنَّهُ أَحَدُ مَا يَنْتَهِي بِهِ الْقِتَالُ عَلَى مَاطِقَ بِهِ النَّصُّ، وَهَذَا فِي حَقِّ مَنْ يَقْبَلُ مِنْهُ الْجِزْيَةُ، وَمَنْ لَا يَقْبَلُ مِنْهُ كَالْمُرْتَدِّينَ وَعَبْدَةِ الْأَوْثَانِ مِنَ الْعَرَبِ لَا فَايْدَةَ فِي دُعَائِهِمْ إِلَى قَبُولِ الْجِزْيَةِ، لِأَنَّهُ لَا يَقْبَلُ مِنْهُمْ إِلَّا الْإِسْلَامُ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿تَقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ﴾ (سورة الفتح: ١٦)، فَإِنْ بَدَلُوها فَلَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِينَ لِقَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِنَّمَا بَدَلُوا الْجِزْيَةَ لِيَكُونَ دِمَاؤُهُمْ كِدِمَانِنَا وَأَمْوَالُهُمْ كَأَمْوَالِنَا، وَالْمُرَادُ بِالْبَدْلِ الْقَبُولُ، وَكَذَا الْمُرَادُ بِالْإِعْطَاءِ الْمَذْكُورِ فِيهِ فِي الْقُرْآنِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

**ترجمہ:** اگر مسلمان دار الحرب میں داخل ہو کر کسی شہر یا کسی قلعے کا محاصرہ کر لیں تو کافروں کو اسلام کی دعوت دیں، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے کسی بھی قوم کو اسلام کی دعوت دیے بغیر ان سے قتال نہیں کیا، چنانچہ اگر کفار اسلام لے آئیں تو مجاہدین انہیں مارنے سے باز آجائیں، کیونکہ مقصود حاصل ہو چکا ہے اور آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں۔ اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کر دیں تو انہیں جزیہ دینے کے لیے کہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ نے لشکروں کے سرداروں کو اسی کا حکم دیا تھا اور اس لیے کہ یہ ان اشیاء میں سے



ایک ہے جن سے قتال ختم ہو جاتا ہے اور یہ حکم ان کافروں کے متعلق ہے جن سے جزیہ قبول کیا جاتا ہے اور جن سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا جیسے مرتد اور بت پرست لوگ تو انہیں جزیہ دینے کے لیے کہنا بے سود ہے، کیونکہ ان سے اسلام کے علاوہ کچھ بھی مقبول نہیں ہے، ارشاد خداوندی ہے تم ان سے اتنا قتال کرو حتیٰ کہ وہ اسلام لے آئیں۔

پھر اگر وہ کفار جزیہ دینا قبول کر لیں تو انہیں وہی ملے گا جو مسلمانوں کو ملتا ہے اور ان پر وہ سب کچھ لازم ہوگا جو مسلمانوں پر لازم ہوتا ہے، اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ کافروں نے اسی لیے جزیہ دینا قبول کیا ہے تاکہ ان کے خون ہمارے خون کی طرح اور ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح محفوظ ہو جائیں۔ اور بذل سے قبول کرنا مراد ہے اور اس سلسلے میں قرآن میں جو اعطاء مذکور ہے اس سے بھی قبول کرنا مراد ہے۔

### اللغات:

﴿حاصروا﴾ محاصرہ کر لیں۔ ﴿حصن﴾ قلعہ۔ ﴿اجابوا﴾ انہوں نے قبول کر لیا۔ ﴿کفوا﴾ رک جائیں، باز آجائیں۔ ﴿امتنعوا﴾ انہوں نے انکار کیا۔ ﴿جیوش﴾ واحد جیش؛ لشکر، فوج۔ ﴿عبدة الاوثان﴾ بت پرست لوگ۔ ﴿بذلوا﴾ اس (جزیہ) کو خرچ کر دیں۔ ﴿دماء﴾ خون، مراد جانیں، زندگیاں۔

### تخریج:

- ① حاکم، اخرجہ حاکم فی المستدرک، کتاب الایمان (۱۵/۱)۔
- ② اخرجہ مسلم فی کتاب الایمان باب الامر بقتال الناس، حدیث ۳۳۔
- ③ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین، حدیث ۲۶۱۲۔

### جنگ کے ابتدائی احکام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مسلمان کفار سے مقابلہ کرنے کے لیے نکلیں اور دارالحرب میں گھس کر کسی شہر یا کسی قلعے کا محاصرہ کر لیں تو انہیں چاہئے کہ فوراً کافروں پر حملہ نہ کریں، بلکہ پہلے انہیں اسلام کی دعوت دیں اور اگر وہ اسلام لے آئیں تو قتل و قتال نہ کریں، کیونکہ یہی حضرت نبی اکرم ﷺ کا طریقہ تھا جیسا کہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں اس کی وضاحت ہے اور حدیث امرت أن أقاتل الناس الخ میں لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے تک قتال کرنے کا جواز ثابت ہے جو یہ بتا رہا ہے کہ توحید و رسالت کے اقرار کرنے کے بعد کفار سے قتال نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ ان کے اسلام لانے سے قتال اور جہاد کا مقصد یعنی اعلاء کلمۃ اللہ اور اظہار حق حاصل ہو چکا ہے اور مقصد کا حاصل ہونا ہی اصل ہے، لہذا جب بغیر قتال کے یہ مقصد حاصل ہو چکا ہے تو بلاوجہ خون خرابہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

ہاں اگر کفار اسلام لانے سے انکار کر دیں تو اب انہیں جزیہ کی پیش کش کی جائے اگر وہ جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں تو بھی ان سے قتال نہ کیا جائے، کیونکہ جزیہ سے بھی قتال ساقط ہو جاتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ - حتی یعطوا الجزیة۔ نیز مجاہد اعظم سرکارِ دو عالم ﷺ نے بھی لشکروں کے امراء کو جزیہ کی پیش کش کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن یہ بات

ذہن میں رہے کہ جزیہ کی دعوت کا حکم انھی کفار کے ساتھ خاص ہے جو مرتد اور بت پرست نہ ہوں اور ان سے جزیہ لیا جاسکتا ہو یہی وجہ ہے کہ مرتدین اور بت پرستوں کو جزیہ کی پیش کش نہیں کی جائے گی، بلکہ اگر وہ لوگ اسلام کی دعوت نہیں قبول کریں گے تو ان کی گردن اڑادی جائے گی اس لیے کہ ان سے جزیہ لینا درست نہیں ہے ان کے متعلق تو قرآن کا اعلان یہ ہے تقاتلونہم او یسلمون کہ یا تو ان سے مجاہدین قتال کریں یا پھر یہ لوگ اسلام کے دامن میں پناہ لے لیں۔

فان بذلوا الخ فرماتے ہیں کہ اگر بت پرست اور مرتدین کے علاوہ دیگر کفار جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں اور اس پیش کش کو قبول کر لیں تو مسلمانوں کے اموال اور دماء کی طرح ان کے بھی اموال اور دماء محفوظ اور محترم ہو جائیں گے اور جو قوانین و ضوابط مسلمانوں پر عائد ہوں گے وہی ان پر بھی لازم اور لاگو ہوں گے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمان میں اس کی صراحت موجود ہے۔  
والمراد الخ فرماتے ہیں کہ بذل سے بھی قبول کرنا مراد ہے اور قرآن کریم کی آیت کریمہ میں حتی یعطوا الجزیة میں بھی إعطاء سے قبول کرنا ہی مراد ہے۔

وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقَاتَلَ مَنْ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ إِلَى الْإِسْلَامِ إِلَّا أَنْ يَدْعُوَهُ ① لِقَوْلِهِ ﷺ ((فِي وَصِيَّةِ أَمْرَاءِ الْأَجْنَادِ فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ))، وَلِأَنَّهُمْ بِالْدَّعْوَةِ يَعْلَمُونَ أَنَّا نَقَاتِلُهُمْ عَلَى الدِّينِ لَا عَلَى سَلْبِ الْأَمْوَالِ وَسَبْيِ الزَّرَارِيِّ فَلَعَلَّهُمْ يُجِيبُونَ فَتَكْفِي مُؤَنَةُ الْقِتَالِ، وَلَوْ قَاتَلَهُمْ قَبْلَ الدَّعْوَةِ أَلَمَ لِلنَّهْيِ، وَلَا غُرَامَةَ لِعَدَمِ الْعَاصِمِ وَهُوَ الدِّينُ أَوْ الْإِحْرَازُ بِالذَّارِ فَصَالَ كَقَتْلِ النِّسْوَانِ وَالصِّبْيَانِ، وَيُسْتَحِبُّ أَنْ يَدْعُو مَنْ بَلَّغَتْهُ الدَّعْوَةُ مُبَالَغَةً فِي الْإِنذَارِ وَلَا يَجِبُ ذَلِكَ، لِأَنَّهُ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَغَارَ عَلَى بَنِي الْمُصَلَطِ وَهُمْ غَارُونَ وَعَهْدَ إِلَى أَسَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنْ يُغِيرَ عَلَى ابْنِي صَبَاحًا ثُمَّ يُحَرِّقُ وَالْفَارَةَ لَا يَكُونُ بِدْعُوَةٍ.

**ترجمہ:** اور ان لوگوں سے قتال کرنا جائز نہیں ہے جنہیں اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو الا یہ کہ مجاہدین انہیں دین کی دعوت دیں، کیونکہ لشکروں کے امراء کی وصیت میں آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ سب سے پہلے انہیں شہادت توحید کی دعوت دو، اور اس لیے کہ دعوت دینے کی صورت میں وہ یہ جان لیں گے کہ ہم دین کے لیے ان سے قتال کر رہے ہیں، مال چھیننے اور ان کے اہل و عیال کو قید کرنے کے لیے نہیں لڑ رہے ہیں، اور ممکن ہے کہ وہ اسے قبول کر لیں اور ہم بھی قتال کی مشقت سے بچ جائیں اور اگر لشکر نے دعوت دینے سے پہلے ہی ان سے قتال کر لیا تو سارے اہل لشکر گناہ گار ہوں گے، کیونکہ قبل الدعوة قتال کرنا ممنوع ہے لیکن مسلمانوں پر ضمان نہیں ہوگا، اس لیے کہ (کفار کے حق میں) عاصم یعنی دین یا احراز بدار الاسلام معدوم ہے تو یہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی طرح ہو گیا۔

جسے دعوت پہنچی ہو اسے دوبارہ دعوت دینا مستحب ہے تاکہ انذار میں مبالغہ ہو جائے لیکن دوبارہ دعوت دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے بنو مصطلق پر شب خوں مارا تھا اور وہ لوگ غافل تھے اور آپ ﷺ نے حضرت اسامہ سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ مقام انہی میں صبح کے وقت چھاپہ ماریں پھر اس جگہ کو خلا دیں اور چھاپہ مارنے سے پہلے دعوت نہیں دی جاتی۔

## اللغات:

﴿یقاتل﴾ جنگ کی جائے۔ ﴿اجناد﴾ واحد جند؛ لشکر، فوجیں۔ ﴿شهادة﴾ گواہی۔ ﴿سلب﴾ چھیننا۔ ﴿سبی﴾ قید کرنا۔ ﴿زرداری﴾ بچے۔ ﴿یجیبون﴾ وہ قبول کر لیں۔ ﴿مؤنة﴾ مشقت، تکلیف۔ ﴿احراز﴾ محفوظ کرنا۔ ﴿اغار﴾ حملہ کیا۔ ﴿صبيان﴾ واحد صبی؛ بچے۔ ﴿يعرق﴾ جلا ڈالیں۔

## تخریج:

- ① اخرجہ مسلم فی کتاب الایمان باب الامر بقتال الناس، حدیث: ۳۳.
- ② اخرجہ ابن ماجہ فی کتاب الجہاد، باب التحریق بارض العدو، حدیث: ۲۸۴۳.

## قتال کے جواز کے لیے تبلیغ کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جن کافروں کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہے انھیں دعوت دینے سے پہلے ان سے قتال کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ لشکر کے سرداروں اور ذمے داروں کو یہ وصیت اور نصیحت فرماتے تھے کہ کافروں کو پہلے دعوت دیں پھر ان سے قتال کریں۔ دعوت دینے کے بعد قتال کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ یہ سمجھ جائیں گے کہ مسلمان مجاہدین صرف دین کی سربلندی اور سُرخ روئی کے لیے ہم سے لڑ رہے ہیں اور انہیں ہمارے مال اور اہل و عیال کی حرص نہیں ہے، اس لیے ہو سکتا ہے وہ مجاہدین کی دعوت کو قبول کر لیں اور مسلمان بھی قتال کی محنت اور مشقت سے نجات پا جائیں، لہذا دعوت دیکر ہی کفار سے قتال اور جہاد کرنا چاہئے اور اگر بدون دعوت کے کسی لشکر نے کافروں سے قتال کر لیا تو سب لوگ گناہ گار ہوں گے اس لیے کہ یہ لوگ مرتکب ممنوع ہوئے اور ممنوع اور منہی عنہ کا ارتکاب کرنے والے مجرم ہیں، تاہم اس جرم کی وجہ سے مجاہدین پر کوئی ضمان اور تاوان نہیں ہوگا کیونکہ کفار مباح الدم ہیں اور ان کا خون معصوم نہیں ہے، اس لیے کہ نہ تو ان کے پاس ایمان و یقین کی دولت ہے اور نہ ہی انھیں دارالاسلام کا احراز اور وہاں کی حفاظت حاصل ہے۔

وистحب ان يدعوا من بلغته الخ فرماتے ہیں کہ جن کافروں کو دعوت پہنچ چکی ہے ان سے قتال کرنے سے پہلے انھیں بھی دوبارہ دعوت دینا مستحب ہے تاکہ کما حقہ تبلیغ کا فریضہ انجام دیدیا جائے اور علی وجہ الکمال انذار مستحق ہو جائے، لیکن ایسا کرنا مستحب ہے واجب اور لازم نہیں ہے، کیونکہ صحت کے ساتھ یہ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے قبیلہ بنو مصطلق کی ایک شاخ پر چھاپہ مارا تھا اور وہ لوگ غافل تھے یعنی انھیں دعوت نہیں دی گئی تھی اسی طرح حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے یہ عہد لیا تھا کہ وہ فلسطین میں انہی نامی جگہ پر چھاپہ ماریں اور پھر انھیں جلا دیں اور یہاں بھی دعوت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قبل القتال دعوت کا جو حکم تھا وہ اسلام کے شروع زمانے میں تھا اور بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا۔ اور پھر چھاپہ مارنے کا عمل چوری چپکے انجام دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دعوت دینے سے یہ کام ممکن نہیں ہوگا۔

قَالَ فَإِنَّ أَبَوَ ذَلِكَ اسْتَعَانُوا بِاللَّهِ عَلَيْهِمْ وَحَارَبُوهُمْ لِقَوْلِهِ ① الْعِلَّةُ فِي حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بَرِيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَإِنْ



أَبَوَا ذَلِكَ فَادْعُهُمْ إِلَىٰ إعْطَاءِ الْجِزْيَةِ إِلَىٰ أَنْ قَالَ فَإِنْ أَبَوْهَا فَاسْتَعِنَ بِاللَّهِ عَلَيْهِمْ وَقَاتِلْهُمْ، وَلِأَنَّهُ تَعَالَىٰ هُوَ النَّصِيرُ لِأَوْلِيَانِهِ وَالْمُدْمِرُ عَلَىٰ أَعْدَائِهِ فَيَسْتَعَانُ بِهِ فِي كُلِّ الْأُمُورِ، وَنَصَبُوا عَلَيْهِمُ الْمَجَانِيقَ كَمَا • نَصَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى الطَّائِفِ، وَحَرَقُوهُمْ لِأَنَّهُ • أَحْرَقَ الْبُيُوتَةَ، قَالَ وَأَرْسَلُوا عَلَيْهِمُ الْمَاءَ وَقَطَعُوا أَشْجَارَهُمْ وَأَفْسَدُوا زُرُوعَهُمْ، لِأَنَّ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ إِلْحَاقَ الْكِبْتِ وَالْفَيْظِ بِهِمْ وَكَسْرَ شَوْكِهِمْ وَتَفْرِيقَ جَمْعِهِمْ فَيَكُونُ مَشْرُوعًا، وَلَا بَأْسَ بِرَمِيهِمْ وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ مُسْلِمٌ أَسِيرٌ أَوْ تَاجِرٌ، لِأَنَّ فِي الرَّمْيِ دَفْعَ الضَّرَرِ الْعَامِ بِالذَّبِّ عَنِ بَيْضَةِ الْإِسْلَامِ، وَقَتْلُ الْأَسِيرِ وَالتَّاجِرِ ضَرَرٌ خَاصٌّ، وَلِأَنَّهُ قَلَّمَا يَخْلُو حِصْنٌ عَنْ مُسْلِمٍ فَلَوْ اِمْتَنَعَ بِاعْتِبَارِهِ لَأَنَسَدَ بَابُهُ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر کفار جزیہ دینے سے انکار کر دیں تو مجاہدین ان کے خلاف اللہ سے مدد طلب کریں اور ان سے مقاتلہ کریں اس لیے کہ حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”اگر کفار اسلام لانے سے انکار کر دیں تو انھیں جزیہ دینے کے لیے کہو، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا اگر وہ جزیہ دینے کے لیے بھی تیار نہ ہوں تو ان کے خلاف اللہ سے مدد طلب کر اور ان سے جنگ کر، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا مددگار ہے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے والا ہے لہذا جملہ امور میں اسی سے مدد طلب کرنا چاہئے۔

اور مجاہدین کو چاہئے کہ وہ کفار پر فلاخن نصب کر دیں جیسا کہ آپ ﷺ نے طائف پر منجیق قائم فرمادی تھی اور انھیں جلادیں، کیونکہ آپ ﷺ نے مقام بویہ کو جلادیا تھا۔ امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ مجاہدین کافروں پر پانی چھوڑ دیں، ان کے درختوں کو کاٹ دیں اور ان کی کھیتیاں ویران کر دیں اس لیے کہ ان افعال سے کفار کو ذلت محسوس ہوگی، انھیں غصہ آئے گا، ان کی شان و شوکت گھٹ جائے گی اور ان کا شیرازہ بکھر جائے گا لہذا یہ افعال شروع ہوں گے۔

اور کفار پر پتھر برسانے میں کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ ان میں کوئی مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر ہو، اس لیے کہ پتھر برسانے میں جمعیت اسلام سے ضرر عام کو دفع کرنا ہے جب کہ مسلم قیدی، یا مسلم تاجر کا قتل ضرر خاص ہے اور اس لیے کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی قلعہ مسلمانوں سے خالی ہو، لہذا اگر مسلمان کی وجہ سے رمی کو روک دیا جائے تو جہاد کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

### اللغات:

﴿أبُوا﴾ وہ انکار کر دیں۔ ﴿استعانوا﴾ مدد طلب کریں۔ ﴿حاربوهم﴾ ان سے جنگ شروع کر دیں۔ ﴿إعطاء﴾ دینا۔ ﴿مدمر﴾ ہلاک کرنے والا۔ ﴿مجانیق﴾ توپ خانہ، منجیق فلاخن وغیرہ۔ ﴿حرقوهم﴾ ان کو جلادیں۔ ﴿أرسلوا﴾ بھیج دیں۔ ﴿کبت﴾ ذلت، تکلیف۔ ﴿کسر﴾ توڑنا۔ ﴿رمی﴾ تیر اندازی، گولہ باری۔ ﴿أسیر﴾ قیدی۔ ﴿ذبت﴾ ہٹانا۔ ﴿بیضة﴾ روشنی، سفیدی۔ ﴿قلما﴾ بہت کم ہوتا ہے کہ۔ ﴿حصن﴾ قلعہ۔ ﴿لأنسد﴾ ضرور بند ہو جائے گا۔

## تخریج:

- ① قد مر تخریجہ.
- ② اخرجه ترمذی فی کتاب الأدب باب ما جاء فی الاخذ من اللحیة، حدیث: ۲۸۶۲.
- ③ اخرجه مسلم فی کتاب الجہاد، حدیث: ۲۹.

## جزیہ سے انکار کے بعد کالائحه عمل:

عبارت میں کئی مسئلے بیان کئے گئے ہیں جو ان شاء اللہ حسب بیان مصنف آپ کے سامنے آئیں گے (۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار جزیہ دینے سے انکار کر دیں تو مجاہدین کو چاہئے کہ وہ کافروں کے خلاف اللہ سے مدد طلب کریں اور پھر اللہ کا نام لے کر ان سے قتال شروع کر دیں اس لیے کہ حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ فَاِنْ اَبَوَا هَا فَاَسْتَعِنَ بِاللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَقَاتِلْهُمْ۔ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اللہ پاک مسلمانوں کے ناصر اور مددگار ہیں اور کافروں کے لیے جبار و قہار ہیں اور ہر چیز پر قادر ہیں اس لیے اللہ ہی سے جملہ امور میں مدد طلب کرنی چاہئے۔

امام قدوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ کفار پر حملہ کرنے کے لیے منجنيق قائم کر دیں اور انھیں آگ سے جلا دیں، کیونکہ حضرت نہی کریم ﷺ سے طائف پر منجنيق قائم کرنا اور مقام بویرہ کے کھجور کے درختوں کو جلانا ثابت ہے۔

(۲) مجاہدین کے لیے ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ وہ کفار پر پانی چھوڑ دیں اور ان کے درختوں اور ان کی کھیتوں کو اکھاڑ پھینک دیں، کیونکہ ان اموال کے ضائع ہونے سے کفار کا پتہ پانی ہو جائے گا اور ان کی شان و شوکت جل کر راکھ ہو جائے گی اور ہر اعتبار سے وہ پست ہو جائیں گے۔

(۳) مسئلہ یہ ہے کہ اگر زمینی لڑائی سے کام نہ چل سکے یا اس کا موقع نہ ہو تو کفار پر پتھر برسوانے سے بھی دریغ نہ کیا جائے اگرچہ ان میں کوئی مسلمان قیدی یا کوئی مسلمان تاجر موجود ہو، کیونکہ پتھر برسا کر کفار کو مارنا اور انھیں صفحہ ہستی سے مٹانا ضرر عام کو دور کرنا ہے اور پوری امت مسلمہ کا ان کے شر سے بچانا ہے جب کہ ایک مسلمان کا قتل ضرر خاص ہے اور ماقبل میں آپ نے یہ ضابطہ پڑھا ہے کہ ضرر عام کو دور کرنے کے لیے ضرر خاص کو برداشت کر لیا جاتا ہے لہذا پتھر برسوانے کے حوالے سے کسی فرد واحد کی رعایت نہیں کی جائے گی۔

اور پھر کفار کے قلعوں میں اِکَادُکَا مسلمان تو ہوتے ہی ہیں، اب اگر ایک دو کی رعایت میں کفار پر حملہ نہ کیا گیا تو جہاد کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا اور کفار کی ہمت بڑھ جائے گی، لہذا انھیں پست حوصلہ کرنے کے لیے ان پر حملہ ضروری ہے۔  
فائدہ: منجنيق کی جمع ہے جس کے معنی ہیں فلاخن، پتھر پھینکنے کا آلہ، جیسے توپ ہے۔

وَإِنْ تَرَوْهُوَ بِصَبِيَّانِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ بِالْأَسَارَى لَمْ يَكُفُّوا عَنْ رَمِيهِمْ لِمَا بَيْنَا، وَيَقْصُدُونَ بِالرَّمْيِ الْكُفَّارَ، لِأَنَّهُ إِنْ تَعَدَّرَ التَّمِيزُ فَعَلًا فَلَقَدْ أُمِّنَ قُصْدًا، وَالطَّاعَةُ بِحَسَبِ الطَّاقَةِ، وَمَا أَصَابُوا مِنْهُمْ لَا دِيَّةَ عَلَيْهِمْ وَلَا كَفَّارَةً،

لَا نَّ الْجِهَادَ فَرَضٌ، وَالْعَرَامَاتُ لَا تُقَرَّنُ بِالْفَرَضِ، بِخِلَافِ حَالَةِ الْمَخْمَصَةِ، لِأَنَّهُ لَا يُمْتَنِعُ مَخَافَةُ الضَّمَانِ لِمَا فِيهِ مِنْ إِحْيَاءِ نَفْسِهِ، أَمَّا الْجِهَادُ فَمَبْنِيٌّ عَلَى إِتْلَافِ النَّفْسِ فَيُمْتَنِعُ حَذَرُ الضَّمَانِ.

**ترجمہ:** اور اگر کفار مسلمان بچوں یا مسلم قیدیوں کو ڈھال بنا کر آگے کر لیں تو بھی مجاہدین ان پر پتھر برسانے سے دست کشی نہ کریں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور مجاہدین کفار کو مارنے کی نیت کریں، اس لیے کہ اگرچہ فعل کے اعتبار سے تمیز معذور ہے تاہم قصد و ارادے کے لحاظ سے امتیاز پیدا کرنا ممکن ہے اور بقدر وسعت ہی اطاعت واجب ہے۔ اور مسلمان بچوں یا مسلم قیدیوں کو جو زخم لگے گا مجاہدین پر اس کی دیت نہیں ہوگی اور نہ ہی (کسی کے قتل پر) کفارہ ہوگا، اس لیے کہ جہاد فرض ہے اور تاوان فرائض سے متعلق نہیں ہوتے۔ برخلاف حالت مخمصہ کے، کیونکہ ضمان کے خوف سے دوسرے کا مال کھانا ممنوع نہیں ہے، کیونکہ اس میں اپنے نفس کا احیاء ہے، رہا جہاد تو اس کا مدار اتلاف نفس پر ہے، لہذا ضمان سے بچتے ہوئے یہ ممنوع ہوگا۔

### اللغات:

﴿تترسوا﴾ ڈھال بنالیں۔ ﴿اساری﴾ واحد اسیر؛ قیدی۔ ﴿لم یكفوا﴾ نہ رکیں۔ ﴿رمی﴾ تیر اندازی، ولہ باری۔ ﴿تمیز﴾ فرق کرنا۔ ﴿قصدًا﴾ ارادے کے اعتبار سے۔ ﴿عرامات﴾ جرمانے۔ ﴿لا تقرن﴾ نہیں ملتے۔ ﴿مخمصة﴾ فاقہ کشی۔ ﴿احیاء﴾ زندہ کرنا۔ ﴿حذر﴾ بچنا، پرہیز کرنا۔

### کفار کا مسلمانوں کو ڈھال بنانا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار مسلمان بچوں یا مسلم قیدیوں کو ڈھال اور بچاؤ کا ذریعہ بنا کر انھیں اپنے سامنے کر لیں تو بھی مجاہدین ان پر پتھر برسانے سے باز نہ آئیں اور بچوں اور قیدیوں کی رعایت نہ کریں، کیونکہ ان کا زخمی ہونا یا مقتول ہونا ضرر خاص ہے اور کفار کا خاتمہ کرنا ضرر عام ہے اور ضرر عام کو ختم کرنے کے لیے ضرر خاص کو برداشت کر لیا جاتا ہے لہذا بینا سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے، البتہ مجاہدین کو چاہئے کہ وہ کفار پر پتھر برساتے وقت انھی ظالموں کو مارنے کی نیت کریں اور مسلم بچوں اور مسلم قیدیوں کو بالقصد نہ ماریں اور نہ ہی انھیں مارنے کی نیت کریں، کیونکہ ان کے کافروں کے ساتھ مخلوط ہونے کی وجہ سے فعل رمی میں ان کے اور کفار کے مابین امتیاز اور فرق کرنا مشکل ہے تاہم نیت اور ارادے کے اعتبار سے امتیاز کرنا ممکن ہے اور چوں کہ بندہ بقدر وسعت ہی اطاعت اور فرماں برداری کا مکلف ہے لہذا اس کے بس میں جو ہے وہ اس کی انجام دہی سے گریز نہ کرے۔

وما أصابوا منهم الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ کفار پر رمی حجاز کی صورت میں اگر مسلم بچوں یا مسلم قیدیوں کو زخم لگ جائے تو مجاہدین پر اس کی دیت نہیں ہوگی یا اگر کوئی مقتول ہو جائے تو مجاہدین پر اس کا کفارہ نہیں ہوگا، اس لیے کہ جہاد کرنا فرض ہے اور فرائض کی ادائیگی میں تاوان اور ضمان نہیں واجب ہوتا، کیونکہ فرائض کو ادا کرنا مامور بہ ہے جب کہ ضمان صرف عدوان ہے اور منہی عنہ ہے اور مامور بہ اور منہی عنہ میں کھلا ہوا تضاد ہے، لہذا دونوں جمع نہیں ہوں گے۔

بخلاف حالة المخمصة الخ فرماتے ہیں کہ مسلم قیدی یا بچوں کے زخمی ہونے یا مقتول ہونے کی صورت میں ضمان اور

کفارہ نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص جاں کنی اور منحصر کی حالت میں ہو اور وہ دوسرے کا مال اس کی اجازت کے بغیر کھالے تو اس پر اس مال کا ضمان واجب ہوگا کیونکہ ایسا شخص ضمان دینے کے خوف سے دوسرے کا مال کھانے سے گریز نہیں کرے گا اس لیے کہ اس مال سے اس کی زندگی بچ جائے گی۔ اس کے برخلاف اگر جہاد کی صورت میں ہم مجاہدین پر مسلم قیدیوں یا بچوں کا ضمان یا کفارہ واجب کر دیں تو ضمان دینے کے خوف سے کوئی بھی جہاد کے لیے تیار نہیں ہوگا، کیونکہ جہاد کا دار و مدار مارنے اور ہلاک کرنے پر ہے۔ یہ در اصل حسن بن زیاد رضی اللہ عنہ کے اس قیاس کا جواب ہے جو انھوں نے صورت مسئلہ کو حالت منحصر پر قیاس کر کے اس میں ضمان واجب قرار دیا ہے۔

قَالَ وَلَا بَأْسَ بِإِخْرَاجِ النِّسَاءِ وَالْمَصَاحِفِ مَعَ الْمُسْلِمِينَ إِذَا كَانَ عَسْكَرًا عَظِيمًا يُؤْمِنُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ الْغَالِبَ هُوَ السَّلَامَةُ وَالْغَالِبُ كَالْمُتَحَقِّقِ، وَيُكْرَهُ إِخْرَاجُ ذَلِكَ فِي سَرِيَّةٍ لَا يُؤْمِنُ عَلَيْهَا، لِأَنَّ فِيهِ تَعْرِضُهُنَّ عَلَى الصِّيَاعِ وَالْفَضِيحَةِ وَتَعْرِضُ الْمَصَاحِفِ عَلَى الْإِسْتِخْفَافِ فَإِنَّهُمْ يَسْتَخْفُونَ بِهَا مَغَايِظَةً لِلْمُسْلِمِينَ وَهُوَ التَّأْوِيلُ الصَّحِيحُ لِقَوْلِهِ ① (لَا تُسَافِرُوا بِالْقُرْآنِ فِي أَرْضِ الْعَدُوِّ)، وَلَوْ دَخَلَ مُسْلِمٌ إِلَيْهِمْ بِأَمَانٍ لَا بَأْسَ بِأَنْ يَحْمِلَ مَعَهُ الْمَصْحَفَ إِذَا كَانُوا قَوْمًا يُؤْفُونَ بِالْعَهْدِ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ عَدَمُ التَّعَرُّضِ، وَالْعَجَائِزُ يَخْرُجْنَ فِي الْعَسْكَرِ الْعَظِيمِ لِإِقَامَةِ عَمَلٍ يَلِيقُ بِهِنَّ كَالطَّبْخِ وَالسَّقْيِ وَالْمَدَاوَاةِ فَأَمَّا الشَّوَابُ فَقَرَارُهُنَّ فِي الْبُيُوتِ أَدْفَعُ لِلْفِتْنَةِ وَلَا يُبَاشِرْنَ الْقِتَالَ، لِأَنَّهُ يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى ضَعْفِ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا عِنْدَ الضَّرُورَةِ، وَلَا يَسْتَحِبُّ إِخْرَاجُهُنَّ لِلْمُبَاضَعَةِ وَالْخِدْمَةِ، فَإِنْ كَانُوا لَا بُدَّ مُخْرَجِينَ فَبِالْإِمَاءِ دُونَ الْحَرَائِرِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ مجاہدین کے ساتھ قرآن پاک اور عورتوں کو لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ لشکر بڑا ہو اور اس کے شکست کا خطرہ نہ ہو اس لیے کہ (ان کی) سلامتی غالب ہے اور غالب متحقق اور یقین کی طرح ہوتا ہے، ہاں کسی سریہ میں جس پر شکست کا خطرہ ہو انھیں لے جانا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں عورتوں کو ضیاع اور رسوائی پر پیش کرنا ہے اور قرآن پاک کو بے حرمتی کے دہانے پر لیجانا ہے، اس لیے کہ مسلمانوں کو بھڑکانے کے لیے کفار ان کی بے حرمتی ضرور کریں گے اور آپ ﷺ کے اس فرمان کی یہی صحیح تاویل ہے کہ ”دشمنوں کی زمین میں قرآن لے کر نہ چلو“۔

اور اگر کوئی مسلمان امان لے کر کفار کے پاس جائے تو اسے اپنے ساتھ قرآن پاک لیجانے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ لوگ عہد کو پورا کرتے ہوں، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ اس کے ساتھ چھیڑ خانی نہیں کریں گے۔

اور بوڑھی عورتیں بڑے لشکر میں اپنے حسب حال کام کرنے کے لیے نکل سکتی ہیں جیسے کھانا پکانا، پانی پلانا اور علاج و معالجہ کرنا، لیکن جوان عورتوں کا گھروں میں رہنا ہی فتنے کو ختم کرنے والا ہے اور یہ عورتیں لڑائی نہ کریں اس لیے کہ اس سے مسلمانوں کی کمزوری ظاہر ہوگی مگر بوقت ضرورت قتال کر سکتی ہیں۔



اور جماع اور خدمت کے لیے بھی اپنی بیویوں کو لے جانا بہتر نہیں ہے اور اگر لیجانا ضروری ہو تو باندیوں کو لیجائیں، آزاد عورتوں کو نہ لیجائیں۔

### اللغات:

﴿عسکر﴾ بڑا لشکر۔ ﴿سریہ﴾ چھوٹی فوجی ٹکڑی۔ ﴿تعریض﴾ پیش کرنا۔ ﴿فضیحة﴾ رسوائی۔ ﴿یوفون﴾ پاسداری کرتے ہوں۔ ﴿عجائز﴾ واحد عجوزہ؛ بوڑھی عورتیں۔ ﴿یلبق﴾ مناسب حال ہو۔ ﴿طبخ﴾ پکانا۔ ﴿سقی﴾ پانی پلانا۔ ﴿مباضعة﴾ ہم بستری۔ ﴿اماء﴾ باندیاں۔

### تخریج:

① أخرجه البخاری فی کتاب الجہاد باب ۱۲۹، حدیث ۲۹۹۰.

### عورتوں اور قرآن مجید کو لشکر کے ساتھ لے چلنے کا مسئلہ:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کا لشکر بڑا ہو اور اس کے شکست کھانے کا خطرہ نہ ہو تو مجاہدین اپنے ساتھ عورتوں اور قرآن شریف کو لیجا سکتے ہیں، کیونکہ لشکر کے بڑا ہونے سے ان کی فتح کا پہلو غالب ہے اور غالب متحقق اور یقین کی طرح ہوتا ہے لہذا اس صورت میں عورتوں اور مصاحف کی بے حرمتی نہیں ہوگی، لیکن اگر کوئی چھوٹا سریہ ہو اور اس کی شکست کا خطرہ ہو تو اس صورت میں عورتوں اور مصاحف کو میدان جہاد میں لیجانا مکروہ ہے، کیونکہ ایسی صورت میں کفار کی طرف سے عورتوں اور مصحفوں کی بے حرمتی کا خطرہ ہے اور کفار مسلمانوں کو مشتعل کرنے کی وجہ سے ضرور ان کی عورتوں سے چھیڑ خانی کریں گے اور مصاحف کی بے حرمتی کریں گے لہذا بہتر یہی ہے کہ سریہ وغیرہ میں انھیں ساتھ نہ لیجایا جائے۔ اور حدیث میں جو لا تسافروا بالقرآن فی ارض العدو آیا ہے اس کی صحیح تاویل یہی ہے کہ جہاں قرآن کریم کی توہین اور بے حرمتی کا خدشہ ہو وہاں اسے نہ لیجایا جائے۔

ولو دخل مسلم الخ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کفار سے امن طلب کر کے دار الحرب جائے اور وہ لوگ عہد وفا کے پابند ہوں تو اس شخص کو قرآن ساتھ لیجانا درست ہے کیونکہ امن دینے کی وجہ سے ظاہر اور غالب یہی ہے کہ کفار اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے اور قرآن پاک کی بے حرمتی نہیں ہوگی۔

والعجائز الخ مسئلہ یہ ہے کہ کھانا پکانے، پانی پلانے اور دوا وغیرہ دینے کی غرض سے بوڑھی عورتیں جہاد میں جاسکتی ہیں، لیکن جوان عورتیں ضرورت شدیدہ کے بغیر نہ تو میدان کارزار میں جائیں اور نہ ہی قتال کریں، بلکہ گھروں میں رہیں، کیونکہ ان کا گھر میں رہنا زیادہ بہتر ہے اور زیادہ مسقط فتنہ ہے اسی لیے فقہائے کرام نے جماع اور خدمت کے لیے بھی ان عورتوں کو ساتھ لیجانے کی اجازت نہیں دی ہے، ہاں اگر عورتوں کی زیادہ ضرورت محسوس ہو تو باندیوں کو ساتھ لیجا کر ضرورت پوری کر لی جائے، لیکن آزاد عورتوں کو ہرگز نہ لیجایا جائے۔

وَلَا تُقَاتِلُ الْمَرْأَةُ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا وَلَا الْعَبْدُ إِلَّا بِإِذْنِ سَيِّدِهِ لِمَا بَيَّنَّاهُ، إِلَّا أَنْ يَهْجُمَ الْعَدُوُّ عَلَى بَلَدٍ لِلضَّرُورَةِ،

وَيَنْبَغِي لِلْمُسْلِمِينَ أَنْ لَا يَغْدِرُوا وَلَا يَغْلُوا وَلَا يَمْتَلُوا لِقَوْلِهِ ① ((لَا تَغْلُوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْتَلُوا))، وَالْغُلُولُ السَّرِقَةُ مِنَ الْمَغْنَمِ، وَالْغَدْرُ الْخِيَانَةُ وَنَقْضُ الْعَهْدِ، وَالْمَثَلَةُ الْمَرْوِيَّةُ فِي قِصَّةِ الْعُرَيْنِيِّنَ مَنْسُوخَةٌ بِالنَّهْيِ الْمُتَاخِرِ هُوَ الْمَنْقُولُ.

**ترجمہ:** بیوی اپنے شوہر کی اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر قتال نہ کرے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں لایہ کہ دشمن کسی ملک پر حملہ کر دیں تو بر بنائے ضرورت یہ دونوں (عورت اور غلام) قتال کر سکتے ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ خیانت، چوری اور مثلہ نہ کریں اس لیے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے نہ چوری کرو، نہ بد عہدی کرو اور نہ مثلہ کرو، غلول، مال غنیمت سے چوری کرنا ہے۔ غدر کے معنی ہیں خیانت اور بد عہدی اور وہ مثلہ جو عربین کے واقعہ میں مروی ہے۔ اس نبی کی وجہ سے منسوخ ہے جو اس واقعہ کے بعد منقول ہے۔

### اللغات:

﴿سید﴾ آقا، مالک۔ ﴿یہجم﴾ حملہ آور ہو جائے، چڑھ دوڑے۔ ﴿ینبغی﴾ ضروری ہے۔ ﴿لا یغدروا﴾ معاہدے کی خلاف ورزی نہ کریں۔ ﴿لا یغلوا﴾ مال غنیمت میں سے قبل از تقسیم کچھ نہ لیں۔ ﴿لا یمثلوا﴾ شکلیں نہ بگاڑیں۔ ﴿سرقۃ﴾ چوری۔

### تخریج:

① أخرجه بخاری في كتاب الحدود، باب ۱۵.

### بیوی اور غلام کے لیے اجازت کا مسئلہ:

بیوی اور غلام چوں کہ شوہر اور مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتے ہیں اور ان کا حق حق اللہ سے مقدم ہوتا ہے، اس لیے بیوی اور غلام اپنے شوہر اور مولیٰ کی اجازت کے بغیر جہاد میں نہیں جاسکتے ہاں اگر نفیر عام ہو اور دشمن کسی ملک پر حملہ کر دیں تو پھر ضرورت کے تحت ”بلا ضرورت“ بھی یہ لوگ جہاد میں جاسکتے ہیں۔

وینبغی الخ مسئلہ واضح ہے اور غلول وغیرہ کی وضاحت کتاب میں موجود ہے، رہا مثلہ کرنا یعنی مقتول کی ناک اور اس کے کان وغیرہ کاٹ کر اس کی اصلی شکل بگاڑنا تو یہ صرف اہل عربینہ کے ساتھ خاص تھا، کیونکہ انھوں نے بھی جدواہوں کے ساتھ یہ کام انجام دیا تھا، بعد میں آپ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔ چنانچہ مصنف ابن شیبہ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ ہر خطبے میں ہمیں صدقہ کرنے کی تلقین فرماتے تھے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے۔ (بیان: ۵۰۹/۶)

وَلَا يَقْتُلُوا امْرَأَةً وَلَا صَبِيًّا وَلَا شَيْخًا قَانِيًا وَلَا مُقْعَدًا وَلَا أَعْمَى، لِأَنَّ الْمَيْسَاحَ لِلتَّقْلِ عِنْدَنَا هُوَ الْحَرَابُ وَلَا يَتَحَقَّقُ مِنْهُمْ وَلِهَذَا لَا يَقْتُلُ يَابِسُ الشَّقِّ وَالْمَقْطُوعُ الْيَمْنَى يَدُهُ وَرَجُلُهُ مِنْ خِلَافٍ، وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُخَالِفُنَا فِي الشَّيْخِ وَالْمُقْعَدِ وَالْأَعْمَى، لِأَنَّ الْمَيْسَاحَ عِنْدَهُ الْكُفْرُ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا بَيَّنَّا وَقَدْ ① صَحَّ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ

نَهَى عَنْ قَتْلِ الصَّبِيَّانِ وَالذَّرَارِيِّ)) وَحِينَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ امْرَأَةً مَقْتُولَةً قَالَ هَاهُ مَا كَانَتْ هَذِهِ تُقَاتِلُ فَلَمْ قُتِلَتْ، قَالَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَحَدُ هَؤُلَاءِ مِمَّنْ لَهُ رَأْيٌ فِي الْحَرْبِ أَوْ تَكُونَ الْمَرْأَةُ مَلَكَهَ لَتَعْدِي ضَرَرَهَا إِلَى الْعِبَادِ، وَكَذَا يُقْتَلُ مَنْ قَاتَلَ مِنْ هَؤُلَاءِ دَفْعًا لَشَرِّهِ، وَلِأَنَّ الْقِتَالَ مُبِيحٌ حَقِيقَةً، وَلَا الصَّبِيَّ وَالْمَجْنُونِ يُقْتَلَانِ مَا دَامَ مَا يُقَاتِلَانِ وَغَيْرُهُمَا لَا بَأْسَ بِقَتْلِهِ بَعْدَ الْأَسْرِ، لِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْعِقَابِ لِتَوَجُّهِ الْخَطَابِ نَحْوَهُ، وَإِنْ كَانَ يَجُنُّ وَيَفِيْقُ فَهُوَ فِي حَالِ إِفَاقَتِهِ كَالصَّحِيحِ.

**ترجمہ:** مجاہدین عورت، بچہ، شیخ فانی، اپاج اور اندھے کو قتل نہ کریں، اس لیے کہ ہمارے یہاں قتل کو مباح کرنے والی چیز لڑائی ہے اور ان سے لڑائی صادر نہیں ہو سکتی اسی لیے ایک پہلو خشک ہوئے شخص کو اور دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کٹے ہوئے شخص کو بھی قتل نہیں کیا جائے گا۔ شیخ فانی، اپاج اور اندھے میں امام شافعی رحمہ اللہ ہمارے مخالف ہیں، کیونکہ ان کے یہاں میح للقتل کفر ہے اور ان کے خلاف وہ دلیل حجت ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے بچوں اور عورتوں کے قتل سے منع فرمایا ہے اور جب آپ ﷺ نے ایک مقتول عورت کو دیکھا تو فرمایا ہائے افسوس یہ عورت تو لڑنے کے قابل نہیں تھی پھر کیوں قتل کی گئی؟ فرماتے ہیں کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی لڑائی کے متعلق کوئی رائے رکھتا ہو یا عورت سردار ہو تو اسے قتل کیا جائے گا، اس لیے کہ اس کا ضرر بندوں کو لاحق ہوگا۔ نیز ان میں سے جو قتال کرے گا اسے بھی قتل کر دیا جائے گا تاکہ اس کا شر دور ہو جائے اور اس کے لیے قتال حقیقتاً قتل کو مباح کرنے والا ہے۔ اور مجاہدین مجنون کو بھی قتل نہ کریں، کیونکہ وہ (احکام شرع کا) مخاطب نہیں ہے لیکن اگر وہ قتال کرے گا تو اس کا شر دور کرنے کے لیے اسے قتل کیا جائے گا تاہم بچہ اور مجنون جب تک قتال کرتے رہیں گے اس وقت تک انہیں قتل کیا جائے گا اور ان کے علاوہ کو گرفتار کرنے کے بعد قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ دوسروں کی طرف خطاب متوجہ ہونے کی وجہ سے وہ اہل عقاب میں سے ہیں۔ اور اگر کوئی مجنون ایسا ہو کہ کبھی اسے جنون رہتا ہو اور کبھی افاقہ ہو جاتا ہو تو افاقہ کی حالت میں وہ صحیح آدمی کی طرح ہوگا۔

### اللغات:

﴿صبی﴾ بچہ۔ ﴿شیخ فانی﴾ بہت بوڑھا۔ ﴿مقعد﴾ اپاج، معذور۔ ﴿اعمی﴾ نابینا۔ ﴿حراب﴾ جنگجوی۔ ﴿یابس الشق﴾ جس کا ایک پہلو سوکھ گیا ہو۔ ﴿رجل﴾ پاؤں۔ ﴿زراری﴾ بچے۔ ﴿درای﴾ مشورہ دینے کی صلاحیت۔ ﴿تعدي﴾ متجاوز ہونا، حد سے بڑھا ہوا ہونا۔ ﴿عقاب﴾ سزا۔ ﴿یجن﴾ پاگل ہو جاتا ہو۔

### تخریج:

① أخرجه بخاری في كتاب الجهاد باب قتل النساء في الحرب، حديث: ۳۰۱۵.

**ان لوگوں کا بیان جن کو جنگ میں بھی قتل کرنا ممنوع ہے:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مجاہدین کو چاہئے کہ وہ عورت، بچہ، شیخ فانی، اپاج اور اندھے شخص کو قتل نہ کریں، کیوں کہ ہمارے یہاں قتل لڑائی کرنے کی وجہ سے مباح ہوتا ہے اور مذکورین میں سے کسی کی طرف سے لڑائی متحقق نہیں ہو سکتی، اسی لیے ان کو قتل کرنا بھی

مباح نہیں ہے اور لڑائی متحقق نہ ہونے کی علت سے ایسے شخص کو قتل کرنا بھی صحیح نہیں ہے جس کا ایک پہلو خشک ہو گیا ہو یا جس کے ہاتھ پیر من خلاف کٹے ہوں، امام مالک اور امام احمد رحمہما کا بھی یہی مسلک ہے اور عورتوں اور بچوں کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں بھی یہی حکم ہے۔ (بنایہ) البتہ امام شافعی رحمہ اللہ شیخ فانی، اپاج اور اعمیٰ کے قتل کو مباح قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے یہاں علتِ مُمِیجہ کفر ہے اور ان سب میں کفر موجود ہے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف ہماری بیان کردہ دلیل حجت ہے کہ میح للقتل حرب اور جنگ یا رائے فی الحرب ہے اور وہ ان میں معدوم ہے اس لیے ان کا قتل مباح نہیں ہے۔ بچوں اور عورتوں کے مباح القتل نہ ہونے کی نقلی دلیل یہ دونوں حدیثیں ہیں (۱) اَن النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَى عَنْ قَتْلِ الصَّبِيَّانِ وَالذَّرَارِيِّ۔ اور ذراری سے نساء مراد ہیں، کیونکہ عورتیں ذریت کا سبب ہیں۔ اسی سے ملتی جلتی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے: اَن امْرَاةً وَجَدَتْ فِي بَعْضِ فِغَازِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَهَبَتْهُ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصَّبِيَّانِ، وَفِي لَفْظِ الشَّيْخَيْنِ فَاَنْكَرَ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ قَتْلَ النِّسَاءِ وَالصَّبِيَّانِ۔ (بنایہ: ۵۱۰/۶)

(۲) دوسری روایت یہ ہے حین رأى النبي ﷺ امرأة مقتولة قال ها، ما كانت لتقاتل فلم قتلت۔ ان دونوں روایتوں سے یہ واضح ہو گیا کہ عورتوں اور بچوں کا قتل مباح نہیں ہے، لیکن اگر ان میں سے کوئی صاحبِ رائے ہو اور لڑائی میں اس سے مشورہ لیا جاتا ہو یا عورت اپنے علاقے کی سردار اور ایم پی ہو اور اس کے حکم پر کچھ لوگوں کے کفار کا ساتھ دینے اور تعاون کرنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں صاحبِ رائے اور عورت دونوں مباح القتل ہوں گے اگرچہ بوڑھے ہو گئے ہوں، کیونکہ صاحبِ رائے ہونے ہی کی وجہ سے درید بن صمہ کو قتل کیا گیا تھا حالانکہ وہ ۱۲۰ سال کا کھوسٹ بڑھا تھا (بنایہ: ۶) اسی طرح اگر مذکورین میں سے کوئی ”کلا کاری“ دکھائے اور مسلمانوں کے خلاف قتال کرنے لگے تو اس کی بھی گردن ناپ دی جائے گی تاکہ اس کے شر سے حفاظت ہو جائے۔

ولا يقتلوا مجنوناً الخ فرماتے ہیں کہ مجاہدین دیوانے اور پاگل کو بھی نہ قتل کریں اس لیے کہ وہ احکامِ شرع کا مکلف ہی نہیں ہوتا لیکن اگر بچہ یا مجنون قتال کر رہے ہوں تو جب تک یہ قتال کریں گے اس وقت تک ان کا قتل مباح ہوگا اور جب یہ قید کر لیے جائیں تو یہ اباحت ختم ہو جائے گی۔ اس کے برخلاف صبی اور مجنون کے علاوہ کو گرفتار کرنے کے بعد بھی قتل کیا جائے گا، اس لیے کہ دیگر لوگ خطاباتِ شرع کے مخاطب اور مکلف ہیں اور مستحقِ عذاب و قتل ہو چکے ہیں، لہذا ہر حال میں ان کی گردن اڑائی جائے گی، اور اگر کوئی ایسا مجنون ہو کبھی اسے جنون رہتا ہو اور کبھی افاقہ رہتا ہو تو بحالتِ افاقہ وہ صحیح کافر کے حکم میں ہوگا اور اس حالت میں اس کا قتل مباح ہوگا، خواہ وہ قتال کرے یا نہ کرے۔

وَيُكْرَهُ أَنْ يَتَدَيَّ الرَّجُلُ أَبَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَيَقْتُلَهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ (سورة لقمان: ۱۵)، وَلَإِنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهِ إِحْيَاؤُهُ بِالْإِنْفَاقِ فَيُنَاقِضُهُ الْإِطْلَاقُ فِي إِفْنَائِهِ، فَإِنْ أَذْرَكَهُ امْتَنَعَ عَلَيْهِ حَتَّى يَقْتُلَهُ غَيْرُهُ، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ بِحُصْلِ بَغْيِهِ مِنْ غَيْرِ اقْتِحَامِهِ الْمَأْثَمَ، وَإِنْ قَصَدَ الْآبُ قَتْلَهُ بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُهُ دَفْعُهُ إِلَّا بِقَتْلِهِ لَا بَأْسَ بِهِ، لِأَنَّ مَقْصُودَهُ الدَّفْعُ أَلَّا تَرَى أَنَّهُ لَوْ شَهَرَ الْآبُ الْمُسْلِمُ سَيْفَهُ عَلَى ابْنِهِ وَلَا يُمْكِنُهُ دَفْعُهُ إِلَّا بِقَتْلِهِ يَقْتُلُهُ لِمَا



بیتا فہذا اولیٰ.

**ترجمہ:** یہ فعل مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مشرک باپ سے ابتداء کر کے اسے قتل کرے، اس لیے کہ اللہ پاک کا ارشاد گرامی ہے ”دنیا میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو“ اور اس لیے کہ بیٹے پر باپ کا نفقہ دے کر اسے زندہ رکھنا واجب ہے لہذا اسے ختم کرنے کا اطلاق اس احیاء کے منافی ہوگا پھر اگر بیٹا اپنے باپ کو پالے تو رک جائے یہاں تک کہ کوئی دوسرا اسے قتل کر دے، کیونکہ اس کے گناہ کا ارتکاب کیے بغیر اس کے علاوہ سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اگر باپ نے بیٹے کے قتل کا ارادہ کر لیا یا اس طور کہ باپ کے قتل کیے بغیر بیٹے کے لیے اسے دفع کرنا ممکن نہ ہو تو باپ کے قتل میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ اس کا مقصود دفع ضرر ہے۔ کیا دکھتا نہیں کہ اگر مسلمان باپ اپنے بیٹے پر تلوار سونت لے اور باپ کو قتل کیے بغیر بیٹے کے لیے مدافعت کرنا ممکن نہ ہو تو بیٹا باپ کو قتل کر سکتا ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں لہذا اس صورت میں تو بدرجہ اولیٰ قتل کرنا جائز ہوگا۔

**اللغات:**

﴿صاحبہما﴾ اُن دونوں کے ساتھ رویہ رکھ۔ ﴿احیاء﴾ زندہ رکھنا۔ ﴿انفاق﴾ خرچ کرنا، نفقہ دینا۔ ﴿افناء﴾ ہلاک کرنا۔ ﴿ادرکہ﴾ اس کو ڈھونڈ لیا، اُس کو پالیا۔ ﴿اقتحام﴾ ارتکاب۔ ﴿شہر﴾ تان لے، سونت لے۔ ﴿سیف﴾ تلوار۔

**میدان جنگ میں اپنے کافر رشتہ دار کو تلاش کر کے قتل کرنے کی کوشش کرنا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مجاہد میدان کارزار میں جہاد کے لیے گیا ہو تو اسے یہ نہیں کرنا چاہئے کہ سب سے پہلے اپنے کافر یا مشرک باپ کو تلاش کر کے اسے قتل کرے، کیونکہ قرآن کریم نے مشرک والدین کے ساتھ بھی بھلائی کا حکم دیا ہے ارشاد ہے: ﴿صاحبہما فی الدنیا معروفاً اور ظاہر ہے کہ قتل کرنا تو آخری درجے کی برائی ہے، اس لیے بیٹے کا یہ فعل مکروہ ہوگا، اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ بیٹے پر باپ کا نفقہ اور خرچہ دینا اور اسے زندگی دینا لازم ہے جب کہ قتل کرنا انفاق و احیاء کے خلاف ہے، لہذا اس حوالے سے بھی اسے قتل کرنا مکروہ ہوگا۔ اور اگر بیٹا اپنے باپ کو پالے یعنی اس کے باپ کو قتل کرنے کا راستہ صاف ہو جائے تو بھی اسے قتل نہ کرے اور ادھر ادھر کی لڑائی میں مشغول رکھے تا آں کہ کوئی دوسرا مجاہد اسے قتل کر دے، کیونکہ جب بیٹے کے علاوہ دوسرے مجاہد کے ذریعے یہ مقصود حاصل ہو سکتا ہے تو بیٹے کو چاہئے کہ وہ جلد بازی کر کے گناہ کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر یہ صورت حال ہو کہ باپ اپنے مسلم اور مجاہد بیٹے کو قتل کرنے کے قریب ہو اور باپ کو قتل کیے بغیر اس لڑکے کے لیے اپنی جان بچانے کا کوئی دوسرا راستہ نہ ہو تو اس صورت میں مذکورہ باپ کو قتل کرنا بیٹے کے لیے مباح ہوگا، کیونکہ ہر شخص کو اپنی جان بچانے کی فکر ہوتی ہے اور مدافعت سب کا مقصود ہوتی ہے اور اس مقصود کو حاصل کرنے کا واحد ذریعہ اب قتل ہے، لہذا قتل کے ذریعہ مدافعت کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان باپ اپنے کافر بیٹے پر تلوار کھینچ لے اور باپ کو قتل کئے بغیر بیٹے کے لیے اپنی جان بچانا ممکن نہ ہو تو کافر بیٹا اپنے مسلمان باپ کو قتل کر سکتا ہے دیکھئے جب کافر بیٹا مسلمان باپ کو قتل کر سکتا ہے تو مسلمان بیٹا کافر باپ کو بدرجہ اولیٰ اس پوزیشن میں قتل کرنے کا مستحق اور مجاز ہوگا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

## بَابُ الْمَوَادَّعَةِ وَمَنْ يَجُوزُ أَمَانُهُ

یہ باب مصالحت کرنے کے بیان میں ہے اور اس شخص کے بیان میں ہے جس کی امان جائز ہے

موادع و دوع سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ترک کرنا، چھوڑنا اور چوں کہ صلح میں مسلمان اور کفار دونوں فریق قتال ترک کر دیتے ہیں، اسی لیے مصالحت کو موادعت کا نام دیا گیا ہے اور چوں کہ ترک وجود سے موخر ہوتا ہے، اس لیے صاحب کتاب قتال کو بیان کرنے کے بعد ترک قتال کو بیان کر رہے ہیں۔

وَإِذَا رَأَى الْإِمَامُ أَنْ يُصَالِحَ أَهْلَ الْحَرْبِ أَوْ فَرِيقًا مِنْهُمْ وَكَانَ فِي ذَلِكَ مَصْلِحَةٌ لِلْمُسْلِمِينَ فَلَا بَأْسَ بِهِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ (سورة الانفال: ۶۱)، وَوَادَّعَ ① رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَهْلَ مَكَّةَ عَامَ الْحُدُوبِ عَلَى أَنْ يَضَعَ الْحَرْبَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ عَشْرَ سِنِينَ، وَلِأَنَّ الْمَوَادَّعَةَ جِهَادٌ مَعْنَى إِذَا كَانَ خَيْرًا لِلْمُسْلِمِينَ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ وَهُوَ دَفْعُ الشَّرِّ حَاصِلٌ بِهِ، وَلَا يَقْتَصِرُ الْحُكْمُ عَلَى الْمُدَّةِ الْمَرْوِيَةِ لِتَعَدِّي الْمَعْنَى إِلَى مَا زَادَ عَلَيْهَا، بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ تَكُنْ خَيْرًا، لِأَنَّهُ تَرَكَ الْجِهَادَ صُورَتًا وَمَعْنَى، وَإِنْ صَالَحَهُمْ مُدَّةً ثُمَّ رَأَى نَقْضَ الصُّلْحِ أَنْفَعَ نَبَذَ إِلَيْهِمْ الْإِمَامُ وَقَاتَلَهُمْ، وَلِأَنَّهُ ② ﷺ نَبَذَ الْمَوَادَّعَةَ الَّتِي كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَهْلِ مَكَّةَ، وَلِأَنَّ الْمَصْلِحَةَ لِمَا تَبَدَّلَتْ كَانَ النَّبَذُ جِهَادًا وَإِيفَاءُ الْعَهْدِ تَرَكَ الْجِهَادِ صُورَتًا وَمَعْنَى فَلَا بُدَّ مِنَ النَّبَذِ تَحَرُّزًا عَنِ الْغَدْرِ، وَقَدْ قَالَ ③ ﷺ فِي الْعُهُودِ "وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ" وَلَا بُدَّ مِنْ إِعْتِبَارِ مُدَّةٍ يَبْلُغُ فِيهَا خَبَرُ النَّبَذِ إِلَى جَمْعِهِمْ وَيَكْتَفِي فِي ذَلِكَ بِمَضِيِّ مُدَّةٍ يَتِمَّ كُنْ مَلِكُهُمْ بَعْدَ عِلْمِهِ بِالنَّبَذِ مِنْ إِنْفَادِ الْخَبَرِ إِلَى أَطْرَافِ مَمْلَكَتِهِ، لِأَنَّ بِذَلِكَ يَنْتَهِي الْغَدْرُ.

**ترجمہ:** اگر امام حربوں سے یا ان کی کسی جماعت سے صلح کرنا مناسب سمجھے اور اس صلح میں مسلمانوں کے لیے مصلحت ہو تو صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ پاک کا فرمان ہے "اگر کفار صلح کے لیے جھکیں تو اے نبی آپ بھی صلح کی طرف مائل

ہو جائے اور اللہ پر بھروسہ رکھے۔ اور آپ ﷺ نے حدیبیہ کے سال اہل مکہ سے اس بات پر مصالحت کی تھی کہ آپ کے اور ان کے مابین دس سال تک لڑائی بند رہے گی۔ اور اس لیے کہ مصالحت کرنا معنی جہاد ہے بشرطیکہ وہ مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو، کیونکہ مصالحت سے بھی مقصود یعنی دفع شر حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جو مدت مروی ہے اسی پر حکم موقوف نہیں ہے، کیونکہ اس سے زائد مدت کی طرف بھی معنی متعدی ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب مصالحت میں خیر نہ ہو، کیونکہ اب یہ صورت اور معنی دونوں اعتبار سے ترک جہاد ہے۔

اور اگر ایک مدت کے لیے امام نے کفار سے مصالحت کر لی پھر وہ صلح ختم کرنے کو زیادہ نفع بخش پائے تو امام کفار کو نقض مصالحت کی خبر دیدے پھر ان سے قتال کرے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے اس مصالحت کو توڑ دیا تھا جو آپ کے اور کفار مکہ کے مابین منعقد ہوئی تھی۔ اور اس وجہ سے کہ جب مصالحت بدل گئی تو نقض ہی جہاد کہلائے گا اور ایفاء عہد صورت اور معنی دونوں اعتبار سے ترک جہاد ہوگا لہذا غداری سے بچتے ہوئے نقض مصالحت کی خبر دینا ضروری ہے، اور عہود کے متعلق حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انہیں پورا کیا جائے اور بد عہدی نہ کی جائے۔ اور اتنی مدت کا لحاظ کرنا ضروری ہے جس مدت میں نقض عہد کی خبر تمام کافروں کو پہنچ جائے اور اس سلسلے میں اتنی مدت گزرے پر اکتفاء کیا جائے گا کہ کفار کا سردار نقض عہد کی خبر جاننے کے بعد اپنی مملکت کے اطراف میں وہ خبر نافذ کرنے پر قادر ہو جائے، کیوں کہ اس سے عہد ختم ہو جائے گا۔

## اللغات:

﴿جنحوا﴾ وہ جھک جائیں۔ ﴿سلم﴾ مصالحت۔ ﴿وادع﴾ مصالحت کی تھی۔ ﴿یضع﴾ رکھ دیں گے۔ مراد: کنارہ کشی کریں گے۔ ﴿لا یقتصر﴾ نہیں منحصر رہے گی۔ ﴿تعدی﴾ متجاوز ہونا، بڑھ جانا۔ ﴿نقض﴾ توڑنا۔ ﴿نبذ﴾ ڈال دے، پھینک دے۔ ﴿ایفاء﴾ پاسداری، پورا کرنا۔ ﴿تحرز﴾ بچاؤ۔ ﴿یتمکن﴾ مستحکم ہو جائے۔

## تخریج:

- ① اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الجہاد باب فی صلح العدو، حدیث ۲۷۶۶۔
- ② اخرجہ البیہقی فی کتاب دلائل النبوة باب غزوة مؤتہ۔
- ③ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الجہاد باب فی الامام یكون بینہ و بین العدو۔

## مصالحت کا جواز اور شرائط جواز:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام المسلمین کفار سے یا ان کی کسی جماعت سے مصالحت کرنے میں عافیت اور بھلائی محسوس کرے تو اسے مصالحت کر لینی چاہئے، کیونکہ قرآن کریم نے حضرت نبی کریم ﷺ کو بھی مصالحت کے لیے مائل ہونے کا فرمان جاری کیا ہے اور خود حدیبیہ کے سال آپ ﷺ کا کفار مکہ سے مصالحت کرنا ثابت ہے، لہذا مصالحت اگر نفع بخش ہو تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ نفع ہونے کی صورت میں مصالحت معنی اور باطن کے اعتبار سے جہاد ہے اس لیے کہ جہاد کی طرح اس سے بھی دفع شر والا مقصد حاصل رہتا ہے، اور حضور پاک ﷺ سے جو دس سال کی مدت تک مصالحت کرنا مروی ہے وہ کوئی حتمی اور آخری حد نہیں ہے بلکہ یہ

مدت امام کے حسب حال اور اس کی رائے کے موافق کم یا زیادہ بھی ہو سکتی ہے اور موقع محل اور حالات کے اعتبار سے اس میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر مصالحت میں مسلمانوں کے لیے خیر اور بھلائی نہ ہو تو امام کے لیے مصالحت کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ صورتاً بھی ترک جہاد ہے اور معناً بھی ترک ہے، کیونکہ جب اس میں خیر نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ دفع شر کا مقصد بھی حاصل نہیں ہے۔

وإن صالحهم الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام نے کفار سے ایک مدت تک کے لیے مصالحت کر لی پھر کچھ دنوں کے بعد اس کی سمجھ میں یہ آیا کہ مسلمانوں کا فائدہ نقض مصالحت میں ہے تو اسے چاہئے کہ پہلے کفار کو نقض عہد کی اطلاع دیدے اس کے بعد ان سے قتال کرے، جیسا کہ حضرت محی اکرم ﷺ نے کفار مکہ سے کیا ہوا معاہدہ ان کی پہل کے بعد توڑ دیا تھا یعنی صلح حدیبیہ کے دو سال بعد کفار نے اپنے حلیف بنو بکر کی مدد کر کے مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا تھا اس کے بعد آپ ﷺ نے وہ معاہدہ توڑ دیا تھا اور ان پر حملہ کر کے مکہ مکرمہ کو فتح کر لیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ مصلحتاً نقض عہد جائز ہے۔

ولأن المصلحة الخ فرماتے ہیں کہ جب مصلحت بدل جائے تو اس صورت میں نقض عہد ہی جہاد ہوگا اور معاہدہ پورا کرنے میں صورت اور معنی دونوں اعتبار سے جہاد کا ترک ہوگا اس لیے تبدل مصلحت کی صورت میں نقض مصالحت میں خیر اور عافیت ہے اور اس نقض کی پیشگی اطلاع دینا ضروری ہے تاکہ غداری اور بدعہدی کا الزام عائد نہ ہو اور ہمیں تو خود ہمارے حضرت نے بدعہدی سے منع فرمایا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ وفاء لا غدر یعنی حتی الامکان عہد پورا کرو اور بدعہدی نہ کرو۔

ولا بد من اعتبار مدة الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ عہد ختم کرنے اور کفار پر حملہ کرنے کے مابین اتنی مدت کا ہونا ضروری ہے جس مدت میں تمام کافروں تک نقض عہد کی خبر پہنچ جائے اور ہر ایک نقض مصالحت سے واقف اور باخبر ہو جائے اور اگر اتنی مدت ہو کہ سرداران کفار تک خبر پہنچ جائے اور ان کے لیے اس خبر پر مطلع ہونے کے بعد اپنی حکومت کے اطراف میں اسے پھیلانا ممکن ہو تو یہ بھی صحیح ہے، کیونکہ اس صورت میں بھی مسلمانوں پر بدعہدی کا الزام عائد نہیں ہوگا، اور یہ صورت بھی غدر سے خالی ہوگی۔

قَالَ وَإِنْ بَدَّوْا بِخِيَانَةٍ قَاتِلْهُمْ وَلَمْ يُبَدَّ إِلَيْهِمْ إِذَا كَانَ ذَلِكَ بِاتِّفَاقِهِمْ لِأَنَّهُمْ صَارُوا نَاقِضِينَ لِلْعَهْدِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى نَقْضِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا دَخَلَ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ فَقَطَعُوا الطَّرِيقَ وَلَا مَنَعَةَ لَهُمْ حَيْثُ لَا يَكُونُ هَذَا نَقْضًا لِلْعَهْدِ، وَلَوْ كَانَتْ لَهُمْ مَنَعَةٌ وَقَاتَلُوا الْمُسْلِمِينَ عَلَانِيَةً يَكُونُ نَقْضًا لِلْعَهْدِ فِي حَقِّهِمْ دُونَ غَيْرِهِمْ، لِأَنَّهُ بِغَيْرِ إِذْنِ مَلِكِهِمْ فَفَعَلُوهُمْ لَا يَلْزَمُ غَيْرَهُمْ حَتَّى لَوْ كَانَ بِإِذْنِ مَلِكِهِمْ صَارُوا نَاقِضِينَ بِعَهْدِهِمْ، لِأَنَّهُ بِاتِّفَاقِهِمْ مَعْنَى.

**ترجمہ:** اور اگر کفار نے بدعہدی کی ابتداء کی تو امام ان سے قتال کرے اور انھیں معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع نہ دے بشرطیکہ یہ کام کافروں کے اتفاق سے ہوا ہو، کیونکہ وہ لوگ عہد توڑنے والے ہو گئے لہذا اب اسے توڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب کافروں کی کوئی جماعت دارالاسلام میں تھسی اور اس نے ڈکیتی کی حالانکہ انھیں کوئی مضبوط قوت حاصل نہ ہو تو یہ نقض عہد نہیں ہوگا۔ اور اگر ان کے پاس لاؤ لشکر موجود ہو اور انھوں نے علی الاعلان مسلمانوں سے قتال کیا ہو تو یہ مقاتلین کے حق میں عہد شکنی ہوگی اور ان کے علاوہ کے حق میں نقض عہد نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ کام ان کے سردار کی اجازت کے بغیر ہوا ہے لہذا ان کا فعل



دوسروں پر لازم نہیں ہوگا، ہاں اگر یہ فعل ان کے بادشاہ کی اجازت سے ہو تو وہ عہد شکنی کرنے والے ہو جائیں گے، کیونکہ معنی کے اعتبار سے وہ اس پر متفق ہیں۔

### اللغات:

﴿بدءوا﴾ وہ پہل کریں۔ ﴿لم یبذ﴾ نہ پھینکے، نہ ڈالے۔ ﴿ناقضین﴾ توڑنے والے۔ ﴿قطعوا الطريق﴾ ڈاکے ڈالے۔ ﴿منعة﴾ قوت مدافعت، دفاعی طاقت۔ ﴿نقض﴾ توڑنا۔ ﴿صاروا﴾ وہ ہوں گے۔

### کفار کا معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار از خود غداری اور بد عہدی کریں اور یہ کام ان کی باہمی رائے سے انجام پائے تو امام المسلمین کو چاہئے کہ انھیں نقض عہد کی خبر دیئے بغیر ان سے قتال کر لے، کیونکہ جب خود انھوں نے پہل کر کے عہد توڑ دیا تو معاہدہ ختم ہو گیا اور اب اس کے نقض کی کوئی حاجت نہیں رہی لہذا کفار کو اس سلسلے میں مطلع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اگر کافروں کی کوئی جماعت دار الاسلام میں گھس کر ذکیتی کرتی ہے لیکن اس جماعت کو کوئی اہم قوت اور شوکت حاصل نہیں ہے تو ان کا یہ فعل نقض عہد نہیں کہلائے گا، کیونکہ مسلمانوں کا معاہدہ اس جماعت سے نہیں ہے، بلکہ جماعت کے حکمرانوں اور سرداروں سے ہے اور ان کے ذکیتی سے وہ لوگ واقف بھی نہیں ہیں لہذا یہ نقض عہد نہیں ہوگا۔

ہاں اگر اس جماعت کے پاس قوت و شوکت موجود ہو اور یہ لوگ کھلم کھلا مسلمانوں سے قتال کریں تو مقتاتلین کے حق میں یہ نقض عہد ہوگا اور غیر مقتاتلین کے حق میں نقض عہد نہیں ہوگا، اس لیے کہ ان لوگوں کا یہ کام بھی ان کے رؤساء کی اجازت کے بغیر ہے مگر چوں کہ علانیہ طور پر ہے اس لیے صرف مقتاتلین ہی کے حق میں یہ فعل لازم ہوگا اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے حق میں لازم نہیں ہوگا۔ البتہ اگر اس فعل میں سرداران قوم کی اجازت بھی شامل ہو تو معنا سب کی رائے شامل ہونے کی وجہ سے یہ فعل عہد شکنی کا سبب ہوگا اور اس حرکت کی وجہ سے یہ کفار عہد توڑنے والے کہلائیں گے جن کے خلاف بدون کسی اطلاع کے حملہ کرنا جائز اور مباح ہوگا۔

وَإِذَا رَأَى الْإِمَامُ مُوَادَعَةَ أَهْلِ الْجَرْبِ وَأَنْ يَأْخُذَ عَلَى ذَلِكَ مَالًا فَلَا بَأْسَ بِهِ، لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَتْ الْمُوَادَعَةُ بغيرِ الْمَالِ فَكَذَا بِالْمَالِ، لَكِنْ هَذَا إِذَا كَانَ بِالْمُسْلِمِينَ حَاجَةً، أَمَّا إِذَا لَمْ يَكُنْ لَا يَجُوزُ لِمَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ، وَالْمَأْخُذُ مِنَ الْمَالِ يُصْرَفُ مَصَارِفَ الْجِزْيَةِ، هَذَا إِذَا لَمْ يَنْزِلُوا بِسَاحَتِهِمْ، بَلْ أَرْسَلُوا رَسُولًا، لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْجِزْيَةِ أَمَّا إِذَا أَحَاطَ الْجَيْشُ بِهِمْ ثُمَّ أَخَذُوا الْمَالَ فَهُوَ غَنِيمَةٌ بِخَمْسِهَا وَتَقْسَمُ الْبَاقِي بَيْنَهُمْ، لِأَنَّهُ مَأْخُوذٌ بِالْقَهْرِ مَعْنًى.

**ترجمہ:** اور اگر امام مال لے کر اہل حرب سے مصالحت کرنا مناسب سمجھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ جب بدون مال مصالحت جائز ہے تو مال کے عوض بھی جائز ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب مسلمانوں کو مال کے عوض صلح کرنے کی ضرورت ہو لیکن اگر یہ ضرورت نہ ہو تو مصالحت علی المال جائز نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور کفار سے لیا

گیا مال جزیہ کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مسلمان میدان میں نہ اترے ہوں بلکہ قاصد بھیجا ہو کیونکہ یہ جزیہ کے معنی میں ہے لیکن اگر جیش اسلامی نے کفار کا احاطہ اور گھیراؤ کر کے ان سے مال لیا ہو تو وہ مال پانچویں حصے کے ساتھ مال غنیمت ہوگا اور باقی چار حصے ان میں تقسیم کر دیے جائیں گے، کیونکہ معنی کے اعتبار سے یہ جبراً لیا گیا مال ہے۔

### اللغات:

﴿موداعۃ﴾ جنگ بندی، مصالحت۔ ﴿حاجۃ﴾ ضرورت۔ ﴿بصرف﴾ خرچ کیا جائے گا۔ ﴿لم یزلوا﴾ پڑاؤ نہ ڈالا ہو۔ ﴿ساحۃ﴾ میدان۔ ﴿احاط﴾ گھیرا ڈال لیا۔ ﴿قہر﴾ غلبہ، زبردستی۔

### مال کے عوض مصالحت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح بدون مال کفار سے صلح کرنا جائز ہے اسی طرح مال لے کر بھی ان سے صلح جائز ہے، بشرطیکہ مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو لیکن اگر مسلمانوں کو مال کی ضرورت نہ ہو تو پھر مال لے کر صلح کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ جہاد کا مقصد اللہ کے نام کو سر بلند کرنا ہے، نہ کہ مال لینا اس لیے بلا ضرورت مال لے کر صلح کرنا جائز نہیں ہے، اور جواز کی صورت میں کفار سے جو مال لیا جائے گا اسے جزیہ کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔

هذا اذا الخ فرماتے ہیں کہ مذکورہ مال کو مصارف جزیہ میں اس وقت صرف کیا جائے گا جب مسلمان میدان جنگ میں نہ اترے ہوں اور قاصد اور اپنی کے ذریعے لین دین طے پایا ہو تبھی یہ جزیہ کے حکم میں ہوگا، لیکن اگر مجاہدین میدان کارزار میں اتر آئے ہوں اور انھوں نے کفار کا محاصرہ کر لیا ہو پھر مجبور ہو کر کفار نے مال کے عوض صلح کیا ہو تو اس صورت میں وہ مال مال غنیمت ہوگا اور اس کا ایک حصہ نکال کر باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے جائیں گے، اس لیے کہ یہ مال قہراً اور جبراً لیا گیا ہے لہذا یہ کفار کو قتل کر کے حاصل کردہ مال غنیمت کے مشابہ ہو گیا اور مال غنیمت کا حکم یہی ہے کہ اس کا ایک حصہ اللہ اور رسول کے لیے ہے اور باقی مجاہدین کو دیا جاتا ہے اسی طرح اس مال کی بھی تقسیم ہوگی۔

وَأَمَّا الْمُؤْتَدُونَ فَيُؤَادِعُهُمُ الْإِمَامُ حَتَّى يَنْظُرُوا فِي أَمْرِهِمْ، لِأَنَّ الْإِسْلَامَ مَرْجُوٌّ مِنْهُمْ فَجَازَ تَأْخِيرُ قِتَالِهِمْ طَمَعًا فِي إِسْلَامِهِمْ، وَلَا يَأْخُذُوا عَلَيْهِ مَالًا، لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَخْذُ الْجِزْيَةِ مِنْهُمْ لِمَا نَبَّيْنُ، وَلَوْ أَخَذَهُ لَمْ يَرُدَّهٗ، لِأَنَّهُ مَالٌ غَيْرُ مَعْصُومٍ، وَلَوْ حَاصَرَ الْعَدُوَّ الْمُسْلِمِينَ وَطَلَبُوا الْمَوَادَّ عَلَى مَالٍ يَدْفَعُهُ الْمُسْلِمُونَ إِلَيْهِمْ لَا يَفْعَلُ الْإِمَامُ لِمَا فِيهِ مِنْ إِعْطَاءِ الدِّيَّةِ وَالْحَاقِ الْمَذِلَّةِ بِأَهْلِ الْإِسْلَامِ إِلَّا إِذَا خَافَ الْهَلَكَ، لِأَنَّ دَفْعَ الْهَلَكَ وَاجِبٌ بِأَيِّ طَرِيقٍ يُمَكِّنُ، وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَبَاعَ السَّلَاحُ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَحَمَلَهُ إِلَيْهِمْ، وَلِأَنَّ فِيهِ تَقْوِيَّتَهُمْ عَلَى قِتَالِ الْمُسْلِمِينَ فَيُمنَعُ مِنْ ذَلِكَ، وَكَذَا الْكِرَاعُ لِمَا بَيْنَا وَكَذَا الْحَدِيدُ، لِأَنَّهُ أَصْلُ السَّلَاحِ وَكَذَا بَعْدَ الْمَوَادَّ

لَآئِنهَا عَلَى شَرِّ النَّقْصِ أَوْ الْإِنْقِضَاءِ فَكَانُوا عَلَيْنَا، وَهَذَا هُوَ الْقِيَاسُ فِي الطَّعَامِ وَالنَّوْبِ إِلَّا أَنَا عَرَفْنَاهُ  
بِالنَّصْرِ فَإِنَّهُ ① عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَرَ تَمَامَةَ ﷺ أَنْ يَمِيرَ أَهْلَ مَكَّةَ وَهُمْ حَرْبٌ عَلَيْهِ.

**ترجمہ:** رہے مرتد لوگ تو امام ان سے صلح کر سکتا ہے، یہاں تک کہ مسلمان ان کے متعلق غور کر لیں، اس لیے کہ ان سے اسلام کی توقع ہے لہذا ان کے مسلمان ہونے کی لالچ میں ان سے قتال کو موخر کرنا جائز ہے اور مجاہدین ان سے صلح کرنے کے عوض مال نہ لیں، کیونکہ ان سے جزیہ لینا جائز نہیں ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کریں گے اور اگر امام نے مال لے لیا تو اسے واپس نہ کرے اس لیے کہ یہ غیر محفوظ مال ہے، اور اگر دشمن نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا اور مسلمانوں سے مال لے کر مصالحت کا مطالبہ کیا تو امام یہ صلح نہ کرے، کیونکہ اس میں دیت دینا اور مسلمانوں کو ذلت میں مبتلا کرنا لازم آتا ہے لہذا یہ کہ ہلاکت کا اندیشہ ہو، کیونکہ جس طرح بھی ہو سکے مسلمانوں کو ہلاکت سے بچانا واجب ہے۔

اور حربیوں سے ہتھیار فروخت کرنا ٹھیک نہیں ہے اس لیے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حربیوں سے ہتھیار بیچنے اور ان کی طرف ہتھیار لے جانے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس لیے کہ ایسا کرنے سے مسلمانوں سے لڑنے پر ان کو تقویت بہم پہنچانا لازم آتا ہے اس لیے یہ ممنوع ہوگا، نیز گھوڑوں کی فروختگی بھی ممنوع ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں، اور لوہے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ ہتھیار کی اصل ہے اور مصالحت کے بعد بھی یہی حکم ہوگا اس لیے کہ مصالحت ٹوٹنے یا مدت پوری ہونے کے بعد ختم ہونے کے قریب رہتی ہے، لہذا ان سب سے ہمارا ہی نقصان ہوگا، غلہ اور کپڑے کے متعلق بھی قیاس یہی ہے، لیکن ہم نے اسے نص سے جانا ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے حضرت ثمانہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اہل مکہ کو غلہ بھیج دیں حالانکہ اہل مکہ آپ ﷺ کے کھلے ہوئے دشمن تھے۔

### اللغات:

﴿یوادعہم﴾ اُن سے مصالحت کر لے۔ ﴿مرجو﴾ جس کی امید کی جاتی ہو۔ ﴿طمع﴾ امید، حرص، لالچ۔ ﴿حاصر﴾ محاصرہ کر لیا۔ ﴿مدلۃ﴾ رسوائی، ذلت۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار، اسلحہ۔ ﴿تقویت﴾ طاقت دینا۔ ﴿کراع﴾ مراد: جنگی سواریاں، گھوڑے وغیرہ۔ ﴿شرف﴾ کنارہ۔ ﴿حدید﴾ لوہا۔ ﴿انقضاء﴾ پورا ہونا۔ ﴿نوب﴾ کپڑا۔ ﴿یمیر﴾ غلہ دے دیں۔

### تخریج:

① اخرجہ البيهقي في دلال النبوة.

### اہل ارتداد سے صلح کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ اسلام سے مرتد ہو جائیں (العیاذ باللہ) اور پھر کسی علاقے پر غالب ہو کر اسے دار الحرب کی شکل دیدیں، بعد میں مسلمانوں سے صلح کی درخواست کریں تو امام المسلمین ان کے حال میں غور فکر کرنے کے لیے ان سے صلح کر سکتا ہے، اس لیے کہ ان کے اسلام لانے کی امید قائم ہے، لہذا اس حرص میں ان سے قتال کو موخر کیا جاسکتا ہے، لیکن اس صلح کے عوض

مسلمان ان سے مال نہیں لے سکتا، کیوں کہ اس مال کا مصرف مصرفِ جزیہ ہے حالانکہ مرتدین سے جزیہ نہیں لیا جاسکتا، اس کی مزید تفصیل باب الجزیہ میں آئے گی (ان شاء اللہ) تاہم اگر امام نے مرتدین سے مال لے لیا تو اسے واپس بھی نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ارتداد کی وجہ سے ان کا مال غیر محفوظ اور غیر محترم ہو گیا ہے لہذا اسے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ولو حاصر العدو الخ فرماتے ہیں کہ اگر دشمن نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا اور پھر مسلمانوں سے مال لے کر صلح کرنے کا مطالبہ کیا تو امام کو چاہئے کہ مال دے کر ان سے مصالحت نہ کرے، کیونکہ مال دے کر مصالحت کرنے میں ایک خرابی تو یہ لازم آئے گی کہ دیت دینا پڑے گا اور دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ اس سے مسلمانوں کو پشیمانی اور ذلت محسوس ہوگی اور ان کی کمزوری ظاہر ہوگی، لہذا مال دے کر صلح نہیں کی جائے گی، ہاں اگر محاصرہ زبردست ہو یا مال دیئے بغیر مسلمانوں کی ہلاکت کا خطرہ اور خدشہ ہو تو اس صورت میں مال دے کر مجبوراً صلح کرنے کی اجازت ہوگی، اس لیے کہ ہر حال میں مسلمانوں سے ہلاکت دور کرنا واجب ہے خواہ بذریعہ قتال دور کی جائے یا بواسطہ مال دور کی جائے۔

ولا ینبغی الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ نہ تو کافروں کے ہاتھ ہتھیار اور لڑائی کے اوزار کو فروخت کرنا درست ہے اور نہ ہی ان کے علاقوں میں اسے لے کر جانا اور پھیری کر کے فروخت کرنا صحیح ہے، کیونکہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور پھر ایسا کرنے میں حربیوں کو مسلمانوں کے خلاف ساز و سامان کے اعتبار سے تقویت دینا لازم آتا ہے جو ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان کی وجہ سے ممنوع ہے۔ یہی حکم گھوڑے اور لوہے فروخت کرنے کا بھی ہے، کیونکہ گھوڑا بھی سامان حرب ہے اور لوہا تو سلاح کی جز اور اس کا اصل مادہ ہے اور ان چیزوں کی فروختگی بھی کفار کے حق میں باعث تقویت ہوگی، اس لیے انہیں بھی کفار کے ہاتھ بیچنا صحیح نہیں ہے، اور عدم صحت کا جو حکم مصالحت سے پہلے ہے وہی حکم مصالحت کے بعد بھی ہے، کیونکہ مصالحت کا کوئی بھروسہ نہیں ہے اور وہ ٹوٹ بھی سکتی ہے، بلکہ اغلب یہ ہے کہ ہتھیار وغیرہ ملنے کے بعد حربیوں کو ”ہری ہری“ سوچھے گی اور وہ نقض معاہدہ کر بینصیں گے اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

وهذا هو القیاس الخ فرماتے ہیں کہ غلے اور کپڑے کے متعلق بھی قیاس کا تقاضہ یہی ہے کہ حربیوں سے ان کی فروختگی بند کر دی جائے کیونکہ اس سے بھی انہیں تقویت ملے گی، لیکن حضرت ثمامہ کے اس واقعہ سے ہم نے یہاں قیاس کو ترک کر دیا ہے جس میں ان کے اسلام لانے کے بعد کافروں کو غلہ نہ دینے کے عہد پر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ بھائی غلہ نہ روکو اور اسے جانے دو۔ حالانکہ تمام کفار مکہ آپ ﷺ کے کھلے ہوئے دشمن تھے، لیکن پھر بھی آپ علیہ السلام نے انہیں غلہ دینے کا حکم دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ حربیوں سے غلہ وغیرہ فروخت کرنے کی اجازت ہے۔





## فصلُ اُمّی ہذا فصلُ فی بیانِ احکامِ الامانِ یہ فصل احکامِ امان کے بیان میں ہے

چوں کہ شروع میں باب الموادعة ومن يجوز امانه کہہ کر امان کا عنوان بھی قائم کر دیا گیا ہے، اس لیے اس فصل میں امان کے احکام بیان کئے جا رہے ہیں۔

إِذَا أَمَّنَ رَجُلٌ حُرًّا أَوْ امْرَأَةً حُرَّةً كَافِرًا أَوْ جَمَاعَةً أَوْ أَهْلَ حِصْنٍ أَوْ مَدِينَةٍ صَحَّ أَمَانُهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ قِتَالُهُمْ، وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ ① الْعَلَّيْلَامُ الْمُسْلِمُونَ تَتَكَاثَرُ دِمَاوُهُمْ وَيَسْعَى بِدِمَتِهِمْ أَذْنَاهُمْ أَمَّا أَقْلُهُمْ وَهُوَ الْوَاحِدُ، وَلِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ فَيَخَافُونَهُ إِذْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْمَنَعَةِ فَيَتَحَقَّقُ الْأَمَانُ مِنْهُ لِمُلَاقَاتِهِ مَحَلَّهُ ثُمَّ يَتَعَدَّى إِلَى غَيْرِهِ، وَلِأَنَّ سَبَبَهُ لَا يَتَجَزَّى وَهُوَ الْإِيمَانُ وَكَذَا الْأَمَانُ لَا يَتَجَزَّى فَيَتَكَامَلُ كَوِلَايَةِ الْإِنْكَاحِ قَالَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي ذَلِكَ مَفْسَدَةٌ فَيَنْبِذُ إِلَيْهِمْ كَمَا إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ بِنَفْسِهِ ثُمَّ رَأَى الْمَصْلِحَةَ فِي النَّبَذِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ، وَلَوْ حَاصَرَ الْإِمَامُ حِصْنًا وَأَمَّنَ وَاحِدًا مِنَ الْجَيْشِ وَفِيهِ مَفْسَدَةٌ يَنْبِذُ الْإِمَامُ الْأَمَانَ لِمَا بَيَّنَّا وَيُؤَدِّبُهُ الْإِمَامُ لِإِفْتِيَاتِهِ عَلَى رَأْيِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِيهِ نَظَرٌ، لِأَنَّهُ رَبَّمَا تَفَوَّتُ الْمَصْلِحَةُ بِالتَّأَخِيرِ فَكَانَ مَعْدُورًا.

**ترجمہ:** اگر کسی آزاد مرد یا آزاد عورت نے کسی کافر کو یا کسی جماعت کو یا کسی قلعہ یا شہر والوں کو امان دیدیا تو یہ امان صحیح ہوگا اور مسلمانوں میں سے کسی کے لیے بھی ان سے قتال کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اصل ہے کہ مسلمانوں کے خون برابر ہیں اور ان کا ادنیٰ یعنی ایک شخص بھی ان کی ذمے داری پوری کرنے کی سعی کرے گا۔ اور اس لیے کہ مسلمانوں کا ہر فرد اہل قتال میں سے ہے، لہذا کفار اس سے ڈریں گے، کیونکہ وہ لاؤ لشکر والا ہے، لہذا اس کی طرف سے امان متحقق ہوگا اس لیے کہ امان اپنے محل سے متصل ہے پھر ان کے غیر کی طرف متعدی ہوگا اور اس لیے کہ امان کا سبب یعنی ایمان متجزی نہیں ہوتا نیز امان میں بھی تجزی نہیں ہوتی لہذا ولایتِ انکاح کی طرح یہ بھی کامل ہوگا۔

فرماتے ہیں الایہ کہ اس میں کوئی خرابی ہو تو امام کفار کو اسے توڑنے کی خبر دیدے جیسے اگر بذات خود امام نے امان دیا ہو پھر توڑنے میں اسے مصلحت نظر آئی اور ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر امام نے کسی قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور سپاہیوں میں سے کسی نے (انھیں) امان دیدیا حالانکہ اس امان میں مسلمانوں کا نقصان ہو تو امام امان ختم کر دے گا اس دلیل سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور امام

امان دینے والے سپاہی کے خلاف تادیبی کارروائی کرے گا، کیونکہ اس نے امام کی رائے پر اپنی رائے کو ترجیح دی ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب اس امان میں مصلحت ہو، اس لیے کہ کبھی کبھی تاخیر کی وجہ سے مصلحت فوت ہو جاتی ہے، لہذا امان دینے والا معذور ہوگا۔

## اللغات:

﴿امن﴾ امان دے دی۔ ﴿حر﴾ آزاد۔ ﴿حصن﴾ قلعہ۔ ﴿مدینہ﴾ شہر۔ ﴿تکافا﴾ برابر ہوتے ہیں۔ ﴿دماء﴾ خون۔ مراد: جانیں۔ ﴿یسعی﴾ کوشش کرتا ہے۔ ﴿یتعدی﴾ متجاوز ہوا، آگے بڑھا۔ ﴿لا یتجزی﴾ ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتا۔ ﴿انکاح﴾ نکاح کرانا۔ ﴿یؤذبه﴾ اس کو سرزنش کرے گا۔ ﴿افتیات﴾ ترجیح دینا۔ ﴿نظر﴾ مصلحت۔

## تخریج:

① اخرجه ابوداؤد فی کتاب الدیات باب ایقاد المسلم من الکافر، حدیث: ۴۵۳۰۔

## امان اور اس کی شرائط:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کسی آزاد مرد یا آزاد عورت نے کسی کافر کو یا کفار کی کسی جماعت کو امان دیدیا، یا کسی قلعے یا شہر والوں کو امان دیدیا تو یہ امان درست اور جائز ہے اور اگر اس میں مسلمانوں کا نفع ہو تو کسی کے لیے بھی نہ اسے توڑنے کی اجازت ہے اور نہ ہی امان دیئے ہوئے لوگوں سے قتال کرنا صحیح ہے، کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ تمام مسلمانوں کا خون قصاص اور دیت میں برابر ہے اور کسی کو کسی پر فوقیت یا فضیلت نہیں حاصل ہے اور مسلمانوں کا ادنیٰ اور معمولی شخص بھی ان کی ذمے داریاں پوری کرنے کا اہل ہے، یعنی اگر وہ ادنیٰ شخص کسی کو امان دیدے اور اس میں مسلمانوں کا ضرر نہ ہو تو سب کے لیے اس امان کو پورا کرنا ضروری ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے ہر ہر فرد کو قتال اور حرب کی اہلیت حاصل ہے اور چوں کہ اس کا بیک گراؤنڈ مضبوط ہے اور اس کے مسلمان ساتھی اس کی حمایت اور مدافعت کرنے کے لیے کمر بستہ ہیں اس لیے اس ایک مسلمان کو بھی قوت حاصل ہوگی۔ اور کافروں کے دلوں میں اس کا خوف ہوگا، لہذا اس کی طرف سے امان متحقق ہوگا اور صحیح ہوگا اور پھر اس کے واسطے سے دوسروں کی طرف متعدی ہوگا اور ان کے حق میں بھی لازم ہوگا۔

اس سلسلے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امان کا سبب ایمان ہے اور ایمان میں تجزی نہیں ہوتی لہذا امان میں بھی تجزی نہیں ہوگی اور جیسے نکاح کرنے کی ولایت میں چند اولیاء منفرد اور کامل ہوتے ہیں اسی طرح امان دینے میں بھی ہر ہر فرد مسلم کامل اور مکمل ہوگا اور اس میں تقسیم اور تجزی نہیں ہوگی۔ لیکن اگر اس امان میں مسلمانوں کا ضرر ہو تو امام اسے ختم کر کے کفار کو اس کی اطلاع دیدے گا، کیونکہ امام مسلمانوں کے حق میں شفقت اور مصلحت قائم کرنے کے لیے متعین کیا جاتا ہے، مضرت اور شر پھیلانے یا پہنچانے کے لیے اس کی تقرری نہیں ہوتی اس لیے اگر امان میں اسے خرابی اور کمی نظر آئے تو وہ اسے ختم کر دے جیسا کہ اگر خود امام نے امان دیا ہو تو شر اور ضرر ظاہر ہونے کی صورت میں وہ اپنا دیا ہوا امان بھی ختم کر سکتا ہے۔

ولو حاصر الإمام الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر امام نے کفار کے کسی قلعے کا محاصرہ کر لیا، لیکن سپاہیوں میں سے کسی نے محاصرہ کردہ کفار کو امان دیدیا اور اس امان میں مسلمانوں کا ضرر ہو تو امام اسے بھی ختم کر دے گا اور امان دینے والے کے خلاف تادیبی کارروائی کرے گا، اس لیے کہ اس نے اپنی رائے کو امام کی رائے پر ترجیح دی ہے، لیکن اگر اس امان میں مسلمانوں کا فائدہ ہو تو اس صورت

میں اسے سزا نہیں دی جائے گی، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ امام کی رائے کا انتظار اور اس انتظار کی وجہ سے امان میں تاخیر ہو جائے اور مصلحت فوت ہو جائے، اس لیے اس صورت میں اس کا امان معتبر ہوگا اور اسے امام کی رائے پر اپنی رائے کو ترجیح دینے میں معذور سمجھا جائے گا۔

وَلَا يَجُوزُ أَمَانُ ذِمِّيٍّ، لِأَنَّهُ مَتَّهَمٌ بِهِمْ وَكَذًا لَا وِلَايَةَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، قَالَ وَلَا أُسِيرَ وَلَا تَاجِرَ يَدْخُلُ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّهُمَا مَقْهُورَانِ تَحْتَ أَيْدِيهِمْ فَلَا يَخَافُونَهُمَا، وَالْأَمَانُ يَخْتَصُّ بِمَحَلِّ الْخَوْفِ، وَلِأَنَّهُمَا يُجْبِرَانِ عَلَيْهِ فَيَعْرِى الْأَمَانُ عَنِ الْمَصْلَحَةِ، وَلِأَنَّهُمْ كُلَّمَا اشْتَدَّ الْأَمْرُ عَلَيْهِمْ يَجِدُونَ أُسِيرًا أَوْ تَاجِرًا فَيَتَخَلَّصُونَ بِأَمَانِهِ فَلَا يَنْفَتِحُ لَنَا بَابُ الْفَتْحِ، وَمَنْ أَسْلَمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَلَمْ يُهَاجِرْ إِلَيْنَا لَا يَصِحُّ أَمَانُهُ لِمَا بَيَّنَّا.

**ترجمہ:** ذمی کا امان صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ذمی کفار کے ساتھ متہم ہے نیز مسلمانوں پر اسے ولایت بھی حاصل نہیں ہے، فرماتے ہیں کہ اس قیدی اور تاجر کا امان دینا بھی صحیح نہیں ہے جو کفار کے پاس آتا جاتا ہو، کیونکہ یہ دونوں کافروں کی ماتحتی میں مغلوب ہیں لہذا کفار ان سے نہیں ڈریں گے جب کہ امان محل خوف کے ساتھ خاص ہے اور اس لیے کہ ان دونوں کو امان دینے پر مجبور بھی کیا جاسکتا ہے اس لیے یہ امان مصلحت سے خالی ہوگا۔ اور اس وجہ سے کہ جب بھی کفار پر معاملہ سخت ہوگا وہ کسی قیدی یا تاجر کو پائیں گے اس سے امان لے کر چھٹکارا پائیں گے اور ہمارے لیے فتح کا دروازہ نہیں کھلے گا۔

جو شخص دارالحرب میں اسلام لے آیا اور ہماری طرف ہجرت نہیں کیا اس کا امان صحیح نہیں ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

## اللغات:

﴿اسیر﴾ قیدی۔ ﴿مقہور﴾ مغلوب، مجبور۔ ﴿يعرى﴾ خالی ہوگی۔ ﴿اشتد﴾ سخت ہوگا۔ ﴿يجدون﴾ وہ ڈھونڈ لیں گے۔ ﴿يتخلصون﴾ وہ چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔

## ذمی کی عطا کردہ امان کا معتبر نہ ہونا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر ذمی کسی کافر کو امان دیدے تو اس کا امان صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ ذمی کافروں کے ساتھ ہمدردی اور جانب داری کرنے میں متہم ہے اور اسے مسلمانوں پر ولایت بھی نہیں ہے اس لیے اس کا دیا ہوا امان لازم اور نافذ نہیں ہوگا۔ ایسے ہی اگر کوئی قیدی کفار کے قبضہ میں ہو یا کوئی تاجر ان کے پاس آتا جاتا ہو تو ان کا دیا ہوا امان بھی معتبر نہیں ہوگا، کیونکہ یہ دونوں کافروں کے قبضہ اور غلبے میں ہیں، لہذا کفار ان سے مرعوب نہیں ہوں گے حالانکہ امان محل خوف کے ساتھ ہی خاص ہے لہذا جب خوف معدوم ہے تو امان بھی صحیح نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ قیدی اور تاجر کو کفار جبراً امان پر مجبور کر دیں گے اور جبر کی وجہ سے امان مصلحت سے خالی ہو جائے گا اور جب بھی کفار پر کوئی سختی ہوگی کفار انھی قیدیوں اور تاجروں پر دباؤ ڈال کر چھوٹ جائیں گے اور مسلمانوں کو کفار کے خلاف فتح کرنے کا کوئی موقع نہیں ہوگا اور جہاد کا راستہ ہی بند ہو جائے گا۔

ومن أسلم الخ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دار الحرب میں مسلمان ہوا لیکن وہ ہجرت کر کے دار الاسلام نہیں آیا تو اس کا بھی کفار کو امان دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ کفار کے دل میں اس کا خوف نہیں ہے جب کہ امان محل خوف کے ساتھ ہی مختص ہے۔

وَلَا يَجُوزُ أَمَانُ الْعَبْدِ الْمُحْجُورِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ مَوْلَاهُ فِي الْقِتَالِ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ بِصَحْحٍ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَأَبُو يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ مَعَهُ فِي رِوَايَةٍ وَمَعَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي رِوَايَةٍ، لِمُحَمَّدٍ قَوْلُهُ ① ((أَمَانُ الْعَبْدِ أَمَانٌ))، رَوَاهُ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَلِأَنَّهُ مُؤْمِنٌ مُتَمَنِّعٌ فَيَصِحُّ أَمَانُهُ إِعْتِبَارًا بِالْمَأْذُونِ لَهُ فِي الْقِتَالِ وَبِالْمُؤَبَّدِ مِنَ الْأَمَانِ فَالْإِيمَانُ لِكُونِهِ شَرْطًا لِلْعِبَادَةِ، وَالْجِهَادُ عِبَادَةٌ وَالْإِمْتِنَاعُ لِتَحَقُّقِ إِزَالَةِ الْخَوْفِ بِهِ وَالتَّأْيِيدُ إِعْزَازُ الدِّينِ وَإِقَامَةُ الْمَصْلِحَةِ فِي حَقِّ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ، إِذَا الْكَلَامُ فِي مِثْلِ هَذِهِ الْحَالَةِ، وَإِنَّمَا لَا يَمْلِكُ الْمُسَابِقَةُ لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْطِيلِ مَنَافِعِ الْمَوْلَى، وَلَا تَعْطِيلَ فِي مُجَرَّدِ الْقَوْلِ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ مُحْجُورٌ عَنِ الْقِتَالِ فَلَا يَصِحُّ أَمَانُهُ لِأَنَّهُ لَا يُخَافُونَهُ فَلَمْ يَلَاقِ الْأَمَانُ مَحَلَّهُ، بِخِلَافِ الْمَأْذُونِ لَهُ فِي الْقِتَالِ، لِأَنَّ الْخَوْفَ مِنْهُ مُتَحَقِّقٌ، وَلِأَنَّهُ إِنَّمَا لَا يَمْلِكُ الْمُسَابِقَةَ لِمَا أَنَّهُ تَصَرَّفَ فِي حَقِّ الْمَوْلَى عَلَى وَجْهِ لَا يَعْرَى عَنْ إِحْتِمَالِ الضَّرَرِ فِي حَقِّهِ، وَالْأَمَانُ نَوْعُ قِتَالٍ، وَفِيهِ مَا ذَكَرْنَاهُ، لِأَنَّهُ قَدْ يُخْطِئُ بَلْ هُوَ الظَّاهِرُ وَفِيهِ سَدُّ بَابِ الْإِسْتِغْنَامِ، بِخِلَافِ الْمَأْذُونِ، لِأَنَّهُ رَضِيَ بِهِ، وَالْخَطَأُ نَادِرٌ لِمُبَاشَرَتِهِ الْقِتَالُ، وَبِخِلَافِ الْمُؤَبَّدِ، لِأَنَّهُ خَلَفَ عَنِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الدَّعْوَةِ إِلَيْهِ، وَلِأَنَّهُ مُقَابِلٌ بِالْجِزْيَةِ وَلِأَنَّهُ مَفْرُوضٌ عِنْدَ مُسَائِلَتِهِمْ ذَلِكَ وَإِسْقَاطُ الْفَرَضِ نَفْعٌ فَافْتَرَقَا، وَلَوْ أَمَّنَ الصَّبِيُّ وَهُوَ لَا يَعْقِلُ لَا يَصِحُّ كَالْمَجْنُونِ، وَإِنْ كَانَ يَعْقِلُ وَهُوَ مُحْجُورٌ عَنِ الْقِتَالِ فَعَلَى الْخِلَافِ، وَإِنَّهُ كَانَ مَأْذُونًا لَهُ فِي الْقِتَالِ فَلَا صَحْحَ أَنَّهُ يَصِحُّ بِالْإِتِّفَاقِ.

**ترجمہ:** حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں عبد محجور کا امان جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس کا مولیٰ اسے قتال کی اجازت دیدے۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح ہے یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ ایک روایت میں امام محمد رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں اور دوسری روایت میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے غلام کا امان بھی امان ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اسے روایت کیا ہے اور اس لیے کہ وہ مومن ہے اور صاحب قوت ہے، لہذا اس کا امان صحیح ہوگا اس غلام کے امان پر قیاس کرتے ہوئے جسے قتال کی اجازت دی گئی ہو اور دائمی امان پر قیاس کرتے ہوئے، اور ایمان کی شرط اس وجہ سے ہے کہ ایمان عبادت کے لیے شرط ہے اور جہاد بھی ایک عبادت ہے اور امتناع کی شرط اس وجہ سے ہے، کیونکہ اس کے ذریعے خوف کا دور ہونا متحقق ہوتا ہے اور قیاس کی علت جامعہ دین کا اعزاز اور جماعت المسلمین کے حق میں مصلحت کا قیام ہے، اس لیے کہ یہ گفتگو اسی جیسی حالت سے متعلق ہے۔



اور عبد مجبور اپنے اختیار سے اس لیے جہاد میں نہیں جاسکتا، کیونکہ اس میں آقا کے منافع کو معطل کرنا ہے اور صرف بات کہنے سے منافع معطل نہیں ہوں گے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ غلام کو قتال سے روکا گیا ہے لہذا اس کا امان صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ کفار غلام سے نہیں ڈریں گے، لہذا امان اپنے محل سے متصل نہیں ہوا۔ برخلاف اس غلام کے جسے قتال کی اجازت دی گئی ہو، اس لیے کہ اس کی طرف سے خوف متحقق ہے اور وہ اس وجہ سے پہل کرنے کا مالک نہیں ہے کہ یہ مولیٰ کے حق میں تصرف ہے بایں طور کہ یہ تصرف مولیٰ کے حق میں ضرر کے احتمال سے خالی نہیں ہے۔ اور اس کا امان دینا بھی ایک طرح کا قتال ہے۔ اور اس میں وہی خرابی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں، اس لیے کہ غلام کبھی غلطی کر دیتا ہے، بلکہ اس کا غلطی کرنا واضح ہے اور اس میں مال غنیمت کے حصول کا دروازہ بند کرنا لازم آتا ہے۔ برخلاف عبد ماذون کے اس لیے کہ مولیٰ اس کے امان سے راضی ہے اور اس کا غلطی کرنا نادر ہے، اس لیے کہ وہ قتال کرتا ہے اور برخلاف موبد کے، اس لیے کہ وہ اسلام کے قائم مقام ہے، لہذا وہ اسے اسلام کی دعوت دینے کے درجے میں ہوگا اور اس لیے کہ یہ امان جزیہ کے مقابل ہے اور اس لیے کہ کفار کے مطالبہ کے وقت یہ امان دینا فرض ہے اور فرض کا اسقاط نفع ہے، لہذا عبد مجبور کے امان اور اس کے ذمی بنانے میں فرق ہو گیا۔

اور اگر غیر عاقل بچے نے امان دیدیا تو صحیح نہیں ہے جیسے مجنون کا امان صحیح نہیں ہے اور اگر بچہ سمجھ دار ہو، لیکن مجبور عن القتال ہو تو اس کا امان بھی اسی اختلاف پر ہے۔ اور اگر اسے قتال کرنے کی اجازت حاصل ہو تو اسے یہ ہے کہ اس کا امان بالاتفاق صحیح ہے۔

### اللغات:

﴿مجبور﴾ جس پر پابندی لگائی گئی ہو۔ ﴿یاذن﴾ اجازت دے دے۔ ﴿ممتنع﴾ قوت مدافعت رکھنے والا۔ ﴿تعطیل﴾ ضائع کر دینا، کالعدم کر دینا۔ ﴿لا یعوی﴾ نہیں خالی ہوتا۔ ﴿استغنام﴾ غنیمت حاصل کرنا۔

### تخریج:

① أخرجه البيهقي في السنن الكبرى: ۱۶۰/۹.

### غلام کا امان دینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عبد مجبور کا امان صحیح نہیں ہے ہاں اگر اس کا مولیٰ اسے قتال کی اجازت دیدے تو اس کا امان صحیح ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غلام کا امان مطلقاً صحیح ہے خواہ وہ ماذون ہو یا مجبور ہو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور امام کرخی کی روایت کے مطابق امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور امام طحاوی کی روایت کے مطابق امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ حدیث ہے امان العبد امان یعنی غلام کا امان بھی معتبر اور درست ہے۔ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ غلام بھی مومن اور صاحب قوت ہے لہذا عبد ماذون فی القتال کی طرح اس کا امان بھی صحیح ہوگا۔ اور جیسے اگر کوئی غلام کسی کافر کو ذمی بن کر دار الاسلام میں رہنے کی اجازت اور امان دیدے تو اس کا امان بھی صحیح اور معتبر ہوگا اسی طرح عبد مجبور کا امان بھی صحیح ہوگا۔

فالایمان الخ فرماتے ہیں کہ ہم نے عقلی دلیل میں جو غلام کے مومن ہونے کی شرط لگائی ہے وہ اس لیے ہے کہ جہاد ایک عبادت ہے اور عبادت کے لیے ایمان شرط ہے اور اس کے صاحب قوت ہونے کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ اس سے خوف کا ازالہ متحقق ہو جاتا ہے یعنی اگر امان دینے والا صاحب قوت ہوتا ہے تو دشمن اس سے ڈرتا ہے ورنہ بے خوف رہتا ہے۔ اور عبد مجبور کو عبد ماذون پر

قیاس کرنے کی علت یہ ہے کہ دونوں کے امان میں دین کا اعزاز و استحکام ہوتا ہے اور دونوں کے فعل سے مسلمانوں کے حق میں مصلحت ہوتی ہے، لہذا دونوں کا امان درست ہوگا۔

وانما لا یملک الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ غلام کا امان تو درست ہے، لیکن غلام از خود میدان جہاد میں پیش قدمی نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کے جہاد میں مشغول ہونے سے آقا کے منافع معطل ہو جائیں گے حالانکہ غلام آقا ہی کی خدمت کے لیے وقف رہتا ہے اور رہا مسئلہ امان دینے کا تو امان محض زبان سے دیا جاتا ہے اور زبانی صرفہ میں آقا کے منافع معطل نہیں ہوتے لہذا اس پہلو کو لے کر اعتراض کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ امان کا محل خوف ہے اور عبد مجبور سے خوف متحقق نہیں ہے، یعنی کفار اس سے نہیں ڈرتے، اس لیے اس کا امان بے سود ہوگا۔ اس کے برخلاف عبد ماذون سے خوف متحقق ہے لہذا اس کا امان معتبر ہوگا۔ عبد مجبور کے امان نہ دینے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ غلام حق مولیٰ کی وجہ سے میدان جہاد کے لیے سبقت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ ہمہ وقت آقا کی خدمت میں مشغول رہتا ہے اور اس کے جہاد میں مشغول ہونے سے سراسر مولیٰ کا نقصان ہوگا یا نقصان کا احتمال رہے گا، کیونکہ وہ غلطی کر بیٹھے گا اور مجبور ہونے کی وجہ سے اس کے حق میں غلطی کا امکان زیادہ ہے اس لیے کہ مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہنے کی وجہ سے اس کو تعلیم و تعلم کا موقع ہم دست نہیں ہوا ہوگا اور اگر اس کا امان صحیح ہو جائے تو پھر قتال ممنوع ہوگا اور مولیٰ کے لیے اپنے غلام سے جہاد کرنا کر مال غنیمت کے حصول کا راستہ بند ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ اس میں بھی اس کا نقصان ہی ہے، لہذا اس حوالے سے بھی اس کا امان دینا صحیح نہیں ہے اور جب مولیٰ کے ذاتی نقصان کی وجہ سے عبد مجبور کا امان درست نہیں تو پھر مسلمانوں کے جماعتی نقصان کی وجہ سے بدرجہ اولیٰ اس کا امان صحیح نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف عبد ماذون کا مسئلہ ہے تو اس کا امان صحیح ہے، کیونکہ مولیٰ اسے قتال کی اجازت دے کر اس کے امان پر راضی ہو چکا ہے اور چوں کہ یہ غلام قتال کر چکا ہے یا ماذون ہونے کی وجہ سے امان کے ”داؤ پیچ“ سے واقف ہو چکا ہے اس لیے اس سے غلطی کا صدور بھی شاذ و نادر ہے لہذا اس کے امان کی درستگی پر عبد مجبور کے امان کو قیاس کر کے اسے بھی صحیح قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح اگر عبد مجبور کسی کافر کو ذمی بن کر دارالاسلام میں رہنے کا عہد نامہ دیدے تو یہ صحیح ہے، لیکن اس صحت پر اس کے امان کی صحت کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ عہد نامہ اسلام کے قائم مقام ہے اور یہ اجازت درحقیقت اسلام کی دعوت دینے کے مترادف ہے اور چوں کہ اس ذمی سے جزیہ بھی لیا جائے گا لہذا اس میں نفع ہی نفع ہے، نقصان نہیں ہے اور پھر جب کوئی کافر ذمی بننے کی درخواست کرے تو اس کی درخواست قبول کرنا فرض اور ضروری ہے اور فرض اداء کر کے اسے ساقط کر دینا اور اس کی ادائیگی سے سبکدوش ہو جانا بھی کار نفع ہے اس لیے عبد مجبور کے امان دینے اور اس کے ذمی کا عہد نامہ دینے کے مابین فرق ہو گیا یعنی اس کا امان صحیح نہیں ہے اور اس کا عہد نامہ دینا صحیح ہے اور ایک دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

ولو أمر الصبی الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی عبد غیر ذمی شعور بچہ ہو اور وہ امان دیدے تو مجنون کی طرح اس کا امان صحیح نہیں ہے اور اگر وہ بچہ باشعور ہو لیکن مجبور عن القتال ہو تو اس کا امان مختلف فیہ ہے یعنی امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں صحیح ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں صحیح نہیں ہے، لیکن اگر وہ بچہ ماذون فی القتال ہو تو اصح یہ ہے کہ سب کے یہاں اس کا امان درست اور جائز ہے۔

## بَابُ الْغَنَائِمِ وَقِسْمَتِهَا

یہ باب اموال غنیمت اور ان کی تقسیم کے احکام کے بیان میں ہے

غنیم غنیمہ کی جمع ہے اس کا معنی ہے وہ مال جو کفار سے جنگ کر کے قہراً اور غلبہ لیا جائے۔ اور فی وہ مال کہلاتا ہے جو کفار سے لڑائی کے بغیر لیا جاتا ہے، غنیمت اور فی میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ مال غنیمت کا ایک حصہ اللہ اور رسول کا ہوتا ہے جب کہ فی پورا کا پورا مسلمانوں کے لیے ہوتا ہے۔

وَإِذَا فَتَحَ الْإِمَامُ بَلَدَهُ غَنُومًا أَوْ قَهْرًا فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَسَمَهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ كَمَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِخَيْبَرَ، وَإِنْ شَاءَ أَقْرَأَ أَهْلَهُ عَلَيْهِ وَوَضَعَ عَلَيْهِمُ الْجَزِيَّةَ وَعَلَى أَرْضِيهِمُ الْخَرَاجَ، كَذَلِكَ فَعَلَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِسَوَادِ الْعِرَاقِ بِمَوَافِقَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَلَمْ يُحْمَدْ مَنْ خَالَفَهُ، وَفِي كُلِّ مَنْ ذَلِكَ قُدُومَةٌ فَيَتَخَيَّرُ، وَقِيلَ الْأَوَّلَى هُوَ الْأَوَّلُ عِنْدَ الْغَانِمِينَ، وَالثَّانِي عِنْدَ عَدَمِ الْحَاجَةِ لِيَكُونَ عِدَّةً فِي الزَّمَانِ الثَّانِي، وَهَذَا فِي الْعَقَارِ، أَمَّا فِي الْمَنْقُولِ الْمُجَرَّدِ لَا يَجُوزُ الْمَنْ بِالرَّدِّ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّهُ لَمْ يَرُدَّ بِهِ الشَّرْعُ فِيهِ، وَفِي الْعَقَارِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، لِأَنَّ فِي الْمَنْ إِبْطَالُ حَقِّ الْغَانِمِينَ أَوْ مِلْكِهِمْ فَلَا يَجُوزُ مِنْ غَيْرِ بَدَلٍ يُعَادِلُهُ، وَالْخَرَاجُ غَيْرُ مُعَادِلٍ لِقَتْلِهِ، بِخِلَافِ الرَّقَابِ، لِأَنَّ لِلْإِمَامِ أَنْ يَبْطُلَ حَقُّهُمْ رَأْسًا بِالْقَتْلِ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ، وَلِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا لِأَنَّهُمْ كَالْأَكْمَرَةِ الْعَامِلَةِ لِلْمُسْلِمِينَ الْعَالِمَةِ بِوُجُوهِ الزَّرَاعَةِ، وَالْمُؤْنِ مُرْتَفَعَةٌ مَعَ أَنَّ يَخْطِئُ بِهِ الَّذِينَ يَأْتُونَ مِنْ بَعْدِ، وَالْخَرَاجُ وَإِنْ قُلَّ حَالًا فَقَدْ جَلَّ مَالًا لِدَوَامِهِ، وَإِنْ مَنْ عَلَيْهِمُ بِالرَّقَابِ وَالْأَرْضِ يَدْفَعُ إِلَيْهِمْ مِنَ الْمَنْقُولَاتِ بِقَدْرِ مَا يَتَبَيَّنُ لَهُمُ الْعَمَلُ لِيُخْرَجَ عَنْ حَدِّ الْكِرَاهَةِ.

ترجمہ: اگر امام کسی شہر کو طاقت و قوت کے بل پر فتح کر لے تو اسے اختیار ہے۔ اگر چاہے تو وہ شہر مسلمانوں میں تقسیم کر دے جیسا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے خیبر کو (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین) تقسیم فرما دیا تھا۔ اور اگر چاہے تو وہ اس شہر کے باشندوں کو وہیں رہنے دے اور ان پر جزیہ مقرر کر دے اور ان کی زمینوں پر خراج متعین کر دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے

اہل عراق کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا اور جس نے اس کی مخالفت کی اسے اچھا نہیں کہا گیا اور ان میں سے ہر ایک میں نمونہ ہے لہذا امام کو اختیار ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ مجاہدین کی ضرورت کے وقت پہلی صورت بہتر ہے اور مالی ضرورت نہ ہونے کی صورت میں دوسری صورت بہتر ہے تاکہ آئندہ زمانے میں یہ ان کے کام آسکے۔ یہ حکم عقار اور غیر منقول سے متعلق ہے، رہا منقول کا حکم تو اسے ان لوگوں کو واپس کر کے ان پر احسان کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کے متعلق شریعت نے کوئی حکم بیان نہیں کیا ہے۔ اور عقار کے سلسلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، اس لیے کہ احسان کرنے میں غازیوں کے حق یا ان کی ملکیت کا بطلان ہے، لہذا کسی مساوی بدلے کے بغیر یہ احسان جائز نہیں ہے اور خراج اس کے قتل کے مساوی نہیں ہے۔ برخلاف رقاب کے، کیونکہ امام کو یہ حق ہے کہ انھیں قتل کر کے غازیوں کا حق باطل کر دے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ عمل حجت ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اس لیے کہ ایسا کرنے میں مصلحت ہے کیونکہ (جن کفار کو فتح کردہ زمین میں چھوڑا جائے گا) وہ کھیتی کے امور سے واقف ہیں لہذا وہ مسلمانوں کے کاشت کار کہلائیں گے اور مسلمانوں سے کھیتی کرنے کی مشقت دور ہو جائے گی اور اس پر ہونے والا خرچ بھی ختم ہو جائے گا نیز بعد میں آنے والے مسلمانوں کو اس سے حصہ بھی ملے گا۔

اور (ان سے لیا جانے والا) خراج اگرچہ فی الوقت بہت کم ہے لیکن ہمیشہ ملنے کی وجہ سے مال کے اعتبار سے وہ زیادہ ہے۔ اور اگر امام رقاب اور زمینوں کے حوالے سے ان پر احسان کر دے تو منقولہ سامان میں سے انھیں اتنا ہی دے جس سے ان کے لیے کاشت کاری کرنا آسان ہو جائے، اور یہ فعل کراہت سے خالی ہو جائے۔

### اللغات:

﴿بلدة﴾ کوئی شہر۔ ﴿عنوة﴾ زبردستی، بزور بازو۔ ﴿قسمھا﴾ اس کو تقسیم کر دے۔ ﴿اقر﴾ برقرار رکھے۔ ﴿قدوة﴾ مقتدا، امام، جس کی پیروی کی جائے۔ ﴿غانم﴾ غازی۔ ﴿عقار﴾ غیر منقولہ جائیداد، زمین وغیرہ۔ ﴿من﴾ احسان۔ ﴿یعادله﴾ اس کے برابر ہو۔

### مفتوحہ اراضی کے احکام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام المسلمین اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ قہراً اور غلبۂ کافروں کا کوئی شہر فتح کر لے تو اسے دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے (۱) اگر چاہے تو وہ شہر غازیوں اور مسلمانوں میں تقسیم کر دے اور اگر چاہے تو وہاں کے باشندوں کو اسی جگہ رہنے دے البتہ ان کی جانوں کے عوض ان پر جزیہ واجب کر دے اور جو کھیتی ہے اس میں خراج اور ٹیکس معین کر دے، پہلے اختیار کی دلیل خیر فتح کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طرز عمل ہے کہ آپ نے اسے مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا تھا اور دوسرے اختیار کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق فتح کر کے وہاں کے باشندوں کو وہیں چھوڑ دیا تھا اور ان سے جزیہ اور خراج وصول کیا کرتے تھے اور چند صحابہ کو چھوڑ کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو تسلیم کیا تھا اور سراہا تھا اور جن لوگوں نے اسے نہیں مانا تھا ان کے نہ ماننے کو اچھا نہیں سمجھا گیا تھا، بہر حال یہ دو اختیار ہیں اور ہر اختیار دلیل سے مدلل ہے، لہذا امام جسے بھی اپنائے گا وہ صحیح ہوگا۔



وقیل الاولی الخ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے دونوں اختیارات میں موافقت پیدا کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر غازیوں کو مال کی ضرورت ہو تو پہلی صورت یعنی مجاہدین میں غنائم کی تقسیم ہی بہتر ہے، کیونکہ ضرورت تو ممنوعات میں بھی اباحت ثابت کر دیتی ہے اور اگر غازیوں کو مالی ضرورت نہ ہو تو پھر دوسری صورت یعنی مفتوحہ علاقہ والوں کو وہاں رہنے دینا اور ان سے خراج اور جزیہ لیتے رہنا بہتر ہے تاکہ بعد میں مسلمانوں کی آبادی بڑھنے پر یہ علاقے ان کے کام آسکے۔ لیکن یہ دوسرا اختیار صرف غیر منقول جائداد مثلاً زمین اور مکان میں ہوگا اور منقولہ جائداد مثلاً سامان اور گھوڑے وغیرہ کا حکم یہ ہے کہ انھیں مجاہدین میں تقسیم کرنا ہوگا اور یہ چیزیں مفتوحہ علاقے والوں کو نہیں دی جائیں گی، کیونکہ ان کے متعلق شریعت میں کوئی حکم وارد نہیں ہوا ہے اس لیے یہ چیزیں محنت اور جہاد کرنے والوں کی ہوں گی۔

اور زمین یعنی غیر منقولہ جائداد کو کفار کے قبضہ میں چھوڑنے پر بھی امام شافعی رحمہ اللہ متفق نہیں ہیں اور ان کے یہاں یہ صحیح نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ علاقہ فتح کر لیا گیا تو اس کی ہر چیز غنائم کا حق بن گئی اور اسے ان کے مابین تقسیم کرنا ضروری ہے اور تقسیم نہ کر کے اس پر کافروں کو برقرار رکھنا غنائم کے حق کا اور ان کی ملکیت کا ابطال ہے اور چوں کہ یہ ابطال کسی بدلے اور صلے کے بغیر ہے اس لیے درست نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ ان کفار سے جو خراج لیا جاتا ہے وہ غنائم کے حق کا بدل بن سکتا ہے، لہذا یہ ابطال بالبدل ہے اس لیے اسے جائز ہونا چاہئے؟ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ خراج غنائم کے پورے حق اور پوری محنت کا بدلہ نہیں ہے اور یہاں تو ان کے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر رہا ہے اس لیے یہ من و احسان جائز نہیں ہے۔ اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ مجاہدین کا حق تو کفار کی ذات سے بھی وابستہ ہے حالانکہ ان کفار کو غلام بنا کر مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا جاتا اسی طرح ان کی زمینوں اور ان کے مکانوں کو بھی تقسیم نہیں کیا جا رہا ہے، لہذا یہ کہنا کہ مجاہدین کے حق کا ابطال ہو رہا ہے جو غلط ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ مجاہدین کا حق اموال سے تو متعلق ہے، لیکن کفار کی ذات اور رقاب سے متعلق نہیں ہے، اسی لیے تو امام کو یہ حق ہے کہ وہ ان کی گردنوں کو اڑا دے لہذا جب امام کو ان کے قتل کا حق ہے تو قتل نہ کر کے ان سے جزیہ لینے کا بھی حق ہوگا، اس لیے رقاب والے پہلو کو لے کر ہم شوافع پر اعتراض نہ کیا جائے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بھائی ہم کچھ نہیں جانتے، صاف سیدھی بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح کا احسان کیا ہے، اس لیے ہم بھی اس کو کریں گے اور کرائیں گے اور اس سلسلے میں عقلی گھوڑے نہیں دوڑائیں گے اور یہی چیز شوافع کے خلاف حجت اور ہماری مضبوط طاقت ہے۔

اور اس احسان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت مخفی ہے وہ اس طرح سے کہ جب ہم ان زمینوں کو کفار کے پاس چھوڑ دیں گے تو انہیں اپنا 'ہرواہا' اور کاشت کار بنالیں گے وہ کم بخت اس میں مریں مریں گے اور مسلمان زراعت اور کاشت کاری کی محنت اور جھنجھٹ سے نجات پالیں گے اور وہ زمین مسلمانوں کی ملکیت پر باقی رہے گی اور بعد میں آنے والوں کو کام دے گی۔ رہا مسئلہ خراج کا تو خراج اگر چہ فی الحال کم نظر آتا ہے لیکن "قطرہ در قطرہ دریا شود" کے پیش نظر مال اور انجام کار کے اعتبار سے وہ

بہت ہوگا اس لیے کہ ہمیشہ لیا جاتا رہے گا لہذا زمین بھی اپنی رہے گی اور خراج کی صورت میں مال بھی ملتا رہے گا۔

وإن من علیہم الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر امام المسلمین آراضی اور نفوس دونوں اعتبار سے کفار پر احسان کرے یعنی انہیں گرفتار کر کے مسلمانوں میں تقسیم نہ کرے اور نہ ہی انہیں قتل کرے اور خراج مقرر کر کے زمین انہیں کاشت کاری کے لیے دیدے تو امام کو چاہئے کہ منقولہ اموال مثلاً غلے وغیرہ میں سے انہیں کچھ دیدے نیز آلات زراعت بھی دیدے تاکہ ان کے لیے کھیتی اور کاشت کاری کرنا آسان ہو جائے اور اس سلسلے میں انہیں کوئی پریشانی اور ناگواری نہ ہو۔ (بنایہ: ۶/۵۳۷)

قَالَ وَهُوَ فِي الْأَسَارَى بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ قَتَلَ، وَلِأَنَّ فِيهِ حَسَمَ مَادَّةِ الْفَسَادِ، وَإِنْ شَاءَ اسْتَرْقَهُمْ، لِأَنَّ فِيهِ دَفْعَ شَرِّهِمْ مَعَ وَفُورِ الْمَنْفَعَةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُمْ أَحْرَارًا ذِمَّةً لِلْمُسْلِمِينَ لِمَا بَيَّنَّا إِلَّا فِي مُشْرِكِي الْعَرَبِ وَالْمُرْتَدِّينَ عَلَى مَا بَيَّنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَرُدَّهُمْ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ، لِأَنَّ فِيهِ تَقْوِيَتُهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ أَسْلَمُوا لَا يَقْتُلُهُمْ لِأَنَّهُ دَفَاعُ الشَّرِّ بِدُونِهِ، وَلَهُ أَنْ يَسْتَرْقَهُمْ تَوْفِيرًا لِلْمَنْفَعَةِ بَعْدَ انْعِقَادِ سَبَبِ الْمَلِكِ، بِخِلَافِ إِسْلَامِهِمْ قَبْلَ الْاِخْتِارِ، لِأَنَّهُ لَمْ يَنْعَقِدِ السَّبَبُ بَعْدُ، وَلَا يُفَادَى بِالْأَسَارَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ يُفَادَى بِهِمْ أَسَارَى الْمُسْلِمِينَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، لِأَنَّ فِيهِ تَخْلِيصُ الْمُسْلِمِ وَهُوَ أَوْلَى مِنْ قَتْلِ الْكَافِرِ وَالْإِنْتِفَاعُ بِهِ، وَلَهُ أَنْ فِيهِ مَعُونَةٌ لِلْكَفَرَةِ لِأَنَّهُ يَعُودُ حَرْبًا عَلَيْنَا، وَدَفْعُ شَرِّ حَرَابِهِ خَيْرٌ مِنْ اسْتِقْذَابِ الْأَسِيرِ الْمُسْلِمِ، لِأَنَّهُ إِذَا بَقِيَ فِي أَيْدِيهِمْ كَانَ ابْتِلَاءً فِي حَقِّهِ غَيْرَ مُضَافٍ إِلَيْنَا، وَالْإِعَانَةُ بِدَفْعِ أَسِيرِهِمْ إِلَيْهِمْ مُضَافٌ إِلَيْنَا، أَمَّا الْمَفَادَاتُ بِمَالٍ يَأْخُذُ مِنْهُمْ لَا يَجُوزُ فِي الْمَشْهُورِ مِنَ الْمَذْهَبِ لِمَا بَيَّنَّا، وَفِي السِّيَرِ الْكَبِيرِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ إِذَا كَانَ بِالْمُسْلِمِينَ حَاجَةً اسْتِدْلَالًا بِأَسَارَى بَذَرٍ، وَلَوْ كَانَ أَسْلَمَ الْأَسَارَى فِي أَيْدِينَا لَا يُفَادَى بِمُسْلِمٍ أَسِيرٍ فِي أَيْدِيهِمْ لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ، إِلَّا إِذَا طَابَتْ نَفْسُهُ بِهِ وَهُوَ مَأْمُونٌ عَلَى إِسْلَامِهِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ (کافر) قیدیوں کے متعلق امام کو اختیار ہے اگر چاہے تو انہیں قتل کر دے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے (فتح مکہ کے دن) قتل کیا تھا۔ اور اس لیے کہ قتل کرنے میں فساد کی جڑ کو ختم کرنا ہے۔ اور اگر چاہے تو انہیں غلام بنالے، کیونکہ ایسا کرنے میں ان کا شر بھی ختم ہوگا اور مسلمانوں کو نفع بھی زیادہ ہوگا۔ اور اگر چاہے تو انہیں مسلمانوں کا ذمی بنا کر آزاد چھوڑ دے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں، لیکن مشرکین عرب اور مرتدین میں یہ تینوں اختیارات نہیں ہوں گے جیسا کہ ان شاء اللہ ہم اسے بیان کریں گے۔

اور انھیں دار الحرب واپس بھیجنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنے میں مسلمانوں کے خلاف کفار کو مضبوط کرنا لازم آئے گا۔ پھر اگر وہ قیدی اسلام لے آئیں تو امام انھیں قتل نہ کرے، کیونکہ بدون قتل ان کا شر ختم ہو چکا ہے اور امام کو یہ حق ہے کہ ان مسلمان قیدیوں کو غلام بنالے تاکہ سبب ملک منعقد ہونے کے بعد خوب فائدہ حاصل کر لے۔ برخلاف گرفتار ہونے سے پہلے ان کے مسلمان ہو جانے کے، کیونکہ ابھی سبب ملک منعقد نہیں ہوا ہے۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں فدیہ لے کر قیدیوں کو نہیں چھوڑا جائے گا، حضرات صاحبین رحمہم فرماتے ہیں کہ مسلمان قیدیوں کے عوض انھیں چھوڑا جاسکتا ہے یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے۔ اس لیے کہ اس میں مسلم قیدی کو چھٹکارا دلانا ہے اور یہ کافر کو قتل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے سے زیادہ بہتر ہے۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ایسا کرنے میں کافروں کی اعانت ہوگی، اس لیے کہ وہ قیدی دوبارہ ہم سے لڑائی کرے گا اور اس کی لڑائی کے شر کو دور کرنا مسلم قیدی کو چھڑانے سے بہتر ہے، کیونکہ اگر مسلمان قیدی کفار کے ہاتھ میں رہے گا تو یہ صرف اس کی ذات کا نقصان ہوگا اور تمام مسلمانوں کی طرف یہ نقصان مضاف نہیں ہوگا جب کہ کفار کو ان کا قیدی دے کر ان کا تعاون کرنے والا نقصان سارے مسلمانوں کا نقصان ہوگا۔

رہا کفار سے مال کا فدیہ لے کر ان کے قیدی کو چھوڑنا تو مشہور مذہب کے مطابق یہ جائز نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور سیر کبیر میں ہے کہ اگر مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو تو اسیران بدر کو دلیل بناتے ہوئے مال لے کر کافر قیدی کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر یہ کافر قیدی مسلمان ہو جائیں تو ان میں سے کسی کو اس مسلمان قیدی کے عوض فدیہ نہیں دیا جائے گا جو کفار کے قبضہ میں ہو کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، لیکن اگر مسلمان ہونے والا قیدی بطیب خاطر اسے قبول کر لے اور وہ اپنے اسلام پر مطمئن ہو تو (پھر تبادلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

## اللغات:

﴿اساری﴾ قیدی۔ ﴿حسم﴾ کاٹ دینا۔ ﴿استرقہم﴾ ان کو غلام بنالے۔ ﴿وفور﴾ زیادہ ہونا، پورا ہونا۔ ﴿لا یفادی﴾ فدیہ نہیں دیا جائے گا۔ ﴿تخلیص﴾ چھڑانا، آزاد کروانا۔ ﴿معوۃ﴾ امداد۔ ﴿اعانة﴾ مدد کرنا۔

## دشمن کے مرد قیدیوں کے احکام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کفار کے جو مرد قیدی ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں ان کے متعلق امام کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے (۱) یا تو امام ان سب کو ختم کر کے شر و فساد کی بنیاد اور جڑ کو ختم کر دے جیسا کہ فتح مکہ کے دن حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مشرکوں کو قتل کیا تھا یا اسیران بدر میں سے کچھ لوگوں کو قتل کیا تھا (۲) دوسرا اختیار یہ ہے کہ امام ان قیدیوں کو غلام بنالے اس لیے کہ غلام بنانے سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ ان کے شر سے حفاظت ہو جائے گی اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے کام آئیں گے (۳) اور اگر امام چاہے تو انھیں آزاد کر دے اور انھیں ذمی بنا کر ان پر جزیہ مسلط کر دے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کے ساتھ کیا تھا لما بینا سے اسی طرف اشارہ ہے۔

لیکن عرب کے مشرک اور مرتد کا معاملہ ان اختیارات سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ ان کے متعلق صرف دو باتیں ہی قابل قبول ہیں (۱) یا تو وہ اسلام لے آئیں (۲) یا پھر انھیں قتل کر دیا جائے، اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

ولا يجوز الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام کے لیے کافر قیدیوں کو دار الحرب واپس بھیجنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے مسلمانوں کے مقابلے میں کافر مضبوط ہوں گے اور یہ تعاون علی الإثم والعدوان ہوگا جو صحیح نہیں ہے۔ اور اگر گرفتار ہونے اور قیدی بنائے جانے کے بعد وہ لوگ اسلام لے آئیں تو اب قتل والا اختیار ساقط ہو جائے گا، کیونکہ قتل کا اختیار فساد اور شرکی بنیاد ختم کرنے کے لیے ہے اور یہ مقصد قبل القتل حاصل ہو چکا ہے اس لیے اب قتل کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ ہاں غلام بنانے والا اختیار باقی رہے گا، کیونکہ وہ لوگ پہلے گرفتار کر کے قیدی بنائے گئے ہیں اور ان پر غازیوں کی ملکیت ثابت ہو چکی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر گرفتار ہونے سے پہلے ہی وہ مسلمان ہو جائیں تو اب انھیں غلام بنانا بھی صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ ان میں سبب ملک معدوم ہے۔

ولا يفادي الخ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں مسلم قیدی سے تبادلہ کر کے کافر قیدیوں کو رہا کرنا صحیح نہیں ہے جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں یہ صحیح ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد و مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ کافر کو قتل کرنے یا اسے غلام بنا کر اس سے خدمت لینے کے مقابلے میں ایک مسلمان قیدی کو رہا کرنا اور اسے آزادی کی نعمت سے ہمکنار کرنا زیادہ بہتر ہے اس لیے یہ تبادلہ درست اور جائز ہے۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اس تبادلے میں یا مال لے کر کافر قیدی کو رہا کرنے میں کفار کو تقویت پہنچانا لازم آتا ہے، کیونکہ یہ بد بخت رہا ہونے کے بعد پھر سے شرارت کرے گا اور ہمارے خلاف دوبارہ لڑنے کے لیے تیار ہو جائے گا، لہذا اس کے شر اور اس کی لڑائی کے ضرر کو دور کرنا مسلم قیدی کی رہائی سے بہتر ہے اور پھر اگر ہم مسلم قیدی کو رہا نہ کرائیں تو اس کا نقصان اس کی ذات تک محدود رہے گا جب کہ کافر قیدی کو رہا کرنے سے کفار کو جو تقویت حاصل ہوگی اس کا نقصان پوری قوم مسلم پر ہوگا اور یہ بات طے ہے کہ جماعتی نقصان کو ختم کرنے کے لیے ذاتی نقصان کو برداشت کر لیا جاتا ہے اس لیے یہاں بھی مسلم قیدی کا ذاتی نقصان نہیں دیکھا جائے گا، بلکہ جماعتی نقصان کو پیش نظر رکھ کر اس کے بدلے میں کسی کافر قیدی کو رہا نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ مال کے عوض کسی کافر قیدی کی رہائی جائز نہیں ہے یہی مشہور مذہب ہے۔

وفي السير الكبير الخ امام محمد رحمہ اللہ نے سیر کبیر میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو تو مال لے کر کافر قیدی کو رہا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ بدر کے کچھ قیدیوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا تھا، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ بدر کے معاملہ پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے تھے اور فوراً یہ آیت عتاب نازل ہوئی تھی ”لولا كتاب الله سبق لمصكم فيما اخذتم عذاب عظيم“ اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اگر عذاب خداوندی نازل ہوتا تو اس سے صرف حضرت عمر بچ سکتے تھے کیونکہ وہ ان قیدیوں کو قتل کرنے کے حق میں تھے (بیانہ: ۵۴۰/۶) لہذا اس واقعے سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

ولو كان الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے قبضہ میں موجود کافر قیدی اسلام لے آئیں تو انھیں ان مسلم قیدیوں



کے عوض کفار کو دینا صحیح نہیں ہے جو ان کے قبضہ میں ہوں، کیونکہ مسلمان کے بدلے مسلمان کو چھڑانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، لیکن اگر نو مسلم قیدی از خود اس تبادلے کے لیے تیار ہو اور اسے یہ اطمینان ہو کہ دوبارہ کفر کی طرف نہیں جائے گا تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور تبادلہ کیا جاسکتا ہے۔

قَالَ وَلَا يَجُوزُ الْمَنْ عَلَيْهِمْ أَيْ عَلَى الْأَسَارَى، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فَإِنَّهُ يَقُولُ ① مَنَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى بَعْضِ الْأَسَارَى يَوْمَ بَدْرٍ، وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿أَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ (سورة التوبة: ۵)، وَلِأَنَّهُ بِالْأَسْرِ وَالْقَسْرِ يَثْبُتُ حَقُّ الْإِسْتِرْقَاقِ فِيهِ فَلَا يَجُوزُ إِسْقَاطُهُ بِغَيْرِ مَنَفْعَةٍ وَعَوَضٍ، وَمَا رَوَاهُ مَنْسُوخٌ بِمَا تَلَوْنَا، وَإِذَا أَرَادَ الْإِمَامُ الْعُودَ وَمَعَهُ الْمَوَاشِي فَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى نَقْلِهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ ذَبَحَهَا وَحَرَّقَهَا وَلَا يَغْفِرُهَا وَلَا يَتْرُكُهَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَتْرُكُهَا، لِأَنَّهُ ② ﷺ نَهَى عَنْ ذَبْحِ الشَّاةِ إِلَّا لِمَا كَلَمَ، وَلَنَا أَنَّ ذَبْحَ الْحَيَوَانِ يَجُوزُ لِعَرَضٍ صَحِيحٍ، وَلَا غَرَضَ أَصَحُّ مِنْ كَسْرِ شَوْكَةِ الْأَعْدَاءِ، ثُمَّ يُحْرَقُ بِالنَّارِ لِيَنْقَطَعَ مَنَفَعَتُهُ عَنِ الْكُفَّارِ فَصَارَ كَتَخْرِيبِ الْبُنْيَانِ، بِخِلَافِ التَّحْرِيقِ قَبْلَ الذَّبْحِ، لِأَنَّهُ مَنَّهُ عَنْهُ، وَبِخِلَافِ الْعَقْرِ، لِأَنَّهُ مُثَلَّةٌ، وَتُحْرَقُ الْأَسْلِحَةُ أَيْضًا، وَمَا لَا يَحْتَرِقُ مِنْهَا يُدْفَنُ فِي مَوْضِعٍ لَا يَطْلُعُ الْكُفَّارُ ابْطَالًا لِلْمَنَفْعَةِ عَلَيْهِمْ.

**ترجمہ:** اور قیدیوں پر احسان کرنا جائز نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بدر کے دن کچھ قیدیوں پر احسان فرمایا تھا۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”مشرکین کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو“ اور اس لیے کہ قید اور جبر کے ذریعے اس میں غلام بنانے کا حق ثابت ہو سکتا ہے، لہذا منفعت اور عوض کے بغیر اسے ساقط کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث ہماری تلاوت کردہ آیت سے منسوخ ہے۔

اور جب امام دارالاسلام واپس آنا چاہے اور اس کے ساتھ مویشی بھی ہوں، لیکن امام انھیں دارالاسلام لیجانے پر قادر نہ ہو تو امام ان مویشیوں کو ذبح کر کے انھیں جلادے اور نہ تو انھیں زخمی کرے اور نہ ہی زندہ چھوڑے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھیں زندہ چھوڑ دے اس لیے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے کھانے کے علاوہ دوسرے مقصد سے بکری ذبح کرنے کو منع فرمایا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح مقصد سے حیوان کو ذبح کرنا جائز ہے اور دشمن کی شان و شوکت ختم کرنے سے زیادہ صحیح کوئی مقصد نہیں ہو سکتا پھر اسے آگ سے جلادیا جائے تاکہ کفار سے اس کی منفعت ختم ہو جائے جیسے عمارتوں کو ویران کیا جاتا ہے۔ برخلاف ذبح سے پہلے تخریق کے، کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ اور برخلاف زخمی کرنے کے، اس لیے کہ وہ مثلہ کرنا ہے۔ اور دشمن کے اسلحے بھی جلادئے جائیں اور جو اسلحے جلنے کے لائق نہ ہوں انہیں ایسی جگہ دفن کر دیا جائے کہ کفار اس پر مطلع نہ ہو سکیں، تاکہ ان چیزوں کی منفعت وہ حاصل نہ کر سکیں۔

**اللغات:**

﴿من﴾ احسان۔ ﴿اساری﴾ قیدی۔ ﴿اسر﴾ قید کرنا۔ ﴿قسر﴾ جبر، سختی کرنا۔ ﴿استرقاق﴾ غلام بنانا۔ ﴿عود﴾

واپسی، لوٹنا۔ ﴿حرقہا﴾ اس کو جلا دے۔ ﴿لا یعقرھا﴾ ان کی کونچیں نہ کاٹے۔ ﴿شاة﴾ بکری۔ ﴿ماکلة﴾ کھانا۔ ﴿کسر﴾ توڑنا۔ ﴿تخریب﴾ تباہ کرنا۔ ﴿بنیان﴾ عمارت۔

### تخریج:

① اخرجه بخاری فی کتاب فرض الخمس، باب ۱۹، حدیث: ۳۱۴۴.

② اخرجه ابن ابی شیبہ فی مصنفہ.

### دشمن کے قیدیوں کو احسان کے طور پر آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ماقبل میں اساری اور قیدیوں کے حوالے سے امام کو جو تین اختیارات دیئے گئے ہیں ان میں سے کسی ایک پر عمل ضروری ہے اور ہمارے یہاں انھیں ان تینوں سے آزاد کرنا اور یوں ہی انھیں چھوڑ کر ان پر احسان کرنا جائز نہیں ہے جب کہ شوافع کے یہاں انھیں مفت میں چھوڑنا جائز ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے جنگ بدر کے موقع پر بعض قیدیوں کو مفت میں رہا کیا تھا جن میں ابو عزہ ججی نامی شاعر کا نام سرفہرست ہے، لہذا آپ ﷺ کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ اساری کو مفت میں چھوڑا جاسکتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم نے اُقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم کے فرمان سے علی الاطلاق کفار و مشرکین کے قتل کا فرمان جاری کیا ہے، نیز قید اور قہر سے ان قیدیوں میں استرقاق اور غلام بنانے کا حق ثابت ہو جاتا ہے، لہذا بدون عوض مفت میں اسے ساقط کرنا درست نہیں ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث اُقتلوا المشرکین کی وجہ سے منسوخ ہے، کیونکہ یہ سورہ براءت کی آیت ہے اور سورہ براءت آخر میں نازل ہوئی ہے لہذا وہ مذکورہ حدیث کے لیے ناخ ہے۔

وإذا أراد الإمام الخ مسئلہ یہ ہے کہ جب امام کسی شہر یا قلعے وغیرہ کو فتح کرنے کے بعد دارالاسلام واپس جانا چاہے اور اس کے ساتھ جانور اور مویشی بھی ہوں لیکن ان کا ساتھ لیجانا دشوار ہو تو ہمارے یہاں امام کو چاہئے کہ ان مویشیوں کو ذبح کر کے انھیں جلا دے اور انھیں قطع و برید نہ کرے اور نہ ہی انھیں زندہ چھوڑے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں امام ان مویشیوں کو زندہ چھوڑ سکتا ہے، کیونکہ حدیث میں کھانے کے علاوہ دوسرے مقصد سے بکری کو ذبح کرنے سے منع کیا گیا ہے، لہذا جلانے کی نیت سے جانوروں کو ذبح کرنا درست نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح مقصد سے جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ دشمن کی شان و شوکت کو ختم کرنے اور انھیں غیض و غضب میں مبتلا کرنے سے بڑھ کر کوئی مقصد نہیں ہو سکتا اور جلانے سے چوں کہ ان مویشیوں سے کفار کی منفعت ختم ہو جائے گی اور وہ ان کے کسی کام نہیں آئے گا، اس لیے یہ عمل مفید ہوگا۔ جیسے عمارتوں کو دیران کرنے کی صورت میں ہر ہر چیز کو تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے اور کوئی چیز کسی کام کے لائق نہیں چھوڑی جاتی۔ لیکن ذبح سے پہلے جلانا جائز نہیں ہے اور نہ ہی قطع و برید کرنا جائز ہے، کیونکہ تعذیب بالنار اور مثلہ دونوں سے منع کیا گیا ہے۔

وتحرق الخ فرماتے ہیں کہ اسلحہ کو بھی جلا دینا جائز ہے اور جنھیں جلانا ممکن نہ ہو انھیں کسی مخفی اور پوشیدہ مقام پر چھپا کر دفن کر دیا جائے تاکہ کوئی ان پر مطلع نہ ہو سکے اور ہر طرح سے کفار سے ان کی منفعت ختم ہو جائے۔

وَلَا يَقْسَمُ غَنِيمَةً فِي دَارِ الْحَرْبِ حَتَّى يُخْرِجَهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ، وَأَصْلُهُ أَنَّ الْمَلِكَ لِلْغَانِمِينَ لَا يَثْبُتُ قَبْلَ الْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ عِنْدَنَا، وَعِنْدَهُ يَثْبُتُ، وَيَتَنَبُّ عَلَى هَذَا الْأَصْلِ عِدَّةٌ مِنَ الْمَسَائِلِ ذَكَرْنَاهَا فِي كَفَايَةِ الْمُنتَهَى، لَهُ أَنَّ سَبَبَ الْمَلِكِ الْإِسْتِيلَاءُ إِذَا وَرَدَ عَلَى مَالٍ مُبَاحٍ كَمَا فِي الصُّوَرِ، وَلَا مَعْنَى لِلْإِسْتِيلَاءِ سِوَى إِبْثَاتِ الْيَدِ وَقَدْ تَحَقَّقَ، وَلَنَا أَنَّهُ ① الْإِسْتِيلَاءُ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْغَنِيمَةِ فِي دَارِ الْحَرْبِ، وَالْخِلَافُ ثَابِتٌ فِيهِ، وَالْقِسْمَةُ بَيْعٌ مَعْنَى قَدْخُلْ تَحْتَهُ، وَلَئِنْ الْإِسْتِيلَاءُ إِبْثَاتُ الْيَدِ الْحَافِظَةِ وَالنَّاقِلَةِ، وَالثَّانِي مُنْعِمٌ لِقُدْرَتِهِمْ عَلَى الْإِسْتِنْقَازِ وَوُجُودُهُ ظَاهِرٌ، ثُمَّ قِيلَ مَوْضِعُ الْخِلَافِ تَرْتُّبُ الْأَحْكَامِ عَلَى الْقِسْمَةِ إِذَا قَسَمَ الْإِمَامُ لَا عَنْ اجْتِهَادٍ، لَئِنْ حُكِمَ الْمَلِكُ لَا يَثْبُتُ بِدُونِهِ، وَقِيلَ الْكَرَاهَةُ وَهِيَ كَرَاهَةُ تَنْزِيهِهِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ فَإِنَّهُ قَالَ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجُوزُ الْقِسْمَةُ فِي دَارِ الْحَرْبِ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ الْأَفْضَلُ أَنْ يَقْسَمَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ، وَوَجْهُ الْكَرَاهَةِ أَنَّ دَلِيلَ الْبُطْلَانِ رَاجِعٌ إِلَّا أَنَّهُ تَقَاعَدٌ عَنْ سَلْبِ الْجَوَازِ فَلَا يَتَقَاعَدُ عَنْ إِبْرَاطِ الْكَرَاهَةِ.

**ترجمہ:** اور امام دار الحرب میں مال غنیمت کو تقسیم نہ کرے یہاں تک کہ اسے دار الاسلام لے آئے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں دار الاسلام میں احراز سے پہلے غنمین کے لیے ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں ثابت ہو جاتی ہے اور اس اصل پر بہت سے مسائل متفرع ہیں جنہیں ہم نے کفایۃ المنتہی میں بیان کر دیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب مال مباح پر قبضہ واقع ہوتا ہے تو وہ ملکیت کا سبب ہوتا ہے جیسے شکار میں ہوتا ہے اور اثبات قبضہ کے سوا استیلاء کا کوئی معنی نہیں ہے اور یہ استیلاء متحقق ہو چکا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دار الحرب میں مال غنیمت کی بیع سے منع فرمایا ہے اور اس میں اختلاف ثابت ہے اور تقسیم کرنا بھی معنا بیع ہے، لہذا تقسیم بیع کے تحت داخل ہو جائے گی، اور اس لیے کہ استیلاء حفاظت کرنے اور منتقل کرنے والے قبضے کو ثابت کرنا ہے۔ اور دوسری چیز (یعنی یدناقلہ کا اثبات) معدوم ہے کیونکہ کفار کو مسلمانوں سے وہ اموال واپس لینے کی قدرت حاصل ہے اور اس کا ثبوت ظاہر ہے۔

پھر کہا گیا کہ اختلاف تقسیم پر احکام کے مرتب ہونے کی صورت میں ہے جب امام نے بدون اجتہاد مال کو تقسیم کر دیا ہو، کیونکہ ملکیت کے بغیر ملکیت کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں کراہت کراہت تنزیہی ہے چنانچہ سیر کبیر میں انہوں نے لکھا ہے کہ حضرات شیخین کے قول پر دار الحرب میں تقسیم جائز نہیں ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں دار الاسلام میں تقسیم کرنا افضل ہے اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ بطلان کی دلیل رائج ہے، لیکن یہ دلیل سلب جواز میں موثر نہیں ہے تاہم کراہت پیدا کرنے میں موثر ہوگی۔

## اللغات:

﴿غانمین﴾ غازی۔ ﴿احراز﴾ محفوظ کرنا، ذخیرہ کرنا۔ ﴿یتنی﴾ مبنی ہوتا ہے، مدار ہے۔ ﴿استیلاء﴾ غلبہ، فتح۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿استفاد﴾ چھڑالینا، واپس لے لینا۔ ﴿تقاعد﴾ غیر موثر ہوئی، نہیں چلتی۔ ﴿ایراث﴾ پیچھے چھوڑنا۔

## تخریج:

① قال الذیلعی بهذا اللفظ غریب جداً.

## مال غنیمت میں غازیوں کی ملکیت کے وقت کا مسئلہ:

یہ مسئلہ ایک ضابطے پر متفرع ہے ضابطہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں میں مال غنیمت کو دارالاسلام میں لے جا کر محفوظ کرنے سے پہلے اس میں غازیوں کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں قبل الاحراز بھی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، اسی لیے ہمارے یہاں قبل الاحراز والاخراج الی دارالاسلام مال غنیمت کی تقسیم صحیح نہیں ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں صحیح ہے، اس اصل پر بہت سے مسائل متفرع ہیں جو کفایہ المنتہی میں مذکور ہیں اور ہدایہ اولین ص: ۵۶۸ کے حاشیہ لپراس کی مثالیں موجود ہیں۔

لہ الخ صورت مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب کسی مال مباح پر مسلمان کا قبضہ ہوتا ہے تو قابض اس مال کا مالک ہو جاتا ہے اور یہ قبضہ اس کے حق میں سبب ملک ہوتا ہے اور استیلاء کا مطلب یہی ہے کہ اس پر قبضہ ثابت ہو جائے اور چوں کہ مال غنیمت پر بھی غازیوں کا قبضہ ہو جاتا ہے، لہذا غازی بھی اس کے مالک ہو جائیں گے اور دارالحرب ہی میں ان کے مابین مال غنیمت کی تقسیم درست ہوگی۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دارالحرب میں مال غنیمت کی بیع سے منع فرمایا ہے اور بیع میں بھی امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے اور چوں کہ تقسیم بھی معنا بیع ہے کہ اس میں بیع کی طرح مبادلہ ہوتا ہے، لہذا تقسیم بیع کے تحت داخل ہوگی اور چوں کہ بیع ممنوع ہے لہذا تقسیم بھی ممنوع ہوگی۔

اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ استیلاء کا مطلب ہے حفاظت کے قبضے کا اور ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل کرنے کے قبضے کا اثبات، لیکن یہاں انتقال والا قبضہ معدوم ہے، اس لیے کہ کفار کو یہ قدرت ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں سے مقابلہ کر کے وہ مال واپس لے لیں، کیونکہ ابھی مسلمان دارالحرب میں ہیں لہذا ظاہر اوہاں کفار ہی کو قوت حاصل ہوگی اس لیے یہ صورت معدوم ہوگی اور استیلاء سے صرف ید حافظہ ثابت ہوگا اور ید حافظہ ملکیت کا سبب نہیں ہے اور ملکیت ثابت ہونے سے پہلے مال غنیمت کی تقسیم درست نہیں ہے۔

ثم قبل الخ فرماتے ہیں بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ہمارا اور شوافع کا اختلاف تقسیم کے بعد انتفاع کے حوالے سے اس پر جواز اور عدم جواز کا حکم مرتب ہونے پر ہے یعنی اگر امام نے بدون اجتہاد مجاہدین میں مال تقسیم کر دیا تو ہمارے یہاں اس سے انتفاع جائز نہیں ہے اور شوافع کے یہاں جائز ہے اس لیے کہ امام شافعی کے یہاں اس مال میں مجاہدین کی ملکیت ثابت ہے، لیکن ہمارے یہاں ان کی ملکیت ثابت نہیں ہے اسی لیے یہ تقسیم اور انتفاع بھی جائز نہیں ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ تقسیم مکروہ ہے اور اس کی کراہت کراہت تنزیہی ہے یہی امام محمد رحمہ اللہ کی رائے ہے اس



لیے کہ انھوں نے حضرات شیخین کے قول کو لایجوز سے بیان کیا ہے اور اپنے یہاں دارالاسلام میں تقسیم کرنے کو افضل قرار دیا ہے اور خلاف افضل کرنے کا نام مکروہ ہے اور کراہت کی دلیل یہ ہے کہ استیلاء اور قبضہ تام نہ ہونے کی وجہ سے تقسیم کے بطلان کی دلیل رائج ہے، لیکن چوں کہ یہ دلیل جواز کو کھینچنے اور ختم کرنے میں موثر نہیں ہے، کیونکہ شوافع کے یہاں تقسیم جائز ہے اور ہمارے یہاں عام حالات میں اگرچہ جائز نہیں تاہم اگر غازیوں کو سواری یا کپڑے اور غلے کی ضرورت ہو تو قبل الاحراز ہمارے یہاں بھی تقسیم جائز ہے، لہذا عدم جواز تقسیم کی دلیل بہت پختہ اور مضبوط نہیں ہے لیکن پھر بھی کراہت پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔

قَالَ وَالرِّدْءُ وَالْمُقَاتِلُ فِي الْعُسْكَرِ سَوَاءٌ لَا سِتْوَانِهِمْ فِي السَّبَبِ وَهُوَ الْمَجَاوِزَةُ أَوْ شُهُودُ الْوُقْعَةِ عَلَى مَا عُرِفَ وَكَذَلِكَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ لِمَرَضٍ أَوْ لَغَيْرِهِ لِمَا ذَكَرْنَا، وَإِذَا لِحَقِّهِمُ الْمَدَدُ فِي دَارِ الْحَرْبِ قَبْلَ أَنْ يُخْرِجُوا الْغَنِيمَةَ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ شَارِكُوهُمْ فِيهَا، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْقِتَالِ وَهُوَ بِنَاءٌ عَلَى مَا مَهَّدْنَا مِنَ الْأَصْلِ وَإِنَّمَا يَنْقُطِعُ الْمُشَارَكَةُ عِنْدَنَا بِالْأَحْوَازِ أَوْ بِقِسْمَةِ الْإِمَامِ فِي دَارِ الْحَرْبِ أَوْ بَيْعَةِ الْمَغَانِمِ فِيهَا، لِأَنَّ بِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا يَتِمُّ الْمِلْكُ لِيَنْقُطِعَ حَقُّ شَرِكَةِ الْمَدَدِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ لشکر میں قتال کرنے والا اور مدد کرنے والا دونوں برابر ہیں اس لیے کہ سبب میں سب مساوی ہیں اور وہ قتال کی نیت سے جانا یا لڑائی میں شرکت کرنا ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ایسے ہی اگر بیماری یا کسی دوسرے عارض کی وجہ سے کوئی لشکر قتال نہ کر سکے (تو اس کا بھی یہی حکم ہے) اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر مجاہدین کے مال غنیمت کو لے کر دارالاسلام تک پہنچنے سے پہلے دارالحرب میں انہیں کچھ معاون مل گئے تو مال غنیمت میں یہ معاون مجاہدین کے ساتھ شریک ہوں گے، لیکن لڑائی ختم ہونے کے بعد (ملنے کی صورت میں) امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف اس اصل پر مبنی ہے جسے ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور ہمارے یہاں یا تو دارالاسلام میں احراز سے مشارکت کا حق ختم ہو گا یا امام کے دارالحرب میں مال غنیمت کو تقسیم کرنے یا وہاں اسے فروخت کرنے سے ختم ہو گا۔ اس لیے کہ اس میں سے ہر ایک سے ملکیت تام ہو جاتی ہے اس لیے اب معاونین کی شرکت کا حق ختم ہو جائے گا۔

## اللغات:

﴿ردء﴾ معاون، مددگار۔ ﴿سواء﴾ برابر ہیں۔ ﴿مجاوِزۃ﴾ جانا، سفر کرنا۔ ﴿شہود﴾ موجود ہونا۔ ﴿احراز﴾ محفوظ کرنا، ذخیرہ کرنا۔ ﴿مہدنا﴾ ہم نے تمہیں میں بیان کیا ہے۔

## مال غنیمت میں مقاتلین اور معاونین کی مساوات:

عبارت میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں (۱) امام المسلمین کے ساتھ جتنے لوگ بھی دارالاسلام سے دارالحرب کی طرف جہاد کے لیے نکلتے ہیں وہ سب مجاہد کہلاتے ہیں اور فتح کی صورت میں مال غنیمت سے جتنا حصہ مقاتلین کو ملتا ہے اتنا ہی ان کے معاونین کو بھی

ملے گا، کیونکہ یہ سب سب فتح اور غنیمت کے حصول میں برابر ہیں اور وہ سب ہمارے یہاں امام کے ساتھ جانا ہے اور شوافع کے یہاں لڑنا ہے لہذا سب کے یہاں مقاتل اور مساوی کا کام برابر ہے لہذا ان کا انعام بھی برابر برابر ہوگا، اسی طرح اگر نکلنے والوں میں کوئی شخص بیمار ہو جائے یا امام اسے کسی دوسرے کام میں لگا دے اور وہ شریک جنگ نہ ہو سکے تو اس کا حصہ بھی مقاتلین کے برابر ہوگا، کیونکہ بیمار معذور ہے اور دوسرے کام میں لگا ہوا شخص اپنے کام کے اعتبار سے مقاتل اور مجاہد ہے اور محنت اور کام میں مقاتل کے مساوی ہے لہذا منفعت کے حصول میں بھی اسے برابر حق دیا جائے گا۔

(۲) مسئلہ یہ ہے کہ مجاہدین نے کفار سے جنگ جیت لی اور مال غنیمت لے کر چلے لیکن دارالاسلام پہنچنے سے پہلے ہی دارالحرب میں ان سے کچھ معاون اور مددگار مل گئے تو یہ لوگ بھی مال غنیمت میں غازیوں کے ساتھ شریک ہوں گے، یہ حکم ہمارے یہاں ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں حکم یہ ہے کہ اگر معاونین جنگ ختم ہونے اور غازیوں کے مال غنیمت جمع کرنے کے بعد ملتے ہیں تو مال غنیمت میں ان کی شرکت نہیں ہوگی، یہ اختلاف دراصل اس ضابطے پر متفرع ہے کہ ہمارے یہاں تین چیزوں سے مشارکت ختم ہوتی ہے (۱) دارالاسلام میں لا کر جمع کر لینے سے (۲) امام کے دارالحرب میں مال غنیمت تقسیم کر دینے سے (۳) دارالحرب میں غنائم فروخت کر دینے سے، اس لیے کہ ان تینوں میں سے ہر فعل سے مال غنیمت میں غازیوں کی ملکیت تام ہو جاتی ہے اور معاونین ولاحقین کی شرکت کا امکان، ان کا حق اور چانس ختم ہو جاتا ہے، اور امام شافعی کے یہاں فتح کر لینے اور کفار کی شکست ہونے کے بعد ہی اموال غنیمت میں غازیوں کا حق ثابت ہو جاتا ہے اور شرکت کا امکان ختم ہو جاتا ہے اسی ضابطے کے اختلاف پر مسائل کا اختلاف بنی ہے۔

قَالَ وَلَا حَقَّ لِأَهْلِ سُوقِ الْعُسْكَرِ فِي الْغَنِيمَةِ إِلَّا أَنْ يُقَاتِلُوا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ يُسَهَّمُ لَهُمْ لِقَوْلِهِ ① ((الْغَنِيمَةُ لِمَنْ شَهِدَ الْوُقْعَةَ))، وَلِأَنَّهُ وَجَدَ الْجِهَادَ مَعْنَى بِتَكْثِيرِ السَّوَادِ، وَلَنَا أَنَّهُ لَمْ يُوْجَدْ الْمَجَاوِزَةُ عَلَى قَصْدِ الْقِتَالِ فَانْعَدَمَ السَّبَبُ الظَّاهِرُ فَيُعْتَبَرُ السَّبَبُ الْحَقِيقِيُّ وَهُوَ الْقِتَالُ فَيَفِيدُ الْإِسْتِحْقَاقُ عَلَى حَسَبِ حَالِهِ فَارِسًا أَوْ رَاجِلًا عِنْدَ الْقِتَالِ، وَمَارَوَاهُ مَوْقُوفٌ عَلَى عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَوْ تَأْوِيلُهُ أَنْ يَشْهَدَهَا عَلَى قَصْدِ الْقِتَالِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ لشکر کے بازار یوں کا غنیمت میں کوئی حق نہیں ہے الا یہ کہ وہ قتال کریں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے دو قولوں میں ایک میں فرمایا ہے کہ ان کا بھی حصہ لگایا جائے گا، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ غنیمت ان لوگوں کا حق ہے جو لڑائی میں موجود ہیں، اور اس لیے کہ لشکر کی تعداد میں اضافہ کرنے کے حوالے سے معنی اہل سوق نے بھی جہاد کیا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ان کی طرف سے بیعت قتال نکلنا نہیں پایا گیا تو سبب ظاہری معدوم ہو گیا لہذا سبب حقیقی کا اعتبار کیا جائے گا اور وہ قتال ہے اس لیے بازاری اپنی حالت کے مطابق فارس یا پیادہ ہونے کے اعتبار سے مستحق غنیمت ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے یا اس کی تاویل یہ ہے کہ جو شخص قتال کے ارادے سے شریک جنگ ہو

(اے غنیمت ملے گا)۔

## اللغات:

﴿سوق﴾ بازار۔ ﴿یُسْہَم﴾ حصہ دیں۔ ﴿شہد﴾ مشاہدہ کیا، سامنے رہا۔ ﴿تکثیر﴾ اضافہ کرنا۔ ﴿فارس﴾ شہسوار۔

﴿راجل﴾ پیدل، پیادہ۔

## تخریج:

① اخرجہ البیہقی فی السنن الکبریٰ، حدیث: ۱۷۹۵۳۔

## مال غنیمت اور لشکر کے بازار والے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ لشکر کے ساتھ جو بازار جاتا ہے اس کے بازار یوں کو قتال میں شرکت کئے بغیر مال غنیمت میں سے حصہ نہیں ملے گا، ہاں اگر وہ عملی طور سے قتال میں شرکت کرتے ہیں تو مستحق غنیمت ہوں گے، یہ حکم ہمارے یہاں ہے اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے (بنایہ) امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ بازار یوں کو بھی مال غنیمت سے حصہ دیا جائے گا، اس قول کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ”جو شخص بھی بوقت قتال حاضر ہوا اسے مال غنیمت سے حصہ دیا جائے“ اور بازاری بھی اس وقت حاضر رہتا ہے، لہذا اسے بھی حصہ دیا جائے گا۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ بازاری نے عملی طور قتال نہیں کیا لیکن وہ وہاں حاضر تھا اور اس کی حاضری سے مسلمانوں کی جمعیت میں اضافہ ہوا اور افراد کی کثرت ہوئی اور افراد کی کثرت سے کافروں پر رعب پڑتا ہے لہذا معنا وہ بھی جہاد کرنے والا ہوا اس لیے وہ مستحق غنیمت ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ بازاری کمانے اور خرید و فروخت کرنے کی نیت سے لشکر کے ساتھ جاتا ہے اور اس کی طرف سے بیعت قتال نکلنا نہیں پایا جاتا حالانکہ بیعت قتال نکلنا استحقاق غنیمت کا ظاہری سبب ہے اور جب ظاہری سبب اُس کے حق میں معدوم ہے تو اس کے مستحق قتال ہونے کے لیے حقیقی سبب یعنی عملی طور پر اس کی طرف سے قتال کرنا ضروری ہے اور چوں کہ یہ سبب بھی معدوم ہے اس لیے وہ مستحق غنیمت نہیں ہوگا ہاں جب یہ سبب پایا جائے گا تو وہاں وہ اپنے کام اور اپنی محنت کے حساب سے غنیمت کا مستحق ہوگا چنانچہ اگر وہ سوار ہو کر قتال کرے گا تو دو حصے پائے گا اور اگر پیادہ پا قتال کرے گا تو ایک حصے کا مستحق ہوگا۔

رہی وہ حدیث جس سے امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے تو وہ مرفوع نہیں ہے، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور انہی پر موقوف ہے۔ یا اس کی تاویل یہ ہے کہ الغنیمۃ لمن شہد الوقعة کا مطلب یہ ہے لمن شہد الوقعة علی قصد القتال۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لِلْإِمَامِ حَمُولَةً تَحْمِلُ عَلَيْهَا الْغَنَائِمَ قَسَمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِينَ قِسْمَةً إِذَا عَ لِيَحْمِلُوهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ يَرْتَجِعُهَا مِنْهُمْ فَيَقْسِمُهَا، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ هَكَذَا ذُكِرَ فِي الْمُخْتَصَرِ وَلَمْ يُشْتَرَطْ رِضَاهُمْ وَهُوَ رَوَايَةُ السَّيَرِ الْكَبِيرِ، وَالْجُمْلَةُ فِي هَذَا أَنَّ الْإِمَامَ إِذَا وَجَدَ فِي الْمَغْنَمِ حَمُولَةً يَحْمِلُ الْغَنَائِمَ عَلَيْهَا، لِأَنَّ

الْحَمُولَةُ وَالْمَحْمُولُ مَالُهُمْ وَكَذَا إِذَا كَانَ فِي بَيْتِ الْمَالِ فَضْلُ حَمُولَةٍ، لِأَنَّهُ مَالُ الْمُسْلِمِينَ، وَلَوْ كَانَ لِلْغَنَمِينَ أَوْ لِبَعْضِهِمْ لَا يُجْبِرُهُمْ فِي رِوَايَةِ السَّيْرِ الصَّغِيرِ، لِأَنَّهُ ابْتِدَاءُ إِجَارَةٍ فَصَارَ كَمَا إِذَا نَفَقَتْ ذَابَّةٌ فِي مَفَازَةٍ وَمَعَ رَفِيقِهِ فَضْلُ حَمُولَةٍ، وَيُجْبِرُهُمْ فِي رِوَايَةِ السَّيْرِ الْكَبِيرِ، لِأَنَّهُ دَفْعُ الضَّرَرِ الْعَامِ بِتَحْمِيلِ ضَرَرٍ خَاصٍ.

**ترجمہ:** اور اگر امام کے پاس اتنی سواریاں نہ ہوں جن پر غنائم کو لاد جاسکے تو امام ان غنائم کو تقسیم امانت کے طور پر مجاہدین میں تقسیم کر دے تاکہ وہ انھیں دارالاسلام اٹھالیجائیں پھر ان سے واپس لے کر وہ غنائم ان کے مابین تقسیم کر دے۔ بندہ ضعیف کہتا ہے کہ مختصر القدوری میں اسی طرح مذکور ہے اور غازیوں کی رضامندی کو مشروط نہیں کیا ہے اور یہ سیر کبیر کی روایت ہے۔ اس مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ اگر امام غنیمت میں سواری پائے تو غنائم کو اس پر لاد دے، کیونکہ سواری اور اس پر لدا ہوا مال سب غازیوں کا ہے ایسے ہی اگر بیت المال میں زائد سواریاں ہو تو بھی انھیں منگوا کر ان پر لاد دے، اس لیے کہ بیت المال مسلمانوں کا مال ہے۔

اور اگر مجاہدین کے پاس مشترکہ سواری ہو یا ان میں سے کسی ایک کے پاس سواری ہو تو سیر صغیر کی روایت کے مطابق امام ان پر جبر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ ابتداء اجارہ ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے جنگل میں کسی کی سواری ہلاک ہو گئی اور اس کے ساتھی کے پاس زائد سواری ہو (تو گم کردہ شخص اپنے ساتھی پر اپنا سامان لادنے کے لیے جبر نہیں کر سکتا) اور سیر کبیر کی روایت کے مطابق امام جبر کر سکتا ہے اس لیے کہ یہ ضرر خاص کو برداشت کر کے ضرر عام کو دفع کرنا ہے۔

### اللغات:

﴿حمولة﴾ بار بردار۔ ﴿إيداع﴾ امانت دینا۔ ﴿يرتجعها﴾ اس کو واپس لے لے۔ ﴿نفقت﴾ ہلاک ہو گئی۔ ﴿مفازة﴾ جنگل، بیابان، غیر آباد علاقہ۔

### غنیمت کے مال کو دارالسلام تک پہنچانے کے لیے غازیوں کے سپرد کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام کے پاس اموال غنائم میں سواریاں نہ ہوں اور انھیں دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف لیجانا دشوار ہو تو امام کو چاہئے کہ وہ امانت اور ودیعت کے طور پر غنائم کو غازیوں میں تقسیم کر دے تاکہ وہ اسے دارالاسلام تک پہنچادیں اور پھر وہاں پہنچ کر ان سے واپس لے کر ان کی محنت اور کارکردگی کے مطابق ان اموال کو ان میں تقسیم کر دے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مجاہدین کو ودیعت پر مال دینے کے لیے قدوری میں ان کی رضامندی کی شرط نہیں لگائی گئی ہے سیر کبیر میں بھی یہی ہے۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مال غنیمت میں سواریاں موجود ہوں تو امام غنائم کو انھی پر لاد دے۔ یا اگر دارالاسلام جس زائد سواریاں ہوں تو وہاں سے منگوا کر ان پر لاد دے اس لیے کہ بیت المال بھی مسلمانوں کا ہی مال ہے لہذا مسلمانوں کے کام سے ان کو استعمال کرنا درست اور جائز نہیں ہے۔ اور اگر مجاہدین کے پاس سواری ہو یا کسی غازی کے پاس سواری ہو تو امام غنائم لادنے کے لیے صاحب سواری کو مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ سیر صغیر کی روایت ہے اور عدم جواز جبر کی وجہ یہ ہے کہ یہ صورت



ابتداءً اجارے کی ہے اور اجارے میں اجازت شرط اور ضروری ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے جنگل میں اگر کسی کی سواری ہلاک ہو جائے اور اس کے ساتھی کے پاس سواری ہو تو وہ شخص اپنے ساتھ کی سواری لینے کے لیے اسے مجبور نہیں کر سکتا ہاں اگر وہ ساتھی راضی ہو جائے تو لے سکتا ہے۔ لیکن سیر کبیر کی روایت میں ہے کہ امام صاحب سواری کو غنائم لادنے کے لیے مجبور کر سکتا ہے، کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں ضرر خاص (یعنی صاحب دابہ کی سواری لے کر) کو برداشت کر کے ضرر عام (مسلمانوں اور غازیوں کے ضرر) کو دور کرنا لازم آتا ہے اور ضرر عام دور کرنے کے لیے ضرر خاص کو برداشت کر لیا جاتا ہے۔

وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ الْغَنَائِمِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فِي دَارِ الْحَرْبِ، لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ قَبْلَهَا، وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ، وَقَدْ بَيَّنَّا الْأَصْلَ، وَمَنْ مَاتَ مِنَ الْغَانِمِينَ فِي دَارِ الْحَرْبِ فَلَا حَقَّ لَهُ فِي الْغَنِيمَةِ، وَمَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ إِخْرَاجِهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَنَصِيبُهُ لَوَرَثَتِهِ، لِأَنَّ الْأَرْضَ يَجْرِي فِي الْمِلْكِ، وَلَا مِلْكَ قَبْلَ الْإِحْرَازِ، وَإِنَّمَا الْمِلْكَ بَعْدَهُ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ اسْتِقْرَارِ الْهَزِيمَةِ يُوْرَثُ نَصِيبُهُ لِقِيَامِ الْمِلْكِ فِيهِ عِنْدَهُ وَقَدْ بَيَّنَّا.

**ترجمہ:** تقسیم سے پہلے دار الحرب میں غنائم کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ تقسیم سے پہلے ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اور اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے اور ہم ضابطہ بیان کر چکے ہیں۔ غازیوں میں سے جو شخص دار الحرب میں مر جائے تو غنیمت میں اس کا حق نہیں ہوگا اور غازیوں میں سے جو شخص دار الاسلام تک غنائم پہنچانے کے بعد مرا تو اس کا حصہ اس کے ورثاء کو ملے گا، اس لیے کہ ملکیت میں وراثت جاری ہے اور احراز سے پہلے ملکیت نہیں ہوتی، ملکیت تو احراز کے بعد ثابت ہوتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو غازی شکست ثابت ہونے کے بعد مرے اس کا حصہ میراث بن جائے گا، کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں اس میں غازی کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

## اللغات:

﴿إخراج﴾ نکالنا۔ ﴿نصيب﴾ حصہ۔ ﴿إحراز﴾ محفوظ کرنا، ذخیرہ کرنا، محفوظ جگہ پہنچانا۔ ﴿استقرار﴾ طے ہو جانا،

ثابت ہو جانا۔ ﴿هزيمة﴾ شکست۔

## تقسیم سے پہلے غنائم کی بیع:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب تک امام المسلمین دار الحرب میں غنائم کو تقسیم نہ کر دے اس وقت تک اسے فروخت کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ہمارے یہاں تقسیم سے پہلے اس میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور بدون ملکیت بیع درست نہیں ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں قبل القسمة غنائم کی فروخت گنجل جائز ہے، کیونکہ ان کے یہاں استیلاء سے ملکیت تام ہو جاتی ہے۔ اگر دار الحرب میں قبل از تقسیم کوئی غازی مر جائے تو غنیمت سے اس کا حق ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر غنائم کے دار الاسلام لیجانے کے بعد کوئی غازی مرتا ہے تو وہ غنیمت کا حق دار ہوگا اور اس کا حصہ اس کے ورثاء کو دیا جائے گا اس لیے کہ احراز کی وجہ سے اس میں غازی مرحوم کا حق اور حصہ ثابت ہو چکا ہے اور اس کی ملکیت پختہ ہو گئی ہے اور ملکیت سبب استحقاق ہے جب کہ پہلی صورت میں یعنی قبل

الاحراز موت کی صورت میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اس لیے ہم نے اس صورت میں غازی کو مستحق غنیمت نہیں شمار کیا ہے۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں کافروں کی شکست یقینی ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص مرتا ہے تو اسے غنیمت سے حصہ ملے گا، کیونکہ ان کے یہاں بریت پختہ ہونے کے بعد ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور ما قبل میں ان کی اصل بیان کی جا چکی ہے۔

قَالَ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَغْلَفَ الْعُسْكَرُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَيَأْكُلُوا مِمَّا وَجَدُوهُ مِنَ الطَّعَامِ، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ أُرْسِلَ وَلَمْ يُقَيَّدَ بِالْحَاجَةِ وَقَدْ شَرَطَهَا فِي رِوَايَةٍ وَلَمْ يَشْتَرِطَهَا فِي الْأُخْرَى، وَجْهُ الْأَوَّلَى أَنَّهُ مُشْتَرِكٌ بَيْنَ الْغَانِمِينَ فَلَا يَبَاحُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ إِلَّا لِلْحَاجَةِ كَمَا فِي الْبَيِّنَاتِ وَالذُّوَابِ، وَجْهُ الْأُخْرَى قَوْلُهُ ① النَّبِيُّ ﷺ فِي طَعَامٍ خَيْرٌ (كُلُّوْهَا وَاعْلَفُوْهَا وَلَا تَحْمِلُوْهَا))، وَلَآنَ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى دَلِيلِ الْحَاجَةِ وَهُوَ كَوْنُهُ فِي دَارِ الْحَرْبِ، لِأَنَّ الْغَازِي لَا يَسْتَصْحِبُ قُوَّةَ نَفْسِهِ وَغَلْفَ ظَهْرِهِ مُدَّةَ مَقَامِهِ فِيهَا، وَالْمِيرَةُ مُنْقَطِعَةٌ فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْإِبَاحَةِ لِلْحَاجَةِ، بِخِلَافِ السَّلَاحِ، لِأَنَّهُ يَسْتَصْحَبُهُ فَانْعَدَمَ دَلِيلُ الْحَاجَةِ وَقَدْ تَمَسَّ إِلَيْهِ الْحَاجَةُ فَيُعْتَبَرُ حَقِيقَتُهَا فَيُسْتَعْمَلُهُ ثُمَّ يَرُدُّهُ فِي الْمَغْنَمِ إِذَا اسْتَغْنَى عَنْهُ، وَالذَّابَّةُ مِثْلُ السَّلَاحِ، وَالطَّعَامُ كَالْخُبْزِ، وَاللَّحْمُ وَمَا يُسْتَعْمَلُ فِيهِ كَالسَّمَنِ وَالزَّيْتِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ دار الحرب میں اہل لشکر کے لیے جانوروں کو چارہ کھلانے اور وہاں کے پائے ہوئے مطعومات سے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بندہ ضعیف کہتا ہے کہ امام قدوری رحمہ اللہ نے اسے مطلق بیان کیا ہے اور ضرورت سے مقید نہیں کیا ہے جب کہ سیر صغیر میں امام محمد رحمہ اللہ نے حاجت کو مشروط قرار دیا ہے، لیکن سیر کبیر میں ضرورت کی شرط نہیں لگائی ہے۔ پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ وہ مال تمام غازیوں میں مشترک ہے، لہذا بدون ضرورت اس سے انتفاع مباح نہیں ہوگا جیسے کپڑوں اور سواریوں کا یہی حکم ہے۔ دوسری روایت کی دلیل مطعومات خیر کے متعلق حضرت نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے ”اے کھاؤ اور جانوروں کو بھی کھاؤ لیکن لاد کر نہ لیجاؤ“ اور اس لیے کہ حکم کا مدار دلیل حاجت پر ہے اور وہ اس کا دار الحرب میں ہونا ہے، کیونکہ دار الحرب میں اپنی مدت اقامت کے دوران غازی نہ تو اپنی خوارک ساتھ لیجا سکتا ہے اور نہ ہی اپنی سواری کا چارہ لیجا سکتا ہے اور وہاں تک غلے کا پہنچنا بھی ناممکن ہے، لہذا بر بنائے ضرورت یہ حکم اصل اباحت پر باقی رہا۔

برخلاف ہتھیار کے، اس لیے کہ غازی ہتھیار اپنے ساتھ رکھتا ہے لہذا حاجت کی دلیل معدوم ہوگئی اور کبھی ہتھیار کی بھی ضرورت پڑتی ہے اس لیے حقیقی ضرورت کا اعتبار ہوگا لہذا جب غازی اس سے مستغنی ہو جائے گا تو وہ اسے استعمال کر کے مغنم میں واپس کر دے گا۔ اور سواری ہتھیار کی طرح ہے اور طعام سے روٹی اور گوشت اور اس کا مصالحہ یعنی گھی اور تیل مراد ہے۔

## اللغات:

﴿یعلف﴾ چارہ لے لے۔ ﴿غانمین﴾ غازی۔ ﴿لایباح﴾ ناجائز ہوگا۔ ﴿دواب﴾ واحد دابة؛ سواریاں۔ ﴿یدار﴾ مدار ہوتا ہے۔ ﴿لایستصح﴾ نہیں ساتھ رکھتا۔ ﴿قوت﴾ غذا۔ ﴿علف﴾ چارہ۔ ﴿میرۃ﴾ غلہ، خوراک۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار، اسلحہ۔ ﴿خبز﴾ روٹی۔ ﴿لحم﴾ گوشت۔ ﴿سمن﴾ گھی۔ ﴿زیت﴾ تیل۔

## تخریج:

① اخرجہ البیہقی فی معرفۃ السنن، حدیث: ۵۳۵۸.

## دارالحرب میں چارہ اور کھانا پینا استعمال کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مجاہدین دارالحرب کے کسی شہر کو فتح کر لیں تو وہاں رہ کر وہ اپنے جانوروں کو چارہ اور گھاس بھی کھلا سکتے ہیں اور خود بھی وہاں کے مطعومات کو استعمال کر سکتے ہیں اور یہ حکم قدوری میں مطلق ہے یعنی حاجت اور ضرورت سے مقید نہیں ہے جب کہ امام محمد رحمہ اللہ نے سیر صغیر میں بر بنائے ضرورت اس کی اجازت دی ہے اور سیر کبیر میں بدون ضرورت اس کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ ضرورت کی شرط لگائی ہے، سیر صغیر والی روایت کی دلیل یہ ہے کہ فتح کے بعد مفتوحہ علاقے کا مال غازیوں میں مشترک ہوتا ہے، لہذا بدون ضرورت اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا جیسے کپڑوں اور سواریوں کا یہی حکم ہے کہ بدون ضرورت ان کا استعمال مباح نہیں ہے اسی طرح چارہ، گھاس اور مطعومات کا بھی یہی حکم ہے ہوگا۔

سیر کبیر والی روایت کی دلیل مطعومات خیر کے متعلق آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے ”اے کھاؤ اور اپنے جانوروں کو کھلاؤ لیکن ڈھوکر مت لے جاؤ“ اس حدیث میں دو دو چار کی طرح یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ کھانے اور کھلانے کی اجازت ہے البتہ لادکر لیجانا منع ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ حکم یعنی اباحت اور جواز کا مدار حاجت کی دلیل پر ہے اور غازیوں کا دارالحرب میں ہونا حاجت کی بین دلیل ہے، کیونکہ غازی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ جب تک وہ دارالحرب میں رہے اس وقت تک کے لیے اپنی اور اپنے مویشیوں کی خوراک ساتھ لیجائے، لہذا دارالحرب میں اس کے قیام پذیر ہونا اس کے کھانے اور جانوروں کو کھلانے کی حاجت ہے اور پھر وہاں تک غلہ پہنچنے کے راستے بھی مسدود ہوتے ہیں، اس لیے ان چیزوں کا استعمال مباح ہوگا۔

اس کے برخلاف ہتھیار کا معاملہ ہے تو غازیوں کے لیے اس کا استعمال مباح نہیں ہے، کیونکہ غازی ہتھیار اپنے ساتھ لیجاتا ہے اور اسے ساتھ لیجانا ممکن بھی ہے، لہذا اس میں حاجت کی دلیل معدوم ہے اور جب دلیل حاجت معدوم ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا استعمال بھی ممنوع ہوگا۔ اور اگر کبھی کسی غازی کی تلوار ٹوٹ جائے یا ہاتھ سے گر جانے کی وجہ سے اس کے لیے مغنم سے تلوار لینے کی ضرورت پیش آجائے تو اس وقت دلیل حاجت کی حاجت نہیں ہوگی، بلکہ حقیقی ضرورت سامنے ہوگی اور اسی حقیقی ضرورت کے تحت غازی اسے استعمال کر کے دوبارہ مال غنیمت میں رکھ دے گا۔

والدابة مثل السلاح الخ فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں جو حکم ہتھیار کا ہے وہی حکم سواری کا بھی ہے یعنی اس میں بھی

حقیقی ضرورت کا اعتبار ہے۔ اور ماقبل میں جو طعام کا لفظ آیا ہے اس سے روٹی اور گوشت اور جن اشیاء سے گوشت تیار ہوتا ہے یعنی گھی اور تیل وغیرہ مراد ہے۔

قَالَ وَيَسْتَعْمِلُوا الْخَطْبَ وَفِي بَعْضِ النَّسَخِ الطَّيْبَ وَيُدْهِنُوا بِالذَّهْنِ وَيُوقِحُوا بِهِ الدَّابَّةَ لِمَسَاسِ الْحَاجَةِ إِلَى جَمِيعِ ذَلِكَ، وَيَقَاتِلُوا بِمَا يَجِدُونَهُ مِنَ السَّلَاحِ، كُلُّ ذَلِكَ بِلَا قِسْمَةٍ، وَتَأْوِيلُهُ إِذَا احتَاجَ إِلَيْهِ بَأْنٌ لَمْ يَكُنْ لَهُ سَلَاحٌ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَبِيعُوا مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا وَلَا يَتَمَوَّلُوهُ، لِأَنَّ الْبَيْعَ يَتَرْتَّبُ عَلَى الْمِلْكِ، وَلَا مِلْكَ عَلَى مَا قَدَّمْنَا، وَإِنَّمَا هُوَ إِبَاحَةٌ وَصَارَ كَالْمُبَاحِ لَهُ الطَّعَامُ، وَقَوْلُهُ وَلَا يَتَمَوَّلُوهُ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُمْ لَا يَبِيعُونَهُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْعُرُوضِ، لِأَنَّهُ لَا ضَرُورَةَ إِلَى ذَلِكَ، فَإِنْ بَاعَهُ أَحَدُهُمْ رَدَّ الثَّمَنُ إِلَى الْغَنِيمَةِ، لِأَنَّهُ بَدَلُ عَيْنٍ كَانَتْ لِلْجَمَاعَةِ، وَأَمَّا الثِّيَابُ وَالْمَتَاعُ فَيُكْرَهُ الْإِنْتِفَاعُ بِهَا قَبْلَ الْقِسْمَةِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ لِلِاشْتِرَاكِ إِلَّا أَنَّهُ يُقَسِّمُ الْإِمَامُ بَيْنَهُمْ فِي دَارِ الْحَرْبِ إِذَا احتَاجُوا إِلَى الثِّيَابِ وَالذَّوَابِ وَالْمَتَاعِ، لِأَنَّ الْمُحَرَّمَ يُسْتَبَاحُ لِلضَّرُورَةِ فَالْمَكْرُوهُ أَوْلَى، وَهَذَا لِأَنَّ حَقَّ الْمَدَدِ مُحْتَمِلٌ وَحَاجَةٌ هَؤُلَاءِ مُتَيَقِّنٌ بِهَا فَكَانَ أَوْلَى بِالرِّعَايَةِ، وَلَمْ يَذْكُرِ الْقِسْمَةَ فِي السَّلَاحِ، وَلَا فَرَقَ فِي الْحَقِيقَةِ فَإِنَّهُ إِذَا احتَاجَ وَاحِدٌ يَبَاحُ لَهُ الْإِنْتِفَاعُ فِي الْفُضْلَيْنِ، فَإِنْ احتَاجَ الْكُلُّ يُقَسِّمُ فِي الْفُضْلَيْنِ بِخِلَافِ مَا إِذَا احتَاجُوا إِلَى السَّبَبِ حَيْثُ لَا يُقَسِّمُ، لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَيْهِ فِي فُضُولِ الْحَوَائِجِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ مجاہدین لکڑیاں استعمال کر سکتے ہیں اور بعض نسخوں میں ہے خوشبو استعمال کر سکتے ہیں اور تیل استعمال کر سکتے ہیں اور سوار یوں کے پیروں میں لگا سکتے ہیں، اس لیے کہ ان تمام چیزوں کی ضرورت درکار ہے اور جو بھی ہتھیار پائیں انھیں لے کر (کفار سے) قتال بھی کر سکتے ہیں، یہ تمام چیزیں بلا تقسیم کے مباح ہیں اور اس کی تاویل یہ ہے کہ جب ان اشیاء کی ضرورت ہو بایں طور کہ غازی کے پاس ہتھیار نہ ہو اور ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

اور ان کے لیے ان چیزوں میں کوئی چیز فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی انھیں جمع کرنا جائز ہے، کیونکہ بیع ملکیت پر مرتب ہوتی ہے اور یہاں ملکیت معدوم ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور یہ تو اباحت ہے یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی کے لیے طعام مباح کیا گیا ہو۔

اور امام قدوری رحمہ اللہ کا ولا یتموا لونه کہنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ نہ تو سونے چاندی کے عوض اسے فروخت کر سکتے ہیں اور نہ ہی سامان کے عوض، کیونکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر کوئی غازی بیچ دے تو اس کا ثمن مال غنیمت میں واپس کر دے اس لیے کہ یہ ایسے عین کا بدل ہے جو تمام غازیوں کا ہے۔



اور کپڑے اور دوسرے سامانوں سے بلا ضرورت انتفاع مکروہ ہے، کیونکہ ان میں اشتراک ہے لیکن اگر غازیوں کو کپڑے، سواریاں اور سامان کی ضرورت ہو تو امام دار الحرب میں یہ چیزیں ان کے مابین تقسیم کر سکتا ہے اس لیے کہ ضرورت کے وقت جب حرام چیز مباح ہو جاتی ہے تو مکروہ چیز تو بدرجہ اولیٰ مباح ہوگی۔ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ ان چیزوں کی مدد کا حق محتمل ہے جب کہ ان کی ضرورت یقینی ہے لہذا ضرورت کی رعایت کرنا بہتر ہوگا۔

اور امام محمد رحمہ اللہ نے ہتھیار میں تقسیم کا ذکر نہیں کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ثیاب اور سلاح میں ضرورت کے حوالے سے کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ اگر کسی کو دونوں چیزوں کی ضرورت ہو تو اس کے لیے دونوں سے فائدہ حاصل کرنا مباح ہے۔ اور اگر سب کو ان کی ضرورت ہو تو امام دونوں چیزیں ان کے مابین تقسیم کر دے۔ لیکن اگر غازیوں کو گرفتار کردہ عورتوں کی ضرورت ہو تو امام انھیں غازیوں میں تقسیم نہیں کرے گا کیونکہ ان کی ضرورت، ضرورت سے زائد ہے۔

### اللغات:

﴿حطب﴾ لکڑیاں، ایندھن۔ ﴿طیب﴾ خوشبو۔ ﴿یدھنوا﴾ مالش کریں۔ ﴿دھن﴾ تیل۔ ﴿یوقحوا بہ﴾ جانوروں کے پیروں میں لگائیں۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار، اسلحہ۔ ﴿لا یتمولونہ﴾ اس کو جمع نہ کریں۔ ﴿ذهب﴾ سونا۔ ﴿فضۃ﴾ چاندی۔ ﴿متاع﴾ ساز و سامان۔ ﴿یستباح﴾ حلال کر لیا جاتا ہے۔ ﴿سبی﴾ قیدی۔

### دار الحرب کی مباح اشیاء کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر غازیوں کو ضرورت ہو تو دار الحرب میں قبل از تقسیم غنائم وہاں کی لکڑی اور تیل وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں اور اپنے مویشیوں کو بھی لگا سکتے ہیں۔ اسی طرح وہاں کے ہتھیار سے قتال بھی کر سکتے ہیں، بشرطیکہ ان کے پاس سلاح نہ ہو اور انھیں یا کسی غازی کو اس کی ضرورت ہو۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ کل ذلك بلا قسمۃ کا تعلق طعام، علف اور ثیاب وغیرہ سب سے ہے لیکن وناویلہ کا تعلق صرف ویقاتلوا بما یجدونہ من السلاح سے ہے جیسا کہ اوپر والی عبارت میں اس پر یہ حاصل گفتگو ہو چکی ہے۔ (بتایہ: ۵۷۶/۶)

ولا یجوز الخ مسئلہ یہ ہے کہ اموال غنیمت کونہ تو سونا چاندی کے عوض فروخت کرنا جائز ہے اور نہ ہی دوسرے سامان کے عوض اور نہ ہی ان کا ذخیرہ کرنا جائز ہے، کیونکہ بیع اور تمول کے لیے ملکیت ضروری ہے اور حالت یہ ہے کہ دار الحرب میں قبل الاحراز والقسمت غنائم کی ملکیت معدوم ہے اور جب ملکیت معدوم ہے تو ظاہر ہے کہ بیع بھی صحیح نہیں ہوگی۔ باقی بات واضح ہے۔

واما الثیاب و المتاع الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ غازیوں کے لیے بلا ضرورت اموال غنیمت میں سے کپڑے اور دیگر سامان کا استعمال مکروہ ہے، کیونکہ یہ سب مشترک ہے اور ان میں سب کا حق ہے، ہاں اگر یہ چیزیں ان میں تقسیم کر سکتا ہے اس لیے کہ ضرورت جب حرام کو مباح کر دیتی ہے تو مکروہ کو بدرجہ اولیٰ مباح کر دے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ غازیوں کو ان چیزوں کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت متیقن ہے جب کہ دارالاسلام سے ان چیزوں کو منگوا کر غازیوں کی ضرورت پوری کرنے اور نہ کرنے کا احتمال ہے اور متیقن کے سامنے محتمل کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، لہذا متیقن یعنی حقیقی ضرورت پر عمل ہوگا اور یہ چیزیں دار الحرب ہی میں غازیوں کو

دے دی جائیں گی۔

ولم يذكر القسمة الخ فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ نے ہتھیاروں کے متعلق یہ نہیں لکھا ہے کہ بوقت ضرورت ان کی تقسیم ہوسکتی ہے یا نہیں؟ لیکن صحیح یہ ہے کہ ضرورت کے وقت جس طرح ثياب، متاع اور دواب وغیرہ کے استعمال کی اجازت ہے، اسی طرح سلاح کے استعمال کی بھی اجازت ہے۔ اب اگر ایک دو غازیوں کو اس کی ضرورت ہو تو اس کے لیے استعمال کرنا مباح ہے اور اگر سب کو ضرورت ہو تو امام ہتھیار کو بھی ان کے مابین تقسیم کر سکتا ہے۔

بخلاف ما إذا احتاجوا الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر غازیوں کو ان عورتوں کی ضرورت پڑے جو گرفتار ہوئی ہیں تو امام احراز سے پہلے انھیں تقسیم نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ قبل الاحراز ان میں ملکیت معدوم ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ، مَعْنَاهُ فِي دَارِ الْحَرْبِ أُخْرَزَ بِإِسْلَامِهِ نَفْسَهُ، لِأَنَّ الْإِسْلَامَ يَنَافِي ابْتِدَاءَ الْإِسْتِرْقَاقِ، وَأَوْلَادَهُ الصِّغَارَ، لِأَنَّهُمْ مُسْلِمُونَ بِإِسْلَامِهِ تَبَعًا، وَكُلُّ مَالٍ هُوَ فِي يَدَيْهِ لِقَوْلِهِ <sup>①</sup> الْعَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ أَسْلَمَ عَلَى مَالٍ فَهُوَ لَهُ، وَلِأَنَّهُ سَبَقَتْ يَدُهُ الْحَقِيقَةُ إِلَيْهِ يَدُ الظَّاهِرِينَ عَلَيْهِ، أَوْ وَدِيعَةً فِي يَدِ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ، لِأَنَّهُ فِي يَدِ صَاحِبَةِ مُحْتَرَمَةٍ، وَيَدُهُ كَيْدِهِ، فَإِنْ ظَهَرْنَا عَلَى دَارِ الْحَرْبِ فِعْقَارُهُ فِي، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ هُوَ لَهُ، لِأَنَّهُ فِي يَدِهِ فَصَارَ كَالْمَنْقُولِ، وَلَنَا أَنَّ الْعِقَارَ فِي يَدِ أَهْلِ الدَّارِ وَسُلْطَانِهَا إِذْ هُوَ مِنْ جُمْلَةِ دَارِ الْحَرْبِ فَلَمْ يَكُنْ فِي يَدِهِ حَقِيقَةً، وَقِيلَ هَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ وَأَبِي يُوسُفَ رحمہ اللہ الْآخَرِ، وَفِي قَوْلِ مُحَمَّدٍ رحمہ اللہ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ الْأَوَّلِ هُوَ كَغَيْرِهِ مِنَ الْأَمْوَالِ بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْيَدَ حَقِيقَةً لَا يَثْبُتُ عَلَى الْعِقَارِ عِنْدَهُمَا، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رحمہ اللہ يَثْبُتُ، وَزَوْجَتُهُ فِيءٌ، لِأَنَّهَا كَافِرَةٌ حَرْبِيَّةٌ لَا تَتَّبَعُهُ فِي الْإِسْلَامِ، وَكَذَا حَمْلُهَا فِيءٌ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رحمہ اللہ هُوَ يَقُولُ إِنَّهُ مُسْلِمٌ تَبَعًا كَالْمُنْفَصِلِ، وَلَنَا أَنَّهُ جُزْؤُهَا فَيَرْقُ بِرِقِّهَا وَالْمُسْلِمُ مَحَلٌّ لِلْمَلِكِ تَبَعًا لَغَيْرِهِ، بِخِلَافِ الْمُنْفَصِلِ، لِأَنَّهُ حُرٌّ لَا نَعْدَامُ الْجُزْئِيَّةَ عِنْدَ ذَلِكَ، وَأَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فِيءٌ، لِأَنَّهُمْ كُفَّارٌ حَرْبِيُّونَ وَلَا تَتَّبِعِيَّةٌ، وَمَنْ قَاتَلَ مِنْ عِبِيدِهِ فِيءٌ لِأَنَّهُ لَمَّا تَمَرَّدَ عَلَى مَوْلَاهُ خَرَجَ مِنْ يَدِهِ فَصَارَ تَبَعًا لِأَهْلِ دَارِهِمْ، وَمَا كَانَ مِنْ مَالِهِ فِي يَدِ حَرْبِيٍّ فَهُوَ فِيءٌ، غَضَبًا كَانَ أَوْ وَدِيعَةً، لِأَنَّ يَدَهُ لَيْسَتْ بِمُحْتَرَمَةٍ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ کفار میں سے جو شخص دار الحرب میں مسلمان ہو گیا اس نے اپنے اسلام سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا، کیونکہ اسلام ابتداء مملوک ہونے کے منافی ہے۔ اور اس نے اپنے چھوٹے بچوں کو محفوظ کر لیا کیونکہ وہ بچے اپنے باپ کے اسلام کے تابع ہو کر مسلمان ہیں۔ اور اس نے ہر اس مال کو محفوظ کر لیا جو اس کے قبضے میں ہو، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص اس حال میں مسلمان ہوا کہ اس کے پاس کوئی مال ہو تو وہ مال اسی کا ہے۔ اور اس لیے کہ اس مال پر غازیوں کا قبضہ ہونے سے پہلے اس شخص کا

ذاتی قبضہ برقرار ہے۔ اور اس مال کو بھی محفوظ کر لیا جو کسی مسلمان یا ذمی کے قبضے میں بطور امانت کے ہو، اس لیے کہ وہ مال بھی صحیح اور محترم قبضے میں ہے۔ اور مودع کا قبضہ صاحب مال کے قبضے کی طرح ہے۔ اور اگر ہم مسلمان دار الحرب پر غالب ہو گئے تو اس کا عقار فے ہوگا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مال بھی اسی کا ہوگا، کیونکہ وہ اسی کے قبضے میں ہے تو یہ مال منقول کی طرح ہو گیا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر منقول مال دار الحرب والوں کے اور ان کے بادشاہ کے قبضے میں ہے، اس لیے کہ عقار بھی من جملہ دار الحرب کے ہے لہذا وہ حقیقتاً اس کے قبضے میں نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا آخری قول ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول اول میں اس کا عقار بھی اس کے منقولہ اموال کی طرح ہے، اور یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ حضرات شیخین رحمہ اللہ کے یہاں عقار میں حقیقی قبضہ ثابت نہیں ہوتا اور امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں قبضہ ثابت ہو جاتا ہے۔

اور اس شخص کی بیوی بھی فے ہوگی اس لیے کہ وہ کافرہ حربیہ ہے اور اسلام کے سلسلے میں اپنے شوہر کی اطاعت نہیں کر رہی ہے نیز اس عورت کا حمل بھی فے ہوگا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ حمل تابع ہو کر مسلم ہے جیسے وہ بچہ جو پیدا ہو چکا ہو۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل اپنی ماں کا جزء ہے لہذا ماں کے رقیق ہونے کی وجہ سے وہ بھی رقیق ہوگا اور مسلمان دوسرے کے تابع ہو کر ملکیت کا محل ہو جاتا ہے۔ برخلاف منفصل کے، کیونکہ آزاد ہوتا ہے، اس لیے کہ بوقت انفصال جزئیت معدوم ہو جاتی ہے۔ اور اس کی بالغ اولاد بھی فے ہوگی، کیونکہ وہ سب حربی کافر ہیں اور تبعیت معدوم ہے۔ اور اس نو مسلم کے غلاموں میں سے جو قتال کرے گا وہ بھی فے ہوگا، اس لیے کہ جب اس نے اپنے مولیٰ پر سرکشی کر لی تو وہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا، لہذا وہ دار الحرب کے تابع ہو گیا۔ اور اس شخص کا جو مال کسی حربی کے قبضے میں ہو وہ بھی فے ہوگا خواہ غصب کیا ہو یا ودیعت کے طور پر ہو، اس لیے کہ اس کا قبضہ محترم نہیں ہے۔

## اللغات:

﴿احرز﴾ محفوظ کر لیا۔ ﴿استرقاق﴾ غلام بنانا۔ ﴿ظاہرین﴾ غلبہ پانے والے، فاتحین۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿عقار﴾ غیر منقولہ جائیداد، زمین وغیرہ۔ ﴿فیء﴾ غنیمت۔ ﴿منفصل﴾ جدا ہونے والا۔ ﴿تمرّد﴾ سرکشی کی۔ ﴿ودیعة﴾ امانت۔

## تخریج:

① أخرجه البيهقي في السنن الكبرى، حديث: ۱۸۲۵.

## دار الحرب کے مسلمان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ غازیوں کے دار الحرب کو فتح کرنے کے بعد اگر کفار میں سے کوئی شخص مسلمان ہو گیا تو اسلام کی وجہ سے اس کی جان بھی مقتول ہونے سے بچ جائے گی، اس کی نابالغ اولاد بھی بچ جائے گی اور اس کا مال بھی محفوظ ہو جائے گا خواہ وہ اس کے قبضے میں ہو یا کسی مسلمان اور ذمی کے پاس بطور امانت رکھا ہوا ہو۔ اس کے لیے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ اسلام ابتداء کسی کو کسی کا مملوک نہیں بناتا، کیونکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے بندہ خدا کا کامل مملوک ہوتا ہے لہذا اس میں بندے کی ملکیت نہیں داخل ہوگی، ہاں اسلام بقاء مملوک ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اور چوں کہ الولد يتبع خیر الأبوين دنیا کی وجہ سے نابالغ اولاد اپنے باپ کی تابع ہوتی ہے اس لیے اس شخص کے تابع ہو کر وہ بھی مسلمان ہوگی اور قتل سے بچ جائے گی۔ باقی بات واضح ہے۔

فان ظہرنا الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر غازی اور مجاہد لوگ دارالحرب پر غالب آجائیں تو اس نو مسلم کی غیر منقولہ جائداد فتنے ہوگی۔ یعنی مال غنیمت میں داخل ہوگی، لیکن امام شافعی کے یہاں عقار کا مالک وہی نو مسلم ہوگا وہ قال مالک و احمد (بنایہ) ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص اس عقار پر قابض ہے، لہذا جس طرح وہ اپنی منقولہ جائداد کا مالک ہے اسی طرح غیر منقولہ جائداد کا بھی مالک ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ عقار پر اس کا قبضہ نہیں ہے، کیونکہ عقار پر تو اہل حرب اور شاہ حرب کا قبضہ ہوتا ہے اور وہ دارالحرب میں شمار ہوتی ہے اور چوں کہ دارالحرب فتنے ہوتا ہے لہذا غیر منقولہ جائداد بھی فتنے ہوگی۔

وقیل هذا الخ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کی رائے میں مذکورہ نو مسلم کی عقار کو فتنے قرار دینا امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف منقول ہے اور یہی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا آخری قول ہے اور اسے نو مسلم کی مملوک قرار دینا امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ بھی پہلے اسی کے قائل تھے اور یہ اختلاف درحقیقت اس اصل پر مبنی ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں عقار پر حقیقی قبضہ ثابت نہیں ہوتا جب کہ امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں اس پر بھی حقیقی قبضہ متحقق ہو جاتا ہے۔

وزوجتہ الخ فرماتے ہیں کہ اس نو مسلم کی بیوی بھی فتنے ہوگی اور اگر وہ حمل سے ہو تو ہمارے یہاں اس کا حمل بھی فتنے ہوگا لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں حمل فتنے نہیں ہوگا بلکہ جس طرح پیدا شدہ نابالغ بچہ باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوتا ہے ایسے ہی حمل بھی باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل ماں کے تابع ہے اور اس کا جزء ہے اور چوں کہ ماں رقیق ہے لہذا حمل بھی رقیق ہوگا۔ اور اگر امام شافعی رحمہ اللہ کی طرح ہم اسے باپ کے تابع قرار دے کر مسلمان مان بھی لیں تب بھی وہ رقیق ہوگا کیونکہ دوسرے کے تابع ہو کر مسلمان مملوک اور رقیق بن سکتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی مسلمان نے دوسرے کی باندی سے نکاح کر لیا تو اس نکاح سے پیدا ہونے والا بچہ اگرچہ باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا لیکن ماں کی وجہ سے وہ رقیق ہوگا اسی طرح یہ حمل بھی ماں کی وجہ سے رقیق اور فتنے ہوگا۔ ہاں اگر حمل بچہ کی شکل اختیار کر کے ماں سے جدا ہو چکا ہے تو اب وہ آزاد ہوگا اور فتنے نہیں ہوگا، کیونکہ انفصال کے بعد جزئیت ختم ہو چکی ہے۔

اس نو مسلم کے بالغ اور بڑے بچے فتنے ہوں گے، کیونکہ یہ سب کافر حربی ہیں اور بڑا ہونے کی وجہ سے ان کے حق میں تبعیت معدوم ہے یعنی یہ ظالم اپنے مسلم باپ کی اتباع نہیں کریں گے۔ اسی طرح اگر اس شخص کے غلاموں میں سے کوئی غلام مسلمانوں سے قتال کرے گا تو وہ بھی فتنے ہوگا، کیونکہ یہ غلام اپنے آقا کی نافرمانی کر کے اس کے قبضے سے نکل گیا اور دارالحرب والوں کے تابع ہو گیا اور چوں کہ دارالحرب کے کفار فتنے ہیں، لہذا یہ غلام بھی فتنے ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نو مسلم کا مال کسی حربی کے قبضے میں ہو تو وہ بھی فتنے ہے خواہ وہ مال غصب کیا ہو یا ودیعت کے طور پر ہو اس لیے کہ حربی کا قبضہ قابل احترام نہیں ہے اور اس کا قبضہ مسلمانوں کے قبضے کی طرح نہیں ہے کہ اس قبضہ کی وجہ سے اس کے پاس موجود مال محفوظ اور محترم ہو۔

وَإِنْ كَانَ غَضَبًا فِي يَدِ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ فَهُوَ فِيءٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمُ اللَّهُ لَا يَكُونُ فِئًا، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ رَحِمَهُمُ اللَّهُ كَذَا ذَكَرَ مُحَمَّدٌ الْإِخْتِلَافُ فِي السَّيْرِ الْكَبِيرِ، وَذَكَرُوا فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ قَوْلَ أَبِي يُونُسَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ مَعَ قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، لَهُمَا أَنَّ الْمَالَ تَابِعٌ لِلنَّفْسِ وَقَدْ صَارَتْ مَعْصُومَةً بِالْإِسْلَامِ



فَيَتْبَعُهَا مَالَهُ فِيهَا، وَلَهُ اَنْهُ مَالٌ مُّبَاحٌ فَيَمْلِكُ بِالْاَسْتِیْلَاءِ، وَالنَّفْسُ لَمْ تَصِرْ مَعْصُومَةً بِالْاِسْلَامِ اِلَّا تَرَى اَنَّهَا لَيْسَتْ بِمَتْقُومَةٍ اِلَّا اَنْهُ مُحَرَّمُ التَّعَرُّضِ فِي الْاَصْلِ لِكُوْنِهِ مُكَلَّفًا، وَابَاحَةُ التَّعَرُّضِ بِعَارِضِ شَرِّهِ وَقَدْ اِنْدَفَعَ بِالْاِسْلَامِ، بِخِلَافِ الْمَالِ، لِاَنْهُ خُلِقَ عُرْضَةً لِلْاِمْتِهَانِ فَكَانَ مَحَلًّا لِلتَّمَلُّكِ وَلَيْسَتْ فِي يَدِهِ حُكْمًا فَلَمْ تَنْبِتِ الْعِصْمَةَ.

**ترجمہ:** اور اس نو مسلم کا مال جو کسی مسلمان یا ذمی کے قبضہ میں غاصبانہ طور پر ہو تو وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں فئے ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فئے نہیں ہوگا، بندہ ضعیف کہتا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر کبیر میں اسی طرح اختلاف بیان کیا ہے اور جامع صغیر کے شراح نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مال نفس کے تابع ہوتا ہے اور اسلام کی وجہ سے نفس معصوم ہو گیا ہے، لہذا معصوم ہونے میں مال اس کے نفس کے تابع ہوگا۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مال مباح ہے اور قبضہ کرنے سے وہ مملوک ہو جاتا ہے اور اسلام کی وجہ سے نفس معصوم نہیں ہوا ہے کیا دیکھتے نہیں کہ نفس مقوم نہیں ہے لیکن اصلاً اس سے تعرض حرام ہے کیونکہ وہ (آدمی) مکلف ہے اور اس سے چھیڑ چھاڑ کرنا اس کے عارضی شرکی وجہ سے مباح تھا اور اسلام کی وجہ سے یہ ممتنع ہو گیا ہے۔ برخلاف مال کے کیونکہ وہ تو خرچ کرنے کے لیے پیدا ہی کیا گیا ہے، لہذا وہ محل تملک ہوگا اور حکماً بھی یہ مال اس نو مسلم کے قبضہ میں نہیں ہے لہذا عصمت ثابت نہیں ہوگی۔

### اللغات:

﴿فیء﴾ غنیمت کا مال۔ ﴿معصومة﴾ محفوظ۔ ﴿یتبعها﴾ اس (نفس) کے تابع ہوگا۔ ﴿مباح﴾ حلال۔ ﴿استیلاء﴾ قبضہ، غلبہ، فتح۔ ﴿لم تصر﴾ نہیں ہوا۔ ﴿تعرض﴾ در اندازی۔ ﴿اباحۃ﴾ حلال ہونا۔ ﴿عرضۃ﴾ ہدف، نشانہ۔

### کسی نو مسلم کے معصوم مال کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نو مسلم کا مال کسی مسلمان نے غصب کیا ہو یا کسی ذمی نے غصب کیا ہو اور وہ مال غاصب ہی کے قبضے میں ہو تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ بھی فئے ہوگا، لیکن حضرات صاحبین کے یہاں فئے نہیں ہوگا، بلکہ صاحب مال کا ہوگا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ انسان کا مال اس کے نفس کے تابع ہوتا ہے اور نو مسلم کے اسلام کی وجہ سے اس کا نفس معصوم اور محفوظ ہو گیا ہے لہذا اس کا مال بھی محفوظ ہو جائے گا اور فئے نہیں ہوگا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مال اصل میں مباح ہوتا ہے اور جو اس پر قابض اور غالب ہوتا ہے مال اس کی ملکیت میں شمار ہوتا ہے اس لیے اب اس مال پر غاصب کا قبضہ ہے اور یہ مال نو مسلم کے قبضہ سے خارج ہے لہذا یہ اس کا مال نہیں ہوگا بلکہ فئے ہوگا اور رہا حضرات صاحبین کا نفس کو معصوم قرار دے کر مال کو اس کے تابع بنا کر معصوم قرار دینا تو وہ ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ ہمارے یہاں نفس اس درجے کا معصوم نہیں ہے کہ دوسرے میں عصمت ثابت کر دے، اس لیے کہ اس درجے کی عصمت دار الاسلام سے ثابت ہوتی ہے اور یہ واقعہ دار الحرب کا ہے اسی لیے تو اس نو مسلم کا نفس مقوم نہیں ہے اور اگر کوئی مسلمان اس شخص کو عداً یا خطاً قتل کر دے تو اس قاتل پر قصاص یا دیت نہیں ہے۔ البتہ چوں کہ نفس الامر میں انسان سے چھیڑ چھاڑ کرنا حرام ہے، کیونکہ وہ احکام کا مکلف ہے اور احکام پر بدون عصمت عمل کرنا دشوار ہے، لہذا اس درجے میں ہم نے اسے معصوم مانا ہے اور اس کے شرعی کفر اور حرب کی وجہ سے اس کو قتل

کرنے اور مارنے کی اباحت دی گئی ہے لیکن جب وہ اسلام لے آیا تو یہ اباحت بھی ساقط ہوگئی اور تعرض سے اس شخص کا نفس پاک ہو گیا۔ اس کے برخلاف مال کا مسئلہ ہے تو مال خرچ اور صرف کرنے کے لیے پیدا ہی کیا گیا ہے، لہذا مال ملکیت میں آنے کے قابل ہوگا اور چوں کہ یہ مال صاحب مال یعنی نو مسلم کے قبضہ میں نہیں ہے، بلکہ غاصب کے قبضہ میں ہے اور اس کے حق میں غاصب کا قبضہ معتبر نہیں ہے لہذا اس مال میں تو معمولی سی بھی عصمت ثابت نہیں ہوگی اور وہ فنی ہوگا۔

وَإِذَا خَرَجَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ لَمْ يَجْزُ أَنْ يَغْلِفُوا مِنَ الْغَنِيمَةِ وَيَأْكُلُوا مِنْهَا، لِأَنَّ الصَّرُورَةَ قَدْ ارْتَفَعَتْ وَالْإِبَاحَةُ بِإِعْتِبَارِهَا، وَلِأَنَّ الْحَقَّ قَدْ تَأَكَّدَ حَتَّى يُورِثَ نَصِيْبُهُ، وَلَا كَذَلِكَ قَبْلَ الْإِخْرَاجِ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ، وَمَنْ فَضَلَ مَعَهُ عَلْفٌ أَوْ طَعَامٌ رَدَّهٗ إِلَى الْغَنِيمَةِ، مَعْنَاهُ إِذَا لَمْ يُقَسِّمْ، وَعَنِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ مِثْلُ قَوْلِنَا وَعَنْهُ أَنَّهُ لَا يَرُدُّ إِعْتِبَارًا بِالْمُتَلَصِّصِ، وَلِنَّا أَنَّ الْإِخْتِصَاصَ صَرُورَةُ الْحَاجَةِ وَقَدْ زَالَتْ، بِخِلَافِ الْمُتَلَصِّصِ لِأَنَّهُ كَانَ أَحَقُّ بِهِ قَبْلَ الْإِخْرَاجِ فَكَذَا بَعْدَهُ، وَبَعْدَ الْقِسْمَةِ تَصَدَّقُوا بِهِ إِنْ كَانُوا أَغْنِيَاءَ وَانْتَفَعُوا بِهِ إِنْ كَانُوا مَحَاطِيْبٍ، لِأَنَّهُ صَارَ فِي حُكْمِ اللَّقْطَةِ لِتَعْدِيرِ الرَّدِّ عَلَى الْغَانِمِينَ، وَإِنْ كَانُوا انْتَفَعُوا بِهِ بَعْدَ الْإِخْرَاجِ تَرُدُّ قِيَمَتُهُ إِلَى الْمَغْنَمِ إِنْ كَانَ لَمْ يُقَسِّمْ، وَإِنْ قُسِّمَتِ الْغَنِيمَةُ فَالْغَنِيُّ يَتَصَدَّقُ بِقِيَمَتِهِ وَالْفَقِيرُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِقِيَامِ الْقِيَمَةِ مَقَامَ الْأَصْلِ فَآخَذَ حُكْمَهُ.

**ترجمہ:** اور جب مسلمان دار الحرب سے نکل گئے تو ان کے لیے مال غنیمت سے چارہ کھانا اور اس سے کھانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ ضرورت ختم ہو چکی ہے اور ضرورت ہی کی وجہ سے اباحت ثابت تھی۔ اور اس لیے کہ غازیوں کا حق پختہ ہو گیا ہے حتیٰ کہ (اگر کوئی غازی مرتا ہے تو) اس کا حصہ وراثت بنتا ہے، اور دار الاسلام کے لیے نکلنے سے پہلے یہ حالت نہیں تھی۔ اور جس شخص کے پاس زیادہ چارہ ہو یا کھانے کی چیز ہو تو اسے غنیمت میں واپس کر دے اس کے معنی ہیں جب غنیمت تقسیم نہ ہوئی ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے ہمارے قول کی طرح مروی ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ چور پر قیاس کرتے ہوئے واپس نہیں کیا جائے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اختصاص حاجت کی ضرورت ہے اور ضرورت ختم ہو چکی ہے برخلاف متلصص کے، کیونکہ وہ احراز سے پہلے ہی اس کا مستحق تھا لہذا احراز کے بعد بھی وہی مستحق ہوگا۔ اور تقسیم کے بعد اگر غازی مالدار ہوں تو اس مال کا صدقہ کر دیں اور اگر محتاج ہوں تو اس سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ لقطہ کے حکم میں ہو گیا، اس لیے کہ غنمین پر واپس کرنا محال ہے۔ اور اگر دار الاسلام لانے کے بعد انھوں نے اس سے فائدہ اٹھایا تو اس کی قیمت مال غنیمت میں واپس کر دی جائے اگر مال تقسیم نہ ہوا ہو۔ اور اگر غنیمت تقسیم ہوگئی ہو تو غنی غازی اس کی قیمت صدقہ کر دے اور فقیر پر کچھ نہیں ہے، اس لیے کہ قیمت اصل کے قائم مقام ہے لہذا اس نے اصل کا حکم لے لیا ہے۔

### اللغات:

﴿یغلفوا﴾ چارہ لیں، جانور چرائیں۔ ﴿تأكد﴾ پختہ ہو گیا۔ ﴿فضل﴾ بچ گیا ہو۔ ﴿متلصص﴾ چور، لٹیرا۔ ﴿احراز﴾ بچانا، محفوظ جگہ تک پہنچانا۔ ﴿محاطیج﴾ ضرورت مند۔

## دارالحرب سے کل کر مال غنیمت کو استعمال کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دارالحرب میں رہتے ہوئے تو مجاہدین کے لیے اموال غنائم میں سے مطعومات وغیرہ کو استعمال کرنے کی اجازت ہے، لیکن دارالحرب سے نکلنے کے بعد ان کے لیے نہ تو مویشیوں کو چارہ اور گھاس کھلانے کی اجازت ہے اور نہ ہی خود بھی کھانے کی اجازت ہے، کیونکہ یہ اجازت اور اباحت بر بنائے ضرورت ثابت تھی اور ضرورت ختم ہو چکی ہے لہذا اب استعمال کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور پھر احراز کی وجہ سے اس غنیمت میں مسلمانوں کا حق پختہ ہو چکا ہے اور اس میں اشتراک مضبوط ہو گیا ہے اور اگر کوئی غازی مرجاتا ہے تو اس کا حصہ میراث ہو جائے گا لہذا اب تو اور بھی اس کا استعمال صحیح نہیں ہوگا۔ ہاں دارالاسلام میں احراز سے پہلے چوں کہ حق اور اشتراک اتنا پختہ نہیں ہوتا اور وہاں ضرورت بھی رہتی ہے لہذا اس حالت میں مال غنیمت سے استعمال مباح ہوگا۔

ومن فضل معہ الخ فرماتے ہیں کہ اگر دارالحرب میں اموال کی تقسیم نہ ہوئی ہو اور غازیوں نے اپنے اور اپنے مویشیوں کے لیے کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے رکھی ہوں اور وہ بچی ہوں تو انھیں چاہئے کہ دارالحرب سے نکلنے نکلنے ان چیزوں کو مال غنیمت میں واپس کر دیں، یہ حکم ہمارے یہاں ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں اس سلسلے میں دو قول ہیں (۱) ہمارے قول کے مثل ہے (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ واپس نہ کریں یہ قول چوری کی چوری پر قیاس ہے، یعنی اگر امام کی اجازت کے بغیر دارالحرب سے کوئی شخص کوئی سامان چوری کر لے تو اس پر اس سامان کو غنیمت میں جمع کرنا لازم نہیں ہے اسی طرح بچے ہوئے چارے اور کھانے کو واپس کرنا بھی غازیوں پر لازم نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ کچھ غازیوں کی حاجت کے پیش نظر بر بنائے ضرورت ان کے لیے خاص طور پر اس مشترک مال کو مباح الاستعمال قرار دیا گیا تھا اور یہ ضرورت اب ختم ہو چکی ہے، لہذا اباحت بھی ختم ہو جائے گی۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا اسے چور کے مال پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ وہ احراز سے پہلے بھی اس مال کا مستحق تھا لہذا احراز کے بعد بھی اس مال کا وہی حق دار ہوگا جب کہ صورت مسئلہ میں احراز کے بعد تمام غازی مال غنیمت میں مکمل شریک ہو جاتے ہیں اور ان کی شرکت پختہ ہو جاتی ہے، لہذا مال منفرد پر مال مشترک کو قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

وبعد القسمة الخ مذکورہ بالا حکم اور تفصیل تو اس صورت سے متعلق تھی جب امام نے مال غنیمت کی تقسیم نہ کی ہو لیکن اگر امام نے وہ مال غازیوں میں تقسیم کر دیا گیا ہو اور پھر ان کے پاس کچھ زائد ہو تو اگر غازی مالدار ہوں تو اسے صدقہ کر دیں اور اگر ضرورت مند ہوں تو اپنے استعمال میں لے آئیں، اس لیے کہ یہ مال لفظ (پڑے ہوئے مال) کی طرح ہو گیا اور چوں کہ سب لوگ متفرق ہو چکے ہیں لہذا ہر کسی کو اس میں سے دینا معذور ہے، لہذا اب آسان راستہ یہی ہے کہ پا تو اسے صدقہ کر لیں یا پھر حاجت کی صورت میں اسے استعمال کر لیں۔ یہ حکم دارالحرب کا ہے۔

اور اگر دارالاسلام لانے کے بعد انھوں نے وہ بچا ہوا غلہ استعمال کر لیا اور غنیمت تقسیم نہیں ہوئی تھی تو صارفین اس غلے اور سامان کی قیمت مال غنیمت میں جمع کریں گے، کیونکہ وہ سامان مشترک تھا اور تمام غازیوں کا اس سے حق وابستہ تھا، اور اگر غنیمت تقسیم ہو چکی ہو تو مالدار غازی اس کی قیمت صدقہ کرے گا اور اگر وہ محتاج اور ضرورت مند ہو تو اس پر کچھ نہیں لازم ہے، کیونکہ قیمت اصل کے قائم مقام ہے اور غریب غازی کے لیے چوں کہ اصل مباح الاستعمال ہے، لہذا اس کی قیمت بھی مباح الاستعمال ہوگی۔

## فصل فی کیفیۃ القسبۃ

یہ فصل مال غنیمت کو تقسیم کرنے کی کیفیت کے بیان میں ہے

قَالَ وَيُقَسِّمُ الْإِمَامُ الْغَنِيمَةَ فَيُخْرِجُ خُمُسَهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ﴾ (سورة الانفال: ۴۱) اسْتَفْنَى الْخُمُسَ، وَيُقَسِّمُ أَرْبَعَةَ الْأَخْمَاسِ بَيْنَ الْغَانِمِينَ لِأَنَّهُ ① ((قَسَمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِينَ))، ثُمَّ لِلْفَارِسِ سَهْمَانٍ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، وَقَالَ لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةُ أَشْهُمٍ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمُ اللَّهُ لِمَا رَوَى ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَشْهُمٌ لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةُ أَشْهُمٍ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمَانِ، وَلِأَنَّ اسْتِحْقَاقَ بِالْغَنَاءِ، وَغَنَاؤُهُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَمْثَالِ الرَّاجِلِ لِأَنَّهُ لِكُرٍّ وَالْفَرِّ وَالثَّبَاتِ، وَالرَّاجِلِ لِلثَّبَاتِ لَا غَيْرَ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ مَارَوْى ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ ② النَّبِيَّ ﷺ ((أَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَالرَّاجِلَ سَهْمًا))، فَتَعَارَضَ فِعْلَاهُ فَيُرْجَعُ إِلَى قَوْلِهِ وَقَدْ قَالَ ③ ((عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلْفَارِسِ سَهْمَانٍ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ كَيْفَ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ④ ((عَلَيْهِ السَّلَامُ قَسَمَ لِلْفَارِسِ سَهْمَيْنِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمًا، وَإِذَا تَعَارَضَتْ رَوَايَتَاهُ تُرْجَحُ رَوَايَةُ غَيْرِهِ، وَلِأَنَّ الْكُرَّ وَالْفَرَّ مِنْ جَنْسٍ وَاحِدٍ فَيَكُونُ غَنَاؤُهُ مِثْلِي غَنَاءِ الرَّاجِلِ فَيَفْضُلُ عَلَيْهِ بِسَهْمٍ، وَلِأَنَّهُ تَعَدَّرَ اعْتِبَارُ مِقْدَارِ الزِّيَادَةِ لِتَعَدُّرِ مَعْرِفَتِهِ فَيُذَارُ الْحُكْمُ عَلَى سَبَبٍ ظَاهِرٍ، وَلِلْفَارِسِ سَبَبَانِ النَّفْسُ وَالْفَرَسُ، وَلِلرَّاجِلِ سَبَبٌ وَاحِدٌ فَكَانَ اسْتِحْقَاقُهُ عَلَى ضَعْفِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ امام غنیمت کو تقسیم کرتے ہوئے اس کا پانچواں حصہ نکال لے، کیونکہ ارشاد باری ہے فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ الْآیۃ۔ ”اللہ پاک نے خمس کو مستثنیٰ قرار دیا ہے“ اور بقیہ چار خمس غازیوں میں تقسیم کر دے، کیونکہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے اسے غازیوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں گھوڑ سوار کو دو حصے ملیں گے اور پیادہ پا کو ایک حصہ ملے گا۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ فارس کو تین حصے ملیں گے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے اس حدیث کی وجہ سے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فارس کو تین حصے دیئے اور پیادہ کو ایک حصہ دیا ہے۔ اور اس لیے کہ غنیمت کا استحقاق بقدر



کفایت ہوتا ہے اور فارس تین پیدلوں کے بقدر کفایت کرتا ہے، اس لیے کہ وہ حملہ کرتا ہے، جان بچا کر بھاگ لیتا ہے اور جم کر جنگ بھی کرتا ہے اور پیادہ پا صرف جم کر لڑ سکتا ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس کو دو حصے دیے اور پیدل کو ایک حصہ دیا، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں فعل متعارض ہو گئے، اس لیے آپ کے قول کی طرف رجوع کیا جائے گا اور یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ فارس کے لیے دو حصے ہیں اور پیادہ پا کے لیے ایک حصہ ہے۔ اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے کیوں کراستدلال کر سکتے ہیں جب کہ انھی سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس کو دو حصے اور راجل کو ایک حصہ تقسیم فرمایا ہے اور جب ان کی دونوں روایتیں متعارض ہیں تو ان کے علاوہ کی روایت رائج ہوگی۔

اور اس لیے کہ کز اور فرز ایک ہی جنس ہیں، لہذا فارس کی کفایت راجل کی کفایت کی دو گنی ہوگی اور فارس راجل سے ایک حصہ زائد کا مستحق ہوگا۔ اور اس لیے کہ زیادتی کی مقدار کا اعتبار کرنا حذر ہے، کیونکہ اسے شمار کرنا حذر ہے لہذا حکم کا مدار ظاہری سبب پر ہوگا اور فارس کے حق میں ظاہری سبب دو ہیں (۱) اس کا نفس (۲) اور اس کا گھوڑا۔ اور راجل کا ایک سبب ہے لہذا فارس راجل سے دو گنے مال کا مستحق ہوگا۔

### اللغات:

﴿خمس﴾ پانچواں حصہ۔ ﴿فارس﴾ شہسوار۔ ﴿راجل﴾ پیادہ، پیدل۔ ﴿اسہم﴾ حصہ دیا۔ ﴿کتر﴾ لوٹنا، پلٹ کر حملہ کرنا۔ ﴿فر﴾ بھاگنا۔ ﴿بفضل﴾ بڑھ کر ہوگا۔ ﴿یدار﴾ مدار ہوگا۔ ﴿ضعف﴾ دو گنا، دو ہرا۔

### تخریج:

- ① اخرجہ طبرانی فی معجمہ.
- ② اخرجہ بخاری فی کتاب الجہاد باب سهام الفرس، حدیث: ۲۸۶۳.
- ③ قال الزیلعی رحمۃ اللہ علیہ ہذا الحدیث بلفظہ غریب جدا.
- ④ اخرجہ دارقطنی فی سننہ، رقم: ۱۹، ۱۰۶/۴.

### فہم نکالنا اور شہسوار کے حصے کی بحث:

اس سے پہلے باب الغنائم کے تحت ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ اموال غنیمت کے کل پانچ حصے کئے جائیں گے جن میں سے ایک حصہ اللہ اور رسول کا ہوگا اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کئے جائیں گے، اس لیے کہ قرآن کریم نے واعلموا انما غنمتم من شئ فان للہ خمسہ وللرسول الخ کے اعلان سے ایک فہم کا استثناء کر دیا ہے۔

ثم للفارس الخ یہ بڑا معرکہ الآراء مسئلہ ہے اور اس میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین کا مشہور اختلاف ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں فارس یعنی گھوڑا لے کر جہاد کرنے والے مجاہد کو دو حصے ملیں گے اور راجل یعنی پیدل جہاد کرنے والے کو ایک حصہ ملے گا جب کہ حضرات صاحبین، امام شافعی اور امام مالک و احمد کے یہاں فارس کو تین حصے ملیں گے اور راجل

کو ایک حصہ ملے گا۔ ان حضرات کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فارس کو تین حصے دیئے اور راجل کو ایک حصہ دیا ہے۔ اور آپ کا یہ طرز عمل اس بات کی دلیل ہے کہ فارس تین حصے کا حق دار ہے۔ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ مال غنیمت کا استحقاق کفایت اور کام کے اعتبار سے ہوتا ہے اور چوں کہ فارس میدان جہاد میں تین کام کرتا ہے (۱) حملہ کرتا ہے (۲) بھاگ کر پیچھے ہلتا ہے (۳) ضرورت پڑنے پر جم کر جنگ بھی کرتا ہے اور راجل صرف ایک ہی کام کرتا ہے یعنی ثبات قدمی کے ساتھ لڑتا ہے تو گویا راجل کے مقابلے میں فارس تین آدمیوں کے کام کے بقدر کام کرتا ہے، اس لیے اسے تین آدمیوں کے بقدر حصہ بھی ملے گا۔

ولابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الخ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فارس کو دو حصے دیئے ہیں اور راجل کو ایک حصہ دیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں فارس کو تین حصے دینے کا تذکرہ ہے تو آپ ﷺ کے فعل میں تعارض ہو گیا اور ضابطہ یہ ہے کہ جب فعل میں تعارض ہو تو قول کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور قول نبی سے یہ ثابت ہے کہ للفارس سهمان وللراجل سهم اور پھر ابن ابی شیبہ کی روایت میں خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فارس کو دو حصے دیئے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ ایک راوی کی روایتیں جب متعارض ہو جائیں تو دوسرے کی روایت پر عمل کیا جاتا ہے، لہذا حضرات صاحبین رحمہم اللہ کا حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے استدلال کرنا اور فارس کو تین حصوں کا مستحق قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

ولان اکثر الخ حضرات صاحبین رحمہم اللہ وغیرہ کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ کثر یعنی حملہ کرنا اور بھاگنا یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، کیونکہ عموماً حملہ کرنے کے لیے آدمی کو آگے پیچھے ہونا پڑتا ہے، ورنہ تو میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنا درست نہیں ہے، لہذا کثر اور فرار کی ہوئے اور دوسرا کام اس کا ثبات ہو اس لیے اس کے دو کام ہوئے، لہذا اس حوالے سے بھی اسے دو ہی حصہ ملے گا، تین نہیں ملے گا اور راجل کے مقابلے اسے صرف ایک ہی حصہ زائد ملے گا۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ فارس راجل کے مقابلے میں جو زیادہ کام کرے گا اس زیادتی کا اعتبار کرنا ناممکن اور دشوار ہے کیونکہ اسے گنا اور شمار کرنا مشکل ہے، لہذا حکم غنیمت کا دار و مدار ظاہری سبب پر ہوگا اور ظاہری سبب فارس کے حق میں دو ہیں (۱) اس کا نفس (۲) اس کا گھوڑا لہذا وہ دو حصے کا حق دار ہوگا اور راجل کے حق میں ظاہری سبب صرف ایک ہے یعنی نفس اس لیے وہ ایک ہی حصے کا مستحق بھی ہوگا۔

وَلَا يُسْهَمُ إِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يُسْهَمُ لِفَرَسَيْنِ لِمَا رَوَى ① أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَسْهَمَ لِفَرَسَيْنِ، وَلَآنَ الْوَاحِدَ قَدْ بَعِيَ فَيَحْتَاجُ إِلَى الْآخِرِ، وَلَهُمَا أَنَّ الْبَرَاءَ بْنَ أَوْسٍ قَادَ فَرَسَيْنِ وَلَمْ ② يُسْهَمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ، وَلَآنَ الْقِتَالُ لَا يَتَحَقَّقُ بِفَرَسَيْنِ دَفْعَةً وَاحِدَةً فَلَا يَكُونُ السَّبَبُ الظَّاهِرُ مُفْضِيًا إِلَى الْقِتَالِ عَلَيْهِمَا فَيُسْهَمُ لَوَاحِدٍ وَلِهَذَا لَا يُسْهَمُ لِثَلَاثَةِ أَفْرَاسٍ، وَمَا رَوَاهُ مُحْمُوْلٌ عَلَى التَّفْهِيْلِ كَمَا أُعْطِيَ سَلْمَةُ

بَنَ الْأَكُوعَ سَهْمَيْنِ وَهُوَ رَاجِلٌ، وَالْبَرَادِيزُ وَالْعَتَاقُ سَوَاءٌ، لِأَنَّ الْإِرْهَابَ مَصَافٍ إِلَى جِنْسِ الْخَيْلِ فِي الْكِتَابِ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿وَمِنْ رَبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (سورة الانفال: ۶۰) وَاسْمُ الْخَيْلِ يُطْلَقُ عَلَى الْبَرَادِيزِ وَالْعَتَاقِ وَالْهَجِينِ وَالْمَقْرِفِ إِطْلَاقًا وَاحِدًا، وَلِأَنَّ الْعَرَبِيَّ إِنْ كَانَ فِي الطَّلَبِ وَالْهَرَبِ أَقْوَى فَالْبُرْدُونَ أَصْبَرُ وَاللَّيْنُ عَطْفًا فَفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَنَفَعَةٌ مُعْتَبَرَةٌ فَاسْتَوَيَا.

**ترجمہ:** اور صرف ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دو گھوڑوں کو حصہ دیا جائے گا اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے دو گھوڑوں کو حصہ دیا ہے۔ اور اس لیے کہ ایک گھوڑا کبھی تھک جاتا ہے لہذا دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔ حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت براء بن اوسؓ دو گھوڑے لے گئے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا تھا۔ اور اس لیے کہ آن واحد میں دو گھوڑوں سے قتال متحقق نہیں ہوتا، لہذا ان دونوں پر قتال کرنا استحقاق غنیمت کا ظاہری سبب نہیں ہوگا، اس لیے ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا، اسی لیے تین گھوڑوں کو حصہ نہیں دیا جاتا۔ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث وہ زائد (بطور نقل) انعام دینے پر محمول ہے جیسا کہ حضرت سلمہ بن الاکوع کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حصے دیے تھے حالانکہ وہ راجل تھے۔

اور عجمی اور خالص عربی دونوں گھوڑے برابر ہیں، کیونکہ کتاب اللہ میں خوف زدہ کرنا جنس خیل کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ارشادِ بانی ہے اور گھوڑوں کو تیار رکھو جس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کیا کرو اور لفظ خیل یکساں طور پر عجمی، عربی، ہجین اور مقرف پر بولا جاتا ہے اور اس لیے کہ عربی گھوڑا اگر دشمن کا پیچھا کرنے یا خود بچھڑنے میں اقویٰ ہوتا ہے تو عجمی گھوڑا بہت زیادہ صابر ہوتا ہے اور اسے گھمانا آسان ہوتا ہے، لہذا ان میں سے ہر ایک میں معتبر منفعت ہے اس لیے دونوں گھوڑے حکم میں برابر ہوں گے۔

## اللغات:

﴿لَا يَسْهُمُ﴾ نہیں حصہ دیا جائے گا۔ ﴿فَرَسٌ﴾ گھوڑا۔ ﴿يَعِي﴾ تھک جاتا ہے۔ ﴿قَادٌ﴾ لے کر گئے۔ ﴿دَفْعَةٌ﴾ ایک بار، اکٹھے۔ ﴿رَاجِلٌ﴾ پیادہ۔ ﴿بَرَادِيزٌ﴾ واحد بردون؛ عمدہ ترکی گھوڑا۔ ﴿عَتَاقٌ﴾ عربی النسل گھوڑے۔ ﴿إِرْهَابٌ﴾ ڈرانا۔ ﴿خَيْلٌ﴾ گھوڑے۔ ﴿رَبَاطٌ﴾ باندھنا۔ ﴿هَجِينٌ﴾ مقرفہ گھوڑے جن کے ماں باپ میں سے ایک عربی اور ایک عجمی ہو۔ ﴿هَرَبٌ﴾ دوڑ۔ ﴿لَيْنٌ﴾ زیادہ نرم۔ ﴿عَطْفٌ﴾ گھمانا۔

## تخریج:

### شہسوار کا حصہ گھوڑوں کے بقدر ہونے کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ فارس کو اس کے گھوڑے کا صرف ایک ہی حصہ دیا جائے گا اگرچہ اس کے ساتھ دو گھوڑے ہوں یہ حکم حضرات طرفین رضی اللہ عنہما کے یہاں ہے یہی امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا بھی قول ہے، اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے یہاں اگر فارس دو گھوڑوں کے ساتھ جہاد کرے تو اسے اس کے دونوں گھوڑوں کا حصہ دیا جائے گا، ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حصن کے دو گھوڑوں کو چار سہام دیا تھا ”ظاہر ہے کہ اگر دو گھوڑوں کو حصے دینا درست نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں چار حصے نہ دیتے۔ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کبھی ایک گھوڑا تھک جاتا ہے اور دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے لہذا اسے بھی غنیمت سے حق ملے گا۔ اس کے برخلاف حضرات طرفین وغیرہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت براء بن اوس رضی اللہ عنہ میدان جہاد میں دو گھوڑے لے کر گئے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ صرف ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا دو کا نہیں۔

ان حضرات کی عقلی دلیل یہ ہے کہ ایک ساتھ ایک ہی گھوڑے سے قتال ہوتا ہے دو سے نہیں، اور استحقاق قتال سے ہوتا ہے، اس لیے دو گھوڑے لیجانے والا بھی دو حصوں کا مستحق ہوگا کیونکہ انعام بقدر کام ملتا ہے نہ کہ تعداد کے اعتبار سے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص تین یا چار گھوڑے لے کر جائے تو اسے تعداد کے اعتبار سے حصہ نہیں ملے گا بلکہ صرف ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا۔ رہی امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ عمرو بن حصن کی حدیث تو اس کا جواب یہ ہے کہ انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور انعام دیا تھا یہی وجہ ہے کہ ان کو دو گھوڑوں کے عوض چار حصے دیئے گئے تھے جب کہ ان کا استحقاق صرف دو حصوں کا تھا اور اس طرح انعام کے طور پر دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے چنانچہ حضرت سلمہ بن لاؤ کو ع کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حصے دیئے تھے حالانکہ وہ راجل تھے اور صرف ایک حصے کے مستحق تھے۔ لہذا امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کا اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

والبراذین الخ فرماتے ہیں کہ عجمی اور عربی دونوں نسل کے گھوڑے استحقاق غنیمت میں برابر اور مساوی ہیں کیونکہ قرآن کریم نے ومن رباط الخیل ترهبون بہ الخ سے جو ارہاب کا فرمان جاری کیا ہے اس میں ارہاب کو مطلق خیل کی طرف منسوب کیا ہے اور مطلق خیل میں براذین اور عتاق وغیرہ سب داخل ہیں، لہذا استحقاق مال میں بھی سب داخل ہوں گے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر دشمن کا پیچھا کرنے اور پلٹ کر مڑنے میں عربی گھوڑا ماہر ہوتا ہے تو عجمی گھوڑا بہت زیادہ صابر ہوتا ہے اور دشمنوں کا داسہنے میں قوی ہوتا ہے نیز اسے ادھر ادھر گھمانا آسان ہوتا ہے، لہذا دونوں گھوڑے منفعت میں برابر ہیں اس لیے حصول منفعت یعنی غنیمت میں بھی برابر ہوں گے۔

فائدہ: براذین برذون کی جمع ہے جس کا معنی ہے عجمی گھوڑا، ترکی گھوڑا۔ عتاق: عتیق کی جمع ہے جس کا معنی ہے اچھا گھوڑا، عربی گھوڑا۔

الہجین یہ واحد ہے اس کی جمع ہوا جن ہے بمعنی وہ گھوڑا جس کی ماں عجمی ہو اور باپ عربی ہو۔ المقرف وہ گھوڑا جس کی ماں عربی ہو اور باپ عجمی ہو۔ (یہ تعریفات مصباح اللغات سے ماخوذ ہیں اور حاشیہ نمبر ۵۷۴: اولین پر مقرف اور ہجین کی تعریف مصباح اللغات میں بیان کردہ تعریفات سے الگ ہے۔



وَمَنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ فَارِسًا فَتَفَقَّ فَرَسُهُ اسْتَحَقَّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ، وَمَنْ دَخَلَ رَاجِلًا فَاشْتَرَى فَرَسًا اسْتَحَقَّ سَهْمَ رَاجِلٍ، وَجَوَابُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَلَى عَكْسِهِ فِي الْفُضْلَيْنِ، وَهَكَذَا رَوَى ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْفُضْلِ الثَّانِي أَنَّهُ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ، وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ عِنْدَنَا حَالَةَ الْمَجَاوِزَةِ، وَعِنْدَهُ حَالَةُ انْقِضَاءِ الْحَرْبِ، لَهُ أَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْقَهْرُ وَالْقِتَالُ فَيُعْتَبَرُ حَالُ الشَّخْصِ عِنْدَهُ وَالْمَجَاوِزَةُ وَسِيلَةٌ إِلَى السَّبَبِ كَالْخُرُوجِ مِنَ الْبَيْتِ، وَتَعْلِيلُ الْأَحْكَامِ بِالْقِتَالِ يَدُلُّ عَلَى إِمْكَانِ الْوُقُوفِ عَلَيْهِ، وَلَوْ تَعَدَّرَ أَوْ تَعَسَّرَ يَعْلَقُ بِشُهُودِ الْوُقُوعِ، لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الْقِتَالِ، وَلَنَا أَنَّ الْمَجَاوِزَةَ نَفْسَهَا قِتَالٌ، لِأَنَّهُ يُلْحَقُهُمُ الْخَوْفُ بِهَا، وَالْحَالُ بَعْدَهَا حَالَةُ الدَّوَامِ، وَلَا مُعْتَبَرٍ بِهَا، وَلِأَنَّ الْوُقُوفَ عَلَى حَقِيقَةِ الْقِتَالِ مُتَعَسِّرٌ وَكَذَا عَلَى شُهُودِ الْوُقُوعِ، لِأَنَّهُ حَالُ التِّقَاءِ الصَّفَيْنِ فَتُقَامُ الْمَجَاوِزَةُ مَقَامَهُ، إِذْ هُوَ السَّبَبُ الْمُقْضَى إِلَيْهِ ظَاهِرًا إِذَا كَانَ عَلَى قُصْدِ الْقِتَالِ فَيُعْتَبَرُ حَالُ شَخْصٍ حَالَةَ الْمَجَاوِزَةِ فَارِسًا كَانَ أَوْ رَاجِلًا، وَلَوْ دَخَلَ فَارِسًا وَقَاتَلَ رَاجِلًا لِيُضِيقَ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ بِالِاتِّفَاقِ، وَلَوْ دَخَلَ فَارِسًا ثُمَّ بَاعَ فَرَسَهُ أَوْ وَهَبَ أَوْ أَجَرَ أَوْ رَهَنَ فَبَيَّ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ إِعْتِبَارًا لِلْمَجَاوِزَةِ، وَفِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الرِّجَالِ، لِأَنَّ الْإِقْدَامَ عَلَى هَذِهِ التَّصَرُّفَاتِ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِنْ قُصْدِهِ بِالْمَجَاوِزَةِ الْقِتَالُ فَارِسًا، وَلَوْ بَاعَهُ بَعْدَ الْفَرَاغِ لَمْ يَسْقُطْ سَهْمُ الْفُرْسَانِ وَكَذَا إِذَا بَاعَ فِي حَالَةِ الْقِتَالِ عِنْدَ الْبَعْضِ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَسْقُطُ لِأَنَّ الْبَيْعَ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ غَرَضَهُ التَّجَارَةَ فِيهِ إِلَّا أَنَّهُ يَنْتَظَرُ عِزَّتَهُ.

**ترجمہ:** جو شخص سوار ہو کر دار الحرب میں داخل ہوا پھر اس کا گھوڑا ہلاک ہو گیا تو وہ گھوڑ سواروں کے حصے کا مستحق ہوگا اور جو شخص پیدل داخل ہوا پھر اس نے کوئی گھوڑا خریدا تو وہ راجل کے حصے کا مستحق ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں دونوں صورتوں میں حکم اس کے برعکس ہے اور دوسری صورت میں ابن المبارک نے بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس کے برعکس روایت کیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہمارے یہاں سرحد پار کرنے کی حالت کا اعتبار ہے اور امام شافعی کے یہاں جنگ ختم ہونے کی حالت معتبر ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ استحقاق غنیمت کا سبب قہر اور قتال ہے، لہذا ہر شخص کے حق میں وقت قتال کی حالت معتبر ہوگی۔ اور سرحد پار کرنا سبب استحقاق کا ذریعہ ہے جیسے گھر سے نکلنا۔ اور قتال پر احکام کو معلق کرنا قتال پر واقع ہونے کی دلیل ہے۔ اور اگر قتال پر واقعیت محذو رہو تو (اس صورت میں) جنگ میں شریک ہونے پر احکام متعلق ہوں گے، کیونکہ جنگ میں شریک ہونا قتال کے قریب ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ سرحد پار کرنا ہی قتال ہے، کیونکہ مجاوزت سے دشمن خائف ہو جاتا ہے اور مجاوزت کے بعد والی حالت حلیہ دوام ہے اور اس حالت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور اس لیے کہ قتال کی حقیقت پر واقع ہونا دشوار ہے نیز میدان جنگ میں شرکت کرنے

والوں پر مطلع ہونا بھی محذور ہے اس لیے کہ وہ مذبحیہ کرنے کی حالت ہے لہذا مجاوزت کو قتال کے قائم مقام قرار دیا جائے گا، کیونکہ مجاوزت ہی قتال کا ظاہری سبب ہے بشرطیکہ سرحد پار کرنے والا قتال کے ارادے سے گیا ہو اس لیے ہر مجاہد کے حق میں حالت مجاوزت ہی کا اعتبار ہوگا خواہ وہ فارس ہو کر داخل ہو یا راجل ہو کر۔

اور اگر کوئی مجاہد فارس ہو کر داخل ہوا اور تنگی مقام کی وجہ سے اس نے پیادہ پا قتال کیا تو وہ (بالاتفاق) گھوڑ سواروں کے حصے کا مستحق ہوگا۔ اور اگر کوئی سوار ہو کر داخل ہوا پھر اس نے اپنا گھوڑا فروخت کر دیا یا ہبہ کر دیا یا اجرت پر دید یا یا رہن رکھ دیا تو امام اعظم رحمہ اللہ سے حضرت حسنؓ کی روایت میں وہ شخص فرسان کے حصے کا مستحق ہوگا یہ حکم مجاوزت کا اعتبار کرنے پر مبنی ہے، اور ظاہر الروایہ میں وہ راجل کے حصے کا حق دار ہوگا، کیونکہ ان تصرفات پر اس کا اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سرحد پار کرنے سے سوار ہو کر قتال کرنا اس کا مقصد نہیں تھا۔ اور اگر قتال کے بعد اس نے گھوڑا فروخت کیا تو (اس کے حق میں) فرسان کا حصہ ساقط نہیں ہوگا۔ ایسے ہی جب اس نے قتال کی حالت میں گھوڑا فروخت کیا تو بھی بعض حضرات کے یہاں یہی حکم ہے، لیکن اصح یہ ہے کہ اس کے لیے سہم الفرسان نہیں ہوگا، کیونکہ فروخت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا مقصد گھوڑے کی تجارت کرنا تھا لیکن وہ اس کی قیمت بڑھنے کا منتظر تھا۔

### اللغات:

﴿فارس﴾ گھڑ سوار۔ ﴿راجل﴾ پیادہ۔ ﴿مجاوزۃ﴾ سفر کرنا، گزرنا، سرحد عبور کرنا۔ ﴿انقضاء﴾ ختم ہو جانا۔ ﴿تعمس﴾ مشکل ہو گیا۔ ﴿شہود﴾ موجودگی، چشم دیدگی۔ ﴿التقاء﴾ ملنا۔ ﴿اجر﴾ کرائے پر دے دیا۔ ﴿ضیق﴾ تنگی، گھمسان۔

### شہ سوار کی تعریف:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ غازی جس حالت میں دارالاسلام کی سرحد پار کر کے قتال کی نیت سے دارالحرب میں داخل ہوگا ہمارے یہاں اسی حاسب سے وہ مستحق غنیمت ہوگا چنانچہ اگر کوئی شخص گھوڑا لے کر جہاد کرنے کی غرض سے دارالحرب میں داخل ہوا، لیکن پھر اس کا گھوڑا ہلاک ہو گیا تو اسے فارس کا حصہ ملے گا اور وہ مال غنیمت سے دو حصے پائے گا۔ اور اگر کوئی شخص پیدل یعنی سواری کے بغیر دارالاسلام سے دارالحرب میں داخل ہوا تو وہ راجل کا حصہ یعنی صرف ایک حصہ پائے گا اگرچہ بعد میں اس نے دارالحرب میں گھوڑا خرید لیا ہو۔ لیکن ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے یہاں حکم اس کے برعکس ہے یعنی ان حضرات کے یہاں قتال کرنے کی حالت معتبر ہے، چنانچہ پہلی صورت میں ان کے یہاں فارس راجل کا حصہ پائے گا، کیونکہ قبل از قتال اس کا گھوڑا مر چکا ہے اور اس نے تنہا قتال کیا ہے اور دوسری صورت میں راجل فارس کا حصہ پائے گا، اس لیے کہ بوقت قتال اور دوران قتال وہ فارس ہو گیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مال غنیمت کے مستحق ہونے کا سبب قہر اور قتال ہے، لہذا بوقت قتال مجاہد کی جو حالت ہوگی اسی کا اعتبار ہوگا۔ اور رہا مسئلہ مجاوزت اور سرحد پار کرنے کا تو مجاوزت اس سبب کا وسیلہ ہے جیسے گھر سے نکلنا وسیلہ ہے اور گھر سے نکلنے کی حالت کا اعتبار نہیں ہے، لہذا مجاوزت کا اعتبار بھی نہیں ہوگا بلکہ قتال کی حالت کا اعتبار ہوگا اور قتال اگرچہ امر مخفی ہے لیکن اس پر واقف ہونا ممکن ہے، کیونکہ شریعت نے قتال پر اور بھی احکام کو معلق کیا ہے مثلاً اگر کوئی بچہ قتال کرے گا تو اسے رخص یعنی تھوڑا مال ملے گا لہذا غازی کا سبب استحقاق بھی قتال ہی پر موقوف ہوگا۔ اور اگر قتال کا علم نہ ہو سکے تو جو لوگ جنگ میں شریک ہوں ان سے معلوم

کر لیا جائے کہ فلاں قتال میں شریک تھا یا نہیں؟ اور اگر شریک تھا تو فارس ہو کر شریک تھا یا راجل ہو کر، بہر صورت اس کی حالت کا صحیح علم حاصل کرنا ممکن ہے، اس لیے اس کا استحقاق حالت قتال پر مبنی ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ قتال کے ارادے سے سرحد پار کرنا اور دارالحرب میں گھسنا ہی قتال ہے، کیونکہ مسلمانوں کی آمدن کر کفار پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور وہ سہم جاتے ہیں اور اس کے بعد کی جو حالت ہوتی ہے وہ قتال کے دوام کی ہوتی ہے اور دوام کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ وجود کا اعتبار ہے اور چوں کہ مجاوزت سے قتال متحقق ہو جاتا ہے اس لیے مجاوزت ہی پر استحقاق کا مدار ہوگا اور اسی وقت کی حالت کا اعتبار ہوگا۔

اور ایام شافعی رحمہ اللہ کا اسے قتال پر موقوف قرار دینا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ قتال کی حقیقت پر واقف ہونا مستعد رہے، کیونکہ امام کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ہر ہر غازی کی حالت کا معائنہ کرے کہ کون قتال کر رہا ہے اور کون نہیں کر رہا ہے، اسی طرح دوسرے شرکاء سے معلوم کرنا بھی ممکن نہیں ہے، کیونکہ وہ دشمنوں سے مڈ بھٹکا وقت ہوتا ہے اور نفسی نفسی کا عالم رہتا ہے اور کسی کو کسی کی خبر نہیں ہوتی، اس لیے ہم نے مجاوزت کو قتال کے قائم مقام کر دیا ہے اور اسی حالت کا اعتبار کیا ہے۔

ولو دخل فارس الخ واضح ہے۔ ولو دخل فارس الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص فارس ہو کر دارالحرب میں داخل ہوا لیکن پھر اس نے اپنا گھوڑا فروخت کر دیا یا بہہ و نیرہ کر دیا تو امام اعظم رحمہ اللہ سے حسن بن زیاد کی روایت میں ہے کہ وہ فارس ہی شمار ہوگا اور فارس کا حصہ پائے گا، لیکن ظاہر الروایہ میں وہ فارس کا حصہ نہیں پائے گا، اس لیے کہ اس کا بیع وغیرہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لڑنے کی نیت سے نہیں گیا تھا یہی حال اس وقت بھی ہوگا جب دوران قتال وہ اپنا گھوڑا فروخت کر دے، کیونکہ یہ چیز اس کی نیت کو نیت تجارت میں تبدیل کر دے گی اور یہ واضح کر دے گی کہ وہ گراں قیمت ہونے کے انتظار میں قتال تک رکا تھا اور اس کا اصل مقصد تجارت کرنا تھا نہ کہ قتال کرنا۔ یہی اصح اور معتد ہے اگرچہ بعض مشائخ کے یہاں دوران قتال فروخت کرنے سے بھی اسے فرسان کا حصہ ملے گا۔ ہاں اگر قتال ختم ہونے کے بعد اس نے فروخت کیا تو وہ فرسان ہی کا حصہ پائے گا۔

وَلَا يُسْهِمُ لِمَمْلُوكٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ وَلَا مَجْنُونٍ وَلَا ذِمِّيٍّ وَلَكِنْ يُرْضَخُ عَلَى حَسْبِ مَا بَرَى الْإِمَامُ لِمَا رَوَى أَنَّهُ ① (كَانَ لَا يُسْهِمُ لِلنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَالْعَبِيدِ وَلَكِنْ كَانَ يُرْضَخُ لَهُمْ))، وَلَمَّا اسْتَعَانَ ②  
الْعَبْدُ بِالْيَهُودِ عَلَى الْيَهُودِ لَمْ يُعْطِهِمْ شَيْئًا مِنَ الْغَنِيمَةِ يَعْنِي أَنَّهُ لَمْ يُسْهِمْ لَهُمْ، وَلَآنَ الْجِهَادَ عِبَادَةٌ وَالذِّمِّيُّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْعِبَادَةِ، وَالصَّبِيُّ وَالْمَرْأَةُ عَاجِزَانِ عَنْهُ وَلِهَذَا لَمْ يُلْحَقْهُمَا قَرْضُهُ وَالْعَبْدُ لَا يُمْكِنُهُ الْمَوْلَى وَلَهُ صَنْعَةٌ إِلَّا أَنَّهُ يُرْضَخُ لَهُمْ تَحْرِيطًا عَلَى الْقِتَالِ مَعَ إِظْهَارِ انْحِطَاطِ رُتَبِهِمْ، وَالْمَكَاتِبُ بِمَنْزِلَةِ الْعَبْدِ لِقِيَامِ الرِّقِّ وَتَوَهُمِ عَجْزِهِ فَيَمْنَعُهُ الْمَوْلَى عَنِ الْخُرُوجِ إِلَى الْقِتَالِ، ثُمَّ الْعَبْدُ إِنَّمَا يُرْضَخُ لَهُ إِذَا قَاتَلَ، لِأَنَّهُ دَخَلَ لِيُخْدِمَةَ الْمَوْلَى فَصَارَ كَالتَّاجِرِ، وَالْمَرْأَةُ تَرْضَخُ لَهَا إِذَا كَانَتْ تَدَاوِي الْجُرْحَى وَتَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى، لِأَنَّهَا

عَاجِزَةٌ عَنْ حَقِيقَةِ الْقِتَالِ فَتُقَامُ هَذَا النَّوْعُ مِنَ الْإِعَانَةِ مَقَامَ الْقِتَالِ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ لِأَنَّهُ قَادِرٌ عَلَى حَقِيقَةِ الْقِتَالِ، وَالذَّمِّيُّ إِنَّمَا يُرْضَخُ لَهُ إِذَا قَاتَلَ أَوْ دَلَّ عَلَى الطَّرِيقِ وَلَمْ يُقَاتِلْ، لِأَنَّ فِيهِ مَنَفْعَةً لِلْمُسْلِمِينَ إِلَّا أَنَّهُ يَزَادُ عَلَى السَّهْمِ فِي الدَّلَالَةِ إِذَا كَانَتْ فِيهِ مَنَفْعَةٌ عَظِيمَةٌ، وَلَا يَبْلُغُ بِهِ السَّهْمُ إِذَا قَاتَلَ، لِأَنَّهُ جِهَادٌ، وَالْأَوَّلُ لَيْسَ مِنْ عَمَلِهِ وَلَا يُسَوَّى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُسْلِمِ فِي حُكْمِ الْجِهَادِ.

**ترجمہ:** اور مال غنیمت سے غلام، عورت، بچہ اور ذمی کو حصہ نہیں دیا جائے گا لیکن امام اپنی صواب دید کے مطابق انھیں کچھ دیدے گا اس دلیل سے جو مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ عورتوں، بچوں اور غلاموں کے لیے حصہ نہیں لگاتے تھے تاہم انھیں تھوڑا مال عنایت فرمادیا کرتے تھے۔ اور جب آپ ﷺ نے یہود خیبر کے خلاف مدینہ منورہ کے کچھ یہودیوں سے مدد لی تھی تو آپ نے ان لوگوں کو مال غنیمت سے کچھ نہیں دیا تھا یعنی ان کا حصہ نہیں لگایا تھا، اور اس لیے کہ جہاد عبادت ہے اور ذمی عبادت کا اہل نہیں ہے اور بچہ اور عورت جہاد سے عاجز ہوتے ہیں، اسی لیے ان پر جہاد فرض نہیں ہے اور غلام کو اس کا مولیٰ جہاد کی اجازت و قدرت نہیں دے گا اور (اجازت کے بعد) اسے منع کرنے کا بھی حق ہے لیکن انھیں قتال پر آمادہ کرنے کے لیے اور ان کا مقام گھٹاتے ہوئے انھیں کچھ دیدیا جائے گا۔ اور مکاتب غلام کے درجے میں ہے کیونکہ اس میں بھی رقیّت موجود ہے اور اس کے عاجز ہونے کا وہم ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اس کا مولیٰ اسے قتال کے لیے جانے سے منع کر دے۔

پھر غلام کو اسی وقت کچھ دیا جائے گا جب وہ قتال کرے گا، کیونکہ وہ مولیٰ کی خدمت کے لیے دار الحرب گیا ہے تو وہ تاجر کی طرح ہو گیا۔ اور عورت کو اسی وقت کچھ دیا جائے گا جب وہ زخمیوں کو دوا دیتی ہو اور بیماروں کی دیکھ بھال کرتی ہو اس لیے کہ وہ حقیقی قتال سے بے بس ہوتی ہے، لہذا اس نوع کی امداد ہی اس کے حق میں قتال کے قائم مقام ہوگی۔ برخلاف غلام کے، کیونکہ غلام حقیقت قتال پر قادر ہوتا ہے۔ اور ذمی کو بھی اسی صورت میں رخص دیا جائے گا جب اس نے قتال کیا ہو یا اس نے قتال کا راستہ بتلایا ہو، اس لیے کہ اس میں مسلمانوں کی منفعت ہے اور اگر اس رہنمائی میں کوئی بڑا فائدہ ہو تو اس ذمی کو غازی کے حصے سے بھی زیادہ مال دیا جائے گا۔ اور اگر اس نے صرف قتال کیا ہو تو اسے دیا جانے والا مال غازی کے حصے سے کم ہونا چاہئے، اس لیے کہ یہ جہاد ہے اور اول (یعنی رہنمائی کرنا) جہاد نہیں ہے اور جہاد کے حکم میں مسلمان اور ذمی کے مابین برابری نہیں کی جائے گی۔

### اللغات:

﴿لایسہم﴾ حصہ نہیں دیا جائے گا۔ ﴿یرضخ﴾ تھوڑا بہت دے دیا جائے گا۔ ﴿استعان﴾ مدد طلب کی۔ ﴿تحریض﴾ ابھارنا، آمادہ کرنا۔ ﴿انحطاط﴾ نیچا ہونا۔ ﴿جرحی﴾ واحد جریح؛ زخمی۔ ﴿دل﴾ رہنمائی کی۔

### تخریج:

① اخرجه مسلم فی کتاب الجہاد باب ۵۰ حدیث ۱۳۷.

② اخرجه البیہقی فی کتاب السنن الکبریٰ ۶۴/۹.



### مال غنیمت میں غلام عورت اور بچے کا حصہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام، عورت اور بچہ ذمی قتال کرتے ہیں تو انھیں عام غازیوں کی طرح مال غنیمت سے حصہ نہیں دیا جائے گا، بلکہ کھانے پینے کے لیے تھوڑا سا مال دیدیا جائے گا، کیونکہ یہی حضرت نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا اور ایک مرتبہ غزوہ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے مدینہ کے یہودیوں سے مدد طلب کی تھی تو ان کے لیے بھی آپ نے مال غنیمت سے حصہ نہیں لگایا تھا، بلکہ انھیں رخصت دیا تھا یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ ذمی کو مال غنیمت سے حصہ نہیں دیا جائے گا۔ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جہاد کرنا عبادت ہے اور ذمی عبادت کا اہل نہیں ہے جب کہ عورت اور بچہ میں جہاد کی اہلیت اور صلاحیت نہیں ہوتی، اسی لیے شریعت نے ان پر جہاد فرض نہیں کیا ہے اور جہاں تک غلام کا مسئلہ ہے تو اول اس کا مولیٰ اسے جہاد کی اجازت نہیں دے گا اور اگر دے بھی دے گا تو بعد میں اسے منع کر دے گا، اس لیے ان لوگوں کی طرف سے جہاد متحقق نہیں ہوگا اور جب یہ جہاد نہیں کریں گے تو ظاہر ہے کہ مال غنیمت کے مستحق بھی نہیں ہوں گے، لیکن اگر یہ میدان جنگ میں شرکت کرتے ہیں تو ان کی دل بستگی کے لیے اور انھیں جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے تھوڑا بہت مال دیدیا جائے گا۔

والمکاتب الخ فرماتے ہیں کہ عدم استحقاق غنیمت کے حوالے سے جو حکم غلام کا ہے وہی مکاتب کا بھی ہے، کیونکہ اس میں بھی رقیق موجود ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ بدلہ کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے اور پھر رقیق بن جائے اور اس کا مولیٰ اسے جہاد کرنے سے روک دے، لہذا مولیٰ کے قبضہ قدرت میں ہونے کے حوالے سے مکاتب بھی غلام کی طرح ہے اور چوں کہ غلام کو غنیمت سے حصہ نہیں ملتا، اس لیے مکاتب کو بھی نہیں ملے گا۔

ثم العبد الخ یہاں سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ غلام اور عورت وغیرہ کو رخصت بھی اسی وقت ملے گا جب یہ لوگ قتال کریں گے چنانچہ غلام کے حق میں ظاہراً قتال کرنا شرط ہے اور عورت حقیقی قتال پر قادر نہیں ہے، اس لیے اس کے حق میں زخمی کو دوا وغیرہ دینے اور مریضوں کی دیکھ بھال کرنے کو قتال قرار دیا گیا ہے۔ یہی حال ذمی کا بھی ہے کہ اگر وہ قتال کرے گا یا حرب اور قتال کے متعلق کوئی رہنمائی کرے گا اور اس میں مسلمانوں کا فائدہ ہوگا تب تو اسے رخصت ملے گا ورنہ ساتھ رہنے سے کچھ نہیں پائے گا۔ اور اگر ذمی نے کوئی ایسا مشورہ دیا یا کوئی ایسی ترکیب بتلائی جس میں مسلمانوں کا زیادہ نفع ہو تو اس صورت میں اسے ایک غازی کے حصے سے زائد انعام دیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ جہاد نہیں ہے اور اس صورت میں اسے سہم واحد سے زیادہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ اسی کی ترکیب سے مسلمانوں کو اتنا نفع ہوا ہے، ہاں اگر ذمی نے صرف قتال کیا ہو اور کوئی مخبری نہ کی ہو تو اس وقت اسے رخصت دیا جائے گا جس کی مقدار سہم واحد سے کم ہوگی، کیونکہ وہ مسلمان کے تابع ہے لہذا اس کا اور مسلمان کا حصہ برابر نہیں کیا جائے گا۔

وَأَمَّا الْخُمْسُ فَيُقَسَّمُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَصْهُمٍ، سَهْمٌ لِلْيَتَامَى وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِينِ وَسَهْمٌ لِابْنِ السَّبِيلِ يَدْخُلُ فَقَرَاءُ ذَوِي الْقُرْبَى فِيهِمْ وَيُقَدِّمُونَ، وَلَا يَدْفَعُ إِلَى أَغْنِيَانِهِمْ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِمُ لَهُمْ خُمْسُ الْخُمْسِ يَسْتَوِي فِيهِ غَنِيَّتُهُمْ وَفَقِيرَتُهُمْ وَيُقَسَّمُ بَيْنَهُمُ لِلذَّكْرِ مِثْلُ حِظِّ الْأُنثِيَيْنِ، وَيَكُونُ لِبَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ دُونَ غَيْرِهِمْ

لَقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلِذِي الْقُرْبَىٰ﴾ (سورة الحشر: ۷) مَنْ غَيْرِ فَضْلٍ بَيْنَ الْغَنِيِّ وَالْفَقِيرِ، وَلَنَا أَنَّ الْخُلَفَاءَ الْأَرْبَعَةَ الرَّاشِدِينَ قَسَمُوهُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَصْهُمٍ عَلَى نَحْوِ مَا قُلْنَا، وَكَفَى بِهِمْ قُدْوَةٌ، وَقَالَ ❶ (بِأَمْعَشَرَ بَنِي هَاشِمٍ إِنَّ اللَّهَ كَرِهَ لَكُمْ غَسَالَةَ النَّاسِ وَأَوْسَاخَهُمْ وَعَوَضَكُمْ مِنْهَا بِخُمُسِ الْخُمُسِ)، وَالْعَوَاضُ إِنَّمَا يَثْبُتُ فِي حَقِّ مَنْ يَثْبُتُ فِي حَقِّهِ الْمَعْوِضُ وَهُمْ الْفُقَرَاءُ، وَالنَّبِيُّ ❶ (عَلَيْهِ السَّلَامُ) أَعْطَاهُمْ لِلنُّصْرَةِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ (عَلَيْهِ السَّلَامُ) عَزَلَ فَقَالَ ((إِنَّهُمْ لَن يَزَالُوا مَعِيَ هَكَذَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ)) ذَلَّ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ مِنَ النَّصْرِ قُرْبُ النَّصْرَةِ لَا قُرْبُ الْقَرَابَةِ.

**ترجمہ:** اور جہاں تک خمس کا تعلق ہے تو اسے تین حصوں پر تقسیم کیا جائے ایک حصہ یتیموں کے لیے، ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے خاص کیا جائے اور اس میں حضرت رسول اکرم ﷺ کے محتاج قرابت دار داخل ہوں گے اور انھی کو سب سے مقدم کیا جائے گا لیکن ان کے مالداروں کو نہیں دیا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل قرابت کو خمس کا پانچواں حصہ دیا جائے گا اور اس میں امیر و غریب سب برابر ہوں گے اور وہ خمس ان کے مابین للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ اور یہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہی کے لیے ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ پاک نے ولذی القربی کو بغیر تفصیل کے بیان کیا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ چاروں خلفائے راشدین نے اس خمس کو اسی طرح تین حصوں پر تقسیم کیا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور ہمارے لیے ان کا پیشوا ہونا کافی ہے نیز حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے ”اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لوگوں کے میل کچیل کو ناپسند کر دیا ہے اور اس کے بدلے تمہیں غنیمت کا پانچواں حصہ دیدیا ہے“ اور عوض اسی کے حق میں ثابت ہوتا ہے جو عوض کا مستحق ہوتا ہے اور مستحقین فقراء ہیں اور آپ ﷺ نے بنو مطلب کو نصرت کی وجہ سے دیا تھا، کیا دیکھتا نہیں کہ آپ ﷺ نے انھیں دینے کی علت بھی بیان فرمائی اور یوں ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ہمیشہ اسی طرح میرے ساتھ رہے جاہلیت میں بھی اور اسلام میں بھی اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملا لیا۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان گرامی اس بات کی دلیل ہے کہ قرب سے مراد قرب نصرت ہے نہ کہ قرب قرابت۔

### اللغات:

﴿ابن السبیل﴾ مسافر۔ ﴿حظ﴾ حصہ۔ ﴿قُدْوَةٌ﴾ مقتداء، جس کی پیروی کی جائے۔ ﴿غَسَالَةٌ﴾ دھوون۔ ﴿اَوْسَاخ﴾ میل کچیل۔ ﴿عَوَضَكُمْ﴾ تم کو بدلے میں دیا ہے۔ ﴿شَبَّكَ﴾ ملا، پس جوڑ لیں۔

### تخریج:

❶ اخرجہ طبرانی فی معجمہ۔

❷ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الخراج باب فی بیان مواضع قسم الخمس، حدیث رقم: ۲۹۸۰۔

### خمس کے معارف:

اس عبارت میں اس خمس کا بیان ہے جو مال غنیمت سے ذوی القربی اور یتامی کے لیے مخصوص کیا جاتا ہے چنانچہ ہمارے یہاں

اس خمس کے تین حصے کئے جائیں گے جن میں سے ایک حصہ یتیموں کا ہوگا ایک حصہ مساکین کا ہوگا اور ایک حصہ مسافرین کا ہوگا اور حضرت نبی اکرم ﷺ کے محتاج قرابت دار بھی ان تینوں اصناف کے ساتھ مستحق خمس ہوں گے بلکہ سب سے مقدم ہوں گے، کیونکہ ان کے ساتھ حضرت کی نسبت بابرکت وابستہ ہے، اور ہمارے یہاں رسول اکرم ﷺ کے مالدار قرابت دار اس میں شریک نہیں ہوں گے اور انہیں اس خمس سے حصہ نہیں دیا جائے گا، جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں محتاج اور غنی دونوں صنف اس میں شریک ہوں گے اور دونوں کو حصہ ملے گا اور یہ تقسیم للذکر مغل حظ الانعین کے مطابق ہوگی یعنی مردوں کو دو دو حصے ملیں گے اور عورتوں کو ایک ایک حصہ دیا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جس آیت کریمہ سے (واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل) ذوی القربی کے لیے خمس کا استحقاق ثابت ہے وہ آیت غنی اور فقیر کی تفصیل سے خالی ہے اور اس میں غنی اور فقیر کے مابین کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، اس لیے ہمیں غنی کو کنارے کرنے کا حق نہیں ہے اور وہ بھی مستحق خمس ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جس طرح ہم نے تقسیم کی ہے اسی طرح کی تقسیم حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور حضرات خلفائے راشدین کا طرز عمل ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ کے حوالے سے کافی ودانی ہے۔ نیز آپ ﷺ نے بنو ہاشم کو صدقہ اور زکوٰۃ کے استعمال سے منع فرمایا ہے اور ان کی جگہ خمس کے استعمال کو جائز قرار دیا ہے یعنی گویا خمس اسی کے لیے درست ہے جس کے لیے معوض یعنی زکوٰۃ لینا صحیح تھا اور ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے مستحق اور مصرف فقراء ہیں لہذا خمس کے حق دار بھی آپ ﷺ کے محتاج اور فقیر قرابت دار ہی ہوں گے اور چوں کہ شرافت نسبی اور قرابت نبوی کی وجہ سے ہی بنو ہاشم کے فقراء کو زکوٰۃ لینے سے منع کیا گیا ہے لہذا جو چیز زکوٰۃ کا عوض ہے یعنی خمس اس کے مستحق بھی صرف فقراء ہی ہوں گے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا اغنیاء کو اس میں شریک کرنا درست نہیں ہے۔

رہا یہ سوال کہ حضور پاک ﷺ نے بنو عبد المطلب کے ساتھ بنو ہاشم کو تو دیا لیکن بنو عبد شمس اور بنو نوفل کے قرابت داروں کو نہیں دیا، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ذوی القربی سے قرابت نصرت و اعانت مراد ہے اور قرب قرابت یعنی نسبی قرابت مراد نہیں ہے اسی لیے آپ ﷺ نے بنو ہاشم کو دینے کے بعد فرمایا تھا کہ یہ لوگ ہمیشہ میرے معاون اور مددگار رہے اور میں بنو عبد المطلب اور بنو ہاشم میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔

قَالَ قَامًا ذَكَرُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْخُمْسِ فَإِنَّهُ لَفَتْحُ الْكَلَامِ تَبَرُّكًا بِاسْمِهِ، وَسَهْمُ النَّبِيِّ ﷺ سَقَطَ بِمَوْتِهِ كَمَا سَقَطَ الصَّغِي، لِأَنَّهُ ① الْغَنِيُّ كَانَ يَسْتَحِقُّهُ بِرَسَالَتِهِ وَلَا رَسُولَ بَعْدَهُ، وَالصَّغِي شَيْءٌ كَانَ الْغَنِيُّ يَصْطَفِيهِ لِنَفْسِهِ مِنَ الْغَنِيمَةِ مِثْلُ دِرْعٍ أَوْ سَيْفٍ أَوْ جَارِيَةٍ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُصْرَفُ سَهْمُ الرَّسُولِ إِلَى الْخَلِيفَةِ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا قَدَّمَاهُ، وَسَهْمُ ذَوِي الْقُرْبَى كَانُوا يَسْتَحِقُّونَهُ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِالنُّصْرَةِ لِمَا رَوَيْنَا، قَالَ وَبَعْدَهُ بِالْفَقْرِ، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَهُ اللَّهُ هَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ قَوْلُ الْكُرْخِيِّ وَقَالَ الطَّحَاوِيُّ سَهْمُ الْفَقِيرِ مِنْهُمْ سَاقِطٌ أَيْضًا لِمَا رَوَيْنَا مِنَ الْإِجْمَاعِ، وَلَآنَ فِيهِ مَعْنَى الصَّدَقَةِ نَظَرًا إِلَى الْمَصْرَفِ فَيَحْرُمُ كَمَا

يَحْرُمُ الْعَمَالَةُ، وَجَهُ الْأَوَّلِ وَقِيلَ هُوَ الْأَصَحُّ مَارُويَ أَنَّ عُمَرَ رضي الله عنه أَعْطَى الْفُقَرَاءَ مِنْهُمْ، وَالْإِجْمَاعُ اِنْعَقَدَ عَلَى سُقُوطِ حَقِّ الْأَغْنِيَاءِ أَمَّا فَقَرَاؤُهُمْ يَدْخُلُونَ فِي الْأَصْنَافِ الثَّلَاثَةِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ خمس میں اللہ کے نام کا ذکر اس نام سے برکت حاصل کرنے کے مقصد سے افتتاح کے لیے ہے اور حضرت نبي اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے آپ کا حصہ ساقط ہو گیا جیسا کہ صنی ساقط ہو گیا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رسالت کی وجہ سے اس سہم کے مستحق تھے اور آپ کے بعد کوئی رسول نہیں ہے۔ اور صنی وہ صنی ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم غنیمت میں سے اپنے لیے منتخب فرماتے تھے جیسے زرہ، تلوار اور باندی، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبي اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کے خلیفہ کو دیا جائے گا لیکن ہماری بیان کردہ دلیل ان کے خلاف حجت ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار آپ کے زمانے میں نصرت کی وجہ سے حصہ پاتے تھے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور آپ کے بعد فقر کی وجہ سے حصہ پائیں گے، بندہ ضعیف کہتا ہے کہ امام قدوری رحمہ اللہ نے جو یہ بیان کیا ہے وہ امام کرنی رحمہ اللہ کا قول ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج قرابت داروں کا حصہ بھی ساقط ہے اس اجماع کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے ہیں۔ اور اس لیے کہ مصرف کی طرف نظر کرتے ہوئے اس میں صدقہ کے معنی موجود ہیں لہذا اعمال کی طرح یہ بھی حرام ہوگا۔

قول اول کی دلیل (یہی اصح ہے) یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج قرابت داروں کو خمس سے حصہ دیا ہے اور اجماع مالداروں کا حق ساقط ہونے پر منعقد ہوا ہے۔ رہے فقراء تو وہ ان تینوں اصناف میں داخل ہوں گے۔

### اللغات:

﴿صفتی﴾ مال غنیمت میں سے سردار کا ذاتی حصہ۔ ﴿بصطفیہ﴾ جس کو چن لیتے تھے۔ ﴿درع﴾ زرہ۔ ﴿سيف﴾ تلوار۔ ﴿جارية﴾ باندی، لونڈی۔ ﴿بصرف﴾ پھیرا جائے گا۔ ﴿عمالة﴾ واحد عامل؛ کارندے، کارکنان، مراد عاملین زکوٰۃ۔

### تخریج:

① أخرجه ابوداؤد في كتاب الخراج باب ما جاء في سهم الحضر، حديث رقم: ۲۹۹۱.

### خمس کی تقسیم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں واعلموا انما غنمتم من شئ فان لله خمسہ وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل الخ میں جو اللہ کے لیے خمس کا ذکر ہے وہ نام خداوندی سے افتتاح کرنے میں برکت حاصل کرنے کے لیے ہے اور ظاہر میں اللہ کا کوئی حصہ نہیں لگایا جائے گا، لہذا غنی اسی طرح حضرت نبي اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ کا سہم بھی ساقط ہو گیا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رسالت کی وجہ سے مستحق سہم تھے اور آپ کے بعد چوں کہ کوئی رسول نہیں ہے، اسی لیے ہمارے یہاں اب یہ حصہ ساقط ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کو نہیں دیا جائے گا جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں یہ سہم آپ



میں سے خمس کو دیا جائے گا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو خلفائے راشدین خمس کو تین حصوں کے بجائے چار حصوں پر تقسیم کرتے حالانکہ ان حضرات نے بھی خمس کو تین ہی حصوں پر تقسیم کیا ہے۔

اسی طرح وہ صفی یعنی مال غنیمت سے آپ ﷺ اپنے لیے جو مال مثلاً زرہ، تلواریں اور باندی وغیرہ منتخب فرمایا کرتے تھے وہ بھی آپ ﷺ کی وفات کے بعد ساقط ہو گیا ہے۔

وسهم ذوی القربى الخ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ کے قرابت دار نصرت و اعانت کی بنا پر مستحق خمس تھے اور آپ کی وفات کے بعد یہ لوگ فقر اور محتاجی کی وجہ سے خمس سے حصہ دار ہوں گے، یہ امام کرخی کا قول ہے۔ اور امام طحاوی کی رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے محتاج فقراء کا حصہ بھی ساقط ہو گیا ہے کیونکہ خلفائے راشدین نے خمس کو صرف تین ہی حصوں پر تقسیم فرمایا تھا۔ اور اس میں ذوی القربى کا حصہ نہیں رکھا تھا۔ اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ خمس کا یہ حصہ مصرف کی طرف نظر کرتے ہوئے صدقہ کے معنی میں ہے اسی لیے تو آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہاشمی کو اس میں سے دینا جائز نہیں ہے اگرچہ وہ محتاج ہی کیوں نہ ہو جیسے اگر کوئی ہاشمی عامل ہو تو اس کے لیے بھی خمس سے عمل کی مزدوری لینا جائز نہیں ہے، لیکن اصح یہ ہے کہ آپ ﷺ کے محتاج قرابت داروں کو خمس سے حصہ دینا جائز ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیا ہے اور ان کے حق میں سقوط حق کا جو اجماع منعقد ہوا ہے وہ مالداروں کے ساتھ خاص ہے اور فقراء بہر حال اس کے مستحق اور حق دار ہیں اور وہ اصناف ثلاثہ یعنی یتامی، مساکین اور ابن السبیل کے ساتھ شامل اور داخل ہیں۔

وَإِذَا دَخَلَ الْوَاحِدُ أَوِ الْإِثْنَانِ دَارَ الْحَرْبِ مُغِيرَيْنِ بَغِيرِ إِذْنِ الْإِمَامِ فَأَخَذُوا شَيْئًا لَمْ يَخْمَسْ، لِأَنَّ الْغَنِيمَةَ هُوَ الْمَأْخُوذُ قَهْرًا وَغَلْبَةً، لَا اخْتِلَاسًا وَسَرِقَةً وَالْخُمْسُ وَظِيفَتُهَا، وَلَوْ دَخَلَ الْوَاحِدُ أَوِ الْإِثْنَانِ بِإِذْنِ الْإِمَامِ فَفِيهِ رِوَايَتَانِ، وَالْمَشْهُورُ أَنَّهُ يَخْمَسُ لِأَنَّهُ لَمَّا أُذِنَ لَهُمُ الْإِمَامُ فَقَدْ التَّزَمَ نَصْرَتُهُمْ بِالْإِمْدَادِ فَصَارَ كَالْمَنْعَةِ، فَإِنْ دَخَلَتْ جَمَاعَةٌ لَهَا مَنَعَةٌ فَأَخَذُوا شَيْئًا خَمْسَ وَإِنْ لَمْ يَأْذَنْ لَهُمُ الْإِمَامُ، لِأَنَّهُ مَأْخُوذُ قَهْرًا وَغَلْبَةً فَكَانَ غَنِيمَةً، وَلِأَنَّهُ يَجِبُ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يَنْصُرَهُمْ إِذْ لَوْ خَذَلَهُمْ كَانَ فِيهِ وَهْنُ الْمُسْلِمِينَ، بِخِلَافِ الْوَاحِدِ وَالْإِثْنَيْنِ، لِأَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ نَصْرَتُهُمْ.

**ترجمہ:** اگر ایک یا دو آدمی امام کی اجازت کے بغیر لوٹ مار کرنے کے لیے دار الحرب میں گھسے اور انھوں نے کچھ لے لیا تو اس میں سے خمس نہیں نکالا جائے گا، کیونکہ غنیمت وہ مال ہے جو قہر اور غلبہ سے لیا جائے۔ اچک کر اور چوری سے نہ لیا جائے اور خمس مال غنیمت سے ہی لیا جاتا ہے۔ اور اگر ایک یا دو آدمی امام کی اجازت سے داخل ہوئے تو اس میں دو روایتیں ہیں، مشہور یہ ہے کہ اس میں سے خمس لیا جائے گا، کیونکہ جب امام نے انھیں اجازت دیدی تو اس نے امداد کے ذریعے ان کی نصرت کو لازم کر لیا تو یہ لاؤ لشکر کی طرح ہو گیا۔ پھر اگر کوئی ایسی جماعت جسے قوت حاصل ہو دار الحرب میں گھسی اور ان لوگوں نے کچھ مال لوٹ لیا تو اس میں سے خمس نکالا جائے گا اگرچہ امام نے انھیں اجازت نہ دی ہو، کیونکہ یہ مال زور اور غلبہ سے لیا گیا ہے لہذا غنیمت ہوگا۔ اور اس لیے کہ امام پر ان

کی نصرت کرنا واجب ہے، کیونکہ اگر امام نے ان کو رسوا کر دیا تو اس میں مسلمانوں کی کم زوری ظاہر ہوگی۔ برخلاف ایک اور دو کے، کیونکہ امام پر ان کی نصرت واجب نہیں ہے۔

### اللغات:

﴿مغیرین﴾ حملہ آور ہو کر، لوٹ مار کرنے کے لیے۔ ﴿اختلاس﴾ اچک لینا۔ ﴿سرقۃ﴾ چوری۔ ﴿التزم﴾ اپنے ذمے میں لیا ہے۔ ﴿منعۃ﴾ دفاعی طاقت، قوت مدافعت۔ ﴿خذلہم﴾ ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دے۔ ﴿وہن﴾ کمزوری۔

### امام کی اجازت کے بغیر دارالحرب میں غارت گری کرنے والوں کی غنیمت کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک یا دو آدمی امام کی اجازت کے بغیر دارالحرب میں لوٹ مار کرنے کی نیت سے گھسے اور انھوں نے وہاں سے کچھ مال حاصل کر لیا تو اس میں سے خمس نہیں نکالا جائے گا، کیونکہ خمس مال غنیمت سے نکالا جاتا ہے اور یہ مال غنیمت نہیں ہے اس لیے کہ غنیمت وہ مال کہلاتا ہے جو قہر، زور اور غلبہ سے حاصل کیا جائے نہ کہ چوری اور چماری سے اور چوں کہ یہ لوٹ مار کا مال ہے اس لیے اس میں سے خمس نہیں نکالا جائے گا۔ اور اگر یہ لوگ امام کی اجازت سے داخل ہوئے ہوں تو اس وقت خمس لینے کے سلسلے میں دو روایتیں ہیں (۱) ایک روایت میں ہے کہ اس میں سے خمس نہیں نکالا جائے گا (۲) دوسری روایت میں ہے کہ نکالا جائے گا، کیونکہ امام نے انھیں اجازت دے کر ان کی حمایت و نصرت کا اعلان کر دیا ہے اور معنایاً انھیں قوت حاصل ہو گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی قوت و شوکت والی جماعت دارالحرب میں گھسی اور اس نے وہاں مال حاصل کر لیا تو اس میں سے خمس نکالا جائے گا اگرچہ اس جماعت نے امام کی اجازت نہ لی ہو، اس لیے کہ انھوں نے قہر اور غلبہ سے وہ مال حاصل کیا ہے اس لیے وہ غنیمت کا مال ہوگا، اور اس لیے بھی کہ اس جماعت کو قوت بھی حاصل ہے اور امام کی نصرت بھی حاصل ہے، کیونکہ اگر امام ان کی مدد نہیں کرے گا تو اس سے مسلمانوں میں انتشار پھیلے گا اور آپسی کمزوری ظاہر ہوگی جس کا فائدہ دشمن کو ملے گا، اس لیے اس خرابی سے بچتے ہوئے امام ان کی نصرت ضرور کرے گا، لیکن اگر ایک دو لوگ ہوں تو امام پر ان کی نصرت واجب نہیں ہے اس لیے کہ اس طرح کی حرکت کر کے لوگ امام کو مذاق بنالیں گے اور ہر کوئی نصرت و حمایت کی لالچ میں گڑ بڑی کرنے لگے گا۔



## فَصْلٌ فِي التَّنْفِيلِ

یہ فصل یعنی زائد انعام دینے کے بیان میں ہے

قَالَ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُنْفَلَ الْإِمَامُ فِي حَالِ الْقِتَالِ وَيُحَرِّضَ عَلَى الْقَتْلِ فَيَقُولَ مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلْبُهُ وَيَقُولَ لِلْسَّرِيَّةِ قَدْ جَعَلْتُ لَكُمْ الرُّبْعَ بَعْدَ الْخُمْسِ، مَعْنَاهُ بَعْدَ مَا رَفَعَ الْخُمْسَ، لِأَنَّ التَّحْرِيطَ مَنْدُوبٌ إِلَيْهِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ (سورة الانفال: ۶۵)، وَهَذَا نَوْعُ تَحْرِيطٍ، ثُمَّ قَدْ يَكُونُ التَّنْفِيلُ بِمَا ذَكَرَ، وَقَدْ يَكُونُ بغيرِهِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ يُنْفَلَ بِكُلِّ الْمَأْخُودِ، لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالُ حَقِّ الْكُلِّ، فَإِنْ فَعَلَهُ مَعَ السَّرِيَّةِ جَازَ، لِأَنَّ التَّصَرُّفَ إِلَيْهِ، وَقَدْ تَكُونُ الْمَصْلِحَةُ فِيهِ، وَلَا يُنْفَلَ بَعْدَ إِحْرَازِ الْغَنِيمَةِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ، لِأَنَّ حَقَّ الْغَيْرِ قَدْ تَأَكَّدَ فِيهِ بِالْإِحْرَازِ، قَالَ إِلَّا مِنَ الْخُمْسِ، لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْغَانِمِينَ فِي الْخُمْسِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ قتال کی حالت میں امام تنفیل کرے اور (غازیوں کو) قتال پر آمادہ کرتے ہوئے یوں کہے جو کسی کافر کو قتل کرے گا اس کا سامان اسی کو ملے گا اور سریہ والوں سے یوں کہے میں نے خمس کے بعد غنیمت کا چوتھائی مال تمہارے لیے خاص کر دیا یعنی خمس نکالنے کے بعد۔ کیونکہ تحریض علی القتال مستحب ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”اے نبی مسلمانوں کو قتال پر آمادہ کیجئے“ اور یہ بھی ایک قسم کی تحریض ہے پھر کبھی تنفیل اس طرح ہوتی ہے جو بیان کی گئی ہے اور کبھی دوسری طرح ہوتی ہے، لیکن امام کو پورے مال کی تنفیل نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ اس میں سب کے حق کا ابطال ہے لیکن اگر سریہ کے ساتھ ایسا کیا تو جائز ہے، کیونکہ امام ہی کو تصرف کا حق ہے اور کبھی کبھی ایسا کرنے میں مصلحت بھی ہوتی ہے۔ اور مال غنیمت کو دارالاسلام میں لے آنے کے بعد امام تنفیل نہیں کر سکتا، کیونکہ احراز کی وجہ سے اس مال میں دوسرے کا حق پختہ ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں مگر خمس سے تنفیل کر سکتا ہے، کیونکہ خمس میں غازیوں کا حق نہیں ہوتا۔

**اللغات:**

﴿ینفل﴾ اضافی انعام دینے کا وعدہ کر لے۔ ﴿یحررض﴾ آمادہ کر لے۔ ﴿سلبہ﴾ اس کا سامان۔ ﴿سریہ﴾ لشکری۔

﴿احراز﴾ بچانا، محفوظ مقام تک پہنچانا۔ ﴿غانمین﴾ غازی۔

## امام کی طرف سے "نفل" سے نوازنے کا وعدہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قتال کے دوران امام غازیوں کو قتال پر آمادہ کرنے اور جی جان سے لڑنے کے لیے انھیں بطور نفل کچھ انعام دینے کا اعلان کرے تو یہ درست اور جائز ہے، مثلاً امام یوں کہے جو غازی کسی کافر کو مارے گا تو اس مقتول کا ساز و سامان بھی اسی کو ملے گا۔ یا امام کسی سریہ سے یوں کہے کہ جو کچھ تم مال حاصل کرو گے اس میں سے خمس نکالنے کے بعد پورا تمہارا ہے تو یہ تحریض بشکل تفصیل درست اور جائز ہے اور قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے ثابت ہے "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ" اور تفصیل کے حوالے سے جو صورت ہم نے بیان کی ہے وہ بھی تحریض کی ایک صورت بلکہ اہم صورت ہے اور تحریض صرف ہماری بیان کردہ اسی صورت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اس کے علاوہ اور بھی طریقوں سے تحریض ہو سکتی ہے مثلاً امام یہ کہہ دے کہ اگر مال غنیمت میں سونا چاندی ہاتھ آیا تو ہم اسے بطور نفل دیں گے یا سواری وغیرہ کو دیدیں گے تو یہ سب طریقہ درست ہے۔

البتہ امام کو چاہئے کہ وہ پورے مال غنیمت کے تفصیل کا اعلان نہ کرے، اس لیے کہ ایسا کرنے سے دیگر غازیوں کا حق مارا جائے گا اور کسی کا حق مارنا اور دبانا درست نہیں ہے، ہاں اگر سریہ کے ساتھ امام ایسا کرے اور اہل سریہ سے یہ کہہ دے کہ جو کچھ تم حاصل کرو گے وہ تمہارا ہے تو امام کو ایسا کرنے کا حق ہے، اس لیے کہ امام ہی کو ولایت تصرف حاصل ہے اور کبھی ایسا کرنے میں مصلحت بھی ہوتی ہے اس لیے امام کو اس کا حق ہوگا۔

ولایسفل الخ فرماتے ہیں کہ دارالاسلام میں مال غنیمت جمع کرنے کے بعد امام تفصیل نہیں کر سکتا، کیونکہ احراز کے بعد اس مال سے ہر ہر غازی کا حق وابستہ بھی ہو جاتا ہے اور مستحکم بھی ہو جاتا ہے نیز احراز کے بعد قتال ختم ہو جاتا ہے اور تفصیل تحریض علی القتال کے لیے ہوتی ہے لہذا احراز کے بعد تفصیل کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، ہاں مال غنیمت کے خمس سے بعد الاحراز بھی تفصیل ہو سکتی ہے، کیونکہ خمس میں غازیوں کا حق نہیں ہوتا اس لیے ان کے حق کا ابطال نہیں ہوگا۔

وَإِذَا لَمْ يَجْعَلِ السَّلْبَ لِلْقَاتِلِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْغَنِيمَةِ وَالْقَاتِلُ وَغَيْرُهُ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ السَّلْبُ لِلْقَاتِلِ إِذَا كَانَ مِنْ أَهْلِ أَنْ يُسَهَمَ لَهُ وَقَدْ قَتَلَهُ مُقْبِلًا، لِقَوْلِهِ <sup>۱</sup> **الْعَلِيَّةُ** مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلْبُهُ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ نَصَبُ شَرْعٍ لِأَنَّهُ بَعَثَ لَهُ وَلَآنَ الْقَاتِلَ مُقْبِلًا أَكْثَرَ غَنَاءً فَيُخْتَصُّ بِسَلْبِهِ إِظْهَارًا لِلتَّفَاوُتِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ، وَلَنَا أَنَّهُ مَاخُودٌ بِقُوَّةِ الْجَيْشِ فَيَكُونُ غَنِيمَةً فَيُقَسَّمُ قِسْمَةَ الْغَنَائِمِ كَمَا نَطَقَ بِهِ النَّصُّ وَقَالَ **الْعَلِيَّةُ** لِحَبِيبِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ لَيْسَ لَكَ مِنْ سَلْبِ قَتِيلِكَ إِلَّا مَا طَابَتْ بِهِ نَفْسُ إِمَامِكَ، وَمَا رَوَاهُ يَحْتَمِلُ نَصَبُ الشَّرْعِ وَيَحْتَمِلُ التَّفْصِيلَ فَنَحْمِلُهُ عَلَى الثَّانِي لِمَا رَوَيْنَاهُ، وَزِيَادَةُ الْغَنَاءِ لَا يُعْتَبَرُ فِي جَنْسٍ وَاحِدٍ كَمَا ذَكَرْنَاهُ.

**ترجمہ:** اور اگر امام نے قاتل کے لیے مقتول کا سامان مقرر نہ کیا ہو تو وہ سامان من جملہ غنیمت کے ہوگا اور قاتل اور غیر قاتل اس میں برابر ہوں گے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر قاتل اس قابل ہو کہ اسے غنیمت سے حصہ دیا جاسکے اور اس نے سامنے سے وار کرنے والے مقتول کو قتل کیا ہو تو وہی مقتول کے سامان کا مستحق ہوگا، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جس نے کسی کو قتل کیا تو



قاتل کو مقتول کا سامان ملے گا اور ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس فرمان گرامی سے ایک ضابطہ مقرر فرمادیا کیونکہ آپ اسی لیے مبعوث کئے گئے تھے اور اس لیے کہ قاتل نے سامنے سے وار کرنے والے کو قتل کر کے زیادہ نفع پہنچایا ہے لہذا اس قاتل کے اور اس کے علاوہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے وہ قاتل اپنے مقتول کے سامان کے ساتھ خاص ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ سامان لشکر کی طاقت کے بل پر حاصل کیا گیا ہے لہذا وہ مال غنیمت ہوگا اور غنائم کی طرح اس کی تقسیم ہوگی جیسا کہ نص قرآنی نے اسے بیان کیا ہے اور آپ ﷺ نے حضرت حبیب بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا کہ تم اپنے مقتول کا وہی سامان لے سکتے ہو جو تمہارا امام تمہیں دیدے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث میں قانون بنانے کا بھی احتمال ہے اور بطور نفل دینے کا بھی احتمال ہے لہذا ہم حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس روایت کو دوسرے معنی پر محمول کریں گے۔ اور نفع کی زیادتی جنس واحد میں معتبر نہیں ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

### اللغات:

﴿حملہ﴾ مجموعہ۔ ﴿یسہم﴾ حصہ مقرر کیا جائے۔ ﴿مقبل﴾ سامنے سے وار کرنے والا۔ ﴿طابت﴾ آمادہ ہو، بخوشی دے دے۔ ﴿قتیل﴾ مقتول۔

### تخریج:

① أخرجه ابوداؤد في كتاب الجهاد باب في السلب يعطى القاتل، حديث ۲۷۱۷.

### مقتول کے سامان میں قاتل کا استحقاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں قاتل کو اسی صورت میں مقتول کا سامان ملے گا جب امام نے یہ اعلان کیا ہو کہ من قتل قتیلًا فله سلبہ، لیکن اگر امام کی طرف سے یہ اعلان نہ ہو تو ہمارے یہاں قاتل مقتول کے سامان کا حق دار نہیں ہوگا، بلکہ وہ سامان مال غنیمت میں شامل ہوگا اور تمام مجاہدین کی اس میں شرکت ہوگی۔ اس کے برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں حکم یہ ہے کہ اگر قاتل مستحق سہم ہو اور اس نے سامنے سے آکر حملہ کرنے والے کسی کافر کو قتل کیا ہو تو وہ اس مقتول کے سامان کا مستحق ہوگا، کیونکہ حدیث پاک میں صاف طور پر یہ اعلان کر دیا گیا ہے ”من قتل قتیلًا فله سلبہ“ اس حدیث سے امام شافعی رحمہ اللہ کا وجہ استدلال اس طور پر ہے کہ آپ ﷺ نے اس فرمان گرامی میں ایک قاعدہ اور قانون بتلایا ہے اور عام فہم میں قاتل کو مقتول کے سامان کا مستحق قرار دیا ہے اور چوں کہ آپ ﷺ قانون شریعت بنانے اور لوگوں کو بتانے ہی کے لیے اس دنیا میں تشریف لائے تھے، لہذا اس حوالے سے اس پہلو کو مزید تقویت حاصل ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب قاتل کسی ایسے کافر کو قتل کرے گا جو سامنے سے آکر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے شر سے بہت سے مسلمانوں کی جان بچائے گا اور مسلمانوں کی جانا بچانا بہت بڑا نفع ہے اور بہت اہم کام ہے اس لیے بھی یہ مسلم قاتل اس کافر مقتول کے ساز و سامان کا مستحق ہوگا تا کہ اس کے اور اس کے علاوہ دوسرے قاتلوں اور مجاہدوں میں فرق ہو جائے۔ گویا امام شافعی رحمہ اللہ اس قاتل کو اس کی بہادری پر گولڈ میڈل دینا چاہ رہے ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت حبیب بن سلمہ سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ لیس لك من سلب قتيلك إلا ما طابت به نفس إمامك کہ مقتول کے سامان میں صرف تمہارا ہی حق نہیں ہے یعنی وہ پورا سامان تمہارا نہیں ہے بلکہ جتنا تمہیں تمہارا امام دیدے بس اتنا لے لو، صاحب بنایہ نے لکھا ہے کہ یہ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ سے براہ راست حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی نہیں ہے، بلکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حبیب نے کسی تاجر کو قتل کیا تھا اور اس کے پاس بہت زیادہ مال تھا چنانچہ جب وہ مال لایا گیا تو حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے پورا مال لینا چاہا لیکن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بھائی پورا مت لو، اس پر حضرت حبیب نے فرمایا: قال رسول الله ﷺ من قتل قتيلًا فله سلبه یہ سن کر حضرت ابو عبیدہ نے کہا لم يكن ذلك للأبد کہ آں حضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہمیشہ کے لیے نہ تھا اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ألا تتقى الله وتأخذ ما طابت به نفس إمامك کہ اے حبیب اللہ سے ڈرو اور جتنا امام دیدے چپ چاپ لے لو اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اسے حضرت نبی اکرم ﷺ تک مرفوع کر دیا اور اس پر ان حضرات کا اتفاق ہو گیا (بنایہ: ۵۹۶/۶) اس سے معلوم ہوا کہ بدون اعلان سابق کے قاتل کو مقتول کا پورا سامان نہیں ملے گا۔

رہی امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث تو اس میں دو احتمال ہیں: (۱) یہ قانون ہو (۲) یہ بطور انعام اور تمغیل ہو اور چوں کہ حضرت معاذ والی روایت سے اس کا تمغیل کے طور پر ہونا مؤید ہے اس لیے ہم اسے تمغیل پر ہی محمول کریں گے۔ اور پھر اگر یہ قانون ہوتا تو اس میں سامنے سے حملہ کرنے والے کے قتل کی شرط نہ ہوتی کیوں کہ شریعت کے قوانین عموماً عام ہوتے ہیں اور پھر صرف قتال کرنے میں زیادہ نفع پہنچانے کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ ہمارے یہاں کڑ اور فرزندوں ایک ہی ہیں اور جب کڑ و فرزند ایک ہیں تو تمغیل اور مدبر کو قتل کرنا بھی ایک ہوگا اور انعام کے حوالے سے ان میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

وَالسَّلْبُ مَا عَلَى الْمَقْتُولِ مِنْ ثِيَابِهِ وَسَلَاحِهِ وَمَرْكَبِهِ وَكَذَا مَا كَانَ عَلَى مَرْكَبِهِ مِنَ السَّرِجِ وَالْأَلَةِ، وَكَذَا مَا مَعَهُ عَلَى الدَّابَّةِ مِنْ مَالِهِ فِي حَقِيقَتِهِ أَوْ عَلَى وَسْطِهِ، وَمَا عَدَا ذَلِكَ فَلَيْسَ بِسَلْبٍ وَمَا كَانَ مَعَ غُلَامِهِ عَلَى دَابَّةٍ أُخْرَى فَلَيْسَ بِسَلْبِهِ، ثُمَّ حُكْمُ التَّنْفِيلِ قَطَعَ حُكْمَ الْبَاقِينَ فَأَمَّا الْمَلِكُ فَإِنَّمَا يَثْبُتُ بَعْدَ الْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ لِمَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ حَتَّى لَوْ قَالَ الْإِمَامُ مَنْ أَصَابَ جَارِيَةً فَهِيَ لَهُ فَأَصَابَهَا مُسْلِمٌ وَاسْتَبْرَأَهَا لَمْ يَحِلَّ لَهُ وَطِيُّهَا وَكَذَا لَا يَبِيعُهَا، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَهُ أَنْ يُطَاَهَا وَيَبِيعَهَا، لِأَنَّ التَّنْفِيلَ يَثْبُتُ بِهِ الْمَلِكُ عِنْدَهُ كَمَا يَثْبُتُ بِالْقِسْمَةِ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَبِالشَّرَاءِ مِنَ الْحَرْبِ، وَجُوبُ الضَّمَانِ بِالْإِتْلَافِ قَدْ قِيلَ عَلَى هَذَا الْإِخْتِلَافِ. وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

**ترجمہ:** اور سلب وہ سامان ہے جو مقتول کے جسم پر ہوتا ہے یعنی اس کے کپڑے، اس کے ہتھیار اور اس کی سواری نیز وہ سامان جو اس کی سواری پر ہو جسے زین اور لگام اور وہ مال جو اس کے ساتھ کسی تھیلے میں رکھ کر اس کی سواری پر لدا ہو وہ بھی سلب ہے۔ اس کے

علاوہ سلب نہیں ہے۔ اور جو سامان اس کے غلام کے ساتھ دوسری سواری پر ہو وہ بھی اس کا سلب نہیں ہے۔  
پھر تفیل کا حکم یہ ہے کہ اس مال سے دیگر غازیوں کا حق منقطع ہو جاتا ہے لیکن منفل لہ کے لیے دارالاسلام میں احراز کے بعد ہی ملکیت ثابت ہوتی ہے اس دلیل کی وجہ سے جو اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ حتیٰ کہ اگر امام نے یہ کہا کہ جو غازی کوئی لونڈی پائے وہ اسی کی ہے پھر کسی غازی نے ایک لونڈی پائی اور اس نے استبراء کرایا تو اس غازی کے لیے نہ تو اس باندی سے وطی کرنا درست ہے اور نہ ہی اسے بیچنا جائز ہے یہ حکم حضرات شیخین رحمہم اللہ کے یہاں ہے۔ امام محمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے وطی کرنا بھی حلال ہے اور اسے فروخت کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ امام محمد رحمہم اللہ کے یہاں تفیل سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے جیسے دارالحرب میں تقسیم کرنے اور حربی سے خریدنے کی صورت میں ثابت ہو جاتی ہے اور اطلاق کی وجہ سے ضمان کا وجوب بھی اسی اختلاف پر ہے۔

### اللغات:

﴿ثياب﴾ کپڑے۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار، اسلحہ۔ ﴿مركب﴾ سواری۔ ﴿سرج﴾ زین، پالان۔ ﴿ماعداء﴾ جو بھی علاوہ ہو۔ ﴿احراز﴾ بچانا۔ ﴿دابة﴾ جانور۔ ﴿جارية﴾ باندی، لونڈی، کنیر۔ ﴿حرب﴾ جنگ۔ ﴿اتلاف﴾ ہلاک کرنا۔  
”سلب“ کی تشریح اور تعین:

اوپر جو یہ بات آئی ہے کہ اگر امام تفیل کا اعلان کر دے تو قاتل مقتول کے سلب اور سامان کا تنہا حق دار ہوتا ہے یہاں سے اسی سلب کی تعین کی گئی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مقتول کے بدن پر جو کپڑے ہوں اور اس کے جو ہتھیار اور دیگر اموال جو تھیلے میں محفوظ ہوں نیز اس گھوڑے اور گھوڑے کی زین اور لگام سب چیزیں سلب میں داخل اور شامل ہیں اور منفل لہ ہی ان سب کا مستحق ہے۔ ان کے علاوہ اگر مقتول کی دوسری سواری ہو اور اس پر بھی سامان ہو جو اس کا غلام دیکھ رہا ہو تو وہ سلب نہیں ہے۔ پھر حضرات شیخین رحمہم اللہ کے یہاں تفیل سے دارالحرب میں صرف یہ حکم ثابت ہوگا کہ اس مقتول کے سامان سے دوسرے غازیوں کا حق منقطع ہو جائے گا اور منفل لہ کی ملکیت دارالاسلام میں احراز کے بعد ثابت ہوگی جب کہ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے یہاں محض تفیل سے ہی سلب مقتول میں قاتل کی ملکیت ثابت ہو جائے گی یہی وجہ ہے کہ اگر امام نے اس طرح تفیل کی کہ جو غازی کوئی باندی پائے وہ اسی کی ہے تو حضرات شیخین رحمہم اللہ کے یہاں دارالحرب میں کوئی غازی پائی ہوئی لونڈی سے نہ تو وطی کر سکتا ہے اور نہ اسے فروخت کر سکتا ہے جب کہ امام محمد رحمہم اللہ اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں یہ دونوں چیزیں حلال اور درست ہیں، کیونکہ ان کے یہاں تفیل سے ملکیت ثابت ہو چکی ہے۔

ووجوب الضمان الخ فرماتے ہیں کہ اگر دارالحرب میں اس غازی کے پاس سے مقتول کا سلب کوئی شخص ہلاک کر دے تو حضرات شیخین رحمہم اللہ کے یہاں حلف ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ قاتل غازی اس کا مالک نہیں ہے جب کہ امام محمد رحمہم اللہ کے یہاں مہلک اس کا ضامن ہوگا اس لیے کہ ان کے یہاں غازی اس کا مالک ہو چکا ہے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم



## بَابُ اسْتِیْلَاءِ الْکُفَّارِ

یہ باب کافروں کے غالب ہونے کے احکام کے بیان میں ہے

اس سے پہلے مسلمانوں کے استیلاء کا بیان تھا اور اب یہاں سے کفار کے استیلاء کا بیان ہے اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے احکام کفار سے مقدم اور افضل ہیں اسی لیے انہیں پہلے بیان کیا ہے۔

وَإِذَا غَلَبَ التَّرْكُ عَلَى الرُّومِ فَسَبُّهُمْ وَأَخْذُوا أَمْوَالَهُمْ مَلَكُوهَا، لِأَنَّ الْإِسْتِیْلَاءَ قَدْ تَحَقَّقَ فِي مَالٍ مُبَاحٍ وَهُوَ السَّبُّ عَلَى مَا بَيَّنَّهٗ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى، فَإِنْ غَلَبْنَا عَلَى التَّرْكِ حَلَّ لَنَا مَا نَجِدُهُ مِنْ ذَلِكَ إِعْتِبَارًا بِسَائِرِ أَمْلَاقِهِمْ، وَإِذَا غَلَبُوا عَلَى أَمْوَالِنَا وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ وَأَحْرَزُوهَا بِدَارِهِمْ مَلَكُوهَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَمْلِكُونَهَا لِأَنَّ الْإِسْتِیْلَاءَ مُحْظُورٌ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَالْمُحْظُورُ لَا يَنْتَهِضُ سَبًّا لِلْمَلِكِ عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ قَاعِدَةِ الْخَصْمِ، وَلَنَا أَنَّ الْإِسْتِیْلَاءَ وَرَدَّ عَلَى مَالٍ مُبَاحٍ فَيَنْعَقِدُ سَبًّا لِلْمَلِكِ دَفْعًا لِحَاجَةِ الْمُكَلَّفِ كَاسْتِیْلَائِنَا عَلَى أَمْوَالِهِمْ، وَهَذَا لِأَنَّ الْعِصْمَةَ تَثْبُتُ عَلَى مُنَافَاةِ الدَّلِيلِ ضَرُورَةً تَمَكِّنُ الْمَالِكِ مِنَ الْإِنْتِفَاءِ فَإِذَا زَالَتِ الْمُكْنَةُ عَادَ مُبَاحًا كَمَا كَانَ، غَيْرَ أَنَّ الْإِسْتِیْلَاءَ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا بِالْإِحْرَازِ بِالْذَّارِ لِأَنَّهُ عِبَارَةٌ عَنِ الْإِقْتِدَارِ عَلَى الْمَحَلِّ حَالًا وَمَالًا، وَالْمُحْظُورُ لِغَيْرِهِ إِذَا صَلَحَ سَبًّا لِكِرَامَةِ تَفَوُّقِ الْمَلِكِ وَهُوَ الثَّوَابُ الْأَجَلُ فَمَا ظَنُّكَ بِالْمَلِكِ الْعَاجِلِ.

**ترجمہ:** اگر تاتاریوں نے روم پر غلبہ حاصل کر کے انہیں قید کر لیا اور ان کے اموال لوٹ لیے تو وہ ان اموال کے مالک ہو جائیں گے، کیونکہ مال مباح میں غلبہ متحقق ہو گیا ہے اور غلبہ ہی سبب ملک ہے جیسا کہ ان شاء اللہ ہم اسے بیان کریں گے اور اگر ہم ترکیوں پر غالب آجائیں تو ہمارے لیے وہ سب حلال ہوگا جو ہم ان سے حاصل کریں گے جیسا کہ ان کے جملہ املاک کا یہی حکم ہے۔ اور اگر نعوذ باللہ وہ ہمارے اموال پر غالب ہو گئے اور انہیں اپنے ملک لے کر چلے گئے تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مالک نہیں ہوں گے، کیونکہ (ہمارے اموال پر) کفار کا استیلاء ممنوع ہے ابتداء بھی اور انتہاء بھی اور ممنوع ملک کا سبب نہیں



بن سکتا جیسا کہ علم الاصول میں معلوم ہو چکا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مال مباح پر قبضہ ہوا ہے لہذا مکلف کی دفع حاجت کے پیش نظر وہ استیلاء سبب ملک بن جائے گا جیسے ان کے اموال پر ہمارا قبضہ ہوتا ہے تو ہم ان اموال کے مالک ہو جاتے ہیں۔ اور یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ اموال کی عصمت اس لیے ثابت ہوتی ہے تاکہ مالک نفع حاصل کرنے پر قادر ہو جائے لیکن جب انتفاع کی قدرت ختم ہو گئی تو وہ مال حسب سابق مباح ہو جائے گا، تاہم احراز بالدار کے بغیر مکمل استیلاء ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ استیلاء حال اور مال دونوں میں مقبوضہ چیز میں تصرف پر قدرت کا نام ہے۔ اور ممنوع لغیرہ جب کسی ایسی کرامت کا سبب ہو جو ملکیت سے بھی بڑھ کر ہو یعنی اخروی ثواب تو ملک عاجل (دنیاوی منفعت) کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔

### اللغات:

﴿سبوہم﴾ ان کو قیدی بنالیں۔ ﴿استیلاء﴾ فتح، غلبہ، قہر۔ ﴿نجد﴾ ہمیں مل جائے۔ ﴿احرز وھا﴾ اس کو محفوظ کر لیں۔ ﴿محذور﴾ ممنوع۔ ﴿لا یتھض﴾ نہیں بنتا۔ ﴿خصم﴾ فریق مخالف۔ ﴿مکنة﴾ قدرت، طاقت۔ ﴿اجل﴾ مؤخر۔

**کفار کے قبضے میں جانے والے اموال کا حکم:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ترکی لوگ رومیوں پر غالب آکر ان کا مال لوٹ لیں تو وہ ان کے اموال کے مالک ہو جائیں گے، کیونکہ قبضہ اور غلبہ مال مباح کی ملکیت کا سبب ہے اور وہ پایا گیا ہے اس لیے ترکی رومیوں کے اموال کے مالک ہو جائیں گے، اب اگر اس کے بعد ہم لوگ ترکیوں پر غالب آجائیں تو جو اموال انھوں نے رومیوں سے لیا ہے وہ سب اموال ہمارے لیے درست اور حلال ہوں گے۔ اور اگر نعوذ باللہ وہ لوگ ہمارے اموال پر قابض ہو گئے اور دارالحرب لے کر چلے گئے تو ہمارے نزدیک وہ لوگ ان اموال کے مالک ہو جائیں گے، لیکن شوافع کے یہاں مالک نہیں ہوں گے، کیونکہ مسلمانوں کے اموال اموال نعمت ہیں اور کفار نعمت پر قابض نہیں ہو سکتے نہ تو ابتداء یعنی دارالاسلام میں اور نہ ہی انتہاء یعنی دارالحرب لیجانے کے بعد اور جب ان کا غالب ہونا ممنوع ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ممنوع ان کے حق میں مفید ملک نہیں ہوگا لہذا نہ تو ان کا استیلاء درست ہوگا اور نہ ہی ان کی ملکیت معتبر ہوگی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ کفار کا یہ قبضہ مال مباح پر واقع ہوا ہے، کیونکہ مسلمانوں کے اموال جب تک ان کے قبضے میں رہتے ہیں اس وقت تک معصوم اور قابل احترام ہوتے ہیں حالانکہ خلق لکم ما فی الارض جمیعاً کی رو سے انھیں اس وقت بھی مباح ہونا چاہئے لیکن ہم نے مالک کی ضرورت اور اس کے انتفاع کی حاجت کے پیش نظر اس میں عصمت ثابت کر دیا اور دوسرے کی شرکت کو ختم کر دیا لیکن جب کفار اس مال پر غالب ہو گئے تو اس غلبہ کی وجہ سے اس مال کی عصمت ختم ہو گئی اور وہ مال خلق لکم الخ کی وجہ سے مباح ہو گیا اور گویا کفار نے مال مباح پر قبضہ کیا اور مال مباح کا قبضہ مفید ملک ہے اس لیے کفار ہمارے مالوں کے مالک ہو جائیں گے۔ البتہ ان کا یہ قبضہ اسی وقت کامل اور مکمل ہوگا جب وہ یہ اموال دارالحرب لے کر چلے جائیں گے، کیونکہ استیلاء کہتے ہیں مقبوضہ مال سے فی الحال اور فی المال دونوں طرح نفع اٹھانا ممکن ہو اور کفار کے حق میں دارالاسلام فی الحال نفع اٹھانے کا محل ہے اور دارالحرب فی المال یعنی انجام کار کے اعتبار سے مقام انتفاع ہے اور دارالاسلام میں استیلاء سے فی الحال والا پہلو ثابت ہو چکا ہے لہذا

جب وہ مذکورہ اموال دار الحرب لے جائیں گے تو فی المآل والا پہلو بھی ثابت ہو جائے گا اور استیلاء تام ہو جائے گا۔  
والمحظور لغيره الخ یہاں سے امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا کفار کا استیلاء کو ممنوع قرار دے کر انھیں مسلمان کے اموال کا مالک نہ قرار دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ شیء محظور ملک سے بھی بڑی چیز کے ثبوت اور حصول کا سبب بن سکتی ہے مثلاً اگر کسی شخص نے کسی کی زمین غصب کر لی تو اس زمین میں نماز پڑھنے سے اسے ثواب حاصل ہوگا حالانکہ ثواب کا تعلق آخرت سے ہے تو جب مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنا موجب ثواب ہے حالانکہ غصب ممنوع ہے تو محظور استیلاء سے دنیاوی ملکیت اور منفعت تو بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگی اسی دنیاوی ملکیت کو صاحب ہدایہ نے بالملك العاجل سے تعبیر کیا ہے۔

فَإِنْ ظَهَرَ عَلَيْهَا الْمُسْلِمُونَ فَوَجَدَهَا الْمَالِكُونَ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهِيَ لَهُمْ بِغَيْرِ شَيْءٍ، وَإِنْ وَجَدُوهَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ أَخَذُوهَا بِالْقِيَمَةِ وَإِنْ أَحَبُّوهَا لِقَوْلِهِ ① (إِنْ وَجَدْتَهُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ، وَإِنْ وَجَدْتَهُ بَعْدَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لَكَ بِالْقِيَمَةِ)، وَلَئِنَّ الْمَالِكَ الْقَدِيمَ زَالَ مِلْكُهُ بِغَيْرِ رِضَاءٍ فَكَانَ لَهُ حَقُّ الْإِخْذِ نَظَرًا لَهُ إِلَّا أَنْ فِي الْإِخْذِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ ضَرَرًا بِالْمَأْخُودِ مِنْهُ بِإِزَالَةِ مِلْكِهِ الْخَاصِّ فَيَأْخُذُهُ بِالْقِيَمَةِ لِيَعْتَدِلَ النَّظَرُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، وَالشَّرِكَةُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ عَامَّةٌ فَيَقْلُ الضَّرَرُ فَيَأْخُذُهُ بِغَيْرِ قِيَمَةٍ.

**ترجمہ:** پھر اگر مسلمان ان اموال پر غالب آجائیں اور تقسیم سے پہلے ان کے مالک ان اموال کو پالیں تو وہ اموال بدون عوض ان کے ہوں گے، اور اگر تقسیم کے بعد مالکان وہ اموال پائیں تو انھیں قیمت کے عوض لیں گے اگر چاہیں، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اگر تقسیم سے پہلے تم نے اسے پایا تو وہ بدون قیمت تمہارا ہے اور اگر تقسیم کے بعد تم نے اسے پایا تو وہ قیمت کے عوض تمہارا ہے۔ اور اس لیے کہ مالک قدیم کی ملکیت اس کی مرضی کے بغیر ختم ہوگئی ہے لہذا اس پر شفقت کے پیش نظر اسی کو لینے کا حق ہوگا تاہم تقسیم کے بعد لینے میں مأخوذ منہ کا ضرر ہے، کیونکہ اس میں اس کی ملکیت خاص کو زائل کرنا ہے لہذا مالک قدیم اسے قیمت کے عوض لے گا تا کہ دونوں طرف شفقت متحقق ہو جائے۔ اور تقسیم سے پہلے اس مال میں تمام غازیوں کی شرکت ہے، لہذا اس صورت میں ضرر کم ہوگا اس لیے مالک بغیر قیمت کے اسے لے لے گا۔

**اللغات:**

﴿ظہر﴾ غالب ہو گئے۔ ﴿ضرر﴾ نقصان۔ ﴿أخذ﴾ لینا۔

**تخریج:**

① اخرجہ دارقطنی فی سننہ ۱۱۴/۴، ۱۱۵.

**حریوں کے غصب کردہ اموال کی واپسی:**

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسلمان کفار سے دوبارہ وہ مال چھین لیں جو انھوں نے مسلمانوں سے چھینا تھا تو تقسیم غنائم سے پہلے وہ مال ان کے مالکان کو دیدیا جائے گا اور تقسیم غنائم کے مالکان کو وہ مال ملے گا اور مالکان انھیں لینا چاہیں تو قیمت دے کر لے سکتے ہیں، کیونکہ

اس طرح کے معاملے میں حضرت نبی اکرم ﷺ سے اسی طرح کا فرمان صادر ہوا ہے اور اس صورت حال میں دربار نبوت سے یہی ہدایت جاری کی گئی ہے۔ اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کفار کے ان اموال پر قابض اور غالب ہونے کی وجہ سے مالک قدیم کی رضامندی کے بغیر وہ اموال لئے گئے تھے لہذا جب وہ اموال پھر مسلمانوں میں واپس آگئے تو ان کے مالکان ہی ان اموال کے مستحق ہوں گے، لیکن تقسیم غنائم کے بعد اگر وہ مال دوسروں کے پاس چلے گئے ہوں تو ان سے مفت لینے میں انھیں ضرر لاحق ہوگا اس لیے مالک کو قیمت دے کر لینے کا اختیار ہے تاکہ مالک کو اس کا مال مل جائے اور ماخوذ منہ کو اس کے حق کے عوض قیمت مل جائے اور دونوں طرف برابر کا معاملہ رہے۔ اور شرکت سے پہلے چوں کہ اس مال میں عام غازیوں کا حق ہوتا ہے اور کسی کے ساتھ وہ مال خاص نہیں ہوتا لہذا اس صورت میں ہم نے اسے صاحب مال کو مفت میں دینے کی تجویز رکھی ہے۔

وَابْنُ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرٌ فَاشْتَرَى ذَلِكَ وَأَخْرَجَهُ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَمَالِكُهُ الْأَوَّلُ بِالْخِيَارِ، إِنْ شَاءَ أَخَذَهُ بِالشَّمَنِ الَّذِي اشْتَرَاهُ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ، لِأَنَّهُ يَتَضَرَّرُ بِالْأَخْذِ مَجَانًا، أَلَا تَرَى أَنَّهُ قَدْ دَفَعَ الْعَوَضَ بِمُقَابَلَتِهِ فَكَانَ اعْتِدَالُ النَّظَرِ فِيمَا قُلْنَا، وَلَوْ اشْتَرَاهُ بِعَرْضٍ يَأْخُذُ بِقِيَمَةِ الْعَرْضِ، وَلَوْ وَهَبَهُ لِمُسْلِمٍ يَأْخُذُ بِقِيَمَتِهِ، لِأَنَّهُ ثَبَتَ لَهُ مِلْكٌ خَاصٌّ فَلَا يَزَالُ إِلَّا بِالْقِيَمَةِ، وَلَوْ كَانَ مَغْنُومًا وَهُوَ مِثْلِي يَأْخُذُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَلَا يَأْخُذُ بَعْدَهَا، لِأَنَّ الْأَخْذَ بِالْمِثْلِ غَيْرُ مُفِيدٍ وَكَذَا إِذَا كَانَ مَوْهُوبًا لَا يَأْخُذُ لِمَا بَيْنَا وَكَذَا إِذَا كَانَ مُشْتَرَى بِمِثْلِهِ قَدْرًا وَوَصْفًا.

**ترجمہ:** اور اگر کسی مسلمان تاجر نے دار الحرب جا کر وہ مال خرید لیا اور اسے دار الاسلام لے آیا تو اس کے مالک اول کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس ثمن کے عوض لے لے جس کے بدلے مشتری نے اسے خریدا ہے اور اگر چاہے تو اسے چھوڑ دے، کیونکہ مفت لینے سے اس تاجر کو ضرر ہوگا کیا دکھتا نہیں کہ اس تاجر نے اس مال کے بدلے میں عوض دیا ہے لہذا شفقت اسی صورت میں متحقق ہوگی جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور اگر اس تاجر نے وہ مال کسی سامان کے عوض لیا ہو تو مالک سامان کی قیمت دے کر وہ مال لے گا۔ اور اگر کفار نے کسی مسلمانوں کو وہ مال ہبہ کر دیا ہو تو مالک اسکی قیمت دے کر اسے لے گا، کیونکہ موهوب لہ کو خاص ملکیت حاصل ہوئی ہے لہذا قیمت کے بغیر وہ زائل نہیں ہوگی۔

اور اگر وہ غنیمت میں حاصل کیا گیا ہو اور وہ مثلی ہو تو تقسیم سے پہلے مالک اول اسے لے سکتا ہے لیکن تقسیم کے بعد نہیں لے سکتا، کیونکہ مثلی چیز لینا مفید نہیں ہے ایسے ہی اگر وہ چیز ہبہ کی گئی ہو تو بھی مالک اسے نہ لے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں ایسے ہی اگر اس مالک کی چیز قدر اور وصف میں اس چیز کے برابر ہو جو تاجر نے خریدا ہو۔

### اللغات:

﴿اخرجه﴾ اس کو در آمد کیا۔ ﴿اشتراه﴾ اس کو خریدا۔ ﴿مجاناً﴾ مفت، بلا قیمت۔ ﴿عرض﴾ ساز و سامان۔

### حریوں کے غصب کردہ اموال کی واپسی:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار کے مسلمانوں کا مال لوٹ کر لیجانے کے بعد کوئی مسلمان تاجر دار الحرب گیا اور اس نے وہ مال خریدا

اور اسے دار الاسلام لے آیا تو اب اس کے مالک اول کو اختیار ہے اگر چاہے تو مشتری تاجر کے خریدے ہوئے ثمن پر اسے لے لے اور اگر چاہے تو نہ لے یعنی ثمن دے کر لینا چاہئے تو لے ورنہ مفت میں نہ لے، کیونکہ تاجر نے وہ مال ثمن اور عوض دے کر لیا ہے اور مفت لینے میں اس کا ضرر ہے اور کسی کو ضرر پہنچانا درست نہیں ہے۔ اور اگر اس تاجر نے کسی سامان کے عوض وہ مال لیا ہو مالک اول اس سامان کی قیمت کے عوض اسے لے گا اسی طرح اگر کفار وہ مال کسی مسلمان کو ہدیہ کر دیں تو مالک اول موہوب لہ کو اس کی قیمت دے کر لے گا، کیونکہ مشتری اور موہوب لہ کے لیے اس مال میں خاص ملکیت ثابت ہوئی ہے، لہذا یہ ملکیت مفت میں بدون عوض ساقط اور زائل نہیں ہوگی۔

ولو كان مغنوماً الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مالک اول کا مال مالی غنیمت کے ساتھ مسلمانوں کو ملا ہو اور وہ مال مثلی ہو یعنی اس کا مثل موجود ہو تو صاحب مال تقسیم سے پہلے بلا عوض اسے لے سکتا ہے، لیکن تقسیم کے بعد نہیں لے سکتا، کیونکہ مثلی لے کر مثلی دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، یہی حال اس صورت کا بھی ہے جب وہ مال ہبہ کیا گیا ہو یا کسی نے خریدا ہو اور جس چیز کے عوض خریدا ہو وہ قدر اور وصف میں مالک کے سامان کے برابر ہو تو بھی مالک اسے نہ لے کیونکہ یہ بھی مثل کے عوض مثل کا تبادلہ ہے جو مفید نہیں ہے۔

قَالَ فَإِنْ أُسْرُوا عَبْدًا فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ وَأَخْرَجَهُ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَفَقِئَتْ عَيْنُهُ وَأَخَذَ أَرْضَهَا فَإِنَّ الْمَوْلَى بِأُخْذِهِ بِالثَّمَنِ الَّذِي أَخَذَ بِهِ مِنَ الْعَدُوِّ، أَمَّا الْأَخْذُ بِالثَّمَنِ فَلِمَا قُلْنَا، وَلَا يَأْخُذُ الْأَرْضَ، لِأَنَّ الْمِلْكَ فِيهِ صَحِيحٌ فَلَوْ أَخَذَهُ أَخْذَهُ بِمِثْلِهِ وَهُوَ لَا يُفِيدُ، وَلَا يَحْطُ شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ، لِأَنَّ الْأَوْصَافَ لَا يَقَابِلُهَا شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ بِخِلَافِ الشُّفْعَةِ، لِأَنَّ الصَّفَقَةَ لَمَّا تَحَوَّلَتْ إِلَى الشَّفِيعِ صَارَ الْمُشْتَرَى فِي يَدِ الْمُشْتَرِي بِمَنْزِلَةِ الْمُشْتَرَى شِرَاءً فَاسِدًا، وَالْأَوْصَافُ تَضْمَنُ فِيهِ كَمَا فِي الْغَضَبِ، أَمَّا هَلْنَا الْمِلْكَ صَحِيحٌ فَافْتَرَقَا، وَإِنْ أُسْرُوا عَبْدًا فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ بِالْفِ دِرْهَمٍ فَاسْرُوهُ ثَانِيَةً وَأَدْخُلُوهُ دَارَ الْحَرْبِ فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ بِالْفِ دِرْهَمٍ فَلَيْسَ لِلْمَوْلَى الْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنَ الثَّمَنِ، لِأَنَّ الْأَسْرَ مَا وَرَدَ عَلَى مِلْكِهِ، وَلِلْمُشْتَرِي الْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَ مِنَ الثَّمَنِ، لِأَنَّ الْأَسْرَ وَرَدَ عَلَى مِلْكِهِ ثُمَّ يَأْخُذُ الْمَالِكُ الْقَدِيمُ بِالْفَيْنِ إِنْ شَاءَ، لِأَنَّهُ قَامَ عَلَيْهِ بِالثَّمَنِ فَيَأْخُذُهُ بِهِمَا، وَكَذَا إِذَا كَانَ الْمَأْسُورُ مِنْهُ الثَّمَنِ غَائِبًا لَيْسَ لِلأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ إِعْتِبَارًا بِحَالِ حَضْرَتِهِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر کفار نے کسی مسلمان کا غلام قید کر لیا پھر اسے کوئی شخص خرید کر دار الاسلام لے آیا اور اس کی آنکھ پھوڑ دی گئی اور مشتری نے اس کا تاوان لے لیا تو مولیٰ اس غلام کو اسی ثمن پر لے گا جس ثمن پر مشتری نے دشمن سے وہ غلام خریدا تھا، رہا ثمن کے عوض لینا تو اسی دلیل کی وجہ سے ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں اور مولیٰ ارش نہیں لے گا کیونکہ (بوقت فقاً) اس غلام میں مشتری کی ملکیت صحیح تھی، اب اگر مولیٰ مشتری سے وہ تاوان لے گا تو اس کا مثل دے کر لیگا۔ اور مثل دے کر لینا بے کار ہے۔ اور ثمن میں سے



کچھ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ اوصاف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا۔ برخلاف شفعہ کے، کیونکہ جب صفحہ بدل کر شفع کی طرف چلا گیا تو خریدی ہوئی چیز مشتری کے قبضے میں شرائے فاسد کے درجے میں ہوگئی اور شرائے فاسد میں اوصاف کا بھی ضمان واجب ہوتا ہے جیسے غصب میں ہوتا ہے، رہا یہاں کا مسئلہ تو یہاں ملک صحیح ہے اس لیے دونوں مسئلوں میں فرق ہو گیا۔

اور اگر کفار نے کسی غلام کو قیدی بنالیا پھر اس کو کسی مسلمان نے ایک ہزار درہم میں خریدا اس کے بعد کفار نے اسے دوبارہ قید کر لیا اور اسے دار الحرب لے کر چلے گئے پھر دوسرے شخص نے ایک ہزار درہم کے عوض اسے خرید لیا تو مولیٰ اول کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے شخص سے ثمن کے عوض لے لے، کیونکہ اس کی ملکیت پر گرفتاری واقع ہوئی ہے، پھر مالک اول اگر چاہے تو اسے دو ہزار کے عوض لے لے، کیونکہ مشتری اول کو دو ہزار میں وہ غلام پڑا ہے لہذا مالک دو ہزار کے عوض اسے لے گا۔ ایسے ہی اگر مشتری اول غائب ہو تو مالک قدیم کو یہ حق نہیں ہوگا کہ مشتری ثانی سے اسے لے لے اس کی موجودگی پر قیاس کرتے ہوئے۔

### اللغات:

﴿أسروا﴾ قیدی بنالیا۔ ﴿فقنت﴾ پھوڑ دی گئی۔ ﴿أرش﴾ تاوان، جرمانہ۔ ﴿لا يحط﴾ نہیں کمی کرے گا۔ ﴿صفقة﴾ عقد، معاملہ (لفظاً: تالی)۔ ﴿تحوّلت﴾ پھر گئی، بدل گئی۔ ﴿حضرۃ﴾ موجودگی۔

### حریوں کے غصب کردہ اموال کی واپسی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار نے کسی مسلمان کا غلام گرفتار کر کے اسے قیدی بنالیا پھر کوئی مسلمان دار الحرب گیا اور اس نے کفار سے اس غلام کو خرید لیا اور دار الاسلام لے آیا پھر اس مسلمان مشتری کے قبضے میں کسی نے اس کی آنکھ پھوڑ دی اور اس مشتری نے جانی سے تاوان لے لیا تو اب اگر اس غلام کو اس کا مولیٰ مشتری سے لینا چاہے تو مشتری نے جتنی رقم میں اسے خریدا ہے اتنی رقم دے کر مولیٰ اسے خرید لے لیکن اس کا تاوان نہ لے، کیونکہ یہ تاوان تو مشتری نے اپنی صحیح ملکیت میں حاصل کیا ہے اس لیے اگر مولیٰ تاوان لے گا تو اسے اس کے بقدر مشتری کو رقم دینا پڑے گا جس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اور یہ بھی نہیں ہوگا کہ اس کی جو آنکھ پھوڑی گئی ہے اس کے عوض ثمن سے کچھ رقم کم کر دی جائے، کیونکہ آنکھ وصف ہے اور وصف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا۔

اس کے برخلاف شفعہ میں وصف کے عوض ثمن ہوتا ہے، اس لیے کہ مشتری سے شفع کی طرف صفحہ بدلنے اور منتقل ہونے سے خریدی ہوئی چیز شرائے فاسد کے درجے میں ہے اور شرائے فاسد میں وصف کے عوض ثمن ہوتا ہے جیسا کہ شیء منسوب میں سے اگر کوئی چیز یا کوئی حصہ ہلاک ہو جائے یا کوئی وصف فوت ہو جائے تو اس کا بھی ضمان واجب ہوتا ہے، کیونکہ شراء فاسد میں نہ تو مشتری کی ملکیت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی غصب میں غاصب کی ملکیت ثابت ہوتی ہے جب کہ شراء صحیح میں مشتری کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، اس لیے اس صورت میں وصف کا ضمان نہیں ہوگا۔

وإن أسروا الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کفار نے کوئی غلام قید کیا پھر ایک شخص نے اسے ایک ہزار درہم میں خریدا اس کے بعد دوبارہ کفار نے اسے قید کر لیا اور اسے لے کر دار الحرب چلے گئے اور اس مرتبہ پہلے مشتری کے علاوہ دوسرے آدمی نے اسے خریدا تو اس غلام کے مولیٰ کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ ثمن دے کر مشتری ثانی سے اسے لے لے، کیونکہ وہ غلام مشتری اول کی ملکیت پر گرفتار ہوا

ہے نہ کہ مشتری ثانی کی ملکیت پر اس لیے مشتری ثانی کو اس کی فروختگی کا حق نہیں ہے البتہ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ مشتری ثانی سے مشتری اول ایک ہزار کے عوض خرید لے، پھر مشتری اول سے اس کا مولیٰ دو ہزار میں خرید لے، کیونکہ مشتری اول نے اسے پہلی مرتبہ کفار سے ایک ہزار میں خریدا اور دوسری مرتبہ مشتری ثانی سے ایک ہزار میں خریدا گویا اس نے دو ہزار میں اسے خریدا ہے اس لیے مولیٰ کو دو ہزار کے عوض اسے لینے کا اختیار ہوگا اگر چاہے تو لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔ ایسے ہی اگر جس کے پاس سے دوبارہ غلام گرفتار کیا گیا ہے یعنی مشتری اول کہیں غائب ہو تو بھی مولیٰ مشتری ثانی سے الف درہم کے عوض اس غلام کو نہیں خرید سکتا، کیونکہ اس کی موجودگی میں بھی مولیٰ مشتری ثانی سے اس رقم پر اسے نہیں خرید سکتا تو اس کی عدم موجودگی میں بھی نہیں خرید سکے گا۔

وَلَا يَمْلِكُ عَلَيْنَا أَهْلُ الْحَرْبِ بِالْغَلْبَةِ مُدَبِّرِينَ وَأُمَّهَاتِ أَوْلَادِنَا وَمَكَاتِبِنَا وَأَحْرَارِنَا، وَنَمْلِكُ عَلَيْهِمْ جَمِيعَ ذَلِكَ، لِأَنَّ السَّبَبَ إِنَّمَا يُفِيدُ الْمِلْكَ فِي مَحَلِّهِ، وَالْمَحَلُّ الْمَالُ الْمُبَاحُ، وَالْحُرُّ مَعْصُومٌ بِنَفْسِهِ وَكَذَا مَنْ سِوَاهُ، لِأَنَّهُ تَثَبَّتِ الْحُرِّيَّةُ فِيهِ مِنْ وَجْهِ بِيخْلَافٍ رِقَابِهِمْ، لِأَنَّ الشَّرْعَ أَسْقَطَ عِصْمَتَهُمْ جَزَاءً عَلَى جَنَائِهِمْ وَجَعَلَهُمْ أَرْقَاءً، وَلَا جَنَايَةَ مِنْ هَؤُلَاءِ، وَإِذَا أَبَقَ عَبْدٌ مُسْلِمٌ لِمُسْلِمٍ فَدَخَلَ إِلَيْهِمْ فَأَخَذُوهُ لَمْ يَمْلِكُوهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَا يَمْلِكُونَهُ، لِأَنَّ الْعِصْمَةَ لِحَقِّ الْمَالِكِ لِقِيَامِ يَدِهِ وَقَدْ زَالَتْ، وَلِهَذَا لَوْ أَخَذُوهُ مِنْ دَارِ الْإِسْلَامِ مَلَكُوهُ، وَلَهُ أَنَّهُ ظَهَرَتْ يَدُهُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْخُرُوجِ مِنْ دَارِنَا، لِأَنَّ سَقُوطَ اعْتِبَارِهَا لِتَحَقُّقِ يَدِ الْمَوْلَى عَلَيْهِ تَمَكُّنًا لَهُ مِنَ الْإِنْتِفَاعِ وَقَدْ زَالَتْ يَدُ الْمَوْلَى فَظَهَرَتْ يَدُهُ عَلَى نَفْسِهِ وَصَارَ مَعْصُومًا بِنَفْسِهِ فَلَمْ يَبْقَ مَحَلًّا لِلْمِلْكِ، بِخِلَافِ الْمُتَرَدِّدِ، لِأَنَّ يَدَ الْمَوْلَى بَاقِيَةٌ لِقِيَامِ يَدِ أَهْلِ الدَّارِ فَمَنْعَ ظُهُورِ يَدِهِ، وَإِذَا لَمْ يَثْبُتِ الْمِلْكَ لَهُمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَأْخُذُهُ الْمَالِكُ الْقَدِيمُ بِغَيْرِ شَيْءٍ مَوْهُوبًا كَانَ أَوْ مُشْتَرًى أَوْ مَغْنُومًا قَبْلَ الْقِسْمَةِ، وَبَعْدَ الْقِسْمَةِ يُوَدَّى عِوَضُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ إِعَادَةُ الْقِسْمَةِ لِتَفَرُّقِ الْغَانِمِينَ وَتَعَدُّرِ اجْتِمَاعِهِمْ، وَلَيْسَ لَهُ عَلَى الْمَالِكِ جُعْلُ الْأَبَقِ، لِأَنَّهُ عَامِلٌ لِنَفْسِهِ، إِذْ فِي زَعْمِهِ أَنَّهُ مَلَكُهُ.

**ترجمہ:** کفار ہم پر غالب ہو کر ہمارے مدبر، مکاتب، امہات اولاد اور ہمارے آزاد لوگوں کے مالک نہیں ہو سکتے جب کہ ہم ان پر غالب ہو کر ان سب کے مالک بن سکتے ہیں، کیونکہ سب ملک اپنے محل میں ملکیت کا فائدہ دیتا ہے اور محل مال مباح ہے اور آزاد بذات خود معصوم ہوتا ہے نیز مکاتب وغیرہ بھی معصوم ہیں کیونکہ ان میں من وجہ حریت ثابت ہوتی ہے۔ برخلاف کفار کے کیونکہ شریعت نے ان کی جنایت کا بدلہ دیتے ہوئے ان کی عصمت ساقط کر دی ہے اور انھیں رقیق بنا دیا ہے اور مسلمانوں کی طرف سے کوئی جنایت نہیں ہے۔

اگر کسی مسلمان کا کوئی مسلمان غلام بھاگ کر کفار کے پاس چلا گیا اور کفار نے اسے پکڑ لیا تو حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں

وہ لوگ اس کے مالک نہیں ہوں گے۔ حضرات صاحبین رحمہم فرماتے ہیں کہ مالک ہو جائیں گے، کیونکہ غلام پر اس کے مالک کا قبضہ ہوتا ہے اور حق مالک کی وجہ سے وہ معصوم ہوتا ہے حالانکہ اس کے مالک کا قبضہ ختم ہو چکا ہے، اسی لیے اگر کفار دارالاسلام سے اسے پکڑ کر لے جائیں تب بھی اس کے مالک ہو جائیں گے۔

حضرت امام اعظم رحمہم کی دلیل یہ ہے کہ دارالاسلام سے اس غلام کے نکلنے کی وجہ سے اس کی ذات پر اسے اختیار حاصل ہو گیا ہے، کیونکہ اس کے اختیارات کا سقوط اس پر مولیٰ کا قبضہ ثابت ہونے کی وجہ سے تھا، تاکہ مولیٰ اس سے نفع حاصل کر سکے اور (پکڑے جانے سے) مولیٰ کا قبضہ ختم ہو چکا ہے لہذا اس کے نفس پر اس غلام کا اپنا اختیار ظاہر ہوگا اور وہ بذات خود معصوم ہوگا اور محل ملک نہیں رہے گا۔

برخلاف متردد کے، کیونکہ اس پر مولیٰ کا قبضہ باقی ہے، اس لیے کہ اس پر دارالاسلام والوں کا قبضہ موجود ہے اور یہ قبضہ اس غلام کے اختیار کے ظاہر ہونے سے مانع ہے۔ اور جب امام اعظم رحمہم کے یہاں کفار کے لیے ملکیت ثابت نہیں ہوئی تو اس کا مالک اسے مفت نہیں لے گا خواہ وہ موہوب ہو یا خرید ہوا ہو یا مال غنیمت کا ہو اور تقسیم سے پہلے ہو۔ اور تقسیم کے بعد بیت المال سے اس کا عوض دیا جائے گا، کیونکہ غنمین کے متفرق ہونے اور ان کا اجتماع دشوار ہونے کی وجہ سے تقسیم کا اعادہ ممکن نہیں ہے، اور اس غلام کو لانے والے کے لیے اس کے مالک سے محتانہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنی ذات کے لیے کام کرنے والا ہے، اس لیے کہ اپنے گمان میں یہ شخص اس کا مالک ہے۔

### اللغات:

﴿حر﴾ آزاد۔ ﴿معصوم﴾ محفوظ۔ ﴿اسقط﴾ گرا دیا ہے، ساقط کر دیا ہے۔ ﴿جنایۃ﴾ جرم۔ ﴿ارقاء﴾ واحد رقیق، مملوک، غلام۔ ﴿ابق﴾ بھاگ گیا۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿ظہرت﴾ قبضہ کر لیا۔ ﴿تمکین﴾ قدرت دینا۔ ﴿مغنوم﴾ غنیمت کی شے۔ ﴿إعادة﴾ دہرانا، دوبارہ کرنا۔ ﴿تفرق﴾ بکھرا ہوا ہونا۔

### کفاد تسلط کے ذریعے کن اموال کے مالک بن سکتے ہیں:

عبارت میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں (۱) اگر کفار مسلمانوں پر غالب ہو جائیں تو اموال کے وہ مالک بن سکتے ہیں، لیکن مسلمانوں کی ذات کے اور مسلمانوں کے مدبر، مکاتب اور ام ولد کے مالک نہیں بن سکتے، کیونکہ اگرچہ استیلاء سبب ملک ہے لیکن یہ سبب اپنے محل میں مفید ملک ہے اور محل مال مباح ہوتا ہے حالانکہ مسلمانوں میں سے آزاد، مکاتب اور مدبر وغیرہ محل ملک نہیں ہیں، کیونکہ آزاد تو بذات خود محترم اور معصوم ہوتا ہے اور مکاتب وغیرہ میں من وجہ حریت ثابت ہوتی ہے، لہذا اس حوالے سے ان میں بھی عصمت ہوتی ہے اور اباحت نہیں ہوتی لہذا یہ بھی مملوک نہیں ہو سکیں گے۔

اس کے برخلاف اگر ہم مسلمان کفار پر غالب آجائیں تو ہم ان کے اموال کے بھی مالک بن جائیں گے اور ان کے نفوس کے بھی مالک ہو جائیں گے، کیونکہ ان لوگوں نے توحید و رسالت کا انکار کر کے بہت بڑا ظلم کیا ہے اور خدائے پاک نے اس ظلم کی انھیں سزا یہ دی ہے کہ ان کو رقیق بنا دیا اور رقیق مملوک ہوتا ہے، اس لیے یہ سب مملوک ہوں گے۔ اور چوں کہ مسلمان اور ان کے مکاتب

وغیرہ نے اس طرح کی کوئی جنایت نہیں کی ہے لہذا یہ نہ تو رقیق ہوں گے اور نہ ہی مملوک ہوں گے۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان شخص کا کوئی مسلمان غلام بھاگ کر دارالحرب چلا گیا اور کفار نے اسے پکڑ لیا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں کفار اس کے مالک نہیں ہوں گے، جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں کفار اس کے مالک ہو جائیں گے، کیونکہ وہ غلام اپنے مولیٰ کا مالک ہونے سے معصوم تھا لیکن کفار کے قبضے میں چلے جانے سے اس کے مولیٰ کی ملکیت ختم ہو گئی اور اس کی عصمت بھی ساقط ہو گئی ہے اس لیے اب وہ مباح ہو گیا اور مباح مملوک ہو سکتا ہے لہذا یہ بھی مملوک ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کفار اسے دارالاسلام سے پکڑ کر دارالحرب لے آئیں تو بھی حق مولیٰ ساقط ہونے کی وجہ سے وہ مملوک ہو جائے گا۔

ولہ الخ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ غلام جب تک دارالاسلام میں تھا اس وقت تک اس پر اس کے مولیٰ کا قبضہ برقرار تھا اور حق مولیٰ اور انتفاع مولیٰ کی وجہ سے ہم نے اس کی ذات پر اس کے اپنے اختیارات و تصرفات کو ساقط کر دیا تھا، لیکن جب وہ دارالاسلام سے نکل گیا تو مولیٰ کی ملکیت سے بھی خارج ہو گیا اور اپنی ذات پر اسے اختیارات حاصل ہو گئے اور وہ غلام خود ہی معصوم و محترم بن گیا اور ملکیت کا محل نہیں رہ گیا اور جب محل ملک نہیں رہا تو ظاہر ہے کہ کفار اس کے مالک نہیں ہو سکتے۔

اس کے برخلاف وہ غلام جو دارالاسلام ہی میں ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا ہو اور مولیٰ کے قبضہ سے نکل کر دارالحرب نہ گیا ہو وہ خود مختار نہیں ہوگا، کیونکہ اگرچہ ظاہر ا وہ مولیٰ کے قبضے میں نہیں ہے، لیکن دارالاسلام میں ہونے کی وجہ سے معنا اس پر مولیٰ کا قبضہ موجود ہے، اس لیے وہ خود مختار نہیں ہو سکتا۔

وإذا لم الخ فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں جب مذکورہ غلام پر کفار کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی تو آخر اس کا کیا ہوگا؟ اچار الا جائے گا، نہیں بھائی ایسی بات نہیں ہے بلکہ کسی ذریعے سے یہ غلام دارالحرب سے دارالاسلام لایا جائے گا اور اس کے پرانے مولیٰ کو بلا عوض دیدیا جائے گا، خواہ اسے کفار نے کسی کو ہبہ کیا ہو یا کسی نے اسے خریدا ہو یا مال غنیمت میں آیا ہو تو تقسیم سے پہلے کا معاملہ مفت اور فری ہوگا۔ لیکن تقسیم کے بعد جس کے حصے میں یہ آئے گا اسے بیت المال سے اس کا عوض دے کر اس غلام کو اس کے مالک کے حوالے کر دیا جائے گا یعنی اس غلام کو واپس لینے کے لیے پرانے آقا کو ایک روپیہ بھی نہیں خرچ کرنا پڑے گا بلکہ اس کا عوض بیت المال دے گا اور تقسیم کا بھی اعادہ نہیں ہوگا، اس لیے کہ غازیوں کے متفرق ہونے کی وجہ سے ان کو جمع کرنا دشوار گزار مرحلہ ہے۔

ولیس له الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو تاجر یا مسلمان اس غلام کو دارالحرب سے لائے گا وہ اس کے مالک سے محتانہ اور اجرت وصول کرنے کا مستحق نہیں ہے، کیونکہ وہ تو اس خوش فہمی میں لے کر آیا ہے کہ یہ غلام اب میرا ہے اور اپنی نیت کے حوالے سے وہ شخص عامل نفسہ ہے لا لما لکہ القدیم، اور عامل نفسہ کو دوسرے سے محتانہ اور مزدوری لینے کا حق نہیں ہوتا۔

وَأِنْ نَدَّ بَعِيرٌ إِلَيْهِمْ فَأَخَذُوهُ مَلَكُوهُ لِيَحْقُقَ الْإِسْتِيلَاءُ، إِذْ لَا يَدَ لِلْعُجَمَاءِ لِيَتَّظَهَرَ عِنْدَ الْخُرُوجِ مِنْ دَارِنَا، بِخِلَافِ الْعَبْدِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا، وَإِنْ اشْتَرَاهُ رَجُلٌ وَأَدْخَلَهُ دَارَ الْإِسْلَامِ فَصَاحِبُهُ يَأْخُذُهُ بِالْثَمَنِ إِنْ شَاءَ لِمَا بَيْنَا، فَإِنْ أَبَقَ عَبْدٌ إِلَيْهِمْ وَذَهَبَ مَعَهُ بِفَرَسٍ وَمَتَاعٍ فَأَخَذَ الْمُشْرِ كُونَ ذَلِكَ كُفْلَهُ وَاشْتَرَى رَجُلٌ ذَلِكَ كُفْلَهُ وَأَخْرَجَهُ



إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَإِنَّ الْمَوْلَى يَأْخُذُ الْعَبْدَ بِغَيْرِ شَيْءٍ، وَالْفَرَسُ وَالْمَتَاعُ بِالثَّمَنِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ، وَقَالَ يَأْخُذُ الْعَبْدَ وَمَا مَعَهُ بِالثَّمَنِ إِنْ شَاءَ اعْتِبَارًا لِحَالَةِ الْاجْتِمَاعِ بِحَالَةِ الْإِنْفِرَادِ، وَقَدْ بَيَّنَّا الْحُكْمَ فِي كُلِّ قَرْدٍ، وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ وَاشْتَرَى عَبْدًا مُسْلِمًا وَأَدْخَلَهُ دَارَ الْحَرْبِ عَتَقَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ، وَقَالَ لَا يُعْتَقُ، لَأَنَّ الْإِرْزَالَ كَانَتْ مُسْتَحَقَّةً بِطَرِيقِ مُعَيَّنٍ وَهُوَ الْبَيْعُ وَقَدْ انْقَطَعَتْ وَلَايَةُ الْجَبْرِ عَلَيْهِ فَبَقِيَ فِي يَدِهِ عَبْدًا، وَلَأَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ أَنَّ تَخْلِيصَ الْمُسْلِمِ عَنْ ذَلِّ الْكَافِرِ وَاجِبٌ لِقَامِ الشَّرْطِ وَهُوَ تَبَايُنُ الدَّارَيْنِ مَقَامِ الْعِلَّةِ وَهُوَ الْإِعْتَاقُ تَخْلِيصًا لَهُ كَمَا يَقَامُ مُضِيُّ ثَلَاثِ حَيْضٍ مَقَامَ التَّفْرِيقِ فِيمَا إِذَا أَسْلَمَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ فِي دَارِ الْحَرْبِ.

**ترجمہ:** اور اگر کوئی اونٹ بدک کر کافروں کے پاس چلا گیا اور کفار نے اسے پکڑ لیا تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے، کیونکہ قبضہ ثابت ہو چکا ہے اور ان جانوروں کے ذاتی اختیارات بھی نہیں ہوتے کہ دارالاسلام سے نکلتے وقت ان کا ظہور ہو۔ برخلاف غلام کے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر اسے کسی شخص نے خریدا اور دارالاسلام لے آیا تو اگر اس کا مالک چاہے تو ثمن کے عوض اسے لے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اگر ہمارا کوئی غلام بھاگ کر کفار کے پاس چلا گیا اور اپنے ساتھ گھوڑا اور سامان بھی لے گیا اور مشرکین نے ان سب کو پکڑ لیا اور ان سے کسی آدمی نے یہ ساری چیزیں خرید لیں اور انھیں دارالاسلام لے آیا تو امام اعظمؒ کے یہاں مولیٰ غلام کو بلا عوض لے گا اور گھوڑے اور سامان کو ثمن دے کر لے گا۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مولیٰ غلام اور اس کے ساتھ موجود سامان کو ثمن کے عوض لے گا حالت اجتماع کو حالت انفراد پر قیاس کرتے ہوئے اور ہم نے ہر فرد کا حکم بیان کر دیا ہے۔

اگر کوئی حربی دارالاسلام میں امان لے کر داخل ہوا اور اس نے کسی مسلمان غلام کو خریدا اور اسے دارالخوف لے گیا تو امام اعظمؒ کے یہاں وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں آزاد نہیں ہوگا اس لیے کہ حربی کی ملکیت کو زائل کرنا ایک معین طریقہ یعنی بذریعہ بیع ممکن تھا حالانکہ اس پر جبر کی ولایت منقطع ہو چکی ہے لہذا وہ غلام اس کے قبضے میں بھی غلام ہی رہا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کی ذلت سے نکالنا واجب ہے لہذا شرط یعنی تباین دارین کو علت یعنی اعتاق کے قائم مقام قرار دیا جائے گا تاکہ اس کو چھڑایا جاسکے جیسے اگر زوجین میں سے کوئی دارالحرب میں اسلام لے آئے تو تین حیض گزرنے کو تفریق کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے۔

### اللغات:

﴿ند﴾ بد گیا۔ ﴿بعیر﴾ اونٹ۔ ﴿استیلاء﴾ غلبہ، فتح، قبضہ۔ ﴿عجماء﴾ بے زبان جانور۔ ﴿فرس﴾ گھوڑا۔ ﴿ابق﴾ بھاگ گیا۔ ﴿تباین﴾ علیحدہ ہونا، جدا ہونا۔ ﴿اعتاق﴾ آزاد کرنا۔ ﴿تخلیص﴾ چھوڑنا، چھٹکارا دینا۔ ﴿مضی﴾ گزر جانا۔

### کفاد تسلط کے ذریعے کن اموال کے مالک بن سکتے ہیں:

عبارت میں کئی مسئلے مذکور ہیں جو ان شاء اللہ حسب بیان مصنف آپ کے سامنے پیش کئے جائیں گے (۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کسی کا اونٹ بدک کردار الحرب چلا گیا اور کفار نے اسے اپنے قبضے میں لے لیا تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے کیوں کہ اونٹ مال ہے اور مال پر ان کا قبضہ ہو گیا ہے جو مفید ملک ہے اور پھر غلام کی طرح اونٹ کے ذاتی اختیارات بھی نہیں ہوتے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں ان کے ظہور پر اسے خود مختار سمجھا جائے اس لیے بلا اختلاف وہ مملوک ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص دار الحرب سے اسے خرید کردار الاسلام لے آئے تو اس کے مالک کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو دشمن دے کر اسے لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے، لیکن مفت نہیں ملے گا۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کسی کا غلام گھوڑے اور کچھ سامان کے ساتھ بھاگ کردار الحرب چلا گیا اور مشرکین نے اسے پکڑ لیا پھر کوئی شخص ساز و سامان کے ساتھ اسے خرید کردار الاسلام لے آیا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اس غلام کے مولیٰ کو غلام مفت ملے گا البتہ گھوڑے اور سامان کا دشمن دینا پڑے گا۔ جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں اگر مولیٰ چاہے تو غلام اور گھوڑے وغیرہ سب کو دشمن دے کر لے لے اور اگر نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے اور اسے مفت میں کچھ نہیں ملے گا، جیسے اگر صرف گھوڑا بھاگ کر چلا جاتا یا صرف غلام جاتا تو مولیٰ کو دشمن کے عوض اسے لینے کا حق ہوتا اسی طرح جب کئی سامان اس کی ملکیت سے نکلے تو ان سب کو مولیٰ دشمن دیکر لینے کا حق دار ہوگا، فری اور مفت میں نہیں لے سکے گا۔ گویا حضرات صاحبین نے حالت اجتماع کو حالت افراد پر قیاس کیا ہے۔

(۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی حربی امان لے کر دار الاسلام میں آیا اور یہاں اس نے کوئی مسلمان غلام خریدا اور اسے لے کر دار الحرب چلا گیا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور حضرات صاحبین کے یہاں آزاد نہیں ہوگا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اس غلام سے ایک معین طریقے یعنی بیع کے ذریعے کافر کی ملکیت کو زائل کرنا واجب تھا بایں معنی کے کافر حربی کو اس بیچنے پر مجبور کیا جاتا، لیکن ایسا نہ ہوا اور وہ کافر اس غلام کو لے کر دار الحرب چلا گیا جس کی بنا پر جبر کی ولایت بھی ختم ہو گئی لہذا وہ غلام حسب سابق اس حربی مشتری کے پاس بھی غلام ہی رہا اور آزاد نہیں ہوا۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ارشاد باری: لَنْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْکَافِرِیْنَ عَلٰی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا کے پیش نظر مسلمان کو کافر کے قبضے سے چھڑانا ضروری ہے اور چوں کہ صورت مسئلہ میں اس کافر پر جبر کرنا ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ وہ دار الحرب چلا گیا ہے لہذا تبیین دارین کو اعتاق کے قائم مقام قرار دیا جائے گا اور اس کافر حربی سے عبد مسلم کو چھڑا لیا جائے گا اور تخلص کے بعد وہ آزاد شمار ہوگا اور شرط کو علت کے قائم مقام کرنا شریعت میں جاری و ساری ہے جیسے اگر زوجین میں سے کوئی دار الحرب میں اسلام لے آئے تو ان میں تفریق واجب ہے لیکن چوں کہ دار الحرب کی وجہ سے جبر علی التفریق ممکن نہیں ہے، اس لیے تین حیض گزرنے کو تفریق کے قائم مقام قرار دیا جائے گا اسی طرح صورت مسئلہ میں تبیین دارین کو اعتاق کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔

وَإِذَا أَسْلَمَ عَبْدٌ لِّحَرْبٍ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا أَوْ ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَهُوَ حَرٌّ، وَكَذَلِكَ إِذَا خَرَجَ عِبِيدُهُمْ إِلَى عَسْكَرٍ

الْمُسْلِمِينَ فَهُمْ أَحْرَارٌ، لِمَا رُوِيَ أَنَّ عَبِيدَ الطَّائِفِ أَسْلَمُوا وَخَرَجُوا ① إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَضَى بِعَقِبِهِمْ وَقَالَ هُمْ عَتَقَاءُ اللَّهِ، وَلَئِنَّهُ أَحْرَزَ نَفْسَهُ بِالْخُرُوجِ إِلَيْنَا مُرَاعِمًا لِمَوْلَاهُ أَوْ بِالْإِلْتِحَاقِ بِمَنْعَةِ الْمُسْلِمِينَ إِذَا ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ، وَاعْتِبَارُ يَدِهِ أَوْلَى مِنْ إِعْتِبَارِ يَدِ الْمُسْلِمِينَ، لِأَنَّهَا أَسْبَقُ ثُبُوتًا عَلَى نَفْسِهِ فَالْحَاجَةُ فِي حَقِّهِ إِلَى زِيَادَةِ تَوْكِيدٍ وَفِي حَقِّهِمْ إِلَى إِثْبَاتِ الْبِدْءِ لِكَانَ أَوْلَى.

**ترجمہ:** اگر کسی حربی کا غلام مسلمان ہو کر دارالاسلام آگیا یا دارالحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا (اور وہ وہیں تھا) تو وہ آزاد ہے نیز اگر ان کے غلام مسلمانوں کے لشکر سے آئے تو وہ سب آزاد ہوں گے۔ اس روایت کی وجہ سے جو مروی ہے کہ غلامان طائف میں سے چند غلام اسلام قبول کر کے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کی آزادی کا فیصلہ فرمادیا اور یوں فرمایا یہ سب اللہ پاک کے آزادہ کردہ ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ اس غلام نے اپنے مولیٰ کو چھوڑ کر ہمارے پاس سے وہ محفوظ ہو گیا اور اس کے قبضے کو معتبر ماننا اس پر مسلمانوں کے قبضے کو معتبر ماننے سے اولیٰ ہے، کیونکہ اس کی ذات پر اس کا قبضہ مقدم ہے، اس لیے اس کے قبضے کو مضبوط کرنے کی مزید ضرورت ہے اور مسلمانوں کا قبضہ ثابت کرنے کے حق میں تو کید کی ابتداء ہے لہذا اسی کا قبضہ بہتر ہوگا۔

## اللغات:

﴿ظہر﴾ قبضہ ہو گیا۔ ﴿عبید﴾ واحد عبد؛ غلام۔ ﴿قضی﴾ فیصلہ فرمایا۔ ﴿أحوز﴾ بجالیا ہے۔ ﴿مراغم﴾ چھوڑنے والا۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿أسبق﴾ زیادہ پہلے۔

## تخریج:

① أخرجه ابوداؤد في المراسيل: ۳۳۱.

## حربوں کے مسلمانوں ہو جانے والے غلاموں کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی حربی کا غلام مسلمان ہو گیا پھر وہ دارالاسلام آگیا یا دارالحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا بہر دو صورت وہ غلام آزاد ہوگا یہی حال ان تمام غلاموں کا ہے جو مسلمان ہو کر دارالاسلام آجائیں یا دارالحرب پر قبضہ کی صورت میں لشکر اسلامی سے آلیں، کیونکہ طائف کے غلاموں میں سے جو مسلمان ہو کر حضرت نوح اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے ان کے ساتھ آپ ﷺ نے یہی معاملہ فرمایا تھا جو ہمارے لیے سند اور دلیل ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب یہ غلام اپنے مولیٰ کو چھوڑ کر ہم مسلمانوں کے پاس آگئے تو انھوں نے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا اور ان کی ذات پر ان کا قبضہ ہو گیا یعنی یہ تصرف میں خود مختار ہو گئے اور چوں کہ اپنی ذات پر ان کا ذاتی قبضہ مسلمانوں کے قبضے سے مقدم ہے اور غلاموں کے حق میں مزید تاکید کی ضرورت ہوگی یعنی قبضے کو اور بھی پختگی اور مضبوطی دی جائے گی اور مسلمانوں کے حق میں ابتداء تاکید کی ضرورت ہوگی اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جس کے حق میں تاکید ثابت ہے اسے موکد کرنا ابتداء تاکید ثابت کرنے سے اولیٰ اور بہتر ہے، لہذا غلام کے حق میں اس کا اپنا قبضہ معتبر ہوگا اور وہ آزاد ہوگا۔ واللہ اعلم.

## بَابُ الْمُسْتَأْمِنِ

یہ باب طالب امن کے بیان میں ہے

یہاں مستامن سے وہ مسلمان مراد ہے جو امن طلب کر کے دار الحرب جائے، باب المستامن کو باب الاستیلاء کے بعد بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ استیلاء قہراً اور غلبہ ہوتا ہے جب کہ امن بدون قہر ہوتا ہے، اس لیے قہر کے بعد امن کو بیان کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کی کرامت اور شرافت کے پیش نظر مسلم مستامن کے بیان کو مستامن حربی سے مقدم کیا گیا ہے۔ (بنیہ: ۶/۲۱۸)

وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرًا فَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَتَعَرَّضَ بِشَيْءٍ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَلَا مِنْ دِمَائِهِمْ لِأَنَّهُ ضَمِنَ أَنْ يَتَعَرَّضَ لَهُمْ بِالْإِسْتِيمَانِ فَالتَّعَرُّضُ بَعْدَ ذَلِكَ يَكُونُ غَدْرًا، وَالْغَدْرُ حَرَامٌ إِلَّا إِذَا غَدَرَ بِهِمْ مَلِكُهُمْ فَأَخَذَ أَمْوَالَهُمْ أَوْ حَبَسَهُمْ أَوْ فَعَلَ غَيْرَهُ بِعِلْمِ الْمَلِكِ وَلَمْ يَمْنَعَهُ لِأَنَّهُمْ هُمْ الَّذِينَ نَقَضُوا الْعَهْدَ، بِخِلَافِ الْأَسِيرِ، لِأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَأْمِنٍ فَيَبَاحُ لَهُ التَّعَرُّضُ وَإِنْ أَطْلَقُوهُ طَوْعًا، فَإِنْ غَدَرَ بِهِمْ أَعْنَى التَّاجِرِ فَأَخَذَ شَيْئًا وَخَرَجَ بِهِ مَلِكُهُ مِلْكًا مَحْظُورًا لِيُورِدَ الْإِسْتِيلَاءَ عَلَى مَالٍ مَبَاحٍ إِلَّا أَنَّهُ حَصَلَ بِسَبَبِ الْغَدْرِ فَأَوْجَبَ ذَلِكَ خُبْنًا فِيهِ فَيُؤْمَرُ بِالتَّصَدُّقِ بِهِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْحَظَرَ لغيرِهِ لَا يَمْنَعُ انْعِقَادَ السَّبَبِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ.

**ترجمہ:** اگر مسلمان تاجر بن کر دار الحرب میں داخل ہوا تو اس کے لیے کفار کے اموال اور دماء سے چھیڑ خانی کرنا حلال نہیں ہے، کیونکہ وہ امان طلب کر کے اس بات کا ضامن ہوا ہے کہ وہ ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا لہذا اس کے بعد تعرض غدر ہوگا اور غدر حرام ہے، لیکن اگر کفار کا بادشاہ مسلمان تاجروں کے ساتھ غداری کر کے ان کے اموال لوٹ لے یا انھیں قید کر لے یا بادشاہ کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی یہ کام کرے اور بادشاہ کو معلوم ہو، لیکن اس نے منع نہ کیا ہو، کیونکہ کفار ہی نے عہد توڑا ہے۔ برخلاف قیدی کے، کیونکہ وہ مستامن نہیں ہے لہذا اس کے لیے تعرض کرنا مباح ہوگا اگرچہ کافروں نے اسے بخوشی رہا کر دیا ہو۔

اور اگر مسلم تاجر نے کفار کے ساتھ غداری کی اور کچھ لوٹ لیا اور اسے لے کر دارالاسلام آگیا تو وہ ملک ممنوع کے طور پر اس کا مالک ہو جائے گا، کیونکہ مال مباح پر قبضہ ہوا ہے، لیکن چوں کہ یہ غدر کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اس لیے اس نے اس میں خبث پیدا کر دیا لہذا اسے وہ مال صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ ممانعت لغيرہ انعقاد سبب سے مانع نہیں ہے جیسا کہ ہم



## اللغات:

﴿بتعرض﴾ درپے ہو، دراندازی کرے۔ ﴿غدر﴾ دھوکہ۔ ﴿استیمان﴾ امان مانگنا۔ ﴿أسیر﴾ قیدی۔ ﴿محظور﴾ ممنوع۔ ﴿جسہم﴾ ان کو قید کر دے۔ ﴿استیلاء﴾ قبضہ کرنا، غلبہ پانا۔ ﴿تصدق﴾ صدقہ کرنا۔

## امان لے کر دارالحرب میں جانے والے کے احکام:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان تاجر امان طلب کر کے دارالحرب گیا تو اس کے لیے کفار کے اموال اور نفوس سے چھیڑ خانی کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا استیمان اس کے منافی ہے اور استیمان کی حالت میں تعرض کرنا غداری اور دھوکہ بازی ہے اور غداری حرام ہے۔ ہاں اگر خود کفار کے بادشاہ کی طرف سے مسلم تاجروں کے ساتھ غداری کی گئی اور انہیں لوٹا یا قید کیا گیا یا بادشاہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے یہ کام کیا لیکن بادشاہ کو اس کا علم تھا، لیکن اس نے منع نہیں کیا تو اس صورت میں ان تاجروں کو بھی جوابی کارروائی کرنے کا حق ہوگا، اس لیے کہ کفار ہی نے نقض عہد کی پہل کی ہے، اس لیے اب انہیں ان کے کروت کی سزا ملے گی۔ اور اگر کفار کسی مسلمان کو قید کر کے دارالحرب لے جائیں تو اس کے لیے چھیڑ چھاڑ کرنا مباح ہے اگرچہ اسے کفار نے دارالحرب میں رہا کر دیا ہو کیونکہ وہ مستامن نہیں ہے اور اس نے کسی چیز کا ضمان اور عہد و پیمان نہیں لیا ہے۔

اور اگر مسلم تاجر نے بد عہدی کی ابتداء کی اور کفار کا مال لوٹ لیا تو اگرچہ وہ تاجر اس مال پر قبضہ کرنے کی وجہ سے اس کا مالک ہوگا، لیکن یہ ملکیت ممنوع ہوگی، اس لیے کہ تاجر نے ایک غلط طریقے سے یعنی غدر کے ذریعہ یہ مال حاصل کیا ہے، اس لیے غدر کی وجہ سے اس میں خبث پیدا ہو گیا ہے لہذا اس تاجر کو اس مال کے صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اس مال پر اس تاجر کا قبضہ ثابت ہو جائے گا، کیونکہ اس کی ممانعت لغیرہ ہے اور ممانعت لغیرہ انعقاد سبب یعنی استیلاء سے بائع نہیں ہے۔

وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَأَدَانَهُ حَرْبِيٌّ أَوْ أَدَانَهُ هُوَ حَرْبِيًّا أَوْ غَضِبَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا وَاسْتَأْمَنَ الْحَرْبِيُّ لَمْ يُقْضَ لَوَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ بِشَيْءٍ، أَمَّا الْإِدَانَةُ فَلِأَنَّ الْقَضَاءَ يَعْتمدُ الْوِلَايَةَ وَلَا وِلَايَةَ وَقْتُ الْإِدَانَةِ أَصْلًا وَلَا وَقْتُ الْقَضَاءِ عَلَى الْمُسْتَأْمِنِ، لِأَنَّهُ مَا اتَّزَمَ حُكْمَ الْإِسْلَامِ فِيمَا مَضَى مِنْ أَعْمَالِهِ، وَإِنَّمَا اتَّزَمَ ذَلِكَ فِي الْمُسْتَقْبَلِ، وَأَمَّا الْغَضَبُ فَلِأَنَّهُ صَارَ مِلْكًا لِلذِي غَضِبَهُ وَاسْتَوْلَى عَلَيْهِ لِمُصَادَقَتِهِ مَا لَا غَيْرَ مَعْصُومٍ عَلَى مَا بَيْنَاهُ، وَكَذَلِكَ لَوْ كَانَ حَرْبِيَيْنِ فَعَلَا ذَلِكَ ثُمَّ خَرَجَا مُسْتَأْمِنَيْنِ لِمَا قُلْنَا، وَلَوْ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ قُضِيَ بِالذَّيْنِ بَيْنَهُمَا وَلَمْ يُقْضَ بِالْغَضَبِ، أَمَّا الْمُدَايِنَةُ فَلِأَنَّهَا وَقَعَتْ صَحِيحَةً لَوْ قُوعِهَا بِالتَّرَاضِي، وَالْوِلَايَةُ ثَابِتَةٌ حَالَةَ الْقَضَاءِ لِاتِّزَامِهَا بِالْإِسْلَامِ، وَأَمَّا الْغَضَبُ فَلَمَّا بَيَّنَّا أَنَّهُ مِلْكُهُ وَلَا خُبْتُ فِي مِلْكِ الْحَرْبِيِّ حَتَّى يُؤْمَرَ بِالرَّدِّ.

**ترجمہ:** اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں امان لے کر داخل ہوا اور کسی حربی نے اسے قرض دیدیا یا اس نے کسی حربی کو قرضہ دیدیا یا مسلمان یا حربی نے دوسرے کا مال غصب کر لیا پھر دارالاسلام آگیا اور حربی نے بھی امان طلب کر لیا تو ان میں سے کسی کے لیے بھی کسی بھی چیز کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ رہی ادھار کی صورت تو اس وجہ سے کہ قضاے قاضی کا مدار ولایت پر ہے اور قرض کا لین دین کرتے وقت ولایت بالکل معدوم ہے اور نہ ہی بوقت قضاء متامن پر قاضی کو ولایت حاصل ہے، کیونکہ متامن حربی نے اپنے پرانے افعال میں احکام اسلام کا التزام نہیں کیا ہے، بلکہ اس نے یہ التزام تو آئندہ کے افعال میں کیا ہے۔ اور جہاں تک غصب کا سوال ہے تو اس وجہ سے کہ شئی مغضوب کو غصب کر کے اس پر قبضہ کر لینے سے وہ چیز غاصب کی ملکیت ہو جاتی ہے، کیونکہ قبضہ اور غلبہ غیر معصوم (مباح) مال سے متصل ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

ایسے ہی اگر دو حربیوں نے ایسا کیا پھر امان لے کر ہمارے پاس آئے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر وہ دونوں حربی مسلمان ہو کر دارالاسلام آئے تو ان کے مابین قرض کا فیصلہ کیا جائے گا اور غصب کا فیصلہ نہیں ہوگا۔ رہا قرض کا معاملہ تو اس وجہ سے اس کا فیصلہ ہوگا کہ قرض کا لین دین صحیح ہوا ہے، کیونکہ یہ باہمی رضامندی سے انجام پذیر ہوا ہے اور بوقت قضاء قاضی کو ولایت حاصل تھی کیونکہ ان دونوں نے احکام اسلام کا التزام کیا تھا۔ رہا غصب کا مسئلہ تو اس دلیل کی وجہ سے غصب کا فیصلہ نہیں ہوگا جو ہم بیان کر چکے ہیں یعنی غاصب شئی مغضوب کا مالک ہو چکا ہے اور حربی کی ملکیت میں کوئی گندگی نہیں ہوتی کہ اسے واپس کرنے کا حکم دیا جائے۔

### اللغات:

﴿آدان﴾ قرض دیا۔ ﴿لم یقض﴾ فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ ﴿یعمد﴾ بنیاد ہوتی ہے۔ ﴿التزم﴾ اپنے ذمے لیا ہے۔ ﴿قضی﴾ فیصلہ کیا جائے گا۔ ﴿خبث﴾ برائی، گندگی۔

### دارالحرب سے قرض یا غصب کا مال لے آنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان امن طلب کر کے دارالحرب گیا اور اسے کسی حربی نے کچھ قرضہ دیدیا یا اس مسلمان نے کسی حربی کو قرض دیدیا یا ان میں سے کسی نے دوسرے کا مال غصب کر لیا پھر مسلمان دارالاسلام آگیا اور حربی بھی امان لے کر دارالاسلام آگیا تو قرض اور غصب دونوں صورتوں میں دارالاسلام میں نہ تو مسلمان کے لیے حربی پر تاوان کا کوئی فیصلہ ہوگا اور نہ ہی حربی کے لیے مسلمان پر کسی ضمان وغیرہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ قضاے قاضی کا مدار قاضی کی ولایت پر ہوتا ہے اور قرضہ پر قاضی کا فیصلہ لین دین کے وقت صادر ہوتا ہے حالانکہ لین دین کے وقت یہ دونوں دارالحرب میں تھے اور اس وقت نہ تو مسلمان پر قاضی کو ولایت حاصل ہے اور نہ ہی حربی متامن پر ولایت حاصل تھی، کیونکہ حربی نے امان طلب کر کے آئندہ کرنے والے افعال میں احکام اسلام کا التزام کیا ہے اور جو کچھ اس نے گزشتہ زمانے میں طلب امان سے پہلے کیا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اس لیے دارالاسلام میں ان کے قرض پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور غصب پر بھی کوئی فیصلہ نہیں ہوگا، کیونکہ غاصب شئی مغضوب کو غصب کر کے اس پر قبضہ کرنے سے اس کا مالک ہو جاتا ہے اور یہ مال مال مباح ہے اس لیے اس پر غاصب کا قبضہ بھی ثابت ہو جائے گا اور جب دارالحرب میں یہ معاملہ

ہوا اور وہیں قبضہ بھی ہوا تو اب دارالاسلام میں ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوگی۔ وہ جانیں، ان کا کام جانے۔ اور اگر دو حربیوں نے دارالحرب میں یہی کام کیا ہو پھر وہ امان لے کر دارالاسلام آئے ہوں تو اس صورت میں بھی ان کے خلاف یہاں کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ اس لیے کہ جب اور جس جگہ انھوں نے یہ کام ہے وہاں اور اس وقت قاضی کی ولایت معدوم ہے۔

ولا قضاء بدون الولاية۔ ہاں اگر یہ دونوں حربی مسلمان ہو کر دارالاسلام آئے اور وہاں انہوں نے اپنے کئے ہوئے کا انصاف مانگا تو قرض کی صورت میں قاضی مقروض کو یہ حکم دے گا کہ وہ قرض خواہ کا قرض اداء کر دے کیونکہ قرض کا معاملہ ان کی آپسی رضامندی سے ہوا تھا اس لیے صحیح تھا اور پھر اب ان پر قاضی کو ولایت بھی ثابت ہے لہذا قرض کے متعلق تو قاضی کا فرمان جاری ہوگا، لیکن غصب کے بارے میں اب بھی کوئی فیصلہ نہیں ہوگا، کیونکہ غاصب شئی مغصوب کا مالک ہو چکا ہے اور اس کی ملکیت میں کوئی خرابی اور گندگی بھی نہیں ہے یعنی اس نے غداری اور بد عہدی کر کے وہ مال حاصل نہیں کیا ہے کہ اسے واپس کرنے پر مجبور کیا جائے، اس لیے غصب کی صورت میں کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔

وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَغَصَبَ حَرْبِيًّا ثُمَّ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ أَمْرٌ بِرَدِّ الْغَصَبِ وَلَمْ يَقْضِ عَلَيْهِ، أَمَّا عَدَمُ الْقَضَاءِ فَلَمَّا بَيَّنَّا أَنَّهُ مَلَكُهُ، وَأَمَّا الْأَمْرُ بِالرَّدِّ وَمُرَادُهُ الْفُتْوَى بِهِ فَلِأَنَّهُ فَسَدَ الْمِلْكُ لِمَا يَقَارِنُهُ مِنَ الْمُحَرَّمَ وَهُوَ نَقْضُ الْعَهْدِ.

ترجمہ: اگر مسلمان امان لے کر دارالحرب گیا اور وہاں اس نے کسی حربی کا مال غصب کیا پھر وہ دونوں مسلمان ہو کر دارالاسلام آگئے تو غاصب کو مال مغصوب واپس کرنے کا حکم دیا جائے گا، لیکن قاضی اس کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ فیصلہ نہ کرنا تو اس دلیل کی وجہ سے ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ غاصب مال مغصوب کا مالک ہو چکا ہے لیکن اس سے واپس کرنے کے لیے اس وجہ سے کہا جائے گا کہ اس کی ملکیت فاسد ہو گئی ہے، کیونکہ وہ حرام سے متصل ہے اور وہ حرام بد عہدی کرنا ہے۔

اللغات:

﴿أَمْرٌ﴾ حکم دیا جائے گا۔ ﴿رَدٌّ﴾ لوٹانا، واپس کرنا۔ ﴿يَقَارِنُ﴾ ساتھ ملا ہو۔

جس حربی کا مال لوٹا وہ مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آ گیا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان امان لے کر دارالحرب جائے تو اس کے لیے حربیوں کے مال سے تعرض حرام ہے، لیکن اگر کسی متامن مسلم نے کسی حربی کا مال غصب کر لیا پھر وہ حربی مسلمان ہو گیا یا امان لے لیا اور اس مسلمان غاصب کے ساتھ دارالاسلام آ گیا تو دین غاصب سے کہا جائے گا کہ بھائی اس نو مسلم حربی کا جو مال تم نے غصب کیا ہے وہ اسے واپس کر دو، کیونکہ تم نے بد عہدی کرتے ہوئے وہ مال حاصل کیا ہے اور بد عہدی حرام ہے لہذا اس مال میں تمہاری ملکیت فاسد ہو گئی ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم اسے واپس کر دو، تاہم واپس کرانے کے لیے قاضی اس پر زور اور جبر نہیں کر سکتا، کیونکہ حربی کا مال غیر معصوم اور مباح ہوتا ہے اور

غاصب نے اسے غصب کر کے اتنا بڑا جرم نہیں کیا ہے کہ قاضی اسے ڈنڈے لگائے۔ ہاں پیار محبت سے وہ مال لے کر مذکورہ نو مسلم حربی کو دیدیا جائے تاکہ اس کا دل خوش ہو جائے اور اسلام کے دامن میں وہ خود کو ہر طرح سے محفوظ سمجھنے لگے، اور یہی قول مفتی بہ بھی ہے یعنی اسی طریقے سے غاصب سے مال حاصل کرنا مفتی بہ ہے۔

وَإِذَا دَخَلَ مُسْلِمَانِ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَقَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ عَمْدًا أَوْ خَطَأً فَعَلَى الْقَاتِلِ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَا، أَمَّا الْكَفَّارَةُ فَلِلْإِطْلَاقِ الْكِتَابِ، وَالْدِّيَةُ لِأَنَّ الْعِصْمَةَ الثَّابِتَةَ بِالْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ لَا تَبْطُلُ بِعَارِضِ الدُّخُولِ بِالْأَمَانِ، وَإِنَّمَا لَا يَجِبُ الْقَصَاصُ، لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ اسْتِيفَاؤُهُ إِلَّا بِمَنْعَةٍ، وَلَا مَنْعَةٌ بِدُونِ الْإِمَامِ وَجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ وَلَمْ يَوْجَدْ ذَلِكَ فِي دَارِ الْحَرْبِ، وَإِنَّمَا تَجِبُ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ فِي الْعَمْدِ، لِأَنَّ الْعَوَاقِلَ لَا تَعْقِلُ الْعَمْدَ، وَفِي الْخَطَا لِأَنَّهُ لَا قُدْرَةَ لَهُمْ عَلَى الصِّيَانَةِ مَعَ تَبَايُنِ الدَّارَيْنِ وَالْوُجُوبِ عَلَيْهِمْ عَلَى اعْتِبَارِ تَرْكِهَا، وَإِنْ كَانَ أُسِيرَيْنِ فَقَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمٌ تَاجِرٌ أُسِيرًا فَلَأَشَى عَلَى الْقَاتِلِ إِلَّا الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، وَقَالَ فِي الْأُسَيْرَيْنِ الدِّيَةُ فِي الْخَطَا وَالْعَمْدِ، لِأَنَّ الْعِصْمَةَ لَا تَبْطُلُ بِعَارِضِ الْأَسْرِ كَمَا لَا تَبْطُلُ بِعَارِضِ الْإِسْتِيْمَانِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَامْتِنَاعُ الْقَصَاصِ لِعَدَمِ الْمَنْعَةِ وَيَجِبُ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ لِمَا قُلْنَا، وَلَأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ أَنَّ بِالْأَسْرِ صَارَ تَبَعًا لَهُمْ بِصَيْرُورَتِهِ مَقْهُورًا فِي أَيْدِيهِمْ وَلِهَذَا يَصِيرُ مُقِيمًا بِأَقَامَتِهِمْ وَمُسَافِرًا بِسَفَرِهِمْ فَيَبْطُلُ بِهِ الْإِحْرَازُ أَصْلًا، وَصَارَ كَالْمُسْلِمِ الَّذِي لَمْ يُهَاجِرْ إِلَيْنَا، وَخَصَّ الْخَطَا بِالْكَفَّارَةِ لِأَنَّهُ لَا كَفَّارَةَ فِي الْعَمْدِ عِنْدَنَا.

**ترجمہ:** اگر دو مسلمان امان لے کر دار الحرب میں داخل ہوئے اور ان میں سے ایک نے عدا یا خطا اپنے ساتھی کو قتل کر دیا تو قاتل پر اس کے مال میں دیت واجب ہوگی اور قتل خطا میں اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا۔ رہا کفارہ کا وجوب تو وہ کتاب اللہ کے اطلاق کی وجہ سے ہے، اور دیت اس لیے واجب ہے کہ احراز بدار الاسلام سے ثابت ہونے والی عصمت امان لے کر عارضی دخول سے باطل نہیں ہوتی۔ اور قصاص اس لیے نہیں واجب ہے کہ طاقت و قوت کے بغیر قصاص کی وصولیابی ممکن نہیں ہے اور امام اور جماعت المسلمین کے بغیر طاقت و قوت حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ چیز دار الحرب میں موجود نہیں ہے۔ اور عدا کی صورت میں قاتل پر اس کے مال میں اس لیے دیت واجب ہے کہ عاقلہ قتل عدا کی دیت نہیں دیتے۔ اور خطا کی صورت میں قاتل پر دیت کا وجوب اس لیے ہے کہ تباین دارین کے ہوتے ہوئے انھیں حفاظت پر قدرت نہیں ہوتی اور ان (عاقلہ) پر ترک صیانت ہی کی وجہ سے دیت واجب ہوتی ہے۔

اور اگر دار الحرب میں داخل ہونے والے دونوں مسلمان قیدی تھے اور ان میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا یا کسی مسلمان تاجر نے کسی مسلم قیدی کو قتل کر دیا تو قاتل پر کچھ نہیں واجب ہے، لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں قتل خطا میں کفارہ واجب ہے،



حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں قیدیوں میں دیت واجب ہوگی خواہ قتل عمد ہو یا خطا ہو، کیونکہ قید کے عارض سے عصمت ختم نہیں ہوتی جیسا کہ استیمان کے عارض سے ختم نہیں ہوتی۔ اس تفصیل کے مطابق جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور قصاص کا ممتنع ہونا طاقت نہ ہونے کی وجہ سے ہے اور قاتل کے مال میں دیت واجب ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ قیدی گرفتار ہونے کی وجہ سے حربیوں کے تابع ہو گیا ہے کیونکہ وہ ان کے قبضے میں مقہور ہے اسی لیے ان کی اقامت سے وہ مقیم ہوگا اور ان کی مسافرت سے مسافر ہوگا اور اس وجہ سے بالکل احراز باطل ہو جائے گا اور یہ اس مسلم کی طرح ہو گیا جس نے ہماری طرف ہجرت نہ کی ہو۔ اور امام قدوری نے خطا کو کفارہ کے ساتھ خاص کیا ہے، کیونکہ ہمارے یہاں عمد میں کفارہ نہیں ہے۔

### اللغات:

﴿احراز﴾ محفوظ ہونا۔ ﴿منعہ﴾ قوت مدافعت، دفاعی طاقت۔ ﴿عواقل﴾ واحد عاقلۃ؛ قبیلے والے، قریبی تعلق دار۔ ﴿استیفاد﴾ حصول، وصول۔ ﴿صیانہ﴾ حفاظت۔ ﴿تباہین﴾ جدا ہونا، علیحدہ ہونا۔ ﴿اسر﴾ قیدی ہونا۔ ﴿ضیورہ﴾ ہو جانا۔  
دارالحرب میں کسی مسلمان کو قتل کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو مسلمان امان لے کر دارالحرب گئے اور وہاں ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا خواہ عمد اُقتل کیا ہو یا خطا بہر دو صورت قاتل پر اس کے مال میں دیت واجب ہوگی اور خطا کی صورت میں دیت کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا۔ وجوب کفارہ کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے: **وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسْلِمَةٍ إِلَى أَهْلِهِ الْخ** اور اس آیت میں چوں کہ مطلق قتل خطا پر دیت واجب کی گئی ہے، اس لیے قتل خطا کی صورت میں تو دیت واجب ہوگی اور عمد کی صورت میں بھی دیت ہی واجب ہوگی اور قصاص نہیں واجب ہوگا، کیونکہ قصاص وصول کرنے کے لیے طاقت و قوت کی ضرورت درکار ہے اور دارالحرب میں نہ تو امام المسلمین ہوتا ہے اور نہ ہی مسلمانوں کی جماعت ہوتی ہے، اس لیے وہاں قصاص واجب کرنا بے سود ہے ہاں مسلمان کا خون رائیگاں ہونے سے بچانے کے لیے قاتل پر دیت واجب ہوگی، کیونکہ اس کے عارضی امان طلب کرنے نے اس کی دائمی عصمت ساقط نہیں ہوئی ہے بلکہ وہ عصمت باقی ہے اور اسی عصمت کی وجہ سے قاتل پر دیت واجب ہوگی اور یہ اس کے مال میں واجب ہوگی کیونکہ عاقلہ قتل عمد کی دیت نہیں دیتے۔ اور عاقلہ قتل خطا کی دیت اگرچہ دیتے ہیں لیکن صورت مسئلہ میں قتل خطا کی دیت بھی قاتل ہی دے گا، اس کے عاقلہ نہیں دیں گے، اس لیے عاقلہ پر ترک صیانت کی وجہ سے دیت واجب ہوتی ہے اور صیانت کا ترک دارالاسلام میں متحقق ہوتا ہے جب کہ صورت مسئلہ میں قتل دارالحرب میں واقع ہوا ہے اور دارالحرب میں عاقلہ صیانت پر قادر نہیں ہوتے تو گویا دارالحرب کے قتل میں ان کی طرف سے صیانت کا ترک نہیں پایا گیا اس لیے وہ اس کی دیت بھی نہیں اداء کریں گے۔

وإن كان أسيرين الخ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار نے دارالاسلام سے دو لوگوں کو قیدی بنا لیا اور انھیں دارالحرب لے کر چلے گئے وہاں ایک قیدی نے دوسرے کو قتل کر دیا یا کسی مسلم تاجر نے کسی مسلمان قیدی کو قتل کر دیا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں قاتل پر کچھ نہیں واجب ہوگا البتہ اگر قتل خطا ہو تو قاتل پر کفارہ واجب ہوگا۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک قیدی نے دوسرے

قیدی کو قتل کیا ہو تو قتل عمد اور خطاً دونوں صورتوں میں قاتل پر دیت واجب ہوگی، کیونکہ مقتول مسلمان ہے اور اس کی عصمت دائمی ہے، لہذا عارضی قید اور گرفتاری سے اس کی عصمت ساقط نہیں ہوگی جیسے عارضی استیمان سے عصمت ساقط نہیں ہوتی ہے اور چوں کہ یہ دارالحرب کا معاملہ ہے اور وہاں اسلامی قوت و طاقت اور جماعت معدوم ہے اس لیے قصاص نہیں واجب ہوگا تاہم دیت ضرور واجب ہوگی۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ قید ہونے کی وجہ سے وہ مسلمان کفار کے قبضے اور ان کی ماتحتی میں ہے اور ہر اعتبار سے ان کے تابع ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے مقیم ہونے سے وہ مقیم ہوتا ہے اور ان کے مسافر ہونے سے وہ مسافر شمار ہوتا ہے اور اس طرح کی جمعیت سے احراز بالکل ختم ہو جاتا ہے اور جب احراز باطل ہو تو عصمت بھی ساقط ہوگئی اور جب عصمت نہیں ہے تو دیت کیا خاک واجب ہوگی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ذمی دارالحرب میں مسلمان ہوا لیکن وہ وہاں سے ہجرت کر کے دارالاسلام نہیں آیا تو اس کے حق میں بھی مکمل عصمت ثابت نہیں ہوگی اور وہ بھی کفار کے قبضے میں مقہور سمجھا جائے گا اسی طرح اس قیدی کا بھی یہی حال ہے۔

وخص الكفارة الخ فرماتے ہیں کہ صرف قتل خطاً کی صورت میں کفارہ واجب کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قتل عمد میں ہمارے یہاں کفارہ نہیں ہے۔



## فصلُ اُمّی ہذا فصلُ فی بیانِ احکامِ الحَرْبِیِّ الْمُسْتَأْمِنِ

### یہ فصل حربی مستامن کے احکام کے بیان میں ہے

اس سے پہلے ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ حربی مستامن کے احکام مسلم مستامن کے احکام کے بعد بیان کئے گئے ہیں اب یہاں سے اسی کا بیان ہے، دیکھئے۔

قَالَ وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ إِلَيْنَا مُسْتَأْمِنًا لَمْ يَكُنْ أَنْ يُقِيمَ فِي دَارِنَا سَنَةً وَيَقُولَ لَهُ الْإِمَامُ إِنْ أَقَمْتَ تَمَامَ السَّنَةِ وَضَعْتُ عَلَيْكَ الْجِزْيَةَ، وَالْأَصْلُ أَنَّ الْحَرْبِيَّ لَا يُمَكِّنُ مِنْ إِقَامَةٍ دَائِمَةٍ فِي دَارِنَا إِلَّا بِالْإِسْتِرْقَاقِ أَوِ الْجِزْيَةِ، لِأَنَّهُ بَصِيرٌ عَيْنًا لَهُمْ وَعَوْنًا عَلَيْنَا فَيَلْتَحِقُ الْمَضَرَّةُ بِالْمُسْلِمِينَ، وَيُمْكِنُ مِنَ الْإِقَامَةِ الْيُسِيرَةِ، لِأَنَّ فِي مَنَعِهَا قَطْعَ الْمِيرَةِ وَالْجَلْبِ وَسَدَّ بَابِ التَّجَارَةِ فَفَصَلْنَا بَيْنَهُمَا بِسَنَةٍ، لِأَنَّهَا مُدَّةٌ تَجِبُ فِيهَا الْجِزْيَةُ فَيَكُونُ الْإِقَامَةُ لِمَصْلَحَةِ الْجِزْيَةِ ثُمَّ إِنْ رَجَعَ بَعْدَ مَقَالَةِ الْإِمَامِ قَبْلَ تَمَامِ السَّنَةِ إِلَى وَطْنِهِ فَلَا سَبِيلَ عَلَيْهِ وَإِذَا مَكَثَ سَنَةً فَهُوَ ذِمِّيٌّ لِأَنَّهُ لَمَّا أَقَامَ سَنَةً بَعْدَ تَقَدُّمِ الْإِمَامِ إِلَيْهِ صَارَ مُلْتَزِمًا لِلْجِزْيَةِ فَيَصِيرُ ذِمِّيًّا، وَلِلْإِمَامِ أَنْ يُوقِفَ فِي ذَلِكَ مَا دُونَ السَّنَةِ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرَيْنِ، وَإِذَا أَقَامَهَا بَعْدَ مَقَالِ الْإِمَامِ يَصِيرُ ذِمِّيًّا لَمَّا قُلْنَا، ثُمَّ لَا يُتْرَكُ أَنْ يَرْجَعَ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ، لِأَنَّ عَقْدَ الذِّمَّةِ لَا يَنْقُضُ كَيْفَ وَأَنَّ فِيهِ قَطْعَ الْجِزْيَةِ وَجَعَلَ وَلَدِهِ حَرْبًا عَلَيْنَا وَفِيهِ مُضَرَّةٌ بِالْمُسْلِمِينَ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام آئے تو دارالاسلام میں اسے ایک سال تک ٹھہرنے کا موقع نہ دیا جائے اور امام اس سے یہ کہہ دے اگر تم سال بھر یہاں رہو گے تو میں تم پر جزیہ مقرر کر دوں گا۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ غلام بنائے یا جزیہ مقرر کئے بغیر حربی کو دارالاسلام میں دائمی اقامت کا موقع نہیں دیا جائے گا، کیونکہ ایسا کرنے سے وہ حربیوں کا جاسوس ہو جائے گا اور ہمارے خلاف ان کی اعانت کرے گا اور مسلمانوں کو اس سے ضرر ہوگا۔ ہاں اسے مختصر سی مدت کے لیے رہنے کا موقع دیا جائے گا، کیونکہ اس سے بھی منع کرنے میں غلہ کی آمد و رفت ختم ہو جائے گی اور تجارت کا دروازہ بند ہو جائے گا، لہذا ہم نے قلیل و کثیر کے

درمیان ایک سال سے فاصلہ کر دیا ہے، کیونکہ یہ ایسی مدت ہے جس میں جزیہ واجب ہوتا ہے لہذا اس کی اقامت جزیہ کی مصلحت کے لیے ہوگی۔

پھر امام کی بات کے بعد اگر ایک سال پورا ہونے سے پہلے وہ دارالحرب چلا جائے تو اس پر (وجوب جزیہ کی) کوئی راہ نہیں ہوگی اور اگر وہ ایک سال ٹھہر گیا تو ذمی ہوگا، کیونکہ جب امام کے اس کو پہلے بتا دینے کے بعد وہ ایک سال ٹھہر گیا تو وہ خود ہی جزیہ لازم کرنے والا ہو گیا، اس لیے ذمی ہو جائے گا اور امام کو یہ اختیار ہے کہ وہ ایک سال سے کم مثلاً مہینہ دو مہینہ کی مدت متعین کر دے اور اگر امام کی بات کے بعد وہ سال بھر رہ گیا تو بھی ذمی ہو جائے گا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں پھر اسے دارالحرب واپس جانے کے لیے نہیں چھوڑا جائے گا، کیونکہ عقد ذمی کو توڑا نہیں جاتا اور کیوں کر اسے توڑا جاسکتا ہے جب کہ اس میں جزیہ کو ختم کرنے اور اس کی اولاد کو اپنے خلاف حربی بنانا لازم آتا ہے اور اس میں مسلمانوں کا (کھلا ہوا) نقصان ہے۔

### اللغات:

﴿مستامن﴾ امان لے کر آنے والا۔ ﴿سنة﴾ ایک سال۔ ﴿اقتت﴾ تو ٹھہرا۔ ﴿استرقاق﴾ غلام بنانا۔ ﴿عین﴾ جاسوس۔ ﴿عون﴾ مددگار۔ ﴿میرۃ﴾ غلہ، اناج۔ ﴿جلب﴾ درآمدات۔ ﴿سد﴾ بند کرنا۔ ﴿ملتزم﴾ اپنے ذمے لینے والا۔

### حربی کو دی جانے والی امان کی زیادہ سے زیادہ مدت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جزیہ لیے یا استرقاق یعنی غلام بنائے بغیر حربی کو دارالاسلام میں رہنے کے لیے ایک سال کا ویزا نہیں دیا جائے گا ہاں اسے مہینہ دو مہینہ تک دارالاسلام میں رہنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، اس لیے کہ سال بھر اگر حربی دارالاسلام میں رہ جائے گا تو وہ مسلمانوں کے داؤ پیچ سے واقف ہو جائے گا اور جاسوسی کرے گا نیز ہمارے خلاف کفار کے ساتھ لڑائی کرے گا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائے گا اس لیے اسے سال بھر رہنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، البتہ سال سے کم مدت تک کے لیے اسے اقامتی ویزا دیا جائے گا، کیونکہ اگر اسے بھی روک دیا گیا تو پھر غلام کی آمد و رفت متاثر ہوگی اور تجارت کے ذرائع مسدود ہو جائیں گے۔ اور سال بھر اگر وہ رہنا چاہے تو اسے جزیہ دینا ہوگا یا طوق غلامی پہننا پڑے گا۔

وإن رجع الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام نے حربی سے یہ بتا دیا ہو کہ بھائی سال بھر رہنے کی صورت میں تمہیں جزیہ دینا پڑے گا اور اس نے اسے منظور کر لیا ہو، لیکن پھر سال پورا ہونے سے پہلے ہی وہ اپنے وطن چلا گیا تو اب اس پر جزیہ نہیں واجب ہوگا۔ ہاں اگر وہ ایک سال دارالاسلام میں رہ گیا تو اب ذمی بن جائے گا، اس پر جزیہ واجب ہوگا اور اس کے دارالحرب جانے کے تمام راستے بند ہو جائیں گے، کیونکہ وہ سال بھر رہ کر ذمی بن چکا ہے اور اس نے اپنے فعل اور قیام سے خود ہی جزیہ کا التزام کر لیا ہے اور عقد ذمہ کو توڑا نہیں جاتا، اس لیے کہ اسے توڑنے میں مسلمانوں کا نقصان ہے، لہذا اب وہ حربی دارالحرب واپس جا بھی نہیں سکتا۔

فَإِنْ دَخَلَ الْحَرَبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ فَاشْتَرَى أَرْضَ خَرَاجٍ فَإِذَا وَضَعَ عَلَيْهِ الْخَرَاجُ فَهُوَ ذِمِّيٌّ، لِأَنَّ خَرَاجَ الْأَرْضِ بِمَنْزِلَةِ خَرَاجِ الرَّأْسِ، وَإِذَا التَّزَمَهُ صَارَ مُلْتَزِمَ الْمَقَامِ فِي دَارِنَا، أَمَّا بِمُجَرَّدِ الشِّرَاءِ لَا يَصِيرُ ذِمِّيًّا، لِأَنَّهُ قَدْ



يَشْتَرِيهَا لِلتَّجَارَةِ، وَإِذَا الْكَزْمَةُ خَرَجَ الْأَرْضَ فَبَعْدَ ذَلِكَ تَلْزَمُهُ الْجِزْيَةُ لِسَنَةِ مُسْتَقْبَلَةٍ، لِأَنَّهُ يَصِيرُ ذِمِّيًّا بِلُزُومِ الْخَرَاجِ فَتُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ مِنْ وَقْتِ وَجُوبِهِ، وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ فَإِذَا وَضَعَ عَلَيْهِ الْخَرَاجُ فَهُوَ ذِمِّيٌّ تَصْرِيحٌ بِشَرْطِ الْوَضْعِ فَيُخْرَجُ عَلَيْهِ أَحْكَامُهُ جُمُعَةً فَلَا يُغْفَلُ عَنْهُ، وَإِذَا دَخَلَتْ حَرْبِيَّةٌ بِأَمَانٍ فَتَزَوَّجَتْ ذِمِّيًّا صَارَتْ ذِمِّيَّةً لِأَنَّهَا التَّزَمَتْ الْمَقَامَ تَبَعًا لِلزَّوْجِ وَإِذَا دَخَلَ حَرْبِيٌّ بِأَمَانٍ فَتَزَوَّجَ ذِمِّيَّةً لَمْ يَصِرْ ذِمِّيًّا لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يُطْلَقَهَا فَيَرْجِعَ إِلَى بَلَدِهِ فَلَمْ يَكُنْ مُلتَزِمًا الْمَقَامَ.

**ترجمہ:** اگر کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام میں آیا اور اس نے کوئی خراجی زمین خریدی تو جب اس پر خراج لازم کیا جائے گا تب وہ ذمی ہوگا، کیونکہ زمین کا خراج خراج فرد کے درجے میں ہے اور جب اس نے خراج لازم کر لیا تو گویا اس نے دارالاسلام رہنے کو لازم کر لیا۔ اور محض زمین خریدنے سے وہ ذمی نہیں ہوگا، اس لیے کہ کبھی تجارت کے لیے بھی زمین خریدی جاتی ہے اور جب اس پر زمین کا خراج لازم ہو گیا تو اس کے بعد آئندہ سال کے لیے اس پر جزیہ لازم ہوگا، کیونکہ خراج لازم ہونے کے ساتھ وہ ذمی ہوگا لہذا اسی وقت سے اس کے ذمی ہونے کی مدت معتبر ہوگی اور جامع صغیر میں امام محمد رحمہ اللہ کا یہ قول: فَإِذَا وَضَعَ عَلَيْهِ الْخَرَاجُ فَهُوَ ذِمِّيٌّ وَضْعُ خَرَاجٍ كَ شَرْطِ هَوْنِ كِي صِرَاحْتِ هِي اُور اِس شَرْطِ پَر اِس كِي بَہْت سِي مَسْأَلِ كِي تَخْرِجِ هُو كِي لَہٰذَا سِي نَہِیْ بَہُولُنَا چاہئے۔

اگر کوئی حربیہ امان لے کر دارالاسلام آئی اور اس نے کسی ذمی سے نکاح کر لیا تو وہ ذمیہ ہو جائے گی، کیونکہ اپنے شوہر کے تابع ہو کر اس نے بھی دارالاسلام میں رہنے کا التزام کر لیا ہے اور اگر کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام میں آیا اور اس نے کسی ذمیہ سے نکاح کر لیا تو وہ ذمی نہیں ہوگا، کیونکہ اس حربی کے لیے اپنی بیوی کو طلاق دے کر اپنے ملک واپس جانا ممکن ہے تو وہ دارالاسلام میں رہنے کو لازم کرنے والا نہیں ہوا۔

## اللَّغَاتُ:

﴿التزمہ﴾ اس کو اپنے ذمے لے لیا۔ ﴿سنۃ﴾ سال۔ ﴿تصریح﴾ واضح ذکر کرنا۔ ﴿مقام﴾ ٹھہرنا، رہائش رکھنا، اقامت۔

## حربی کا دارالاسلام میں زمین خریدنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام آیا اور یہاں اس نے ایک خراجی زمین خرید لی تو جب اس پر خراج لاگو ہوگا یعنی جس وقت سے وہ اس زمین میں کاشت کاری کرے گا (یا کاشت کاری کا وقت آجائے اور وہ نہ کرے) اس وقت سے وہ ذمی شمار ہوگا کیونکہ زمین کا خراج انسان کی ذات کے خراج کی طرح ہے لہذا جب وہ زمین کا خراج لازم کرے گا تو دلالتہ وہ خود بھی دارالاسلام میں رہنے والا شمار ہوگا اور اسی وقت سے اسے ذمی قرار دیا جائے گا اور اس پر آئندہ سال کا جزیہ واجب ہوگا یعنی اس کے ذمی ہونے کا دار و مدار اس کے التزام خراج پر ہے۔ اس لیے محض زمین خریدنے سے کوئی شخص ذمی نہیں ہوگا کیونکہ زمین کبھی تجارت کی نیت سے بھی خریدی جاتی ہے لہذا اس کے ذمی ہونے کے لیے اقامت اور تجارت میں فرق کرنا ضروری ہے اور یہ فرق التزام خراج یعنی کاشت کاری اور زراعت وغیرہ سے حاصل ہوگا، اسی لیے ہم نے التزام خراج ہی پر اس کے ذمی ہونے کو منحصر کر دیا ہے۔ اور متن میں فاذا

وضع علیہ الخراج سے یہی مراد ہے اور اسی پر بہت سے احکام کی تخریج بھی ہوگی مثلاً اس کے بعد وہ دار الحرب واپس نہیں جاسکے گا، اس کے اور مسلمان کے مابین قصاص جاری ہوگا اور اس سے تعرض کرنا حرام ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ (بنایہ: ۶/۶۲۷)

وإذا دخلت الخ اگر کوئی حربیہ عورت امان لے کر دارالاسلام آئی اور یہاں آکر اس نے کسی ذمی سے نکاح کر لیا تو وہ ذمیہ ہو جائے گی، کیونکہ نکاح کر کے اس نے اپنے آپ کو شوہر کے تابع کر لیا اور شوہر کے ساتھ ہمیشہ کے لیے دارالاسلام میں رہنے کا عہد کر لیا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی حربی دارالاسلام میں آکر کسی ذمیہ سے نکاح کر لے تو وہ ذمی نہیں ہوگا، کیونکہ شریعت نے مردوں کو حاکم اور متبوع بنایا ہے اور عورتوں کو تابع بنایا ہے لہذا وہ حربی اپنی ذمیہ عورت کے تابع نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کی وجہ سے دارالاسلام میں رہنے کا پابند ہوگا، بلکہ جب چاہے گا اسے طلاق کی گولی دے کر دارالحرب چلتا بنے گا، اس لیے ہم اسے ذمی نہیں قرار دے سکتے۔

وَلَوْ أَنَّ حَرْبِيًّا دَخَلَ دَارَنَا بِأَمَانٍ ثُمَّ عَادَ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ وَتَرَكَ وَدِيعَةً عِنْدَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ أَوْ دِينًا فِي ذِمَّتِهِمْ فَقَدْ صَارَ ذِمَّةً مُبَاحًا بِالْعَوْدِ، لِأَنَّهُ أَبْطَلَ أَمَانَهُ، وَمَا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ مِنْ مَالِهِ عَلَى خَطَرٍ، فَإِنْ أُسِرَ أَوْ ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَقُتِلَ سَقَطَتْ دِيُونُهُ وَصَارَتِ الْوَدِيعَةُ فَيَأْ، أَمَّا الْوَدِيعَةُ فَلِأَنَّهَا فِي يَدِهِ تَقْدِيرًا، لِأَنَّ يَدَ الْمُودِعِ كَيْدِهِ فَيَصِيرُ فَيَأْ تَبَعًا لِنَفْسِهِ، وَأَمَّا الدَّيْنُ فَلِأَنَّ إِبْثَاتَ الْيَدِ عَلَيْهِ بِوَاسِطَةِ الْمُطَالَبَةِ وَقَدْ سَقَطَتْ وَيَدُ مَنْ عَلَيْهِ أُسْبَقُ إِلَيْهِ مِنْ يَدِ الْعَامَّةِ فَيُخْتَصُّ بِهِ، وَإِنْ قُتِلَ وَلَمْ يُظْهَرْ عَلَى الدَّارِ فَالْقَرْضُ وَالْوَدِيعَةُ لَوَرَثَتِهِ وَكَذَلِكَ إِذَا مَاتَ، لِأَنَّ نَفْسَهُ لَمْ تَصِرْ مَغْنُومَةً فَكَذَلِكَ مَالُهُ، وَهَذَا لِأَنَّ حُكْمَ الْأَمَانِ بَاقٍ فِي مَالِهِ فَيَرُدُّ عَلَيْهِ أَوْ عَلَى وَرَثَتِهِ مِنْ بَعْدِهِ.

**ترجمہ:** اور اگر کوئی حربی امان لے کر دارالحرب میں آیا پھر دارالحرب واپس چلا گیا اور کسی مسلمان یا ذمی کے پاس کوئی امانت چھوڑ گیا یا ان کے ذمے کوئی قرض چھوڑ گیا تو واپس ہونے کی وجہ سے اس کا خون مباح ہو گیا، کیونکہ اس نے اپنا مال باطل کر دیا اور دارالاسلام میں اس کا جو کچھ مال ہے وہ متردد ہے چنانچہ اگر وہ قید کر لیا گیا یا دارالحرب پر قبضہ ہو گیا پھر وہ شخص قتل کر دیا گیا تو اس کے دیون ساقط ہو جائیں گے اور اس کی امانت فسخ ہو جائے گی، کیونکہ ودیعت تو تقدیراً اس کے قبضے میں ہے، اس لیے کہ مودع کا قبضہ اس کے قبضہ کی طرح ہے لہذا اس کے نفس کے تابع ہو کر ودیعت فسخ ہو جائے گی۔ اور دین اس لیے ساقط ہوگا کہ اس پر حربی کا قبضہ مطالبہ کے ذریعے ثابت ہوگا حالانکہ حربی کے لیے حق مطالبہ ساقط ہو گیا ہے اور جو شخص اس پر قابض ہے اس کا قبضہ عوام کے قبضہ سے مقدم ہے اس لیے وہی شخص اس مال کے ساتھ مختص ہوگا۔

اور اگر حربی قتل کر دیا گیا لیکن دارالحرب پر قبضہ نہیں ہوا تو قرض اور ودیعت اس کے ورثاء کی میراث ہوگی ایسے ہی اگر وہ مر گیا تو بھی یہ چیزیں میراث ہوں گی، کیونکہ جب اس حربی کا نفس مال غنیمت نہیں ہوا تو اس کا مال بھی مغنوم نہیں ہوگا، یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ اس حربی کے مال میں امان کا حکم باقی ہے لہذا وہ مال اس پر لوٹایا جائے گا یا اس کے بعد اس کے ورثاء کو واپس کیا جائے گا۔

**اللغات:**

﴿عاد﴾ واپس چلا گیا۔ ﴿ودیعة﴾ امانت۔ ﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿اسر﴾ قیدی بنایا گیا۔ ﴿ظہر﴾ غلبہ ہو گیا۔ ﴿ید﴾

### حربی کے دارالاسلام میں امانت یا قرض دیئے ہوئے مال کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام آیا اور یہاں اس نے کسی مسلمان یا ذمی کے پاس اپنا مال ودیعت رکھ دیا یا ان کو قرض دیدیا اور پھر سب چھوڑ چھاڑ کر یہاں سے دارالحرب چلا گیا تو اب وہ حسب سابق حربی ہو جائے گا اور اس کا امان باطل ہو جائے گا اور پھر سے وہ مباح الدم ہو جائے گا۔ اور جہاں تک اس کے مال کا مسئلہ ہے تو اس کا حکم متردد اور مشکوک ہے چنانچہ اگر وہ گرفتار کر لیا گیا یا دارالحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور وہ حربی قتل کر دیا گیا تو اس کے سابقہ دیون ساقط ہو جائیں گے اور اس کا مال ودیعت فنی ہو جائے گا، کیونکہ یہ مال معنا بھی اسی حربی کے قبضے میں ہے، اس لیے کہ مودع کا قبضہ صاحب ودیعت کے قبضے کی طرح ہوتا ہے اور چوں کہ صاحب ودیعت یعنی مذکورہ حربی گرفتار ہو کر فنی ہو گیا ہے لہذا اس کا مال بھی اس کے تابع ہو کر فنی ہو جائے گا، اور اس کا دین اس لیے ساقط ہو جائے گا کہ دین پر اب اس کا قبضہ مطالبے سے ساقط ہوگا حالانکہ دارالحرب میں چلے جانے سے اس حربی کے لیے مطالبہ کرنے کا حق ساقط ہو گیا ہے لہذا اس مال سے بھی اس کا حق ساقط ہو جائے گا اور اس مال کا مستحق مدیون ہوگا، اس لیے کہ اس مال پر مدیون کا قبضہ تمام لوگوں کے قبضے سے مقدم ہوگا، لہذا وہی مدیون ہی اس کا حق ہوگا۔

اور اگر اس حربی کو قتل کر دیا گیا یا از خود مر گیا لیکن دارالاسلام والوں کا دارالحرب پر قبضہ نہیں ہوا تو اس کا قرض اور اس کا مال ودیعت اس کے ورثاء کا ہوگا، کیونکہ جب اس کا نفس مغنوم نہیں ہوا تو ظاہر ہے کہ اس کا مال بھی مغنوم نہیں ہوگا اور اس کے مال میں امان کو باقی رکھ کر اس کی زندگی میں وہ مال اسے دیا جائے گا اور اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو دیا جائے گا۔

قَالَ وَمَا أَوْجَفَ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ مِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الْحَرْبِ بِغَيْرِ قِتَالٍ يُصْرَفُ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ كَمَا يُصْرَفُ الْخَرَاجُ، قَالُوا هُوَ مِثْلُ الْأَرَاضِي الَّتِي أَجْلَوْا أَهْلَهَا عَنْهَا وَالْجَزْيَةُ، وَلَا خُمْسَ فِي ذَلِكَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيهِمَا الْخُمْسُ إِعْتِبَارًا بِالْغَنِيمَةِ، وَلَنَا مَا رَوَيْ أَنَّهُ ① (عَلَيْهِ السَّلَامُ) أَخَذَ الْجَزْيَةَ وَكَذَلِكَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَمَعَاذُ اللَّهِ وَوَضَعَ فِي بَيْتِ الْمَالِ وَلَمْ يُخَمَّسْ، وَلَئِنَّهُ مَالٌ مَا خُوذَ بِقُوَّةِ الْمُسْلِمِينَ مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ، بِخِلَافِ الْغَنِيمَةِ، لِأَنَّهُ مَمْلُوكٌ بِمُبَاشَرَةِ الْغَانِمِينَ وَبِقُوَّةِ الْمُسْلِمِينَ فَاسْتَحَقَّ الْخُمْسَ بِمَعْنَى وَاسْتَحَقَّهُ الْغَانِمُونَ بِمَعْنَى، وَفِي هَذَا السَّبَبِ وَاحِدٌ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ فَلَا مَعْنَى لِإِيجَابِ الْخُمْسِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ کفار کے وہ اموال جو قتال کے بغیر محض پیش قدمی کر کے مسلمانوں نے حاصل کیا ہو انھیں مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کیا جائے گا جیسے خراج صرف کیا جاتا ہے۔ حضرات مشائخ نے فرمایا کہ یہ اموال ان زمینوں کی طرح ہیں جہاں سے مجاہدین نے ان کے اہل کو نکال دیا ہو اور جزیہ کی طرح ہیں اور ان میں خمس نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ غنیمت پر قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان میں خمس لیا جائے گا۔

ہماری دلیل وہ روایت ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے جزیہ لیا ہے نیز حضرت عمر اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما نے بھی جزیہ لیا ہے اور اسے بیت المال میں رکھا گیا تھا اور خمس نہیں لیا گیا تھا۔ اور اس وجہ سے کہ یہ ایسا مال ہے جو قتال کے بغیر مسلمانوں کی قوت کے بل پر حاصل کیا گیا ہے۔ برخلاف غنیمت کے، اس لیے کہ وہ غازیوں کی محنت اور مسلمانوں کی طاقت سے حاصل کیا جاتا ہے لہذا ایک معنی کی وجہ سے بیت المال خمس کا مستحق ہے اور ایک دوسرے معنی کی وجہ سے غنمین خمس کے مستحق ہیں۔ جب کہ اس مال میں سبب ایک ہے لہذا خمس واجب کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

### اللغات:

﴿اوجف﴾ حاصل کر لیں۔ ﴿بصرف﴾ خرچ کیا جائے گا۔ ﴿اخلوا﴾ نکال دیا ہو۔ ﴿خمس﴾ پانچواں حصہ۔ ﴿ایجاب﴾ واجب کرنا۔

### تخریج:

① اخرجہ ابو داؤد فی کتاب الخراج باب فی تدوین العطاء، حدیث: ۲۹۶۱۔

### بغیر جنگ کے حاصل ہونے والے اموال کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وہ اموال جنہیں کفار پر پیش قدمی کر کے محض ڈر اور دھمکا کر بدون قتال مسلمان غازی حاصل کرتے ہیں انہیں خراج صرف کرنے کی طرح مسلمانوں کے مصالح یعنی پل وغیرہ بنانے، نہر کھودنے اور قاضیوں کی تنخواہ وغیرہ دینے میں صرف کیا جائے گا۔ ہمارے یہاں یہ اموال ان آراضی کے مثل ہیں جہاں سے مسلمانوں نے ان کے مالکان کو بھگا دیا ہو اور وہ اراضی اپنے قبضے میں لے لی ہو اور ان اموال کی حیثیت جزیہ کی سی ہے اسی لیے ہمارے یہاں ان میں خمس نہیں ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں جس طرح مال غنیمت میں سے خمس لیا جاتا ہے اسی طرح ان اموال میں سے بھی خمس لیا جائے گا اور مذکورہ آراضی میں سے بھی خمس لیا جائے گا۔

ہماری دلیل حضرت نبی اکرم ﷺ کا وہ طرز عمل ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے نصاریٰ نجران سے اور مجوس بحر سے جزیہ لیا تھا نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سواد والوں سے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اہل یمن سے جزیہ لیا تھا اور ان حضرات کے واقعات میں جزیہ کے علاوہ خمس وغیرہ لینے کی بات نہیں ہے جو اس امر کی بین دلیل ہے کہ اس طرح کے اموال میں خمس نہیں ہے اور حدیث نبوی اور فعل صحابی کے سامنے قیاس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اس لیے امام شافعی رحمہ اللہ کا صورت مسئلہ کو اموال غنیمت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ مال قتال کے بغیر محض مسلمانوں کی قوت اور ان کے رعب سے حاصل کیا گیا ہے جب کہ مال غنیمت کے حصول میں غازیوں کی محنت بھی شامل ہوتی ہے اور مسلمانوں کی قوت بھی دخل ہوتی ہے، لہذا قوت کی طرف نظر کرتے ہوئے مال غنیمت کا خمس بیت المال کو دیا جاتا ہے اور محنت کو دیکھتے ہوئے اس کے چار حصے غازیوں کو دیئے جاتے ہیں لیکن بغیر قتال کے حاصل کردہ مال کا سبب صرف ایک ہے یعنی مسلمانوں کی طاقت اور قوت اس لیے اس مال میں خمس نہیں واجب کیا جاسکتا ہے،



کیونکہ ایک سب سے ایک ہی شئی میں جو چیزوں اور دو حکموں کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: اوجف ایجا فاباب الفعال سے ہے جس کے معنی ہیں گھوڑوں کو تیز دوڑانا یہاں اس سے پیش رفت کرنا اور پہل کرنا

مراد ہے۔

وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ وَلَهُ امْرَأَةٌ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَأَوْلَادُ صِغَارٍ وَكِبَارٍ وَمَالٌ أَوْدَعَ بَعْضُهُ ذِمِّيًّا وَبَعْضُهُ حَرْبِيًّا وَبَعْضُهُ مُسْلِمًا فَأُسْلِمَ هَهُنَا ثُمَّ ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَذَلِكَ كُلُّهُ فَيءٌ، أَمَّا الْمَرْأَةُ وَأَوْلَادُ الْكِبَارِ فَظَاهِرٌ لَأَنَّهُمْ حَرْبِيُّونَ كِبَارٌ وَلَيْسُوا بِاتَّبَاعٍ، وَكَذَلِكَ مَا فِي بَطْنِهَا لَوْ كَانَتْ حَامِلًا لِمَا قُلْنَا مِنْ قَبْلُ، وَأَمَّا أَوْلَادُ الصِّغَارِ فَلِأَنَّ الصَّغِيرَ إِنَّمَا يَصِيرُ مُسْلِمًا تَبَعًا لِإِسْلَامِ أَبِيهِ إِذَا كَانَ فِي يَدِهِ وَتَحْتَ وَلَايَتِهِ، وَمَعَ تَبَايُنِ الدَّارَيْنِ لَا يَتَحَقَّقُ ذَلِكَ وَكَذَا أَمْوَالُهُ لَا تَصِيرُ مُحَرَّرَةً بِإِحْرَازِهِ نَفْسَهُ لِإِخْتِلَافِ الدَّارَيْنِ فَبَقِيَ الْكُلُّ قَيْنًا وَغَنِيمَةً، وَإِنْ أُسْلِمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ جَاءَ فَظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَأَوْلَادُ الصِّغَارِ أَحْرَارٌ مُسْلِمُونَ تَبَعًا لِأَبِيهِمْ، لَأَنَّهُمْ كَانُوا تَحْتَ وَلَايَتِهِ حِينَ أُسْلِمَ إِذَا الدَّارُ وَاحِدَةٌ، وَمَا كَانَ مِنْ مَالٍ أَوْدَعَهُ مُسْلِمًا أَوْ ذِمِّيًّا فَهُوَ لَهُ، لِأَنَّهُ فِي يَدِ مُحْتَرَمَةٍ وَيَدَهُ كَيْدِهِ، وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَيءٌ أَمَّا الْمَرْأَةُ وَأَوْلَادُ الْكِبَارِ فَلَمَّا قُلْنَا، وَأَمَّا الْمَالُ الَّذِي فِي يَدِ الْحَرْبِيِّ فَلِأَنَّهُ لَمْ يَصِرْ مَعْصُومًا، لِأَنَّ يَدَ الْحَرْبِيِّ لَيْسَتْ يَدًا مُحْتَرَمَةً.

**ترجمہ:** اگر کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام آیا اور دارالحرب میں اس کی بیوی ہے، اس کی چھوٹی بڑی اولاد ہے اور مال ہے جس میں سے کچھ اس نے کسی ذمی کے پاس ودیعت رکھا ہے، کچھ مال کسی حربی کے پاس ہے اور کچھ مال کسی مسلمان کے پاس ودیعت رکھا ہے اور وہ حربی دارالاسلام آکر مسلمان ہو گیا پھر دارالحرب پر قبضہ ہو گیا تو یہ ساری چیزیں فئے ہوں گے۔ رہا اس کی بیوی اور بڑی اولاد کافی ہونا تو ظاہر و باہر ہے، کیونکہ یہ سب بالغ حربی ہیں اور تابع نہیں ہیں نیز اگر بیوی حاملہ ہو تو جو بیوی کے پیٹ میں حمل ہے وہ بھی فئی ہے اس دلیل کی وجہ سے جو اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور اس کی چھوٹی اولاد اس وجہ سے فئے ہوگی کہ صغیر اسی وقت اپنے باپ کے اسلام کے تابع ہو کر مسلمان ہوتا ہے جب وہ باپ کے قبضے اور اس کی ولایت میں ہو اور تبائین دارین کے ہوتے ہوئے وہ صغیر باپ کے تابع نہیں ہو سکتا نیز اس کے اموال بھی اس کے اپنی ذات کو محرز کرنے سے محرز نہیں ہو سکتے، کیونکہ اختلاف دارین ہے لہذا سب کے سب فئے اور غنیمت ہو جائیں گے۔

اور اگر حربی دارالحرب میں مسلمان ہو کر دارالاسلام آیا پھر دارالحرب پر اہل اسلام کا غلبہ ہوا تو اس کی چھوٹی اولاد اپنے باپ کے تابع ہو کر آزاد اور مسلمان ہوگی، کیونکہ باپ کے مسلمان ہوتے وقت وہ سب اسی کی ولایت میں ہیں اس لیے کہ دار ایک ہے اور وہ مال جسے اس نے مسلمان یا ذمی کے پاس ودیعت رکھا ہے وہ بھی اسی کا ہوگا کیونکہ وہ مال قابل احترام قبضے میں ہے اور مسلمان یا ذمی کا قبضہ اس کے اپنے قبضے کی طرح ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ فئے ہوگا۔ رہی بیوی اور بالغ اولاد تو اس دلیل کی وجہ سے فئے ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں

اور وہاں وہ مال جو حربی کے قبضے میں ہے تو اس وجہ سے وہ فتنے ہے کہ وہ مال محترم نہیں ہے، کیونکہ حربی کا قبضہ قابل احترام نہیں ہے۔

### اللغات:

﴿اودع﴾ امانت رکھوایا۔ ﴿ظہر﴾ غلبہ پالیا گیا، فتح کر لیا گیا۔ ﴿فیء﴾ غنیمت کا مال، جنگ کے بغیر مسلمانوں کے قبضے میں آنے والا حربیوں کا مال۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿تباين﴾ جدا ہونا، مختلف ہونا۔ ﴿محروزة﴾ محفوظ کیے گئے۔ ﴿احرار﴾ واحد حر: آزاد۔ ﴿لم یصرو﴾ نہیں ہوا۔

### دارالاسلام میں آکر مسلمان ہونے والے حربی کی دارالحرب والی جائیداد کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام آیا اور یہاں اس نے اسلام قبول کیا جب کی دارالحرب میں اس کی حربیہ بیوی موجود ہے، اس کے چھوٹے بڑے لڑکے موجود ہیں اور اس کے اموال ہیں جن میں سے کچھ مال اس نے کسی ذمی کے پاس ودیعت رکھا ہے، کچھ کسی حربی کے پاس اور کچھ مال کسی مسلمان کے پاس بطور ودیعت رکھا ہے۔ اب اگر دارالاسلام کا دارالحرب پر قبضہ ہو جاتا ہے تو اس کی بیوی بچے اور اس کے تمام اموال سب فتنے اور غنیمت ہو جائیں گے اور اس نو مسلم کا ان پر حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی بیوی اور بالغ اولاد تو خود مختار ہیں اور اس کے تابع نہیں ہیں، بلکہ حسب سابق حربی ہی ہیں اور چوں کہ مسلمان دارالحرب پر قابض ہو چکے ہیں اس لیے دیگر اموال کی طرح یہ لوگ بھی فتنے اور غنیمت بن جائیں گے، اسی طرح اگر اس حربی کی حربیہ عورت حاملہ ہو تو ماں کے تابع ہو کر وہ حمل بھی فتنے ہو جائے گا اس لیے کہ حمل ماں کا جزء ہے، لہذا جب کل فتنے ہے تو جزء بھی فتنے ہوگا۔

رہا مسئلہ اس کی نابالغ اور صغیر اولاد کا تو صغیر اولاد اس صورت میں اپنے مسلمان باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوتی ہے جب وہ باپ کی نگرانی اور اس کی ماتحتی میں ہو حالانکہ یہاں تباين دارین کی وجہ سے وہ اولاد باپ کی ماتحتی میں نہیں ہے اس لیے وہ اس کے تابع ہو کر مسلمان نہیں ہوگی اور دارالحرب میں ہونے کی وجہ سے فتنے بن جائے گی اور یہی حکم اس کے اموال کا بھی ہوگا کہ تباين دارین کی وجہ سے صرف حربی محرز ہوگا اور اس کے اموال محرز نہیں ہوں گے اور سب فتنے اور غنیمت بن جائیں گے۔

اس کے برخلاف اگر حربی دارالحرب میں مسلمان ہو کر دارالاسلام آیا ہو اور صورت مسئلہ یہی ہو پھر دارالحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا ہو تو اس صورت میں اس کی نابالغ اولاد اپنے باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگی اور آزاد ہوگی، کیونکہ جب ان کا باپ مشرف بہ اسلام ہوا ہے تو یہ سب اس کی ماتحتی میں تھے کیونکہ یہ بھی دارالحرب میں تھے اور باپ نے بھی دارالحرب ہی میں اسلام قبول کیا ہے لہذا اتحاد دار کی وجہ سے یہ باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوں گے، فتنے اور غنیمت نہیں ہوں گے، نیز اس حربی نے مسلمان یا ذمی کے پاس جو مال ودیعت رکھا تھا وہ بھی اس کا اپنا ہوگا، کیونکہ اتحاد دار کی وجہ سے اس کا مال بھی محترم ہے اور وہ قابل احترام قبضے میں ہے بھی اس لیے اس کے نفس کی طرح اس کا یہ مال بھی معصوم اور محفوظ ہوگا، البتہ حربی کے پاس جو اس نے مال رکھا تھا وہ اس کا اپنا نہیں ہوگا اور فتنے بن جائے گا، کیونکہ حربی کا قبضہ قابل احترام نہیں ہے، اسی طرح اس کی بیوی اور اس کی بالغ اولاد بھی فتنے ہو جائے گی کیونکہ یہ سب حربی ہیں اور اپنے مسلمان شوہر یا باپ کے تابع نہیں ہیں۔

وَإِذَا أَسْلَمَ الْحَرْبِيُّ فِي دَارِ الْحَرْبِ فَقَتَلَهُ مُسْلِمٌ عَمْدًا أَوْ خَطَاً وَلَهُ وَرَثَةٌ مُّسْلِمُونَ هُنَالِكَ فَلَأَشَىٰ عَلَيْهِ إِلَّا

الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَجِبُ الدِّيَةُ فِي الْخَطَا وَالْقِصَاصُ فِي الْعَمَدِ، لِأَنَّهُ أَرَأَى دَمًا مَعْصُومًا لَوْ جُودَ الْعَاصِمِ وَهُوَ الْإِسْلَامُ لِكُونِهِ مُسْتَجْلِبًا لِلْكَرَامَةِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْعِصْمَةَ أَصْلُهَا الْمُؤْتَمَّةُ لِحُصُولِ أَصْلِ الرَّجْرِبِهَا وَهِيَ ثَابِتَةٌ إِجْمَاعًا، وَالْمُقَوَّمَةُ كَمَالٌ فِيهِ لِكَمَالِ الْإِمْتِنَاعِ بِهِ فَيَكُونُ وَصْفًا فِيهِ فَيَتَعَلَّقُ بِمَا عُلِقَ بِهِ الْأَصْلُ، وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوِّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ (سورة النساء: ۹۲) الْآيَةُ، جَعَلَ التَّحْرِيرَ كُلَّ الْمُوجِبِ رَجُوعًا إِلَى حَرْفِ الْفَاءِ أَوْ إِلَى كَوْنِهِ كُلِّ الْمَذْكُورِ فَيَنْتَفِي غَيْرُهُ، وَلِأَنَّ الْعِصْمَةَ الْمُؤْتَمَّةَ بِالْأَدَمِيَّةِ، لِأَنَّ الْأَدَمِيَّ خُلِقَ مُتَحَمِّلًا أَعْبَاءَ التَّكْلِيفِ وَالْقِيَامُ بِهَا بِحُرْمَةِ التَّعَرُّضِ، وَالْأَمْوَالُ تَابِعَةٌ لَهَا، أَمَّا الْمُقَوَّمَةُ فَلِأَصْلِ فِيهَا الْأَمْوَالُ، لِأَنَّ التَّقْوَمَ يُؤَدِّنُ بِجَبْرِ الْفَائِتِ وَذَلِكَ فِي الْأَمْوَالِ دُونَ النَّفُوسِ، لِأَنَّ مِنْ شَرْطِهِ التَّمَاثُلُ وَهُوَ فِي الْمَالِ دُونَ النَّفْسِ فَكَانَتِ النَّفُوسُ تَابِعَةً، ثُمَّ الْعِصْمَةُ الْمُقَوَّمَةُ فِي الْأَمْوَالِ بِالْإِحْرَازِ بِالذَّارِ، لِأَنَّ الْعِزَّةَ بِالْمَنْعَةِ فَكَذَلِكَ فِي النَّفُوسِ إِلَّا أَنَّ الشَّرْعَ أَسْقَطَ اعْتِبَارَ مَنْعَةِ الْكُفْرَةِ لِمَا أَنَّهُ أَوْجِبَ إِبْطَالَهَا، وَالْمُرْتَدُّ وَالْمُسْتَأْمَنُ فِي دَارِنَا مِنْ أَهْلِ دَارِهِمْ حُكْمًا لِقَصْدِهِمَا الْإِنْتِقَالَ إِلَيْهَا.

**ترجمہ:** اور اگر کوئی دار الحرب میں اسلام لایا اور کسی مسلمان نے اسے عمدًا یا خطا قتل کر دیا اور دار الحرب میں اس کے مسلم وراثہ موجود ہوں تو قاتل پر قتل خطا میں کفارہ کے سوا کچھ نہیں واجب ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قتل خطا میں دیت واجب ہے اور عمد میں قصاص، اس لیے کہ قاتل نے ایسا خون بہایا ہے جو عاصم یعنی اسلام کی وجہ سے معصوم ہے کیونکہ اسلام کرامت و شرافت لے آتا ہے۔ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ عصمت در حقیقت (قاتل کو) گنہگار بنادیتی ہے، اس لیے کہ عصمت سے زجر حاصل ہو جاتا ہے اور (مذکورہ نو مسلم میں) یہ عصمت بالاتفاق ثابت ہے اور عصمت کا مقومہ ہونا زجر کا کمال ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے کمال امتناع حاصل ہوگا لہذا یہ کمال اس اصل میں وصف ہوگا لہذا جس چیز سے اصل متعلق ہے اسی سے وصف بھی متعلق ہوگا (یعنی اسلام سے دونوں متعلق ہوں گے)۔

ہماری دلیل اللہ پاک کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ اگر مقتول ایسی قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے حالانکہ وہ مومن ہو تو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غلام آزاد کرنے کو پوری جزاء اور سزا قرار دیا ہے حرف فاء کی طرف نظر کرتے ہوئے، یا اس لیے کہ جو مذکور ہے وہی پوری سزا ہے، لہذا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔ اور اس لیے کہ عصمت آدمی ہونے کی وجہ سے گنہگار کرتی ہے، کیونکہ آدمی شریعت کے احکام بجالانے کے لیے پیدا ہی کیا گیا ہے اور چھیڑ خانی کا حرام ہونا بھی احکام بجالانے میں شامل ہے۔ رہے اموال تو وہ آدمیت کے تابع ہیں۔ اور عصمت اس لیے مقوم ہوتی ہے کہ اس میں اموال اصل ہوتے ہیں، کیونکہ مقوم ہونا فوت شدہ چیز کی تلافی کی خبر دیتا ہے اور یہ چیز اموال ہی میں ہو سکتی ہے، نفوس میں نہیں، اس لیے کہ جبر کے لیے تماثل شرط ہے اور یہ تماثل مال میں ہو سکتا ہے، نفوس میں نہیں ہو سکتا اس لیے (دیت میں) مال اصل ہے اور نفوس اموال کے تابع ہیں۔

پھر اموال کی عصمت مقومہ احراز بدار الاسلام سے ثابت ہوگی، کیونکہ عزت قوت سے حاصل ہوتی ہے اور نفوس کا بھی یہی حکم

ہوگا، لیکن شریعت نے کفار کی طاقت کا اعتبار ختم کر دیا ہے کیونکہ شریعت نے قوت کفار کا ابطال واجب کیا ہے۔ اور دارالاسلام کے مرتد اور مستامن حربیوں کے حکم میں ہیں، اس لیے کہ وہ دارالاسلام واپس جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

### اللغات:

﴿عمدا﴾ جان بوجھ کر۔ ﴿اراق﴾ بہایا ہے۔ ﴿دم﴾ خون۔ ﴿عاصم﴾ حفاظت کرنے والا۔ ﴿مستجلب﴾ کھینچنے والا، طلب کرنے والا۔ ﴿مؤثمة﴾ گناہگار کرنے والی۔ ﴿امتناع﴾ رکنا۔ ﴿عدو﴾ دشمن۔ ﴿تحریر﴾ آزاد کرنا۔ ﴿رقبة﴾ ایک مملوک ذات۔ ﴿موجب﴾ ثابت ہونے والا، واجب، نتیجہ۔ ﴿اعباد﴾ واحد عبودۃ؛ بوجھ، کسی چیز کو بھر دینے والی مقدار۔ ﴿جبر﴾ تلافی، فوت شدہ چیز کی نقصان بندی۔ ﴿اسقط﴾ ساقط کر دیا ہے۔

### مسلمان ہونے والے حربی کو قتل کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی حربی دارالحرب میں اسلام قبول کر لے اور پھر اسے کوئی مسلمان قتل کر دے خواہر عمداً خواہ خطاً بہر دو صورت ہمارے یہاں قاتل پر نہ تو قصاص واجب ہوگا اور نہ ہی دیت واجب ہوگی البتہ قتل خطاً میں اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ اس کے برخلاف حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر قاتل نے عمداً قتل کیا ہے تو اس پر قصاص لازم ہے اور اگر خطاً قتل کیا ہے تو دیت لازم ہے وہ قال مالک رحمہ اللہ وأحمد رحمہما علیہ - (بنایہ)

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کی دلیل یہ ہے کہ قاتل نے ایک معصوم یعنی مسلمان جان کو قتل کیا ہے اور نفس معصومہ کی عصمت قاتل کو مجرم ثابت کر رہی ہے، کیونکہ عصمت سے زجر حاصل ہو جاتا ہے، یعنی مقتول کا مسلمان اور معصوم ہونا اس خوف اور دہشت کے لیے کافی ہے کہ اس کے بدلہ قاتل کو قتل کیا جائے گا اور پھر جب یہ بات بھی اس عصمت سے متصل ہے کہ یہ قتل موجب دیت و مال ہے تو اس میں چار چاند لگ گیا اور اس وصف سے یہ عصمت ہر اعتبار سے کامل اور مکمل ہو گئی اور طرح اصل عصمت کا تعلق اسلام سے ہے اسی طرح وصف بھی اسلام سے متعلق ہوگا اور چوں کہ مقتول مسلمان ہے، لہذا قتل عمد کی صورت میں قاتل پر قصاص واجب ہوگا اور قتل خطاً کی صورت میں دیت واجب ہوگی۔

ہماری دلیل یہ آیت کریمہ ہے: ﴿فَانْكَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مَوْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٌ﴾ الخ اس آیت کریمہ سے ہمارا استدلال اس طور پر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اس مسلمان کے قتل کا نقشہ کھینچا ہے جو کفار کے ساتھ ہو یعنی دارالحرب میں ہو اور اسے کوئی مسلمان قتل کر دے تو اس کی جزاء ایک غلام آزاد کرنا ہے اور چوں کہ اس میں عمد اور خطاً کی کوئی قید نہیں ہے اس لیے دونوں صورتوں میں حکم ایک ہوگا اور تحریر رقبہ یعنی کفارہ پوری جزاء ہوگا، کیونکہ تحریر میں حرف فاء مذکور ہے اور حرف فاء فالجزاء کے قائم مقام ہے اور جزاء اسے کہتے ہیں جو کافی اور روانی ہو، معلوم ہوا کہ تحریر رقبہ ہی اس مقتول کی پوری سزا ہے۔

تحریر رقبہ کے پوری جزاء ہونے کی دلیل یہ ہے کہ شریعت کا مقصد یہاں حکم بیان کرنا ہے اور مجرم کو اس کے جرم سے بری کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر ہم تحریر رقبہ کو پوری جزاء نہیں مانیں گے تو یہ لازم آئے گا کہ شریعت نے یہاں واضح حکم نہیں بیان کیا ہے حالانکہ یہ ہمارے یقین اور عقیدے کے خلاف ہے، لہذا اس حوالے سے بھی تحریر رقبہ مذکورہ مقتول کی پوری سزا ہوگی اور اس کے علاوہ دوسری چیز نہیں واجب ہوگی۔



ولان العصمة الخ یہ ہماری عقلی دلیل ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب بھی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ عصمت اسلام کی وجہ سے قاتل کو مجرم اور گنہ گار نہیں بناتی، بلکہ آدمیت اور انسانیت کی وجہ سے مجرم بناتی ہے، کیونکہ انسان احکام شرع پر عمل کرنے کے لیے ہی پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اصلاً ہر آدمی کے خون اور نفس کو معصوم اور محفوظ قرار دیا ہے، لیکن کافروں میں ان کے کفر کی وجہ سے اللہ پاک نے اس عصمت کو باطل کر دیا ہے اب جب کوئی کافر کفر سے توبہ کر کے مسلمان ہو جاتا ہے تو وہ اپنی اصل خلقت پر معصوم الدم ہو جاتا ہے۔ اور اموال آدمیت کے تابع ہوتے ہیں، یعنی اصلاً تو یہ مباح ہوتے ہیں لیکن انسان کی اپنی ضرورت کی وجہ سے تبعیت کے طور پر ان میں بھی عصمت آ جاتی ہے لہذا اسلام کی وجہ سے جان اور مال کو معصوم قرار دینا درست نہیں ہے اور اسلام کی بنا پر عصمت کو مقوم کہنا بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ مقوم ہونے میں اموال اصل ہوتے ہیں، کیونکہ مقوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قتل سے جو نقصان ہوا ہے مال سے اس کی تلافی کر دی جائے اور تلافی کے لیے جابر اور فاسق میں تماثل ضروری ہے اور یہ تماثل مال میں مستحق ہو گا نہ کہ نفوس میں، لہذا دیت اور اموال کے معاملہ میں اموال اصل ہوں گے اور نفوس ان کے تابع ہوں گے، اسی سے یہ بات بھی سامنے آگئی کہ عصمت موثمہ الگ شئی ہے اور عصمت مقومہ الگ شئی ہے اور مقومہ موثمہ کا وصف کمال نہیں ہے جیسا کہ شوافع نے سمجھا ہے۔ (عنایہ شرح عربی ہدایہ)

ثم العصمة الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اموال میں جو عصمت مقومہ ہے یعنی جس نفس کی دیت دی جاتی ہے اس کا دارالاسلام میں ہونا ضروری ہے کیونکہ تقوم اور عزت طاقت و قوت سے حاصل ہوتی ہے اور صورت حال یہ ہے کہ یہ قتل جس سے صورت مسئلہ متعلق ہے دارالحرب میں واقع ہوا ہے جہاں عہد کی صورت میں قصاص بھی نہیں واجب ہوگا، کیونکہ اس صورت میں عصمت موثمہ محرز نہیں ہے اور دارالحرب کی طاقت و قوت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ شریعت نے اس قوت کو ختم اور پامال کرنے کا حکم دے کر اسے ناقابل اعتبار بنا دیا ہے۔ اسی طرح دارالاسلام میں مرتد ہو یا حربی مستأمن ہو تو دارالاسلام کی وجہ سے نہ تو وہ محرز ہوں گے اور نہ ہی ان کے اموال مقوم ہوں گے، بلکہ یہ حربیوں کے حکم میں ہوں گے اور اگر کوئی مسلمان ان کا کام تمام کر دے تو اس پر دیت نہیں واجب ہوگی، اس لیے کہ یہ دارالحرب واپس جانے کا ارادہ کئے ہوئے ہیں اور دارالاسلام کی چھاؤں انھیں راس نہیں آرہی ہے، لہذا ان کے مقتول ہونے سے مسلمانوں کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

وَمَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا خَطَاً لِأَوْلِيٍّ لَهُ أَوْ قَتَلَ حَرْبِيًّا دَخَلَ إِلَيْنَا بِأَمَانٍ فَاسْلَمَ فَالِدِيَّةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ لِلْإِمَامِ وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ، لِأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسًا مَعْصُومًا خَطَاً فَيُعْتَبَرُ بِسَائِرِ النَّفُوسِ الْمَعْصُومَةِ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ لِلْإِمَامِ أَنَّ حَقَّ الْإِخْذِ لَهُ، لِأَنَّهُ لَا وَارِثَ لَهُ، وَإِنْ كَانَ عَمْدًا فَإِنْ شَاءَ الْإِمَامُ قَتَلَهُ وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الدِّيَّةَ، لِأَنَّ النَّفْسَ مَعْصُومَةً وَالْقَتْلَ عَمْدًا، وَالْبَوْلِيُّ مَعْلُومٌ وَهُوَ الْعَامَّةُ أَوْ السُّلْطَانُ، قَالَ ① عَلَيْهِ السَّلَامُ السُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ، وَقَوْلُهُ وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الدِّيَّةَ مَعْنَاهُ بِطَرِيقِ الصُّلْحِ، لِأَنَّ مَوْجِبَ الْعَمْدِ وَهُوَ الْقَوْدُ عَيْنًا، وَهَذَا لِأَنَّ الدِّيَّةَ أَنْفَعُ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ مِنْ الْقَوْدِ فَلِهَذَا كَانَ لَهُ وَلَايَةُ الصُّلْحِ عَلَى الْمَالِ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَغْفُو، لِأَنَّ الْحَقَّ لِلْعَامَةِ وَوَلَايَتِهِ نَظَرِيَّةٌ وَلَيْسَ

مِنَ النَّظَرِ إِسْقَاطُ حَقِّهِمْ مِنْ غَيْرِ عَوَضٍ.

**ترجمہ:** اگر کسی نے ایسے مسلمان کو خطا قتل کیا جس کا کوئی ولی نہ ہو یا ایسے حربی کو قتل کیا جو امان لے کر دارالاسلام آیا ہو اور پھر مسلمان ہو گیا تو قاتل کے عاقلہ پر واجب ہے کہ امام کو مقتول کی دیت ادا کریں اور قاتل پر کفارہ ہوگا، کیونکہ اس نے نفس معصومہ کو خطا قتل کیا ہے، لہذا اسے تمام نفوس معصومہ پر قیاس کیا جائے گا۔ اور ماتن کے قول للامام کا مطلب یہ ہے کہ دیت لینے کا حق اسی کو ہے، کیونکہ مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے۔ اور اگر قتل عمد ہو تو اگر امام چاہے تو قاتل کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو اس سے دیت لے، کیونکہ نفس معصومہ ہے، قتل عمد ہے اور ولی متعین ہے اور وہ عوام ہیں یا امام ہے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”جس کا کوئی ولی نہ ہو، بادشاہ اس کا ولی ہے، اور ماتن کے قول وإن شاء أخذ الدية کا مطلب یہ ہے کہ امام مصلحت کے طریقے پر دیت لے سکتا ہے، کیونکہ قتل عمد کا موجب قصاص ہی ہے، لیکن اس مسئلے میں دیت مسلمانوں کے لیے قصاص سے زیادہ نفع بخش ہے، اسی لیے امام کو مال کے عوض صلح کرنے کی ولایت حاصل ہوگی، لیکن اسے معاف کرنے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ اصل حق تو عوام کا ہے اور امام کی ولایت مبنی بر شفقت ہوتی ہے حالانکہ بغیر عوض کے عوام کا حق ساقط کرنے میں کوئی شفقت نہیں ہے۔

**اللغات:**

﴿عاقلہ﴾ قبیلے والے، قریبی تعلق دار۔ ﴿قود﴾ قصاص۔ ﴿نظریۃ﴾ شفقت پر مبنی ہے۔ ﴿إسقاط﴾ ساقط کرنا، گرا دینا۔

**تخریج:**

① أخرجه ابوداؤد فی کتاب النکاح، باب فی الولی، حدیث رقم: ۲۰۸۳.

**اس مقتول کی دیت جس کا کوئی وارث نہ ہو:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے خطا کسی ایسے مسلمان کو قتل کر دیا جس کا کوئی وارث اور ولی نہ ہو یا کسی ایسے حربی کو قتل کر دیا جو امان لے کر دارالاسلام آیا تھا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا تھا تو قاتل کی سزا یہ ہے کہ اس کے عاقلہ امام کو مقتول کی دیت ادا کریں اور قاتل اس کا کفارہ ادا کرے، کیونکہ قاتل نے معصوم جان کو خطا قتل کیا ہے لہذا جس طرح دیگر نفوس معصومہ کو خطا قتل کرنے سے دیت اور کفارہ واجب ہوتا ہے اسی طرح مذکورہ قتل پر بھی دیت اور کفارہ دونوں چیزیں واجب ہوں گی جیسا کہ قرآن پاک میں ومن قتل مؤمناً خطاً فتحرير رقبة مؤمنة ودية مسلمة إلى أهله کے فرمان سے مذکورہ قتل کی یہی سزا بیان کی گئی ہے۔

اور اگر یہ قتل عمد اہوا ہو تو امام کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا (۱) یا تو وہ قاتل کو قتل کر دے (۲) یا مصالحت کر کے اس سے دیت لے لے، کیونکہ قتل عمد میں مقتول کے اولیاء کو بھی یہی دونوں اختیار ملتے ہیں اور یہاں چوں کہ مقتول کا کوئی ولی نہیں ہے، اس لیے حدیث پاک السلطان ولی من لا ولی له کے پیش نظر امام اس مقتول کا ولی ہوگا اور اسے یہ دونوں اختیار ملیں گے۔ البتہ اگر امام قتل کے بجائے دیت لینے کو اختیار کرے تو زیادہ بہتر ہے تاکہ وہ مال بیت المال میں جمع ہو اور مسلمانوں کے کام آئے، تاہم امام کو یہ حق برگز نہیں ہوگا کہ وہ مفت میں قاتل کو معاف کر دے، کیونکہ امام کو اسی لیے سب کی طرف نمائندہ بنایا گیا ہے کہ اس کی ولایت شفقت و رعایت پر مبنی ہے حالانکہ عوام کا حق بلا عوض اور مفت ساقط کرنے میں شفقت نہیں بلکہ عداوت ہے، اس لیے امام کو صلح علی مال کا حق تو ہوگا، لیکن فری فند میں معاف کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم

## بَابُ الْعُشْرِ وَالْخَرَاجِ

یہ باب احکام عشر و خراج کے بیان میں ہے

اس سے پہلے حربی متامن کے ذمی ہونے کے احکام و مسائل بیان کئے گئے ہیں اور اب یہاں سے اس پر لازم ہونے والے خراج کا بیان ہے مگر چوں کہ عشر میں عبادت کے معنی موجود ہیں اس لیے اسے خراج سے پہلے بیان کیا جا رہا ہے۔  
واضح رہے کہ عشر کے لغوی معنی ہیں: أحد الأجزاء العشرة دسواں حصہ، اور خراج کے معنی ہیں وہ چیز جو زمین یا غلام کی پیداوار سے نکالی جائے اور لی جائے۔ (ہنا: ۶/۶۳۰)

قَالَ أَرْضُ الْعَرَبِ كُلُّهَا أَرْضُ عُشْرٍ وَهِيَ مَا بَيْنَ الْعُدَيْبِ إِلَى أَقْصَى حَجَرٍ بِالْيَمَنِ بِمَهْرَةٍ إِلَى حَدِّ الشَّامِ، وَالسَّوَادُ أَرْضُ خَرَاجٍ وَهُوَ مَا بَيْنَ الْعُدَيْبِ إِلَى عَقْبَةِ حُلْوَانَ وَمِنْ الثَّعْلَبَةِ وَيُقَالُ مِنَ الْعَلَتِ إِلَى عَبَادَانَ، لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَالْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِينَ لَمْ يَأْخُذُوا بِالْخَرَاجِ مِنْ أَرْضِي الْعَرَبِ، وَلِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْفَيْءِ فَلَا يَثْبُتُ فِي أَرْضِهِمْ كَمَا لَا يَثْبُتُ فِي رِقَابِهِمْ، وَهَذَا لِأَنَّ وَضَعَ الْخَرَاجِ مِنْ شَرْطِهِ أَنْ يُقَرَّ أَهْلُهَا عَلَى الْكُفْرِ كَمَا فِي سَوَادِ الْعِرَاقِ، وَمُشْرِكُوا الْعَرَبِ لَا يَقْبَلُ مِنْهُمْ إِلَّا الْإِسْلَامُ وَالسَّيْفُ، وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ فَتَحَ السَّوَادَ وَضَعَ الْخَرَاجَ عَلَيْهَا بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ، وَوَضَعَ عَلَى مِصْرَ حِينَ افْتَتَحَهَا عُمَرُ بْنُ الْعَاصِ وَكَذَا اجْتَمَعَتِ الصَّحَابَةُ عَلَى وَضْعِ الْخَرَاجِ عَلَى الشَّامِ، قَالَ وَأَرْضُ السَّوَادِ مَمْلُوكَةٌ لِأَهْلِهَا يَجُوزُ بَعْضُهُمْ لَهَا وَتَصَرُّفُهُمْ فِيهَا، لِأَنَّ الْإِمَامَ إِذَا فَتَحَ أَرْضًا غَنَوَةً وَقَهْرًا لَمْ أَنْ يَقَرَّ أَهْلُهَا عَلَيْهَا وَيَضَعُ عَلَيْهَا وَعَلَى رُؤُسِهِمُ الْخَرَاجُ فَتَبْقَى الْأَرْضُ مَمْلُوكَةً لِأَهْلِهَا وَقَدْ قَدْ مَنَاهُ مِنْ قَبْلُ.

**ترجمہ:** عرب کی پوری زمین عشری ہے جو عدیب سے لے کر شام کی سرحد تک یمن میں مہرہ پتھر کی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے۔ اور سواد عراق کی زمین خراجی ہے جو عدیب سے لے کر عقبہ حلوان تک ہے اور ثعلبہ یا علت سے لے کر عبادان تک ہے، اس لیے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے اور خلفائے راشدین نے عرب کی زمینوں سے خراج نہیں لیا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ خراج فئے کے درجے میں ہے، لہذا

جس طرح عرب والوں کی ذات میں خراج نہیں ہے ایسے ہی ان کی زمینوں میں بھی خراج نہیں ہوگا۔ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ خراج کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ خراجی زمین والوں کو کفر پر باقی چھوڑ دیا جاتا ہے جیسا کہ سواد عراق میں ہوا ہے حالانکہ مشرکین عرب سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا یا تلوار سے فیصلہ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب سواد عراق کو فتح کیا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اس کے اہل پر خراج مقرر فرمایا تھا، اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر فتح کیا تو اس پر خراج مقرر فرمایا نیز ملک شام پر خراج مقرر کرنے کے حوالے سے حضرات صحابہ متفق ہوئے تھے۔

فرماتے ہیں کہ سواد والوں کی زمین ان کی مملوکہ ہے حتیٰ کہ ان کے لیے اس زمین کو فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنا سب جائز ہے، اس لیے کہ امام جب غلبہ اور زور سے کسی زمین کو فتح کرتا ہے تو اسے یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس کے باشندوں کو وہیں رہنے دے اور اس زمین پر اور وہاں کے باشندوں پر پر خراج متعین کر دے اور وہ زمین وہاں کے لوگوں کی مملوکہ رہیں۔ اور اس سے پہلے ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

### اللغات:

﴿اقصى﴾ انتہاء، سب سے دور۔ ﴿سواد﴾ شہری زمین کے گردا گرد کا علاقہ، مراد عراقی سرزمین۔ ﴿فہی﴾ بغیر جنگ کے مسلمانوں کے قبضے میں آنے والا حریوں کا مال۔ ﴿رقاب﴾ واحد رقبة؛ گردن، مراد: ذات، جان۔ ﴿وضع﴾ رکھنا، مراد: لگانا، نافذ کرنا۔ ﴿عنوة﴾ زور، طاقت، بزور بازو۔ ﴿یقر﴾ برقرار رکھے۔

### عرب کی ساری زمینوں کے عشری ہونے کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عرب کی ساری زمین عشری ہے اور مقام عذیب سے لے کر یمن میں مہرہ نامی سخت پتھر کی آخری تک جو شام کی سرحد سے متصل ہے لمبائی میں اور یسرین، دھناء اور رمل عالج سے لے کر شام کی بستیوں اور وہاں کے گاؤں تک چوڑائی میں پوری زمین عشری ہے اور عربی ہے۔ اس کے بالمقابل سواد عراق کی پوری زمین خراجی ہے جو چوڑائی میں عذیبہ سے لے کر عقبہ حلوان تک ہے اور لمبائی میں علف لے کر عبادان تک ہے۔ عرب کی زمین کے عشری ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرات خلفائے راشدین نے ارضی عرب سے کبھی بھی خراج نہیں لیا ہے۔ اگر یہ زمین خراجی ہوتی تو کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی موقع پر ضرور اس سے خراج لیا جاتا، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام کا ارضی عرب سے خراج نہ لینا اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ زمین خراجی نہیں ہیں۔

اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خراج فئے اور مال غنیمت کے درجے میں ہے اور اہل عرب کی ذات میں فئے ثابت نہیں ہے، کیونکہ نفوس اور ذوات میں فئے ثابت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں کفر پر برقرار رکھا جائے گا اور چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ مشرکین عرب کے ساتھ یا تو ان کے اسلام قبول کرنے پر فیصلہ ہوگا یا انھیں قتل کر دیا جائے گا اور ان کے کفر پر تو ہرگز انھیں چھوڑا جائے گا، اس لیے مشرکین عرب کے نفوس میں خراج ثابت نہیں ہو سکتا اور نفوس کی طرح ان کی زمینوں میں بھی خراج نہیں ہوگا، اور سواد عراق کی زمینوں کے خراجی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی امارت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت



میں عراق کو فتح کیا تو وہاں کی زمینوں پر خراج متعین فرمادیا اور چند صحابہ کو چھوڑ کر باقی تمام صحابہ کرام نے اس پر اتفاق کر لیا تھا اسی طرح جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کو فتح کیا تو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں خراج مقرر فرمادیا تھا اور مصر پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مصر کو فتح کیا تو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں خراج مقرر فرمادیا تھا اور مصر پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے خراج مقرر کیا گیا تھا۔ یہ تمام واقعات اس قانون پر واضح دلیل ہیں کہ عرب کے علاوہ دوسرے مقامات کی اراضی پر خراج مقرر کرنا درست اور جائز ہے۔

قال وارض السواد الخ فرماتے ہیں کہ سواد عراق کی زمین وہاں کے باشندوں کی مملوک ہے اور ان کے لیے زمین کو فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنا سب جائز ہے، کیونکہ امام جب غلبہ اور قہر کسی زمین کو فتح کرتا ہے تو اسے یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہاں کے باشندوں کو اسی جگہ قیام پذیر رہنے دے اور ان کی زمینوں میں اور ان کے نفوس میں خراج مقرر کر دے اور وہ زمین انہی کی ملکیت پر باقی چھوڑ دے جیسا کہ باب قسمة الغنائم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کے حوالے سے اس کی تفصیل آچکی ہے۔

قَالَ وَكُلُّ أَرْضٍ أَسْلَمَ أَهْلُهَا أَوْ فَتَحَتْ عَنْوَةً وَقُسِمَتْ بَيْنَ الْغَانِمِينَ فِيهَا أَرْضٌ عَشْرٌ، لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى ابْتِدَاءِ التَّوْظِيفِ عَلَى الْمُسْلِمِ، وَالْعَشْرُ الْيَقِينُ بِهِ لِمَا فِيهِ مِنْ مَعْنَى الْعِبَادَةِ وَكَذَا هُوَ أَخَفُّ حَيْثُ يَتَعَلَّقُ بِنَفْسِ الْخَارِجِ، وَكُلُّ أَرْضٍ فَتَحَتْ عَنْوَةً فَأَقْرَأَ أَهْلُهَا عَلَيْهِ فِيهَا أَرْضٌ خَرَجٌ، وَكَذَا إِذَا صَلَحَهُمْ، لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى ابْتِدَاءِ التَّوْظِيفِ عَلَى الْكَافِرِ وَالْخَرَجُ الْيَقِينُ بِهِ، وَمَكَّةُ مَخْصُوصٌ مِنْ هَذَا، فَإِنَّ ① رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَتَحَهَا عَنْوَةً وَتَرَكَهَا لِأَهْلِهَا وَلَمْ يُوظَّفِ الْخَرَجَ، وَلِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ كُلُّ أَرْضٍ فَتَحَتْ عَنْوَةً فَوَصَلَ إِلَيْهَا مَاءُ الْأَنْهَارِ فِيهَا أَرْضٌ خَرَجٌ وَمَالٌ يَصِلُ إِلَيْهَا مَاءُ الْأَنْهَارِ وَاسْتُخْرِجَ مِنْهَا عَيْنٌ فِيهَا أَرْضٌ عَشْرٌ، لِأَنَّ الْعَشْرَ يَتَعَلَّقُ بِالْأَرْضِ النَّامِيَةِ، وَنَمَاؤُهَا بِمَائِهَا فَيُعْتَبَرُ السَّقْيُ بِمَاءِ الْعَشْرِ أَوْ بِمَاءِ الْخَرَجِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ وہ زمین جس کے باشندے اسلام لے آئیں یا قہر فتح کر کے اسے غازیوں میں تقسیم کر دیا جائے تو وہ عشری زمین ہے، کیونکہ اس زمین میں ابتداء مسلمان پر وظیفہ مقرر کرنے کی حاجت ہے اور عشر مسلمان کے زیادہ لائق ہے، کیونکہ اس میں عبادت کے معنی ہیں نیز وہ اخف بھی ہے اس لیے اس کا تعلق صرف پیداوار سے ہوتا ہے۔ اور وہ زمین جو قہر فتح کی گئی اور اس کے باشندوں کو وہیں رہنے دیا گیا تو وہ خراجی زمین ہے ایسے ہی اگر ان لوگوں سے صلح کی گئی ہو، کیونکہ یہاں پہلے کافر پر لگان مقرر کرنے کی ضرورت ہے اور خراج کافر کے زیادہ لائق ہے۔ اور مکہ مکرمہ اس حکم سے الگ ہے اس لیے کہ آپ ﷺ نے اسے قہر فتح کر کے اہل مکہ کو وہیں رہنے دیا تھا اور ان پر خراج نہیں مقرر کیا تھا۔

جامع صغیر میں ہے کہ جو زمین قہر فتح کی گئی ہو اور وہاں نہروں کا پانی جاتا ہو وہ خراجی ہے اور جہاں نہروں کا پانی نہ جاتا ہو، بلکہ اسی جگہ چشمہ نکالا گیا ہو تو وہ عشری زمین ہے، کیونکہ عشر کا تعلق پیدا کرنے والی زمین سے ہوتا ہے اور زمین کی پیداوار اس کے پانی

سے ہوتی ہے لہذا عشری یا خراجی پانی سے سیراب کرنے پر عشر یا خراج کا اعتبار ہوگا۔

### اللَّغَاتُ:

﴿فَتْحٌ﴾ فتح کی جائے۔ ﴿عَنُوةٌ﴾ طاقت، قہر، زور۔ ﴿غَانِمِینَ﴾ نمازی۔ ﴿تَوْظِیفٌ﴾ وظیفہ لگانا۔ ﴿أَلِیقٌ﴾ زیادہ مناسب۔ ﴿أَخْفٌ﴾ زیادہ ہلکا، سبک تر۔ ﴿أَقْرٌ﴾ برقرار رکھا۔ ﴿صَالِحُهُمْ﴾ ان سے صلح کر لی۔ ﴿وَصْلٌ﴾ پہنچتا ہو۔ ﴿نَامِیۃٌ﴾ افزائش والی، جس میں اضافہ ہو۔ ﴿نَمَاءٌ﴾ افزائش، اضافہ، بڑھوتری۔ ﴿سَقٰی﴾ سیرابی۔

### تَخْرِیج:

① اخرجہ مسلم فی کتاب الجہاد، باب فتح مکہ، حدیث: ۸۴۔

### کوئی بھی زمین عشری کب بنتی ہے:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی زمین کے باشندے مشرف بہ اسلام ہو جائیں یا کوئی زمین طاقت و قوت کے بل پر فتح کر کے غازیوں میں تقسیم کر دی جائے تو وہ عشری زمین ہوگئی، کیونکہ اس زمین کا محصول سب سے پہلے مسلمانوں پر واجب ہوگا اور مسلمانوں کے حسب حال عشر ہے، اس لیے کہ عشر میں عبادت کے معنی موجود ہیں اور پھر عشر اخف اور آسان بھی ہے، کیونکہ اس کا تعلق پیداوار سے ہے اور اگر پیداوار نہ ہو تو عشر بھی نہیں واجب ہوگا۔ اس کے برخلاف جو زمین قہراً اور عنوۃً فتح کی جائے یا اس کے باشندوں سے صلح کر لی جائے اور دونوں صورتوں میں انھیں اسی زمین میں مقیم رہنے دیا جائے تو وہ خراجی زمین ہوگی، کیونکہ اس صورت میں زمین کا محصول سب سے پہلے کافر پر لازم کیا جائے گا اور کافر خراج ہی کے قابل ہے، اس لیے کہ خراج میں عقوبت کا معنی ہے اور اس میں تغلیظ بھی ہے چنانچہ اگر پیداوار نہ ہو تب بھی کافر کو خراج دینا ہی دینا ہے۔

اور اس حکم سے مکہ المکرمہ الگ اور جدا ہے، کیونکہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ کو طاقت و قوت کے ذریعے فتح کیا تھا اور اہل مکہ کو وہاں رہنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی لیکن آپ ﷺ نے اہل مکہ پر خراج نہیں مقرر فرمایا تھا، لہذا یہ بلد امین کی خصوصیت اور انفرادیت ہے اس لیے اس کو لے کر اعتراض نہ کیا جائے۔

وفي الجامع الصغير الخ فرماتے ہیں کہ جامع صغیر میں امام محمد علیہ الرحمہ نے ایک قانون یہ پیش کیا ہے کہ جو زمین طاقت و قوت کے ذریعے فتح کی گئی ہو اور اسے نہروں کے پانی سے سینچا جاتا ہو تو وہ خراجی زمین ہے اور اگر اسے نہروں کے پانی سے نہ سینچا جاتا ہو بلکہ اسی زمین میں کنواں یا چشمہ کھود کر نکالا گیا ہو تو وہ عشری زمین ہے۔ اس قانون کی دلیل یہ ہے کہ عشر کا تعلق نامی زمین سے ہے اور زمین کی نماء اور پیداوار کا دار و مدار اس کے پانی پر ہے، لہذا زمین کے عشری اور خراجی ہونے میں پانی اور سینچائی ہی کا اعتبار ہوگا۔

قَالَ وَمَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَوَاتًا فَهِيَ عِنْدَ أَبِي يُونُسَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ مُعْتَبَرَةٌ بِحَيِّزِهَا فَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ أَرْضِ الْخَرَاجِ وَمَعْنَاهُ بِقُرْبَةٍ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ وَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ أَرْضِ الْعُشْرِ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ، وَالْبَصْرَةُ عِنْدَهُ كُلُّهَا عُشْرِيَّةٌ

يَا جَمَاعَ الصَّحَابَةِ، لَأَنَّ حَيْزَ الشَّيْءِ يُعْطَى لَهُ حُكْمُهُ كَفَنَاءِ الدَّارِ يُعْطَى لَهُ حُكْمُ الدَّارِ حَتَّى يَجُوزَ لِصَاحِبِهَا الْإِنْتِفَاعَ بِهِ وَكَذَا لَا يَجُوزُ أَخَذَ مَا قُرْبَ مِنَ الْعَامِرِ، وَكَانَ الْقِيَاسُ فِي الْبُصْرَةِ أَنْ تَكُونَ خَرَاஜِيَّةً، لِأَنَّهَا مِنْ حَيْزِ أَرْضِ الْخَرَاجِ، إِلَّا أَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَظَفُؤُوا عَلَيْهَا الْعُشْرَ فَتَرَكَ الْقِيَاسُ لِإِجْمَاعِهِمْ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِنَّ أَحْيَاهَا بِبَيْرٍ حَفَرَهَا أَوْ بِعَيْنٍ اسْتَخْرَجَهَا أَوْ مَاءٍ دَجَلَةٍ وَالْفَرَاتِ وَالْأَنْهَارِ الْعِظَامِ الَّتِي لَا يَمْلِكُهَا أَحَدٌ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَكَذَا إِنْ أَحْيَاهَا بِمَاءِ السَّمَاءِ، وَإِنْ أَحْيَاهَا بِمَاءِ الْأَنْهَارِ الَّتِي احْتَفَرَهَا الْأَعَاجِمُ مِثْلَ نَهْرِ الْمَلِكِ وَنَهْرِ يَزْدَجَرِدِ فَهِيَ خَرَاஜِيَّةٌ لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ إِعْتِبَارِ الْمَاءِ إِذْ هُوَ السَّبَبُ لِلنَّمَاءِ، وَلِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ تَوْظِيفُ الْخَرَاجِ إِبْتِدَاءً عَلَى الْمُسْلِمِ كَرُّهَا فَيُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ الْمَاءِ، لِأَنَّ السَّقْيَ بِمَاءِ الْخَرَاجِ دَلَالَةٌ لِلتِّزَامِهِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں اس کے قرب پر اس کا اعتبار ہوگا چنانچہ اگر وہ خراجی زمین سے قریب ہوگی تو خراجی ہوگی اور اگر عشری زمین سے قریب ہوگی تو عشری ہوگی۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے بصرہ کی ساری زمین عشری ہے، اس لیے کہ حیرشی کوشی کا حکم دیدیا جاتا ہے جیسے فنائے دار کو دار کا حکم دیدیا گیا ہے حتیٰ کہ صاحب دار کے لیے فنائے دار سے نفع اٹھانا جائز ہوتا ہے نیز آبادی کے قریب جو زمین ہوتی ہے اسے لینا جائز نہیں ہوتا۔

اور بصرہ کے متعلق قیاس یہ تھا کہ وہ خراجی زمین ہو، اس لیے کہ وہ خراجی زمین کے قریب ہے لیکن حضرات صحابہ کرام نے بصرہ پر عشر مقرر فرمایا تھا اس لیے ان کے اجماع کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا گیا۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر کسی نے ارض موات کو سیراب کیا یا دجلہ اور فرات کے پانی سے اور ان بڑی نہروں کے پانی سے سینچا جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا تو وہ عشری ہوگی، نیز اگر آسمانی پانی سے زندہ کیا تو بھی وہ عشری ہوگی۔ اور اگر ان نہروں کے پانی سے سینچا جنہیں شاہان عجم نے کھودوایا ہے جیسے نہر ملک اور نہر یزدجرد تو وہ خراجی زمین ہوگی، اس دلیل کی وجہ سے جو پانی کو معتبر ماننے کے سلسلے میں ہم بیان کر چکے ہیں، اس لیے کہ پانی ہی نماء کا سبب ہے اور اس لیے کہ شروع سے ہی زبردستی کر کے مسلمان پر خراج لازم کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے اس سلسلے میں پانی کا اعتبار ہوگا، کیونکہ خراجی پانی سے سینچنا التزام خراج کی دلیل ہے۔

### اللغات:

﴿احیاء﴾ زندہ کیا، مراد: قابل کاشت بنایا، زرخیز بنایا۔ ﴿موات﴾ بے آباد، مردہ، بخر۔ ﴿حیز﴾ مکان، علاقہ۔ ﴿فناء﴾ محن، میدان۔ ﴿عامر﴾ آباد زمین۔ ﴿وظفوا﴾ مقرر کیا تھا۔ ﴿بنو﴾ کنواں۔ ﴿حفر﴾ اس نے کھودا۔ ﴿عین﴾ چشمہ۔ ﴿احتفر﴾ کھود نکالا ہے۔ ﴿نماء﴾ افزائش، اضافہ، بدھوتی۔ ﴿کروھا﴾ زبردستی کے طریقے سے۔

### نجر اور بے آباد زمینوں کو آباد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے نجر اور چٹیل یعنی غیر مزرعہ زمین کو زراعت اور کاشت کاری کے لائق بنا دیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کے عشری اور خراجی ہونے کا فیصلہ اس کے محل وقوع سے ہوگا چنانچہ اگر وہ عشری زمین کے قریب ہوگی تو عشری ہوگی اور اگر خراجی زمین کے قریب ہوگی تو خراجی ہوگی، کیونکہ شئی کی چیز اور اس کے قرب کو اس شئی کا حکم دے دیا جاتا ہے جیسے فنائے دار کو دار کے چیز اور قرب کی وجہ سے دار کا حکم دیدیا جاتا ہے اور اسی قرب کی وجہ سے صاحب دار کے لیے فنائے دار سے انتفاع کرنا جائز ہوتا ہے، اور آبادی سے قرب کو زمین ہوتی ہے کسی کے لیے اسے لینا اور تقابل زراعت بنانا جائز نہیں ہوتا، کیونکہ وہ زمین آبادی سے قریب ہوتی ہے اور آبادی والے ہی اس سے انتفاع کر سکتے ہیں۔

والبصرة عنده الخ فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بصری کی ساری زمینیں عشری ہیں، کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اہل بصرہ سے عشر ہی لیا ہے، خراج نہیں لیا ہے حالانکہ قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ بصرہ کی زمین خراجی ہو اسی لیے کہ وہ خراجی زمینوں سے قریب ہے لیکن اس کے باوجود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل اور ان کے اتفاق کی وجہ سے ہم نے قیاس کو ترک کر دیا ہے اور اراضی بصرہ کو عشری مانا ہے۔

وقال محمد رحمۃ اللہ علیہ الخ فرماتے ہیں کہ ارض موات کے احیاء کے بعد اس کے عشری اور خراجی ہونے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پانی اور سیچائی کا اعتبار ہے چنانچہ اگر کسی نے ارض موات میں کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر اسے سیچایا دجلہ اور فرات کے پانی سے سیچایا بڑی نہروں سے سیچا جو کسی کی مملوک نہیں ہوتیں یا آسمانی پانی سے سیچا تو ان تمام صورتوں میں وہ زمین عشری ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر شاہان عجم کی کھودی ہوئی نہروں سے مثلاً نہر نوشیروان یا نہر یزدجرد سے سیچا تو وہ خراجی زمین کہلائے گی، کیونکہ عشر کا تعلق ارض نامیہ سے ہے اور نمو کا مدار پانی پر ہے لہذا عشر اور خراج کا دار و مدار بھی پانی ہی پر ہوگا۔

عشر اور خراج کے سلسلے میں پانی کو معتبر ماننے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر ہم شروع ہی میں زبردستی کسی مسلمان پر ارض موات میں خراج لازم کر دیں گے تو اس سے اس مسلمان کی دل شکنی ہوگی اور وہ آئندہ کسی بھی ارض موات کا احیاء نہیں کرے گا اس لیے بہتر یہ ہے کہ عشر اور خراج کا فیصلہ پانی پر منحصر کر دیا جائے اور اگر کوئی شخص خراجی پانی سے اسے سیراب کر کے اس کا احیاء کرتا ہے تو اس میں خراج لازم کر دیا جائے، کیونکہ اس کا خراجی پانی سے احیاء کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے اوپر خراج لازم کر رہا ہے۔

قَالَ وَالْخَرَاجُ الَّذِي وَضَعَهُ عُمَرُ رضی اللہ عنہ عَلَى أَهْلِ السَّوَادِ مِنْ كُلِّ جَرِيبٍ يَبْلُغُهُ الْمَاءُ قَفِيزٌ هَاشِمِيٌّ وَهُوَ الصَّاعُ وَدِرْهَمٌ وَمِنْ جَرِيبِ الرُّطْبَةِ خُمْسَةُ دَرَاهِمَ وَمِنْ جَرِيبِ الْكُرْمِ الْمُتَّصِلِ وَالنَّخِيلِ الْمُتَّصِلِ عَشْرَةُ دَرَاهِمَ، وَهَذَا هُوَ الْمَنْقُولُ عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ فَإِنَّهُ بَعَثَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيفٍ حَتَّى يَمْسَحَ سَوَادَ الْعِرَاقِ وَجَعَلَ حَذِيفَةَ مَشْرِقًا فَمَسَحَ قَبْلَ سِتٍّ وَثَلَاثِينَ أَلْفَ جَرِيبٍ وَوَضَعَ عَلَى ذَلِكَ مَا قُلْنَا، وَكَانَ ذَلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ فَكَانَ إِجْمَاعًا مِنْهُمْ، وَلَئِنْ أَلْمُنَ مَتَفَاتِرَةً فَالْكُرْمُ أَخْفَاهَا مَوْنَةً، وَالْمَزَارِعُ أَكْثَرُهَا



مَوْنَةٌ وَالرُّطْبُ بَيْنَهُمَا وَالْوُظَيْفَةُ يَتَفَاوَتُ بَتَفَاوُتِهَا فَجُعِلَ الْوَاجِبُ فِي الْكُرْمِ أَعْلَاهَا وَفِي الزَّرْعِ أَدْنَاهَا وَفِي الرُّطْبَةِ أَوْسَطُهَا، قَالَ وَمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْأَصْنَافِ كَالزَّعْفَرَانِ وَالْبُسْتَانِ وَغَيْرِهِ يُوضَعُ عَلَيْهَا بِحَسَبِ الطَّاقَةِ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ تَوْظِيفٌ عُمَرُ رضي الله عنه وَقَدْ اُعْتُبِرَ الطَّاقَةُ فِي ذَلِكَ فَتُعْتَبَرُهَا فِيمَا لَا تَوْظِيفُ فِيهِ، قَالُوا وَنَهَايَةُ الطَّاقَةِ أَنْ يَبْلُغَ الْوَاجِبُ نَصْفَ الْخَارِجِ لَا يَزَادُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ التَّنْصِيفَ عَيْنُ الْأَنْصَافِ لِمَا كَانَ لَنَا أَنْ نُقَسِّمَ الْكُلَّ بَيْنَ الْغَانِمِينَ، وَالْبُسْتَانُ كُلُّ أَرْضٍ يَحُوطُهَا حَائِطٌ وَفِيهَا نَخِيلٌ مُتَفَرِّقَةٌ وَأَشْجَارٌ أُخَرُ، وَفِي دِيَارِنَا وَظَفُوا مِنَ الدَّرَاهِمِ فِي الْأَرَاضِي كُلِّهَا وَتَرَكَ كَذَلِكَ، لِأَنَّ التَّقْدِيرَ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ بِقَدْرِ الطَّاقَةِ مِنْ أَيْ شَيْءٍ كَانَ.

**ترجمہ:** اور وہ خراج جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل سواد پر مقرر فرمایا تھا وہ اس طرح تھا کہ ہر وہ جریب رطبہ سے پانچ درہم خراج واجب تھا اور ملے ہوئے انگور اور ملی ہوئی کھجور کی جریب سے دس درہم تھے یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے چنانچہ انھوں نے حضرت عثمان بن عفیف کو سواد عراق کی پیمائش کے لیے بھیجا اور حضرت حذیفہ کو وہاں گانگراں مقرر کیا اور جب حضرت عثمان نے سواد عراق کی پیمائش کی تو وہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلا اور ہمارے بتائے ہوئے حساب کے مطابق انھوں نے اس پر خراج مقرر کیا اور یہ کام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ان کی نکیر کے بغیر ہوا تھا اس لیے ان کی طرف سے اس پر اجماع ہو گیا۔

اور اس لیے کہ (زراعتی امور میں) محنت اور صرفہ متفاوت ہوتا ہے چنانچہ انگور میں مونت سب سے کم ہوتی ہے اور اناج کی کھیتی میں سب سے زیادہ ہوتی ہے اور کھیرے کٹری کی کھیتی میں اوسط درجے کی مونت ہوتی ہے اور مونت کے متفاوت ہونے سے محصول میں بھی فرق ہوتا ہے، اسی لیے انگور میں سب سے زیادہ محصول مقرر کیا گیا ہے اور اناج کی کھیتی میں سب سے کم محصول لازم کیا ہے اور رطبہ میں اوسط درجے کا محصول مقرر کیا گیا ہے۔

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ کھیتی کی جو دوسری اقسام ہیں جیسے زعفران کی کھیتی اور باغ وغیرہ تو ان پر طاقت کے بقدر محصول مقرر کیا جائے گا، کیونکہ ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی وظیفہ ثابت نہیں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں طاقت کا اعتبار کیا ہے، لہذا جن میں تو ظیفہ نہیں ہے وہاں ہم بھی زمین کی طاقت کا اعتبار کریں گے۔

حضرات مشائخ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں طاقت کی انتہاء یہ ہے کہ واجب کردہ مقدار پیداوار کے نصف تک پہنچے اور اس سے زیادہ نہ ہونے پائے، کیونکہ نصف مقرر کرنا ہی عین انصاف ہے کیونکہ ہمیں یہ بھی حق تھا کہ ہم پوری زمین غازیوں میں تقسیم کر دیں۔

اور بستان ہر وہ زمین ہے جسے (چاروں طرف سے) دیوار گھیرے ہو اور اس میں مختلف قسم کے درخت اور پیڑ ہوں۔ اور ہمارے علاقے میں تمام زمینوں میں درہم سے وظیفہ لیا جاتا ہے اور اوپر بیان کردہ طریقہ متروک کر دیا گیا ہے، اس لیے جو مقدار مقرر ہے وہ یہ ہے کہ بقدر طاقت ہو خواہ کسی بھی جنس سے ہو۔

## اللغات:

﴿جریب﴾ کھیت، تقریباً ۹۰ مربع فٹ کا زمین کا ٹکڑا۔ ﴿قفیز﴾ ایک بیانا، جدید مصری استعمال میں تقریباً سولہ کلوگرام

کے برابر۔ ﴿رطبة﴾ تر، گیلا، مراد نرم سبزیاں مثلاً کھیرا، کلڑی وغیرہ۔ ﴿کرم﴾ انگور۔ ﴿نخیل﴾ کھجور کے درخت۔ ﴿یمسح﴾ پینش کریں۔ ﴿مؤن﴾ واحد مؤنۃ؛ مشقت، تکلیف، اخراجات۔ ﴿مزارع﴾ کھیتیاں۔ ﴿بستان﴾ باغ۔ ﴿تنصیف﴾ آدھا کرنا۔ ﴿یحوط﴾ گھیرے ہوئے ہو۔ ﴿حائط﴾ دیوار۔

### خراج اور محصولات کی شرح:

عبارت کو سمجھنے سے پہلے ان الفاظ کے معانی ذہن میں مستحضر رکھئے (۱) جریب زمین کی وہ مقدار کہلاتی ہے جس کی لمبائی بھی ساٹھ ذراع ہو اور چوڑائی بھی ساٹھ ذراع ہو اور یہ ذراع نو شیرواں بادشاہ کے ذراع سے ہو، کیونکہ اس کا ذراع عام ذراع سے ایک مٹھی بڑا تھا یہ سات مٹھیوں کا ہوتا ہے اور عام ذراع چھ مٹھیوں کا ہوتا ہے۔

(۲) رطبة اس کے اصل معنی ہیں تر اور نرم کے یہاں اس سے کھیرے، کلڑی اور سبزی وغیرہ کی کھیتی مراد ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سواد عراق والوں پر جریب کے اعتبار سے لگان اور خراج مقرر فرمایا تھا اور جس جس جریب میں کاشت کاری ہوئی تھی اور سیچائی کا پانی پہنچا تھا اس میں ایک ہاشمی قفیز محصول مقرر کیا تھا، ہاشمی قفیز کی مقدار ایک صاع اور ایک درہم تھی۔ اور رطبة کھیرے اور سبزی کی کھیتی سے پانچ درہم فی جریب لیتے تھے جب کہ انگور اور کھجور کی باہم ملی ہوئی کھیتوں سے درس دس درہم لیتے تھے اور اس کام کے لیے آپ نے حضرت عثمان بن حنیف کو عراق بھیجا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سواد عراق کی پینش کر کے تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب متعین کیا تھا اور اسی حساب سے وہاں محصول مقرر کر دیا تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کام صحابہ کرام کی موجودگی میں انجام پایا تھا اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کی تھی جس سے یہ اجماعی شکل اختیار کر گیا تھا۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ محصول اور خراج مؤنت کے اعتبار سے لیا جاتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جس کھیتی میں مؤنت اور محنت زیادہ ہوتی ہے اس میں محصول کم واجب ہوتا ہے اور جس کھیتی میں مؤنت کم ہوتی ہے اس میں محصول زیادہ واجب ہوتا ہے چنانچہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انگور کی کھیتی میں مؤنت کم ہے اس لیے انگور کا محصول سب سے زیادہ یعنی دس درہم فی جریب ہے اور اناج اور غلہ کی کھیتی میں مؤنت اور محنت بہت زیادہ ہے لہذا اس کا محصول سب سے کم یعنی فی جریب ایک صاع اور ایک درہم ہے اور رطبة و رطاب میں مؤنت اوسط درجے کی ہے یعنی انگور سے زیادہ اور اناج سے کم ہے، اس لیے اس میں اوسط درجے کا محصول واجب کیا گیا ہے جس کی مقدار پانچ درہم ہے۔

قال وما سوی ذلک الخ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں قسموں کے علاوہ کھیتی کی اور جو اقسام ہیں جیسے زعفران کی کھیتی ہے اور پھلوں کے باغات وغیرہ ہیں تو ان میں زمین کی طاقت یعنی پیداوار کے اعتبار سے محصول مقرر کیا جائے گا، کیونکہ ان کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی توفیق منقول نہیں ہے اور انھوں نے بھی ان اشیاء میں طاقت اور پیداوار کا اعتبار کر کے محصول متعین فرمایا تھا لہذا ہم بھی اس سلسلے میں ان کی تقلید کریں گے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ طاقت کا آخری درجہ یہ ہے کہ محصول کی مقدار نصف پیداوار کے برابر ہو اور اس سے زیادہ نہ ہونے پائے، کیونکہ نصف تک انصاف ہے اور اس سے زیادہ لینے میں تعدی ہے، نصف تک لینا انصاف اس وجہ سے ہے کہ جب ہمیں یہ حق ہے کہ ہم اس پوری زمین کو غازیوں میں تقسیم کر دیں اور انھیں کچھ بھی نہ دیں تو ہمیں نصف دے کر ان پر احسان کرنے کا بدرجہ اولیٰ حق ہوگا۔

وفی دیارنا الخ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہمارے یعنی مرغیان کے علاقے میں پیداوار سے محصول لینے دینے کا رواج بالکل متروک سا ہو گیا ہے اور اب ہر طرح کی زمینوں میں دراہم اور نقدی لینے کا چلن ہو چکا ہے خواہ وہ عشری زمین ہو یا خراجی ہو، کیونکہ اصل چیز تو طاقت اور پیداوار کے بقدر دینا ہے خواہ وہ کسی بھی جنس سے ہو۔

قَالَ فَإِنْ لَمْ تُطِقْ مَا وَضَعَ عَلَيْهَا نَقْصَهُمُ الْإِمَامُ، وَالنَّقْصَانُ عِنْدَ قِلَّةِ الرَّبْعِ جَائِزٌ بِالْإِجْمَاعِ، أَلَا تَرَى إِلَى قَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِعَلَّكُمْ حَمَلْتُمَا الْأَرْضَ مَا لَا تُطِيقُ فَقَالَا، لَا بَلْ حَمَلْنَاهَا مَا تُطِيقُ وَلَوْ زِدْنَاهَا لَا طَاقَتْ، وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ النَّقْصَانِ، وَأَمَّا الزِّيَادَةُ عِنْدَ زِيَادَةِ الرَّبْعِ يَجُوزُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِعْتِبَارًا بِالنَّقْصَانِ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يَجُوزُ لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمْ يَزِدْ حِينَ أُخْبِرَ بِزِيَادَةِ الطَّاقَةِ، وَإِنْ غَلَبَ عَلَى أَرْضِ الْخَرَاجِ الْمَاءُ أَوْ انْقَطَعَ الْمَاءُ عَنْهَا أَوْ اضْطَلَمَ الزَّرْعُ أَفَّةً فَلَا خَرَاجَ عَلَيْهِ، لِأَنَّهُ فَاتٌ التَّمَكُّنُ مِنَ الزَّرَاعَةِ وَهُوَ النَّمَاءُ التَّقْدِيرِيُّ الْمُعْتَبَرُ فِي الْخَرَاجِ، وَفِيمَا إِذَا اضْطَلَمَ الزَّرْعُ أَفَافَةً فَاتٌ النَّمَاءُ التَّقْدِيرِيُّ فِي بَعْضِ الْحَوْلِ وَكَوْنُهُ نَامِيًا فِي جَمِيعِ الْحَوْلِ شَرْطٌ كَمَا فِي مَالِ الزَّكَاةِ أَوْ يُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى الْحَقِيقَةِ عِنْدَ خُرُوجِ الْخَرَاجِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر زمین پر لگایا گیا محصول زمین کی برداشت سے باہر ہو تو امام محصول کو کم کر دے۔ اور پیداوار کم ہونے کی صورت میں محصول کم کرنا بالاتفاق جائز ہے کیا تمہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان نظر نہیں آتا (جو انہوں نے حضرت حذیفہ اور حضرت عثمان بن حنیف کو جاری کیا تھا) شاید دونوں نے زمین پر اتنا محصول لگادیا جو اس کی طاقت سے خارج ہے تو انہوں نے عرض کیا نہیں ہم نے تو اس کی طاقت کے مطابق محصول لگایا ہے اور اگر اس سے زیادہ محصول لگادیتے تو بھی زمین اسے برداشت کر لیتی۔ یہ قول جواز نقصان کی دلیل ہے۔

پیداوار زیادہ ہونے کی صورت میں امام محمد رضی اللہ عنہ کے یہاں کمی پر قیاس کرتے ہوئے محصول میں اضافہ کرنا جائز ہے، لیکن امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے یہاں جائز نہیں ہے، کیونکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیداوار زیادہ ہونے کی خبر دی گئی تو انہوں نے محصول میں اضافہ نہیں فرمایا تھا۔ اور اگر خراجی زمین میں بہت زیادہ پانی بھر گیا یا اس کا پانی خشک ہو گیا یا کسی آفت نے کھیتی کو تباہ و برباد کر دیا تو اس پر خراج نہیں ہوگا، کیونکہ کھیتی کی قدرت ہی ختم ہو گئی اور وہ نمائے تقدیری ہے جو خراج میں معتبر ہے۔ اور اس صورت میں جب آفت سے کھیتی تباہ ہو جائے تو نمائے تقدیری بعض سال میں فوت ہو گیا حالانکہ اس کا پورے سال نامی ہونا (وجوب خراج کے لیے) شرط ہے جیسا کہ مال زکوٰۃ میں ہے۔ یا پیداوار ظاہر ہونے کی صورت میں حکم کا مدار حقیقی نما پر رکھا جائے گا۔

### اللغات:

﴿لم تطق﴾ طاقت نہ رکھتی ہو۔ ﴿نقصهم﴾ ان کو کم کر دے۔ ﴿ربیع﴾ رونق، پیداوار۔ ﴿حملتما﴾ تم نے لا دیا ہے۔ ﴿لا طاق﴾ وہ ضرور برداشت کر لیتی۔ ﴿اضطلم﴾ برباد کر دیا۔ ﴿تمکن﴾ قدرت، طاقت۔ ﴿مدار﴾ رکھا جائے گا۔

## امام کو محصول کم کرنے کا اختیار:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر زمین کی پیداوار کم ہو اور اس پر لگائے گئے محصول اور خراج کو برداشت نہ کر سکتی ہو تو امام کے لیے محصول کم کرنا جائز اور درست ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا: لعلکمما حملتما الارض ما لا تطیق فقالا لا بل حملنا ما تطیق، ولو زدناها لا طاقت۔ اس قول میں ولو زدناها لا طاقت اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے محصول کم مقرر کیا تھا اور اگر وہ اس سے زیادہ مقرر کرتے تو بھی درست تھا، معلوم ہوا کہ محصول میں کمی جائز ہے اور جب پیداوار کثیر ہونے کی صورت میں کمی جائز ہے تو پیداوار کم ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ محصول کم کرنا جائز ہے۔

واما الزیادة الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر پیداوار توقع اور امید سے بڑھ جائے تو امام محمد رضی اللہ عنہ کے یہاں جس طرح کم ہونے کی صورت میں محصول کرم کرنا جائز ہے اسی طرح پیداوار زیادہ ہونے کی صورت میں محصول میں اضافہ کرنا بھی درست ہے، لیکن امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے یہاں اضافہ کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ جب حضرت عثمان اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سوا عراق میں پیداوار کے زیادہ ہونے کی خبر دی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محصول میں اضافہ نہیں فرمایا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اضافہ کرنا جائز نہیں ہے۔

وان غلب الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر خراجی زمین میں خوب پانی بھر جائے یا سوکھا پڑ جائے یا آفت سماویہ سے کھیتی تباہ و برباد ہو جائے اور کچھ بھی پیداوار نہ ہو تو اب اس زمین پر خراج اور محصول نہیں ہوگا، کیونکہ ان عوارض کی وجہ سے زراعت کی قدرت ختم ہوگئی حالانکہ زراعت ہی زمین کی تقدیری نماء ہے اور خراج میں اسی کا اعتبار ہے لہذا جب زراعت ختم ہوئی تو نماء بھی ختم ہو گیا اور جب نماء معدوم ہے تو ظاہر ہے کہ خراج بھی معدوم ہوگا اور اگر زراعت آفت کی وجہ سے تباہ ہوئی ہو تو اس صورت میں اگرچہ سال کے کچھ حصے میں نمائے تقدیری فوت ہے مگر پھر بھی یہ مسقط خراج ہے، کیونکہ وجوب خراج کے لیے پورے سال نمائے تقدیری کا موجود رہنا شرط ہے جیسے مال زکوٰۃ میں حوالاں حول شرط ہے۔

او یدار الحکم الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں سقوط خراج کو اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ نمائے تقدیری نمائے حقیقی یعنی پیداوار کے حکم میں ہے، لیکن جب پیداوار ظاہر ہوگئی تو اب نمائے تقدیری ختم ہوگئی اور حکم یعنی خراج کا وجوب نمائے حقیقی سے متعلق ہو گیا اور جب آفت سماویہ سے پیداوار ہلاک ہوئی تو ظاہر ہے کہ نماء بھی ہلاک ہو گیا اور خراج کا معاملہ ساقط ہو گیا۔

قَالَ وَإِنْ عَطَّلَهَا صَاحِبُهَا فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ، لِأَنَّ التَّمَكُّنَ كَانَ ثَابِتًا وَهُوَ الَّذِي قُوَّتُهُ قَالُوا مَنِ انْتَقَلَ إِلَى أَحْسَنِ الْأَمْرَيْنِ مِنْ غَيْرِ عَذْرِ فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ الْأَعْلَى، لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِي ضَيَّعَ الزِّيَادَةَ، وَهَذَا يُعْرَفُ وَلَا يُفْتَى بِهِ كَمَا لَا يَتَجَرَّءُ الظُّلْمَةُ عَلَى أَخْذِ أَمْوَالِ النَّاسِ، وَمَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْخَرَاجِ أَخَذَ فِيهِ الْخَرَاجُ عَلَى حَالِهِ، لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْمَوْنَةِ فَيُعْتَبَرُ مَوْنَةٌ فِي حَالَةِ الْبَقَاءِ فَأَمَّا إِبْقَاؤُهُ عَلَى الْمُسْلِمِ، وَيَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِيَ الْمُسْلِمُ أَرْضَ



الْخَرَاجُ مِنَ الذِّمِّيِّ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ الْخَرَاجُ لِمَا قُلْنَا، وَقَدْ صَحَّ أَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ اشْتَرَوْا أَرْضِيَّ الْخَرَاجِ وَكَانُوا يُؤَدُّونَ خَرَاجَهَا فَذَلَّ عَلَى جَوَازِ الشِّرَاءِ وَأُخِذَ الْخَرَاجُ وَأَذَانُهُ لِلْمُسْلِمِ مِنْ غَيْرِ كَرَاهَةٍ.

**ترجمہ:** اور اگر مالک زمین زمین کو بے کار چھوڑ دے تو اس پر خراج لازم ہوگا، کیونکہ اسے زراعت پر قدرت حاصل تھی اور اس نے (جان بوجھ کر) اسے فوت کر دیا۔ حضرات مشائخ نے فرمایا کہ جو شخص عذر کے بغیر دوامروں میں سے خیس امر کی طرف مائل ہوا تو اس پر اعلیٰ خراج لازم ہوگا، کیونکہ اس نے زیادہ کو ضائع کر دیا ہے۔ یہ صرف معلوم کرنے کے لیے ہے، فتویٰ کے لیے نہیں ہے۔ تاکہ ظالم حکام لوگوں کا مال لینے میں جرأت نہ کریں۔

اہل خراج میں سے جو شخص مسلمان ہو جائے اس سے بدستور خراج لیا جاتا رہے گا، اس لیے کہ خراج میں مونت کے معنی ہیں، لہذا حالت بقاء میں اسے مونت ہی مانا جائے گا اور مسلمان پر اس کو باقی رکھنا ممکن ہوگا۔

مسلمانوں کے لیے ذمی سے خراجی زمین خریدنا جائز ہے اور اس مسلمان سے خراج لیا جائے گا اس دلیل کی وجہ سے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ صحیح ہے کہ حضرات صحابہ کرام نے خراجی زمین خریدی ہیں اور وہ حضرات ان کا خراج ادا کیا کرتے تھے۔ حضرات صحابہ کا فعل اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان کے لیے خراجی زمین خریدنا، اس سے خراج لینا اور اسے مسلمانوں کو دینا بلا کراہت جائز ہے۔

### اللغات:

﴿عظمتها﴾ اس کو بے مصرف رکھ دیا۔ ﴿تمکن﴾ قدرت، طاقت۔ ﴿أخس﴾ ہلکا، گھٹیا۔ ﴿ضیع﴾ ضائع کر دیا ہے۔

### ترک زراعت سے خراج ساقط نہ ہونے کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مالک خراجی زمین میں کھیتی نہ کرے اور اسے چٹیل میدان کی طرح چھوڑ دے تو اس پر خراج واجب ہوگا اور اس کے ترک زراعت سے خراج ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ کھیتی نہ کرنے میں اس شخص کی اپنی بد معاشی ہے، لہذا شریعت اس حرکت پر اسے معاف نہیں کرے گی اور اس زمین کا محصول وصول کرے گی۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کی زمین میں زعفران اگانے اور پیدا کرنے کی صلاحیت ہو اور وہ زعفران کی کھیتی نہ کر کے بلا عذر اس میں بیگن، مولیٰ اور باجرے کی کھیتی کرے تو وہ بھی مجرم ہوگا اور اس پر طاقت زمین کے حساب سے زعفران ہی کا خراج لازم ہوگا، لیکن یہ صرف معلومات کے لیے ہے، اس پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا ورنہ ظالم حکام پر صاحب ارض سے یہ کہہ کر زعفران کا خراج وصول کریں گے کہ تمہاری زمین تو زعفران اگانے کے قابل ہے تم نے کیوں نہیں اگایا۔

ومن أسلم من أهل الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر خراج دینے والوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو اس سے حسب سابق خراج لیا جاتا رہے گا اور اس سے اسلام کی وجہ سے خراج ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ عشر کی طرح خراج بھی مونت ہے لہذا حالت بقاء میں اسے مونت ہی سمجھا جائے گا یعنی مسلمان پر اگرچہ ابتداء خراج نہیں واجب کیا جاسکتا، لیکن بقاء وہ خراج دے سکتا ہے، اس لیے کہ بقاء ابتداء سے آسان ہے۔ اسی طرح مسلمان کے لیے ذمی سے خراجی زمین خریدنا جائز ہے اور خریدنے کے بعد جس طرح ذمی سے قصاص لیا جاتا تھا اسی طرح اب مسلمان سے لیا جائے گا، کیونکہ اس میں مونت کے معنی ہیں اور زمین کا محصول بہر حال دینا ہے۔

اس کی اور بھی بین دلیل حضرات صحابہ کرام کا وہ عمل ہے کہ انہوں نے خراجی زمین خریدی تھی اور اس کا خراج دیا کرتے تھے چنانچہ روایات میں حضرت ابن مسعود، حضرت خباب بن الارت اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہم کے متعلق خراجی زمین خریدنے اور خراج ادا کرنے کے واقعات موجود ہیں، اسی طرح عامر بن عتبہ بن فرقہ سلمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اِنی اشتريت ارضا بالسواد فقال عمر رضی اللہ عنہ انت فيها بمنزلة صاحبها۔ یعنی جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سواد عراق میں زمین خریدنے کی بات بتائی تو آپ نے فرمایا کہ جو وہاں کے کفار پر لازم ہے یعنی خراج وہی تمہیں بھی دینا پڑے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے لیے خراجی زمین خریدنا اور خراج دینا بلا کراہت درست اور جائز ہے۔

وَلَا عُشْرُ فِي الْخَارِجِ مِنْ أَرْضِ الْخَرَاجِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا لِأَنَّهُمَا حَقَّانِ مُخْتَلِفَانِ وَجَبَا فِي مَحَلِّينِ بِسَبَبَيْنِ مُخْتَلَفَيْنِ فَلَا يَتَنَافِيَانِ، وَلَنَا قَوْلُهُ ① (لَا يَجْتَمِعُ عُشْرٌ وَخَرَاجٌ فِي أَرْضٍ مُسْلِمٍ)، وَلَأنَّ أَحَدًا مِنْ أَيْمَةِ الْعَدْلِ وَالْجَوْرِ لَمْ يَجْمَعْ بَيْنَهُمَا وَكَفَى بِاجْتِمَاعِهِمْ حُجَّةً، وَلَأنَّ الْخَرَاجَ يَجِبُ فِي أَرْضِ فَتَحَتْ عُنُوَّةً وَقَهْرًا، وَالْعُشْرُ فِي أَرْضِ أَسْلَمَ أَهْلُهَا طَوْعًا وَالْوُصْفَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي أَرْضٍ وَاحِدَةٍ، وَسَبَبُ الْحَقَّيْنِ وَاحِدٌ وَهُوَ الْأَرْضُ النَّامِيَّةُ إِلَّا أَنَّهُ يُعْتَبَرُ فِي الْعُشْرِ تَحْقِيقًا وَفِي الْخَرَاجِ تَقْدِيرًا وَلِهَذَا يُضَافَانِ إِلَى الْأَرْضِ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الزَّكَاةُ مَعَ أَحَدِهِمَا، وَلَا يَتَكَرَّرُ الْخَرَاجُ بِتَكَرُّرِ السَّنَةِ، لِأنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمْ يُوْظَفْ مُكَرَّرًا، بِخِلَافِ الْعُشْرِ لِأَنَّهُ لَا يَتَحَقَّقُ عُشْرًا إِلَّا بِوُجُوبِهِ فِي كُلِّ خَارِجٍ. وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

**ترجمہ:** خراجی زمین کی کی پیداوار میں عشر نہیں ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عشر اور خراج دونوں لئے جائیں گے اس لیے کہ دونوں دو مختلف حق ہیں جو دو الگ الگ سبب سے دو محل میں واجب ہوئے ہیں۔ لہذا وہ ایک دوسرے کے منافی نہیں ہوں گے۔ ہماری دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ایک مسلمان کی زمین میں عشر اور خراج جمع نہیں ہو سکتے، اور اس لیے کہ مسلمانوں کے اماموں میں سے کسی بھی امام نے (خواہ وہ عادل ہو یا ظالم) ان دونوں کو جمع نہیں کیا ہے، اور ان کا اجماع حجت کے لیے کافی ہے۔ اور اس لیے کہ خراج ایسی زمین میں واجب ہوتا ہے جسے قہراً فتح کیا گیا ہو اور عشر اس زمین میں واجب ہوتا ہے جس کے اہل بخوشی اسلام لے آئے ہوں اور یہ دونوں وصف ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتے۔

اور دونوں حقوں کا سبب ایک ہے اور وہ ارض نامیہ ہے، لیکن عشر میں یہ سبب حقیقتاً معتبر ہے اور خراج میں تقدیراً معتبر ہے، اسی لیے دونوں زمین کی طرف منسوب ہوتے ہیں، اسی اختلاف پر عشر یا خراج کے ساتھ زکوٰۃ کا اجتماع ہے۔ اور ایک سال میں پیداوار مکرر ہونے سے خراج مکرر نہیں ہوگا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مکرر مقرر نہیں کیا ہے۔ برخلاف عشر کے کیونکہ عشر اسی وقت متحقق ہوگا جب ہر پیداوار میں سے عشر لیا جائے گا۔

### اللغات:

﴿جور﴾ ظلم، زیادتی۔ ﴿عنوة﴾ زور، زبردستی، طاقت۔ ﴿طوعاً﴾ مان کر، رضامندی سے۔ ﴿نامیہ﴾ افزائش والی، جس میں اضافہ ہوتا ہو۔ ﴿لم یوظف﴾ اس کو مقرر نہیں کیا۔

① اخرجہ ابن ابی شیبہ فی مصنفہ باب اواخر الزکاة.

### عشر اور خراج کو جمع کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں عشر اور خراج کو جمع کرنا درست اور جائز نہیں ہے بلکہ خراجی زمین سے صرف خراج لیا جائے گا اور عشری زمین سے صرف عشر لیا جائے گا، جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں عشر اور خراج دونوں کو جمع کیا جاسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عشر اور خراج دونوں دو مختلف حق ہیں بایں معنی کہ اس میں سے ایک میں (عشر میں) عبادت کے معنی ہیں اور دوسرے میں عقوبت کے معنی ہیں اور یہ دونوں دو الگ الگ سبب سے دو علیحدہ علیحدہ محل میں واجب ہیں چنانچہ وجوب عشر کا سبب نمائے حقیقی ہے اور وجوب خراج کا سبب قدرت علی الزراعة ہے اور پھر خراج صاحب ارض کے ذمہ واجب ہوتا ہے اور عشر کا تعلق خارج یعنی پیداوار سے ہوتا ہے، الحاصل یہ دونوں ہر اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اس لیے ان کے اجتماع میں کوئی منافات نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے لا یجتمع عشر وخراج فی ارض مسلم کہ مسلمان کی زمین میں دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا اس حدیث سے دو دو چار کی طرح واضح ہے کہ عشر اور خراج ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلے میں صریح نص موجود ہو تو اس میں عقلی گھوڑے نہیں دوڑائے جاتے لہذا نص کے مقابلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل بے حیثیت ہے۔ ہماری عقلی دلیل یہ ہے کہ عہد نبوت سے لے کر آج تک کسی بھی امام نے عشر اور خراج کو جمع نہیں کیا ہے خواہ وہ عادل ہو یا ظالم ہو اور ان حضرات کا یہ فعل ہی ہمارے لیے قوی ترین حجت ہے۔ ہماری تیسری دلیل یہ ہے کہ خراج قہراً فتح کی گئی زمین میں واجب ہوتا ہے جب کہ عشر اس زمین کا محصول ہے جس کے باشندے بخوشی مسلمان ہوئے ہوں اور ظاہر ہے کہ قہراً اور طوعاً ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے تو عشر اور خراج کیسے ایک ساتھ جمع ہو جائیں گے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا دونوں کو دو مختلف سبب سے واجب قرار دینا صحیح نہیں ہے، بلکہ دونوں ایک ہی سبب سے واجب ہوتے ہیں اور وہ سبب زمین کا نمو ہے البتہ عشر میں یہ سبب حقیقتاً معتبر ہے اور خراج میں تقدیراً لیکن اصلاً دونوں کا سبب ایک ہی ہے اسی لیے عشر اور خراج دونوں زمین کی طرف منسوب ہوتے ہیں چنانچہ عشر الارض اور خراج الارض کہا جاتا ہے۔

وعلى هذا الخلاف الخ فرماتے ہیں کہ ہمارا اور شوافع کا جو اختلاف عشر اور خراج کے اجتماع اور عدم اجتماع میں ہے وہی اختلاف عشر یا خراج کے ساتھ زکوٰۃ کے بھی اجتماع اور عدم اجتماع میں ہے چنانچہ اگر کسی نے تجارت کی نیت سے عشری یا خراجی زمین خریدی تو ہمارے یہاں اس میں زکوٰۃ نہیں واجب ہوگی۔

ولا یتکدر الخواج الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر خراجی زمین میں سال میں دو مرتبہ پیداوار ہو تو خراج دو مرتبہ نہیں واجب ہوگا، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکرر خراج مقرر اور متعین نہیں کیا ہے اور اس سلسلے میں چوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی اصل الاصول ہیں، لہذا جب ان سے تکرار ثابت نہیں ہے تو پھر کسی کو مکرر کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر عشری زمین میں سال میں دو مرتبہ پیداوار ہو تو اس زمین سے دو مرتبہ عشر لیا جائے گا، کیونکہ عشر کا تعلق خارج سے ہے لہذا خارج کے حساب سے اس کا وجوب بھی ہوگا۔

## بَابُ الْجَزِيَةِ

یہ باب احکام جزئیہ کے بیان میں ہے

اس سے پہلے زمین کے خراج کو بیان کیا گیا ہے اور اب یہاں سے ذات اور رأس کے خراج یعنی جزئیہ کو بیان کیا جا رہا ہے اور خراج اراضی کو خراج رؤس پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ خراج اراضی اور عشر دونوں کا سبب ہے ایک ہے اور عشر میں قربت کے معنی موجود ہیں اور قربت عقوبت سے مقدم ہوتی ہے، اسی لیے صاحب کتاب نے خراج اراضی کو خراج رؤس سے پہلے بیان کیا ہے۔

جزئیہ کے لغوی معنی ہیں، بدلہ اس کی جمع جزیئ ہے جیسے لحيۃ کی جمع لخی ہے، اور جزئیہ کے اصطلاحی معنی ہیں وہ مال جو ذمی سے اس کی ذات کے عوض لیا جاتا ہے۔

وَمِیْ عَلٰی صَرْبَیْنِ، جِزِيَّةٌ تُؤْضَعُ بِالتَّرَاضِي وَالصُّلْحِ فَتَقْدَرُ بِحَسَبِ مَا يَقَعُ عَلَيْهِ الْإِتِّفَاقُ كَمَا صَالَحَ ①  
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَهْلَ نَجْرَانَ عَلَى أَلْفٍ وَمِائَتِي حُلَّةٍ وَلَآنَ الْمُؤَجَّبُ هُوَ التَّرَاضِي فَلَا يَجُوزُ التَّعْدِي إِلَى غَيْرِ  
مَا وَقَعَ عَلَيْهِ الْإِتِّفَاقُ، وَجِزِيَّةٌ يَبْتَدِئُ الْإِمَامُ وَضَعَهَا إِذَا غَلَبَ الْإِمَامُ عَلَى الْكُفَّارِ وَأَقْرَهُمْ عَلَى أُمْلَاكِهِمْ  
فَيَضَعُ عَلَى الْغَنِيِّ الظَّاهِرِ الْغَنَى فِي كُلِّ سَنَةٍ ثَمَانِيَّةً وَأَرْبَعِينَ دِرْهَمًا يَأْخُذُ مِنْهُمْ فِي كُلِّ شَهْرِ أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ،  
وَعَلَى وَسَطِ الْحَالِ أَرْبَعَةَ وَعِشْرِينَ دِرْهَمًا فِي كُلِّ شَهْرِ دَرَاهِمَيْنِ، وَعَلَى الْفَقِيرِ الْمُعْتَمِلِ اثْنِي عَشَرَ دِرْهَمًا  
فِي كُلِّ شَهْرِ دِرْهَمًا وَهَذَا عِنْدَنَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَضَعُ عَلَى كُلِّ حَالِمٍ دِينَارًا أَوْ مَا يَعْدِلُ الدِّينَارَ،  
وَالْغَنِيُّ وَالْفَقِيرُ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ لِقَوْلِهِ ② ((لِمَعَاذِ اللَّهِ خُذْ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ وَحَالِمَةٍ دِينَارًا أَوْ عِدْلَهُ  
مُعَافِرًا)) مِنْ غَيْرِ فَضْلِ، وَلَآنَ الْجِزِيَّةُ إِنَّمَا وَجِبَتْ بَدَلًا عَنِ الْقَتْلِ حَتَّى لَا يَجِبُ عَلَى مَنْ لَا يَجُوزُ قَتْلُهُ بِسَبَبِ  
الْكُفْرِ كَالدَّرَارِيِّ وَالنِّسْوَانِ، وَهَذَا الْمَعْنَى يَنْتَظِمُ الْفَقِيرُ وَالْغَنِيُّ، وَمَذْهَبُنَا مَنْقُولٌ عَنْ عُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ  
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَلَمْ يُنْكَرْ عَلَيْهِمْ أَحَدٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ، وَلَآئِنَّهُ وَجِبَ نُصْرَةٌ لِلْمُقَاتِلَةِ فَتَجِبُ عَلَى  
التَّفَاوُتِ بِمَنْزِلَةِ خَرَاجِ الْأَرْضِ، وَهَذَا لِأَنَّهُ وَجِبَ بَدَلًا عَنِ النُّصْرَةِ بِالنَّفْسِ وَالْمَالِ وَذَلِكَ يَتَفَاوَتْ بِكَثْرَةِ



الْوَفْرِ وَقَلْبِهِ فَكَذَا مَا هُوَ بَدَلُهُ، وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّهُ كَانَ ذَلِكَ صُلْحًا وَلِهَذَا أَمَرَهُ بِالْأَخْذِ مِنَ الْحَالِمَةِ وَإِنْ كَانَتْ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا الْجَزِيَّةُ.

**ترجمہ:** جزیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ جزیہ جو آپسی رضامندی اور صلح سے مقرر کی جائے لہذا اس کی مقدار وہی ہوگی جو اتفاق رائے سے طے ہوئی ہو جیسے آپ ﷺ نے اہل نجران سے ۱۲۰۰ / جوڑوں پر صلح فرمائی تھی اور اس لیے کہ مال واجب کرنے والی چیز آپسی رضامندی ہے لہذا جس پر اتفاق ہوا ہے اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (۲) اور دوسری قسم وہ ہے جسے امام کفار پر غلبہ پا کر انھیں ان کی املاک پر برقرار رکھتے ہوئے ابتداءً ان پر مقرر کر دے، لہذا جس مالدار کی مالداری ظاہر ہو اس پر ہر سال ۴۸ درہم مقرر کر دے اور ان سے ہر ماہ چار درہم لے۔ اور اوسط درجے والے پر ۲۴ / درہم مقرر کر دے اور ہر ماہ دو درہم لیتا رہے اور کھاتے پیتے فقیر پر ۱۲ درہم مقرر کر دے اور ہر ماہ ایک درہم لے لیا کرے۔ یہ تفصیل ہمارے یہاں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر بالغ پر ایک دینار یا اس کے مساوی مال مقرر کر دے اور اس میں غنی اور فقیر دونوں برابر ہیں، اس لیے کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ہر بالغ اور بالغہ سے ایک دینار یا اس کے برابر معاف لینا اور یہ فرمان کسی تفصیل کے بغیر ہے۔ اور اس لیے کہ جزیہ قتل کے عوض واجب ہوتا ہے حتیٰ کہ کفر کی وجہ سے جس کا قتل جائز نہ ہو اس پر جزیہ واجب نہیں ہوتا جیسے نابالغ بچے اور عورتیں۔ اور یہ معنی فقیر اور غنی دونوں کو شامل ہے۔ اور ہمارا مذہب حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور مہاجرین و انصار میں سے کسی نے ان پر نکیر نہیں کی ہے اور اس لیے بھی کہ جزیہ مجاہدین کی نصرت کے لیے واجب کیا گیا ہے، لہذا اخراج ارض کی طرح جزیہ بھی متفاوت ہو کر واجب ہوگا نیز اس لیے بھی کہ جزیہ جان و مال کی نصرت کے بدلے واجب ہوا ہے اور یہ چیز مال کی کمی اور زیادتی سے متفاوت ہوتی ہے لہذا اس کا بدل بھی متفاوت ہوگا۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث صلح پر محمول ہے اسی لیے آپ ﷺ حضرت معاذ کو بالغہ عورت سے بھی جزیہ لینے کا حکم دیا تھا جب کہ عورت سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔

### اللغات:

﴿ضربین﴾ دو قسمیں۔ ﴿توضع﴾ لگایا جاتا ہے، مقرر کیا جاتا ہے۔ ﴿تراضی﴾ باہمی رضامندی۔ ﴿حلتہ﴾ جوڑا، لبادہ۔ ﴿تعذی﴾ تجاوز کرنا، حد سے بڑھنا۔ ﴿حالم﴾ بالغ۔ ﴿معافر﴾ یعنی کپڑے۔ ﴿ذرداری﴾ چھوٹے بچے۔ ﴿نسون﴾ عورتیں۔ ﴿نصرة﴾ امداد۔ ﴿وفر﴾ پورا ہونا، بہت ہونا۔

### تخریج:

① أخرجه ابوداؤد فی کتاب الخراج باب فی اخذ الجزية، حدیث: ۳۰۴۱.

② أخرجه ابوداؤد فی کتاب الزكاة، باب فی زكاة السائمة، حدیث رقم: ۱۵۷۶.

### جزیہ کی اقسام اور مقدار کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جزیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) پہلی قسم وہ ہے جو مسلمانوں اور کافروں سے مصالحت پر طے پا جائے اور اس

کا حکم یہ ہے کہ جس مقدار پر مصالحت ہوگی وہی مقدار واجب ہوگی اور اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے اہل نجران سے بارہ سو کپڑے کے جوڑوں پر مصالحت فرمائی تھی۔ جزیہ کی دوسری قسم وہ ہے جسے امام المسلمین کفار پر قہراً فتح حاصل کر کے ان پر لازم کرے۔ ہمارے یہاں اس کی تفصیل یہ ہے کہ مالدار پر سال میں ۲۸/ درہم فی ماہ چار درہم، متوسط الحال پر سال میں ۲۴/ درہم فی ماہ دو درہم اور کھاتے پیتے فقیر پر سال میں ۱۲/ درہم فی ماہ ایک درہم کے حساب سے جزیہ مقرر کر دے۔

اس کے برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں اس دوسری قسم میں امام ہر بالغ مرد اور عورت پر سالانہ ایک دینار واجب کر دے خواہ وہ غنی ہوں یا مالدار ہوں یا ایک دینار کے برابر کپڑا یا کوئی سامان لازم کر دے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے خُذْ مِنْ حَالِمٍ اَوْ حَالِمَةٍ دینارا اَوْ عَدْلَهُ مَعْفُوً کہ اے معاذ ہر بالغ مرد اور بالغہ عورت سے ایک دینار لینا یا اس کے برابر یعنی کپڑے لینا۔ اس حدیث سے امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال بایں طور ہے کہ اس میں صاف طور پر ہر بالغ اور بالغہ پر ایک دینار واجب کیا گیا ہے اور غنی اور فقیر کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی ہے، اس لیے بغیر کسی تفصیل کے سب پر ایک دینار لازم ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جزیہ قتل کا عوض ہے یعنی جزیہ دینے کی وجہ سے کفار اور ذمی قتل سے محفوظ رہتے ہیں اور اس سبب اور بدل میں غنی اور فقیر دونوں برابر ہیں، اس لیے دونوں پر یکساں طور پر ایک دینار واجب ہوگا۔

ومذہبنا الخ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی تفصیل پر غنی، متوسط الحال اور فقیر پر جزیہ مقرر کیا تھا جو ہم نے بیان کیا ہے اور آپ کے بعد حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طریقے پر عمل کیا تھا اور صحابہ میں سے کسی نے اس پر نکیر نہیں کی تھی جس سے یہ عمل اجماع کی شکل اختیار کر گیا تھا اور اجماع حج شرعیہ میں سے ایک قوی حجت ہے۔

ہماری عقلی دلیل یہ ہے کہ جزیہ مجاہدین کی نصرت و اعانت کے لیے مقرر کیا جاتا ہے، لہذا جس طرح خراج مجاہدین کی نصرت کے لیے متعین کیا جاتا ہے اور وہ متفرق طور پر مقرر کیا جاتا ہے اسی طرح جزیہ بھی متفرق طور پر مقرر کیا جائے گا۔ جزیہ کے متفاوت ہو کر مقرر کئے جانے کی ایک یہ بھی ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کی ماتحتی میں ہیں ان پر اہل اسلام کی نصرت کرنا واجب ہے، لیکن جب کافر وہی طور پر دار الحرب کی طرف مائل ہوتا ہے اور وہ مسلمانوں کی جان و مال سے مدد نہیں کرتا تو اس لیے لیا جانے والا جزیہ جان و مال سے مدد کرنے کا بدل ہے اور جان و مال سے مدد کرنے کی صورتیں مختلف ہیں اس لیے جزیہ کا وجوب بھی حسب حالات مختلف ہوگا اور امیر و غریب سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکا جائے گا۔

رہی وہ حدیث جسے امام شافعی رحمہ اللہ نے بطور استدلال پیش کیا ہے وہ جزیہ کی پہلی قسم یعنی مصالحت والی صورت سے متعلق ہے، کیونکہ اس میں عورت سے بھی جزیہ لینے کا حکم مذکور ہے حالانکہ عورت سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔ اور ہماری گفتگو جزیہ کی دوسری قسم سے ہے اس لیے اس دوسری قسم پر اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

قَالَ وَتُؤْضَعُ الْجِزْيَةُ عَلَى أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمَجُوسِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ﴾ (سورة التوبة : ۲۹) (الآية) ① ((وَوَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْجِزْيَةَ عَلَى الْمَجُوسِ))، قَالَ وَعَبْدَةُ

الْأَوْتَانِ مِنَ الْعَجَمِ وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ هُوَ يَقُولُ بَأَنَّ الْقِتَالَ وَاجِبٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَقَاتِلُوهُمْ﴾، إِلَّا أَنَّا عَرَفْنَا جَوَازَ تَرْكِهِ فِي حَقِّ أَهْلِ الْكِتَابِ بِالْكِتَابِ وَفِي حَقِّ الْمَجُوسِ بِالْخَبَرِ فَبَقِيَ مِنْ وَرَائِهِمْ عَلَى الْأَصْلِ، وَلَنَا أَنَّهُ يَجُوزُ اسْتِرْقَاقُهُمْ فَيَجُوزُ ضَرْبُ الْجِزْيَةِ عَلَيْهِمْ إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ يَشْتَمِلُ عَلَى سَلْبِ النَّفْسِ مِنْهُمْ فَإِنَّهُ يَكْتَسِبُ وَيُؤَدِّي إِلَى الْمُسْلِمِينَ وَنَفَقَتُهُ فِي كَسْبِهِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اہل کتاب اور مجوس پر بھی جزیہ مقرر کیا جائے گا، اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے اہل کتاب سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ جزیہ دیے لگیں اور آپ ﷺ نے مجوس پر جزیہ مقرر فرمایا ہے اور عجم کے بت پرستوں پر بھی جزیہ لازم کیا جائے گا، اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان و قاتلوہم کی وجہ سے قتال کرنا واجب ہے لیکن ہم نے اہل کتاب کے حق میں ترک قتال کے جواز کو کتاب اللہ سے اور مجوس کے حق میں اس جواز کو حدیث رسول اللہ سے پہچانا ہے لہذا ان کے ماسواء کے حق میں حکم اپنی اصل (قتال) پر باقی رہا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ بت پرستوں کو غلام بنانا جائز ہے لہذا ان پر جزیہ مقرر کرنا جائز ہے، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کام ان کی ذات چھینے پر مشتمل ہے اس لیے کہ کافر کما کر اپنی کمائی مسلمانوں کو دیتا ہے اور اس کی کمائی سے اس کا خرچ پورا ہوتا ہے۔

## اللغات:

﴿توضع﴾ مقرر کیا جائے گا، لگایا جائے گا۔ ﴿عبدة﴾ واحد عابد؛ پجاری، عبادت کرنے والا۔ ﴿اوتان﴾ واحد وثن؛ بت۔ ﴿عرفنا﴾ ہم نے پہچانا۔ ﴿استرقاق﴾ غلام بنانا۔ ﴿ضرب﴾ لگانا، مقرر کرنا۔ ﴿سلب﴾ چھیننا، قابو کر لینا۔ ﴿یکتسب﴾ کمائے گا۔ ﴿نفقة﴾ خرچہ۔

## تخریج:

① أخرجه بخاری في كتاب الجزية باب الجزية، حديث رقم: ۳۱۵۷.

## اہل کتاب اور مجوسیوں سے جزیہ لینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کفار کی طرح اہل کتاب اور مجوس سے بھی جزیہ لینا درست اور جائز ہے اہل کتاب سے جزیہ لینے کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے حتی يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون۔ اور مجوس سے جزیہ لینے کی دلیل حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اور شہادت ہے ان رسول اللہ ﷺ أخذها (ای الجزية) من مجوس هجر۔ یعنی آپ ﷺ نے مجوس ہجر سے جزیہ لیا ہے۔

اسی طرح عجم کے بت پرستوں سے بھی جزیہ لینا ہمارے یہاں درست ہے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں ان سے جزیہ لینا جائز نہیں ہے، ان کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے وقاتلوہم حتی لا تکنون الخ اور چوں کہ یہ آیت کریمہ عام ہے اس لیے اس کے تحت ہر ہر کافر سے قتال کرنے کا حکم ثابت ہے مگر جن کو دوسری نص سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے وہ مستثنیٰ رہیں گے اور اہل کتاب اور

مجوس علی الترتیب قرآن وحدیث سے مستثنیٰ ہیں اس لیے یہی لوگ قتال سے مستثنیٰ ہوں گے اور ان کے علاوہ کے حق میں اصل حکم یعنی قتال کرنا باقی رہے گا اور چوں کہ مجوس مستثنیٰ نہیں ہیں لہذا ان سے بھی قتال ہوگا اور جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ بت پرستوں کو غلام بنانا جائز اور درست ہے لہذا ان پر جزیہ مقرر کرنا بھی درست ہوگا، کیونکہ جس طرح غلام بنانے سے ان کی ذات اور منفعت سلب ہو جاتی ہے اسی طرح ان پر جزیہ مقرر کرنے سے بھی ان کی ذات اور منفعت سلب ہو جاتی ہے اور کافی اپنی ساری کمائی مسلمانوں کو دیتا ہے اور چوں کہ اس کی کمائی میں اس کا اپنا خرچہ اور نفقہ بھی شامل ہوتا ہے اس لیے اس حوالے سے اس کا سب کچھ سلب ہو جاتا ہے اور جس طرح ایک غلام اپنا سب کچھ مسلمانوں کے لیے سپرد کر دیتا ہے بالکل یہی معاملہ بت پرستوں کا بھی ہوتا ہے اور بت پرستوں کو غلام بنانا جائز ہے لہذا اس پر جزیہ لازم کرنا بھی جائز ہوگا۔

وَإِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ قَبْلَ ذَلِكَ فَهُمْ وَنِسَاؤُهُمْ وَصِبْيَانُهُمْ فِيءٌ لِّجَوَارِ اسْتِرْقَاقِهِمْ، وَلَا تُوْضَعُ عَلَى عَبْدٍ الْاَوْثَانِ مِنَ الْعَرَبِ وَلَا الْمُرْتَدِّينَ، لِأَنَّ كُفْرَهُمَا قَدْ تَغَلَّظَ، أَمَّا مُشْرِكُوا الْعَرَبِ فَلِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَشَأَ بَيْنَ أَظْهَرِهِمْ وَالْقُرْآنُ نَزَلَ بِلُغَتِهِمْ فَالْمُعْجَزَةُ فِي حَقِّهِمْ أَظْهَرُ، وَأَمَّا الْمُرْتَدُّ فَلِأَنَّهُ كَفَرَ بِرَبِّهِ بَعْدَ مَا هُدِيَ لِلْإِسْلَامِ وَوَقَفَ عَلَى مُحَاسِنِهِ فَلَا يَقْبَلُ مِنَ الْفَرِيقَيْنِ إِلَّا الْإِسْلَامُ أَوِ السَّيْفُ زِيَادَةٌ فِي الْعُقُوبَةِ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُسْتَرْقُ مُشْرِكُوا الْعَرَبِ وَجَوَابُهُ مَا قُلْنَا، وَإِذَا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَنِسَاؤُهُمْ وَصِبْيَانُهُمْ فِيءٌ، لِأَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ اسْتَرْقَى نِسْوَانَ بَنِي حَنِيفٍ وَصِبْيَانَهُمْ لَمَّا ارْتَدُّوا وَقَسَمَهُمْ بَيْنَ الْغَانِمِينَ، وَمَنْ لَمْ يُسَلِّمْ مِنْ رِجَالِهِمْ قُتِلَ لَمَّا ذَكَّرْنَا، وَلَا جِزْيَةٌ عَلَى امْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ، لِأَنَّهُمَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ الْقَتْلِ أَوْ عَنِ الْقِتَالِ وَهُمَا لَا يُقْتَلَانِ وَلَا يُقَاتِلَانِ لِعَدَمِ الْأَهْلِيَّةِ.

**ترجمہ:** اور اگر جزیہ لازم کرنے سے پہلے مجوس اور اہل کتاب وغیرہ مغلوب ہو جائیں تو وہ ان کی عورتیں اور ان کے بچے سب فئے ہوں گے، کیونکہ انھیں غلام بنانا جائز ہے۔ اور عرب کے بت پرستوں پر اور مرتدین پر جزیہ نہیں مقرر کیا جائے گا، اس لیے کہ ان کا کفر سخت ہو گیا ہے۔ رہے مشرکین عرب تو آپ ﷺ ان کے مابین پلے بڑھے ہیں اور ان کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے، لہذا ان کے حق میں بہت سے معجزے ظاہر ہوئے۔ رہا مرتد تو اس وجہ سے کہ وہ اسلام کی ہدایت پا کر اور اس کی خوبیوں سے واقف ہونے کے بعد اس نے اپنے رب کا انکار کیا ہے اس لیے ان دونوں فریق سے اسلام اور تلوار کے علاوہ تیسری کوئی چیز مقبول نہیں ہوگی۔ تاکہ ان کی سزا بھی سخت ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں مشرکین عرب کو غلام بنایا جاسکتا ہے، لیکن اس کا جواب وہی ہے جو ہم عرض کر چکے ہیں۔ اور جب ان پر غلبہ ہو گیا تو ان کی عورتیں اور ان کے بچے فئے ہوں گے، اس لیے کہ بنو حنیف جب مرتد ہو گئے تھے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو غلام بنالیا تھا اور انھیں غازیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔



اور ان کے مردوں میں سے جو اسلام قبول نہیں کریں گے انہیں قتل کر دیا جائے گا، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ بچہ اور عورت پر جزیہ نہیں ہے، اس لیے کہ جزیہ قتل یا قتال کے عوض واجب ہوا ہے اور بچہ اور عورت نہ تو قتل کئے جاسکتے ہیں اور نہ ہی قتال کر سکتے ہیں، کیونکہ ان میں اہلیت معدوم ہوتی ہے۔

### اللغات:

﴿ظہر﴾ غلبہ پالیا جائے۔ ﴿فیء﴾ غنیمت کا مال۔ ﴿استرقاق﴾ غلام بنانا۔ ﴿اوٹان﴾ واحد وثن؛ بت۔ ﴿تغلط﴾ شدید ہو گیا ہے۔ ﴿بین اظہر ہم﴾ بچوں بچ۔ ﴿لغة﴾ زبان۔ ﴿ہدی﴾ راہ دکھائی گئی۔ ﴿وقف علی﴾ واقف ہو گیا، جان چکا تھا۔  
**مشرکین عرب اور مرتدین پر جزیہ کا عدم جواز:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر اہل کتاب اور مجوس وغیرہ پر جزیہ مقرر کیے جانے سے پہلے ان پر مسلمان غالب ہو گئے تو وہ ان کی بیویاں اور بچے سب مال غنیمت ہو جائیں گے، کیونکہ جب انہیں غلام بنانا جائز ہے تو انہیں غنیمت بنانا بھی جائز ہے۔ عرب کے بت پرستوں اور مرتدین پر جزیہ مقرر کرنا درست نہیں ہے خواہ مرتدین عرب ہوں یا عجم ہوں، اس لیے کہ مشرکین عرب اور مرتدین دونوں فریق کا کفر انتہائی گھناؤنا ہے، مشرکین عرب کا کفر اس لیے گھناؤنا ہے کہ حضرت محی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہی کے مابین پلے بڑھے ہیں اور قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے اور ان کے مابین بہت سے معجزات کا ظہور ہوا ہے اس کے باوجود ان کا اسلام نہ لا کر شرک کرنا بہت بڑا جرم ہے، اسی طرح مرتد اسلام کی ہدایت پا کر اور اسلام کی خوبیوں سے واقف ہو کر جب اسلام سے پھر جاتا ہے تو وہ بھی جرم عظیم کا مرتکب ہوتا ہے، اس لیے ان کی سزا بھی زیادہ ہوگی اور ان سے یا تو اسلام مقبول ہوگا یا پھر ان پر تلوار چلے گی۔

وعند الشافعی رحمہ اللہ الخ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں مشرکین عرب کو غلام بنایا جاسکتا ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف ہماری دلیل حجت ہے کہ ان کا کفر سخت ہے۔  
 وإذا ظہر الخ عبارت واضح ہے۔

قَالَ وَلَا زِمْنِي وَلَا أَعْمَى وَكَذَا الْمَفْلُوجُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيرُ لِمَا بَيَّنَّا، وَعَنْ أَبِي يُونُسَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ تَجِبُ إِذَا كَانَ لَهُ مَالٌ لِأَنَّهُ يَقْتُلُ فِي الْجُمْلَةِ إِذَا كَانَ لَهُ رَأْيٌ، وَلَا عَلَى فَقِيرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، لَهُ إِطْلَاقُ حَدِيثِ مَعَاذِ اللَّهِ، وَلَنَا أَنَّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمْ يُوظَّفْهَا عَلَى فَقِيرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ وَذَلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، وَلَئِنْ خَرَجَ الْأَرْضِ لَا يُوظَّفُ عَلَى أَرْضٍ لَا طَاقَةَ لَهَا فَكَذَا هَذَا الْخَرَاجُ، وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْمُعْتَمِلِ، وَلَا يُوضَعُ عَلَى الْمَمْلُوكِ وَالْمُكَاتِبِ وَالْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ، لِأَنَّهُ بَدَلٌ عَنِ الْقَتْلِ فِي حَقِّهِمْ وَعَنِ النَّصْرَةِ فِي حَقِّنَا وَعَلَى اعْتِبَارِ الثَّانِي لَا تَجِبُ فَلَا تَجِبُ بِالشَّكِّ، وَلَا يُؤَدَّى عَنْهُمْ مَوَالِيهِمْ لِأَنَّهُمْ تَحْمَلُوا الزِّيَادَةَ بِسَبَبِهِمْ وَلَا تُوضَعُ عَلَى الرُّهْبَانِ الَّذِينَ لَا يُخَالِطُونَ النَّاسَ، كَذَا ذَكَرَ هُنَا، وَذَكَرَ مُحَمَّدٌ

عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ تَوَضَّعَ عَلَيْهِمْ إِذَا كَانُوا يَقْدِرُونَ عَلَى الْعَمَلِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَجْهُ الْوَضْعِ عَلَيْهِمْ أَنَّ الْقُدْرَةَ عَلَى الْعَمَلِ هُوَ الَّذِي ضَيَّعَهَا فَصَارَ كَتَعْطِيلِ الْأَرْضِ الْخَرَاجِيَّةِ، وَوَجْهُ الْوَضْعِ عَنْهُمْ أَنَّهُ لَا قَتْلَ عَلَيْهِمْ إِذَا كَانُوا لَا يُخَالِطُونَ النَّاسَ وَالْجِزْيَةُ فِي حَقِّهِمْ لِإِسْقَاطِ الْقَتْلِ وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْمُعْتَمِلُ صَاحِبًا وَيَكْتَفِي بِصِحَّتِهِ فِي أَكْثَرِ السَّنَةِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ لٹے اور اندھے نیز اپانچ اور شیخ کبیر پر بھی جزیہ نہیں مقرر کیا جائے گا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر اس کے پاس مال ہو تو جزیہ واجب ہوگا اس لیے کہ اگر وہ لڑائی میں مشورہ دے سکتا ہو تو اسے قتل کیا جائے گا۔ اور اس فقیر پر بھی جزیہ نہیں ہے جس کی آمدنی اس کے ذاتی خرچ سے کم ہو۔ امام شافعی کا اختلاف ہے ان کی دلیل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فقیر غیر معتمل پر جزیہ مقرر نہیں کیا ہے اور یہ حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا ہے۔ اور اس لیے کہ زمین کا خراج اس زمین پر نہیں لگایا جاتا جو زمین برداشت کرنے کے قابل نہ ہو اسی طرح یہ خراج بھی اس شخص پر لازم نہیں ہوگا جو اسے برداشت نہ کر سکتا ہو۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث فقیر معتمل پر محمول ہے۔

مملوک، مکاتب، مدبر اور ام ولد جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا، کیونکہ جزیہ ان کے حق میں قتل کا بدلہ ہے اور ہمارے حق میں نصرت کا عوض ہے، اور دوسرے کے اعتبار پر ان پر جزیہ واجب نہیں کیا جاسکتا، لہذا شک کی وجہ سے جزیہ واجب نہیں ہوگا، اور ان غلاموں کی طرف سے ان کے موالی جزیہ اداء نہیں کریں گے، اس لیے کہ ان غلاموں کی وجہ سے ان کے موالی کو زیادہ کا تحمل کرنا ہوگا۔ اور ان راہبوں پر بھی جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا یہی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ان پر جزیہ مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے خود ہی کام کرنے کی صلاحیت و قدرت ضائع کر دی ہے تو یہ خراجی زمین کو برباد کرنے کی طرح ہو گیا۔ اور ان پر جزیہ واجب نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ لوگوں سے میل جول نہ کرتے ہوں تو انھیں قتل نہیں کیا جائے گا اور ان کے حق میں اسقاط قتل ہی کی وجہ سے جزیہ واجب ہوتا ہے۔ اور معتمل کا صحیح سلامت ہونا ضروری ہے اور سال کے اکثر حصے میں اس کے صحیح ہونے پر اکتفاء کیا جائے گا۔

### اللغات:

﴿زمن﴾ اپانچ، معذور۔ ﴿اعملی﴾ اندھا، نابینا۔ ﴿شیخ کبیر﴾ بہت بوڑھا۔ ﴿رای﴾ مشورہ دینے کی صلاحیت، عقلمندی۔ ﴿معتمل﴾ گزر بسر کرنے والا۔ ﴿لم یوظفها﴾ مقرر نہیں کیا۔ ﴿محضر﴾ موجودگی۔ ﴿تحملوا﴾ برداشت کرتے ہیں۔ ﴿راہبان﴾ واحد راہب؛ زاہد، ترک دنیا کرنے والا، گوشہ نشین۔ ﴿لا یخالطون﴾ میل جول نہ کرتے ہوں۔ ﴿ضیعہا﴾ اس کو ضائع کیا ہے۔ ﴿سنۃ﴾ سال۔

### معذوروں اور بوڑھوں پر جزیہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ لٹے، اندھے، اپانچ اور کھوسٹ بڑھے پر جزیہ نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ قتل و قتال سے عاجز اور بے بس

ہیں، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان میں سے کسی کے پاس مال ہو تو اس پر جزیہ لازم ہوگا، کیونکہ یہ شخص اگرچہ قتال نہیں کر سکتا، لیکن قتال کے حوالے سے مشورہ دے سکتا ہے اور اس کا مال بھی لڑائی میں کام دے سکتا ہے اس لیے اس پر جزیہ واجب ہوگا، ہمارے یہاں فقیر غیر معتمل پر بھی جزیہ نہیں ہے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس پر جزیہ ہے، ان کی دلیل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا اطلاق ہے جس میں کسی تخصیص کے بغیر خذ من کل حالہ دینار کا حکم وارد ہے اور فقیر غیر معتمل بھی حالہ کے تحت داخل ہے اس لیے اس پر بھی جزیہ واجب ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے سواد عراق کے فقیر معتمل پر جزیہ نہیں واجب کیا تھا اور یہ عمل حضرات صحابہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے عادل بادشاہ کے زمانہ میں ہوا تھا اور کسی نے فقیر غیر معتمل پر جزیہ مقرر کرنے کی بات نہیں کی تھی، اور پھر جزیہ اور خراج قریب المعنی ہیں اور جب غیر قابل زراعت زمین میں کھیتی نہیں ہو سکتی پھر اس شخص پر جزیہ بھی نہیں واجب ہوگا جو اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہو۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا حدیث حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس میں فقیر سے فقیر معتمل مراد ہے۔

ولا یوضع الخ مملوک اور مکاتب وغیرہ پر بھی جزیہ نہیں ہے، کیونکہ ذمیوں پر جزیہ کا وجوب انہیں قتل نہ کرنے کے عوض اور بدلے میں ہے اور ہماری نصرت کرنے کی وجہ سے ہے، لیکن چوں کہ مملوک اور مدبر وغیرہ ہماری مدد نہیں کر سکتے، اس لیے مدد والے پہلو سے ان پر جزیہ نہیں واجب کیا جاسکتا، اب صرف قتل کے عوض والا پہلو باقی رہا اس لیے اس ایک پہلو کو بنیاد بنا کر ہم ان پر جزیہ واجب نہیں کر سکتے، اور مملوک اور مکاتب وغیرہ کی طرف سے ان کے آقا اور موالی بھی جزیہ نہیں دے سکتے، اس لیے کہ ایسا کرنے سے ان پر دو مرتبہ جزیہ واجب کرنا لازم آئے گا اور ایک صنف سے دو مرتبہ جزیہ لینا صحیح نہیں ہے۔

ان راہبوں سے جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتے ہوں ان پر جزیہ نہیں ہے یہ حکم قدوری کا ہے، لیکن امام اعظم سے حضرت امام محمد کی روایت یہ ہے کہ اگر رہبان کام کرنے پر قادر ہوں تو ان پر جزیہ ہوگا، اس لیے کہ قدرت علی العمل کے باوجود کام نہ کرنا ان کی بد معاشی اور ان کی طرف سے تعدی ہے لہذا جس طرح خراجی زمین میں زراعت پر قدرت کے باوجود کوئی شخص کھیتی نہ کرے تو اس پر خراج واجب ہوتا ہے اسی طرح قدرت علی العمل کے ہوتے ہوئے جو شخص کام نہ کرے اس پر بھی جزیہ لازم ہوگا۔ اور امام قدوری نے جو ان راہبوں پر جزیہ مقرر نہیں کیا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ قتل نہ کرنے کا عوض ہے، لیکن جب لوگوں سے میل جول نہ رکھنے کی وجہ سے ان پر قتل ہی نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ ان پر جزیہ بھی نہیں ہوگا۔

اور فقیر معتمل پر وجوب جزیہ کا حکم اسی صورت میں ہوگا جب وہ تندرست اور صحیح سالم ہو اور اگر سال کے اکثر حصے میں وہ صحیح سالم ہو تو یہ بات اس پر وجوب جزیہ کے لیے کافی ہے۔

وَمَنْ أَسْلَمَ وَعَلَيْهِ جَزْيَةٌ سَقَطَتْ وَكَذَلِكَ إِذَا مَاتَ كَافِرًا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا، لَهُ أَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ الْعِصْمَةِ أَوِ السُّكْنَى وَقَدْ وَصَلَ إِلَيْهِ الْمُعَوَّضُ فَلَا يَسْقُطُ عَنْهُ الْعَوَّضُ بِهَذَا الْعَارِضِ كَمَا فِي الْأَجْرَةِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمَدِ، وَلَنَا قَوْلُهُ ❶ (لَيْسَ عَلَى مُسْلِمٍ جَزْيَةٌ)، وَلِأَنَّهَا وَجَبَتْ عُقُوبَةً عَلَى الْكُفْرِ

وَلِهَذَا تُسَمَّى جِزْيَةً وَهِيَ الْجَزَاءُ وَاحِدٌ، وَعُقُوبَةُ الْكُفْرِ تَسْقُطُ بِالْإِسْلَامِ وَلَا تَقَامُ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَلَآنَ شَرَعَ الْعُقُوبَةُ فِي الدُّنْيَا لَا يَكُونُ إِلَّا لِدَفْعِ الشَّرِّ وَقَدْ اِنْدَفَعَ بِالْمَوْتِ وَالْإِسْلَامِ، وَلَآئِهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ النُّصْرَةِ فِي حَقِّهَا وَقَدْ قَدَّرَ عَلَيْهَا بِنَفْسِهِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ، وَالْعِصْمَةُ تَبَيَّنَتْ بِكُونِهِ اَدَمِيًّا، وَالذِّمِّيُّ يَسْكُنُ مِلْكًا نَفْسِهِ فَلَا مَعْنَى لِإِجَابِ بَدَلِ الْعِصْمَةِ وَالسُّكْنَى.

**ترجمہ:** جو شخص مسلمان ہو گیا اس حال میں کہ اس پر جزیہ لازم تھا تو جزیہ ساقط ہو جائے گا ایسے ہی اگر وہ کافر ہو کر مرے تو بھی جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا دونوں صورتوں میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ تو جان کی حفاظت یا سکونت کے عوض واجب ہوا ہے اور معوض اسے مل چکا ہے لہذا اس عارض کی وجہ سے اس سے عوض ساقط نہیں ہوگا جیسے اجرت میں اور صلح عن دم العمد میں ہوتا ہے۔ ہماری دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے ”مسلمان پر جزیہ نہیں ہے“ اور اس لیے کہ جزیہ کفر پر باقی رہنے کی سزا ہے اسی لیے اس کو جزیہ کہا جاتا ہے اور جزیہ اور جزاء دونوں ایک ہیں۔ اور کفر کی سزا اسلام کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد بھی سزا جاری نہیں کی جاتی۔ اور اس لیے کہ دنیا میں سزا اس لیے مشروع ہے تاکہ کافر کا شر ختم ہو جائے حالانکہ موت اور اسلام کی وجہ سے یہ شرط ختم ہو چکا ہے۔ اور اس لیے کہ جزیہ ہمارے حق میں بدل عن النصرة ہے اور اسلام لانے کے بعد وہ شخص بذات خود نصرت پر قادر ہو گیا ہے۔ اور عصمت تو اس کے آدمی ہونے کی وجہ سے ثابت ہے۔ اور ذمی اپنے نفس کی ملکیت میں رہتا ہے، لہذا عصمت اور سکونت کے عوض جزیہ واجب کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

## اللغات:

﴿سقطت﴾ ساقط ہو جائے گا۔ ﴿عصمة﴾ حفاظت، بچاؤ۔ ﴿سکنی﴾ رہائش۔ ﴿معوض﴾ جس کا عوض دیا جا رہا تھا۔ ﴿عقوبة﴾ سزا۔ ﴿اندفع﴾ دور ہو گیا۔ ﴿ایجاب﴾ واجب کرنا۔

## تخریج:

① أخرجه ابوداؤد فی کتاب الخراج باب فی الذمی، حدیث رقم: ۳۰۵۳.

## جزیہ دینے والے کی موت یا اسلام قبول کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ذمی تھا، اس پر جزیہ واجب تھا پھر وہ مسلمان ہو گیا یا بحالت کفر اس کا انتقال ہو گیا تو ہمارے یہاں دونوں صورتوں میں اس سے جزیہ ساقط ہو جائے گا، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں نہ تو اسلام کی وجہ سے جزیہ ساقط ہوگا اور نہ ہی بحالت کفر مرنے کی وجہ سے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ ذمی کی جان کی حفاظت یا اس کے دارالاسلام میں سکونت پذیر ہونے کے عوض اور بدل کے طور پر واجب ہے اور جب ذمی دارالاسلام میں آکر رہتا ہے تو اسے اس کا معوض مل جاتا ہے یعنی اس کی جان بھی محفوظ ہو جاتی ہے اور اسے سکونت بھی میسر ہو جاتی ہے لہذا جب اسے عوض کے بدلے معوض مل چکا ہے تو موت یا اسلام کے پیش آنے سے یہ عوض ساقط نہیں ہوگا، جیسے اگر ذمی نے اجرت پر کوئی چیز لے کر نفع حاصل کر لیا یا عداً ناحق قتل کر کے قتل کے



عوض مال پر صلح کر لیا تو اس کے اسلام لانے یا مرنے سے نہ تو اس پر واجب شدہ اجرت ساقط ہوگی اور نہ ہی صلح میں طے شدہ مال ساقط ہوگا اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی اسلام یا موت کی وجہ سے ذمی سے جزیہ ساقط نہیں ہوگا۔

ہماری دلیل یہ حدیث پاک ہے ”لیس علی مسلم جزیۃ“ کہ مسلمان پر جزیہ نہیں ہے اور چوں کہ مسلمان پر ابتداءً جزیہ لازم نہیں کیا جاسکتا اس لیے لامحالہ اس سے مراد یہی ہوگا کہ ذمی اگر مسلمان ہو جائے تو اس سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جزیہ کفر پر باقی رہنے کی سزا ہے حالانکہ اسلام لے آنے کے بعد کفر کی سزا ختم ہو جاتی ہے لہذا اسلام بھدم ما کان قبلہ اور موت کے بعد کسی شخص پر سزا قائم نہیں کی جاسکتی، نیز دنیا میں کافر پر اس لیے سزا مقرر کی جاتی ہے تاکہ اس کا شر دور کیا جاسکے اور چوں کہ اسلام یا موت کی وجہ سے یہ شر ختم ہو چکا ہے اور ایجاب جزیہ کا مقصد حاصل ہو چکا ہے اس لیے اب اس کے وجوب کو باقی رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اسقاط جزیہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جزیہ کا وجوب ہمارے حق میں نصرت کا بدل ہے اور اسلام لانے کی وجہ سے ذمی اور من کانت علیہ الجزیۃ بذات خود نصرت پر قادر ہو گیا اس لیے اب اصل سے کام ہوگا نہ کہ بدل سے ”آب آید تیمم برخاست“ والعصمة الخ یہاں سے امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب ہے جس کا حاصل ہے کہ جزیہ کو عصمت کا بدل کہنا درست نہیں ہے، کیونکہ جزیہ سے عصمت اور سکونت نہیں ثابت ہوتی، بلکہ عصمت آدمیت کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے نیز اس کی سکونت اس کی تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی وجہ سے اس کی اپنی ذات ملکیت میں ثابت ہوتی ہے، نہ کہ جزیہ واجب کرنے سے لہذا جزیہ کو عصمت اور سکونت کا بدل قرار دینا درست نہیں ہے۔

وَإِنْ اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْخَوْلَانِ تَدَاخَلَتِ الْجَزَيَّتَانِ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَمَنْ لَمْ يُوْخَذْ مِنْهُ خِرَاجُ رَأْسِهِ حَتَّى مَضَتْ السَّنَةُ وَجَاءَتْ سَنَةٌ أُخْرَى لَمْ يُوْخَذْ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يُوْخَذُ مِنْهُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَإِنْ مَاتَ عِنْدَ تَمَامِ السَّنَةِ لَمْ يُوْخَذْ مِنْهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا وَكَذَلِكَ إِنْ مَاتَ فِي بَعْضِ السَّنَةِ، أَمَّا مَسْأَلَةُ الْمَوْتِ فَقَدْ ذَكَرْنَاَهَا، وَقِيلَ خِرَاجُ الْأَرْضِ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ، وَقِيلَ لَا تَدْخُلُ فِيهِ بِالْإِتِّفَاقِ، لَهُمَا فِي الْخِلَافِيَّةِ أَنَّ الْخِرَاجَ وَجِبَ عَوِضًا، وَالْأَعْوَاضُ إِذَا اجْتَمَعَتْ وَأُمُكِّنَ اسْتِيفَاؤُهَا تُسْتَوْفَى وَقَدْ أُمُكِّنَ فِيمَا نَحْنُ فِيهِ بَعْدَ تَوَالِي السِّنِينَ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَسْلَمَ لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ اسْتِيفَاؤُهُ، وَلَأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهَا وَجِبَتْ عَقُوبَةٌ عَلَى الْإِصْرَارِ عَلَى الْكُفْرِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ وَلِهَذَا لَا تَقْبَلُ مِنْهُ لَوْ بَعَثَ عَلَى يَدِ نَائِبِهِ فِي أَصَحِّ الرِّوَايَاتِ بَلْ يُكَلِّفُ أَنْ يَأْتِيَ بِهِ بِنَفْسِهِ فَيُعْطَى قَانِمًا وَالْقَابِضُ مِنْهُ قَاعِدٌ، وَفِي رِوَايَةٍ يَأْخُذُ بِتَلْبِيهِ وَيَهْرُهُ هَرًا وَيَقُولُ أُعْطِنِي الْجَزِيَّةَ يَا ذِمِّي، وَقِيلَ عَدُوٌّ اللَّهِ فَثَبَتَ أَنَّ عَقُوبَةَ وَالْعُقُوبَاتُ تَدْخُلُ كَالْحُدُودِ، وَلِأَنَّهَا وَجِبَتْ بَدَلًا عَنِ الْقَتْلِ فِي حَقِّهِمْ وَعَنِ النَّصْرَةِ فِي حَقِّنَا كَمَا ذَكَرْنَا لَكِنْ فِي الْمُسْتَقْبَلِ لَا

فِي الْمَاضِي، لِأَنَّ الْقَتْلَ إِنَّمَا يَسْتَوْفَى لِحَرَابٍ قَائِمٍ فِي الْحَالِ لَا لِحَرَابٍ مَاضٍ وَكَذَا النُّصْرَةُ فِي الْمُسْتَقْبَلِ، لِأَنَّ الْمَاضِي وَقَعَتِ الْغَنِيَّةُ عَنْهُ، ثُمَّ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ فِي الْجَزِيَّةِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَجَاءَتْ سَنَةٌ أُخْرَى حَمَلَهُ بَعْضُ الْمَشَائِخِ عَلَى الْمَضِيِّ مَجَازًا وَقَالَ الْوُجُوبُ بِأَخْرِ السَّنَةِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْمَضِيِّ لِيَتَحَقَّقَ الْاجْتِمَاعُ فَيَتَدَاخَلَ، وَعِنْدَ الْبَعْضِ هُوَ مَجْرُيٌّ عَلَى حَقِيقَتِهِ، وَالْوُجُوبُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ بِأَوَّلِ الْحَوْلِ فَيَتَحَقَّقُ الْاجْتِمَاعُ بِمَجَرَّدِ الرَّأْيِ، وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْوُجُوبَ عِنْدَنَا فِي إِبْتِدَاءِ الْحَوْلِ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ فِي آخِرِهِ إِعْتِبَارًا بِالزَّكَاةِ، وَلَنَا أَنَّ مَا وَجَبَ بَدَلًا عَنْهُ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا فِي الْمُسْتَقْبَلِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ فَتَعَذَّرَ إِيْجَابُهُ بَعْدَ مَضِيِّ الْحَوْلِ فَأَوْجَبْنَاهَا فِي أَوَّلِهِ.

**ترجمہ:** اگر کسی ذمی پر دو سال گذر جائیں تو دو جزیوں میں تداخل ہو جائے گا۔ جامع صغیر میں ہے کہ جس شخص سے جزیہ نہ لیا گیا حتیٰ کہ سال گذر گیا اور دوسرا سال آگیا تو اس سے سال گذشتہ کا جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس سے سال گذشتہ کا بھی جزیہ لیا جائے گا یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

اور اگر سال پورا ہونے کے بعد وہ ذمی مر گیا تو کسی کے یہاں بھی اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ ایسے ہی اگر سال کے اندر مرا ہو۔ رہا موت کا مسئلہ تو ہم اسے بیان کر چکے ہیں اور کہا گیا کہ زمین کا خراج بھی اسی اختلاف پر ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ خراج ارض میں بالاتفاق تداخل نہیں ہوگا، مختلف فیہ مسئلے میں حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ خراج عوض بن کر واجب ہوا ہے اور اعواض اگر جمع ہو جائیں اور ان کی وصولیابی ممکن ہو تو انھیں وصول کر لیا جائے گا۔ اور جس مسئلے میں ہم ہیں اس میں لگا تار کئی سال گذرنے کے بعد بھی وصولیابی ممکن ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب ذمی مسلمان ہو جائے، کیونکہ اس وقت استیفاء معذور ہو جائے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ کفر پر مصر ہونے کی وجہ سے بطور سزاء مقرر ہوا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، اسی لیے اگر ذمی اپنے نائب کے ہاتھ جزیہ بھیجے تو اصح الروایت میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے بذات خود لے کر آنے کا مکلف بنایا جائے گا چنانچہ وہ لائے اور کھڑے ہو کر دے اور امام بیٹھ کر اس سے لے۔ ایک روایت میں ہے کہ امام اس کے سینے کے اوپری حصے کو پکڑ کر اسے حرکت دے اور یوں کہے اے ذمی مجھے جزیہ دے، ایک قول ہے عدو اللہ کہے، معلوم ہوا کہ جزیہ عقوبت ہے اور عقوبات جب جمع ہو جاتی ہیں تو ان میں تداخل ہو جاتا ہے جیسے حدود میں تداخل ہو جاتا ہے۔

اور اس لیے کہ جزیہ ذمیوں کے حق میں قتل کا عوض ہے اور ہمارے حق میں نصرت کا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، لیکن یہ مستقبل کے لیے ہے ماضی کے لیے نہیں ہے، کیونکہ قتل اسی لڑائی کا وصول کیا جاتا ہے جو فی الحال ہو رہی ہے نہ کہ گذشتہ لڑائی کا نیز نصرت بھی مستقبل سے متعلق ہے، اس لیے کہ ماضی سے تو استغناء ہو چکا ہوتا ہے، پھر جامع صغیر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول و جاءت سنة اخرى کو بعض مشائخ نے دوسرا سال گذرنے پر محمول کیا ہے اور یوں فرمایا ہے کہ وجوب اداء تو آخر سال میں ہوتا ہے لہذا سال گذرنا ضروری ہے تاکہ اجتماع تحقق ہو جائے اور تداخل ہو سکے۔ اور بعض مشائخ کے یہاں وہ اپنی حقیقت پر محمول ہے اور امام اعظم

رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سال کے شروع میں وجوب ہو جاتا ہے لہذا دوسرا سال آتے ہی اجتماع متحقق ہو جائے گا اور اس صبح یہ ہے کہ ہمارے یہاں ابتدائے سال میں وجوب ہوتا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں آخری سال میں وجوب ہوتا ہے زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جو چیز قتل کے بدلے واجب ہوتی ہے وہ مستقبل ہی میں متحقق ہوتی ہے جیسا کہ ہم اسے ثابت کر چکے ہیں لہذا سال گزرنے کے بعد اسے واجب کرنا معذور ہے اس لیے ہم نے ابتدائے سال میں اسے واجب کر دیا ہے۔

## اللغات:

﴿حول﴾ ایک سال۔ ﴿تداخلت﴾ ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گے۔ ﴿خراج رأس﴾ جزیہ، وہ ٹیکس جو ذات پر واجب ہوتا ہے۔ ﴿مضت﴾ گزر گیا۔ ﴿سنة﴾ ایک سال۔ ﴿أعواض﴾ واحد عوض؛ بدلہ، وہ چیز جو بدل کے طور پر ادا کی جائے۔ ﴿استيفاء﴾ وصول، حصول۔ ﴿توالی﴾ پے در پے ہونا، ایک کے بعد دوسرا ہونا۔ ﴿تعذر﴾ مشکل ہوا، ناممکن ہوا۔ ﴿تلبیب﴾ سینے کا اوپر کا حصہ۔ ﴿یہزہ﴾ اس کو جھوڑے، زور سے ہلائے۔ ﴿عقوبة﴾ سزا۔ ﴿مضی﴾ گزرنا۔

## جزیہ کی قضا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی ذمی نے ایک سال کا جزیہ نہیں دیا یہاں تک کہ وہ سال گزر گیا اور دوسرا سال آ گیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دوسرا سال آتے ہی دونوں جزیوں میں مداخل ہو جائے گا اور اس پر صرف ایک ہی جزیہ واجب ہوگا جب کہ حضرات صاحبین اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دوسرا سال آ کر جب ختم ہو جائے گا تب اس پر دونوں سال کا جزیہ واجب ہوگا یعنی ان حضرات کے یہاں مداخل نہیں ہوگا اور اگر ذمی سال پورا ہونے پر مرجائے تو کسی کے یہاں بھی اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ خراج کا مسئلہ بھی اسی اختلاف پر ہے، یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس میں بھی مداخل ہوگا جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں مداخل نہیں ہوگا۔ اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ خراج میں کسی کے یہاں بھی مداخل نہیں ہوگا۔

لہما فی الخلافۃ الخ مختلف فیہ مسئلے میں حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ خراج رأس یعنی جزیہ عوض بن کر واجب ہوا ہے اور اعواض اگر جمع ہو جائیں اور ان کی وصولیابی ممکن ہو تو انھیں وصول کر لیا جاتا ہے اور ان میں تداخل نہیں ہوتا اور صورت مسئلہ میں چوں کہ کئی سال کا جزیہ وصول کرنا ممکن ہے اس لیے ہر سال کا جزیہ وصول کیا جائے گا، ہاں اگر ذمی مسلمان ہو جائے تو اب اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، کیونکہ مسلمان کی توقیر اور اس کی تکریم کرنا واجب ہے جب کہ جزیہ لینے میں اس کی توہین و تذلیل ہے۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ کفر پر اڑے رہنے کی سزا ہے (اسی لیے صرف ذمی ہی سے جزیہ لیا جائے گا اور اس کے کسی نائب یا قاصد کے ہاتھ سے نہیں لیا جائے گا) اور سزاؤں کا حکم یہ ہے کہ اگر ان کا اجتماع ہو جائے تو ان میں تداخل ہو جاتا ہے جیسے حدود کا معاملہ ہے کہ اگر ایک شخص نے کئی لوگوں پر تہمت لگائی اور اس پر کئی حد قذف واجب ہوئیں تو صرف ایک ہی مرتبہ اسے حد لگائی جائے گی اور حدود میں تداخل ہو جائے گا اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی جب جزیہ سزا ہے تو اجتماع جُزوی کے وقت تداخل ہو جائے گا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جزیہ ذمیوں کے حق میں قتل نہ کرنے کا عوض ہے اور ہمارے حق میں نصرت نہ کرنے

کا بدل ہے یعنی چوں کہ وہ ہماری نصرت نہیں کرتے اور ہم جزیہ لے کر انھیں قتل نہیں کرتے اور قتل اور نصرت کا تعلق مستقبل سے ہے نہ کہ ماضی سے، کیونکہ ماضی میں واقع شدہ فعل سے تو زمانہ گزرنے کے ساتھ بے پرواہی اور استغناء ہو جاتا ہے، لہذا اس حوالے سے بھی زمانہ بائے ماضیہ کے جزیوں میں مداخل ہو جائے گا۔

ثم قول محمد رحمۃ اللہ علیہ الخ فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں وجائت سنة اخروی کی جو عبارت پیش کی ہے بعض مشائخ کے یہاں اس سے دوسرے سال کا گذرنا مراد ہے اور بعض کے یہاں دوسرے سال کا آنا مراد ہے اور یہی احناف کے یہاں اصح بھی ہے کہ نفس وجوب اول سال میں ہوتا ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ وجوب آخر سال میں ہوتا ہے جیسا کہ زکوٰۃ میں بھی وجوب آخر سال میں ہوتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جزیہ بدل عن القتل والنصرة ہے اور بدل صرف مستقبل میں متحقق ہوتا ہے کیونکہ سال گزرنے کے بعد وہ سال پھر ماضی ہو جائے گا حالانکہ ماضی سے استغناء ہو جاتا ہے اس لیے ہم نے مستقبل میں اسے واجب کیا ہے اور مستقبل کا تحقق ابتدائے سال میں ہوگا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اسے زکوٰۃ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کے لیے حولان حول شرط ہے اور حول فصول اربعہ پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے اس میں مجبوراً آخر سال میں زکوٰۃ واجب کی گئی ہے۔ واللہ اعلم





فَصْلٌ أَيْ هَذَا فَصْلٌ فِي بَيَانِ مَا يَجُوزُ لَهُمْ  
أَنْ يَفْعَلُوا مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالسُّكْنَى  
یہ فصل اس چیز کے بیان میں ہے کہ ذمیوں کے لیے سکنی سے  
متعلق کون سے امور جائز ہیں

وَلَا يَجُوزُ إِحْدَاثُ بَيْعَةٍ وَلَا كَنْيَسَةٍ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ لِقَوْلِهِ ① (لَا خَصَاءَ فِي الْإِسْلَامِ وَلَا كَنْيَسَةً)،  
وَالْمُرَادُ إِحْدَاثُهَا، وَإِنْ انْهَدَمَتِ الْبَيْعُ وَالْكَنَائِسُ الْقَدِيمَةُ أَعَادُوهَا، لِأَنَّ الْأَبْنِيَّةَ لَا تَبْقَى دَائِمَةً، وَلَمَّا أَقْرَهُمُ  
الْإِمَامُ فَقَدْ عَاهَدَ إِلَيْهِمْ الْإِعَادَةَ إِلَّا أَنَّهُمْ لَا يُمْكِنُونَ مِنْ نَقْلِهَا، لِأَنَّهُ إِحْدَاثٌ فِي الْبَيْتِ، لِأَنَّهُ تَبَعَ لِلْسُّكْنَى،  
وَهَذَا فِي الْأَمْصَارِ دُونَ الْقُرَى، لِأَنَّ الْأَمْصَارَ هِيَ الَّتِي تُقَامُ فِيهَا الشَّعَائِرُ فَلَا تُعَارَضُ بِإِظْهَارِ مَا يُخَالِفُهَا،  
وَقِيلَ فِي دِيَارِنَا يُمْنَعُونَ مِنْ ذَلِكَ فِي الْقُرَى أَيْضًا، لِأَنَّ فِيهَا بَعْضَ الشَّعَائِرِ، وَالْمَرْوِيُّ عَنْ صَاحِبِ الْمَذْهَبِ  
فِي قَرَى الْكُوفَةِ، لِأَنَّ أَكْثَرَ أَهْلِهَا أَهْلُ الذِّمَّةِ، وَفِي أَرْضِ الْعَرَبِ يُمْنَعُونَ مِنْ ذَلِكَ فِي أَمْصَارِهَا وَقُرَاهَا لِقَوْلِهِ  
الْعَلِيُّ (لَا يَجْتَمِعُ دِينَانُ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ)).

**ترجمہ:** دار الاسلام میں بیعہ اور کنیسہ بنانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”اسلام میں خصی ہونا اور کنیسہ  
بنانا جائز نہیں ہے۔ اور اس سے مراد از سر نو بنانا ہے۔ اور اگر بیعہ اور پرانے کنیسہ منہدم ہو گئے ہوں تو انہیں دوبارہ بنا سکتے ہیں، کیونکہ  
عمارت ہمیشہ باقی نہیں رہتی اور جب امام نے ذمیوں کو (دار الاسلام میں) رہنے کا اختیار دیدیا ہے تو اس نے ان کی عبادت گاہ کو  
دوبارہ بنانے کا بھی عہد کر لیا ہے، لیکن ذمیوں کو کنیسہ یا بیعہ منتقل کرنے کی قدرت نہیں دی جائے گی، اس لیے کہ نقل در حقیقت احداث  
ہے اور وہ صومعہ جو تخیلی کے لیے ہوتا ہے وہ بیعہ کے درجے میں ہے۔ برخلاف گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ کے، کیونکہ یہ جگہ سکنی کے تابع  
ہوتی ہے اور یہ احکام شہروں کے ہیں، دیہات کے نہیں ہیں، کیونکہ شہروں میں شعائر قائم کئے جاتے ہیں لہذا دیہات میں کچھ کرنا ان  
شعائر کے مخالف نہیں ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ ہمارے علاقے میں دیہات میں بھی یہ کام کرنے سے انھیں روکا جائے گا، کیونکہ دیہات میں بھی کچھ شعائر  
ہوتے ہیں اور امام اعظم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ کوفہ کے دیہات میں جائز ہے، کیونکہ وہاں کے اکثر باشندے ذمی ہیں اور سرزمین عرب  
کے شہروں اور دیہاتوں دونوں میں اس سے منع کیا جائے گا، اس لیے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”جزیرۃ العرب میں دو

دین اکٹھا نہیں ہوں گے۔

## اللغات:

﴿احداث﴾ نیا بنانا۔ ﴿بیعة﴾ عیسائیوں کی مجاہدہ گاہ، خانقاہ۔ ﴿کنیسة﴾ سنی گاہ، یہودیوں کی عبادت گاہ۔ ﴿خصاء﴾ آختگی، خصی ہو جانا، آختہ بننا۔ ﴿اقر﴾ برقرار رکھا ہے۔ ﴿سکنی﴾ رہائش۔ ﴿امصار﴾ واحد مصر: شہر۔ ﴿قری﴾ واحد قریۃ: بستیاں۔

## تخریج:

① اخرجہ البیہقی فی کتاب السنن الکبریٰ ۴۱/۱۰۔

② اخرجہ اسحاق بن راہویہ فی مسندہ وانظر نصب الراية۔

## ذمیوں کی مذہبی سرگرمیاں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دارالاسلام میں جزیہ دے کر جو ذمی رہتے ہیں ان کے لیے وہاں کنیسہ اور بیچہ کی تعمیر کرنا درست اور جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث پاک میں صاف طور پر یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ اسلام میں نہ تو خصی ہونا جائز ہے اور نہ ہی کنیسہ بنانے کی اجازت ہے۔ اور حدیث پاک میں خصاء اور کنیسہ کا حکم اس لیے ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے، کیونکہ دو آدمیوں نے ایک ساتھ علی الترتیب خصاء اور کنیسہ کے متعلق حضرت محی اکرم ﷺ سے سوال کیا تھا اور آپ ﷺ نے ایک ہی ساتھ غالباً دونوں کو جواب مرحمت فرمایا تھا۔ (بنایہ: ۶/۶۸۳) ہاں اگر پہلے سے یہودیوں اور نصاریٰ کی عبادت گاہیں موجود ہوں اور منہدم ہو گئی ہوں تو ان کی مرمت کرنے اور رنگ و روغن کرانے کی اجازت ہوگی، اس لیے کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ کوئی بھی عمارت ہمیشہ باقی نہیں رہتی اور اس کی مرمت کاری وغیرہ کرانی پڑتی ہے اور پھر جب امام نے ذمیوں کو دارالاسلام میں رہنے کی اجازت دیدی تو اس کے ضمن میں یہ عہد بھی شامل ہو گیا کہ ہم تمہاری قدیم عبادت گاہوں کو تمہیں دیدیں گے لانا امرنا بترکھم وما یدینون البتہ نئی عبادت گاہ بنانے نہیں دیں گے اور نہ ہی پرانی عبادت گاہوں کو منتقل کرنے کی اجازت ہوگی، اس لیے کہ نقل بھی حقیقت میں احداث ہی ہے اور حدیث پاک میں احداث ہی سے منع کیا گیا ہے۔

والصومعة الخ فرماتے ہیں کہ وہ عبادت خانہ جسے یہود تخلیہ کرنے اور لوگوں سے کنارہ کش ہو کر عبادت کرنے کے لیے بناتے ہیں اس کا حکم بھی کنیسہ اور بیچہ کے حکم کی طرح ہے یعنی از سر نو اسے بھی بنانا جائز نہیں ہے، البتہ مرمت وغیرہ کرائی جاسکتی ہے، اسی طرح اگر کوئی ذمی اپنے گھر میں نماز اور عبادت کے لیے کوئی جگہ متعین کر لے اور بنا لے تو اس کی بھی اجازت ہوگی، کیونکہ یہ اس کی رہائش اور اس کے مکان و مسکن کے تابع ہے اور اسے مکان وغیرہ کی تعمیر سے کوئی نہیں رو سکتا۔

وهذا في الأمصار الخ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ممانعت کا یہ حکم شہروں سے متعلق ہے اور دیہات میں کوئی ممانعت نہیں ہے، کیونکہ شہروں میں ہی شعائر اسلامیہ موجود ہوتے ہیں اس لیے شہروں کے علاوہ دیہات میں ذمیوں کو بیچہ وغیرہ بنانے سے نہیں روکا جائے گا، لیکن علامہ شمس الأئمہ سرخسی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ ہمارے علاقے کے دیہات میں بھی ذمیوں کو اس کام سے روکا

جائے گا اس لیے کہ ان دیہاتوں میں بھی شعائر اسلام مثلاً اذان و اقامت اور نماز باجماعت کا قیام ہوتا ہے، البتہ امام اعظم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ کوفہ کے دیہاتوں میں ذمیوں کو احداث بیعہ وغیرہ سے منع نہیں کیا جائے گا، کیونکہ کوفہ کے دیہات میں ذمی ہی زیادہ تر آباد ہیں اور وہاں مسلمان بھی کم ہیں اور اسلامی شعائر بھی کم ہیں اس لیے وہاں اس کو جائز قرار دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، ہاں عرب کے شہر اور دیہات کہیں بھی اس کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ حدیث پاک میں ہے لَا يَجْتَمِعُ دِينَان فِي جَزِيرَةِ الْعَرَب۔

قَالَ وَيُؤْخَذُ أَهْلُ الدِّمَةِ بِالتَّمْيِيزِ عَنِ الْمُسْلِمِينَ فِي زِيَّهِمْ وَمَرَائِكِهِمْ وَسُرُوجِهِمْ وَقَلَانِسِهِمْ فَلَا يَرُكَّبُونَ الْخَيْلَ وَلَا يَعْمَلُونَ بِالسَّلَاحِ، وَفِي الْجَامِعِ وَيُؤْخَذُ أَهْلُ الدِّمَةِ بِإِظْهَارِ الْكُسْتِيجَاتِ وَالرُّكُوبِ عَلَى السُّرُوجِ الَّتِي هِيَ كَهَيَاةِ الْأَكْفِ، وَإِنَّمَا يُؤْخَذُونَ بِذَلِكَ إِظْهَارًا لِلصَّغَارِ عَلَيْهِمْ وَصِيَانَةً لِضَعْفَةِ الْمُسْلِمِينَ، وَلَئِنْ الْمُسْلِمُ يُكْرِمُ وَالذِّمِّيُّ يُهَانُ وَلَا يَتَّيَدُ بِالسَّلَامِ وَيُضَيِّقُ عَلَيْهِ الطَّرِيقُ فَلَوْلَمْ يَكُنْ عَلَامَةً مُمَيَّزَةً فَلَعَلَّهُ يُعَامَلُ مُعَامَلَةَ الْمُسْلِمِينَ وَذَلِكَ لَا يَجُوزُ، وَالْعَلَامَةُ تَجِبُ أَنْ يَكُونَ خَيْطًا غَلِيظًا مِنَ الصُّوفِ يَشُدُّهُ عَلَى وَسْطِهِ دُونَ الزَّنَارِ مِنَ الْإِبْرَيْشِمِ فَإِنَّهُ جَفَاءٌ فِي حَقِّ أَهْلِ الْإِسْلَامِ، وَيَجِبُ أَنْ يَتَمَيَّزَ نِسَاؤُهُمْ عَنْ نِسَائِنَا فِي الطَّرْقَاتِ وَالْحَمَامَاتِ وَيَجْعَلَ عَلَى دُورِهِمْ عَلَامَاتٌ كَمَا لَا يَقِفُ عَلَيْهِمْ سَائِلٌ يَدْعُو لَهُمْ بِالْمَغْفِرَةِ، قَالُوا الْأَحَقُّ أَنْ لَا يَتْرَكُوا أَنْ يَرُكَّبُوا إِلَّا لِلضَّرُورَةِ وَإِذَا رَكَّبُوا لِلضَّرُورَةِ فَلْيَنْزِلُوا فِي جَامِعِ (مَجَامِعِ) الْمُسْلِمِينَ فَإِنْ لَزِمَتْهُ ضَرُورَةٌ اتَّخَذُوا سَرَجًا بِالْصِفَةِ الَّتِي تَقَدَّمَتْ، وَيُمْنَعُونَ عَنْ لِبَاسٍ يَخْتَصُّ بِهِ أَهْلُ الْعِلْمِ وَالزُّهْدِ وَالشَّرَفِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ ذمیوں سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنے لباس، اپنی سواریاں، اپنی زین اور اپنی ٹوپوں میں مسلمانوں سے علاحدگی اور امتیاز پیدا کریں چنانچہ وہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں اور ہتھیار نہ لٹکائیں، جامع صغیر میں ہے کہ ذمیوں پر یہ دباؤ ڈالا جائے کہ وہ دھاگا باندھیں اور ان زینوں پر سوار ہوں جو خچروں اور گدھوں کے پالان کی طرح ہوتی ہیں اور ایسا اس لیے کیا جائے گا تاکہ ان کی ذلت ہو اور کم زور مسلمان ان سے محفوظ رہیں۔ اور اس لیے کہ مسلمان کا اکرام کیا جاتا ہے اور ذمی کی توہین کی جاتی ہے، اس کو پہلے سلام نہیں کیا جاتا اور اس کا راستہ تنگ کر دیا جاتا ہے لہذا اگر کوئی علامت متمیزہ نہیں ہوگی تو ہو سکتا ہے کہ ذمی کے ساتھ بھی مسلمانوں جیسا برتاؤ کر دیا جائے حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔

اور علامت یہ ہے کہ اس کے پاس اون کا ایک موٹا تاگا ہو جسے وہ اپنی کمر میں باندھے لیکن یہ ریشمی زنار نہ ہو، اس لیے کہ زنار مسلمانوں کے حق میں ظلم ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ذمیوں کی عورتیں مسلمانوں کی عورتوں سے راستوں اور غسل خانہ میں الگ رہیں اور ان کے دروازوں پر نشانیاں بتادی جائیں تاکہ کوئی سائل وہاں کھڑا ہو کر ان کے لیے دعائے مغفرت نہ کر سکے، حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ بلا ضرورت انھیں سوار ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اگر بوقت ضرورت وہ سوار ہوں تو مسلمانوں کے مجمع پر اتر کر چلیں اور اگر

(مجمع کے پاس بھی سوار ہو کر چلنے کی) ضرورت ہو تو وہ پالان کی طرح زین بنالیں۔ اور انھیں ایسا لباس پہنے سے منع کیا جائے گا جو علماء، بزرگان دین اور شریفان قوم کے ساتھ مخصوص ہو۔

### اللغات:

﴿زنی﴾ حلیہ، لباس۔ ﴿مراکب﴾ واحد مرکب؛ سواریاں۔ ﴿سروج﴾ زین، پالان۔ ﴿قلانس﴾ ٹوپیاں۔ ﴿خیل﴾ گھوڑے۔ ﴿اکف﴾ گدھے کی کاٹھی۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار، اسلحہ۔ ﴿کستیجات﴾ جنیو، مذہبی علامتی دھاگے۔ ﴿صیانہ﴾ بچاؤ، حفاظت۔ ﴿خیط﴾ دھاگا۔ ﴿غلیظ﴾ موٹا، گاڑھا۔ ﴿صوف﴾ اون۔

### دارالاسلام میں ذمیوں کے رہنے کے طور طریقے:

اس پوری عبادت میں ذمیوں کے دارالاسلام میں رہنے کے طور و طریقے اور لباس وغیرہ پہننے کے اصول بیان کئے گئے ہیں جو ترجمے سے واضح ہیں، البتہ چند الفاظ اس میں نئے ہیں جن کی حقیقت سے آپ کو مطلع کرایا جا رہا ہے۔

(۱) زنی اس کی جمع ازیاء ہے بمعنی لباس، ڈریس۔

(۲) کستیجات اس کا واحد کستیج ہے بمعنی انگلی کے بقدر ایک موٹا دھاگا جسے ذمی اپنے کپڑوں کے اوپر باندھتے ہیں۔

(۳) اکف اس کا واحد اکاف ہے بمعنی گدھے کی پالان۔

وَمِنْ أَمْتَعٍ مِنَ الْجِزْيَةِ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمًا أَوْ سَبَّ النَّبِيَّ ﷺ أَوْ زَنَى بِمُسْلِمَةٍ لَمْ يَنْتَقِضْ عَهْدُهُ، لِأَنَّ الْغَايَةَ الَّتِي يَنْتَهِي بِهَا الْقِتَالُ التَّزَمُ الْجِزْيَةِ لَا أَدَاؤَهَا، وَالْإِلْتِزَامُ بَاقٍ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ سَبُّ النَّبِيِّ ﷺ يَكُونُ نَقْضًا، لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا يَنْقُضُ إِيمَانَهُ فَكُذًّا يَنْقُضُ أَمَانَهُ، إِذْ عَقْدُ الدِّمَةِ خَلْفَ عَنْهُ، وَلَنَا أَنَّ سَبَّ النَّبِيِّ ﷺ كُفْرٌ مِنْهُ، وَالْكُفْرُ الْمُقَارِنُ لَا يَمْنَعُهُ فَالطَّارِي لَا يَرْفَعُهُ، قَالَ وَلَا يَنْقُضُ الْعَهْدُ إِلَّا وَأَنْ يُلْحَقَ بِدَارِ الْحَرْبِ أَوْ يَغْلِبُونَ عَلَى مَوْضِعٍ فَيُحَارِبُونَنَا، لِأَنَّهُمْ صَارُوا حَرْبًا عَلَيْنَا فَيَعْرَى عَقْدُ الدِّمَةِ عَنِ الْفَائِدَةِ وَهُوَ دَفْعُ شَرِّ الْحَرَابِ، وَإِذَا نَقَضَ الدِّمِي الْعَهْدَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُرْتَدِّ، مَعْنَاهُ فِي الْحُكْمِ بِمَوْتِهِ بِاللَّحَاقِ، لِأَنَّهُ يُلْحَقُ بِالْمَوَاتِ، وَكَذَا فِي حُكْمِ مَا حَمَلَهُ مِنْ مَالِهِ إِلَّا أَنَّهُ لَوْ أُسِرَ يُسْتَرْقَى، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ.

**ترجمہ:** جو ذمی جزیہ دینے سے انکار کر دے یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا حضرت نبی کریم ﷺ پر سب و شتم کرے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ قتال کی آخری غایت یہ ہے کہ وہ ذمی جزیہ کو اپنے اوپر لازم کر لے اور اس کی ادائیگی آخری حد نہیں ہے اور اس کا التزام باقی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینا نقض عہد ہے کیونکہ اگر گالی بکنے والا مسلمان ہو تو اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح ذمی کا عہد بھی (سب و شتم سے) ختم ہو جائے گا اس لیے کہ عقد ذمہ ایمان کا خلیفہ ہے۔



ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو سب و شتم کرنا کفر ہے اور وہ کفر جو عقد ذمہ سے متصل تھا وہ اس کے ذمے ہونے سے مانع نہیں ہوا تو کفر طاری اس عہد اور عقد کو ختم بھی نہیں کرے گا۔

فرماتے ہیں کہ ذمی کا عہد نہیں ٹوٹے گا لہذا یہ کہ وہ دار الحرب چلا جائے یا ذمی کسی جگہ غالب اور اکٹھا ہو کر ہم مسلمانوں سے لڑائی کرنے لگیں، کیونکہ اس صورت میں وہ ہمارے خلاف لڑا کا بن جائیں گے اور عقد ذمہ فائدہ یعنی لڑائی کی برائی کے خاتمے سے خالی ہو جائے گا۔ اور اگر ذمی اپنا عہد توڑ دے تو وہ مرتد کے درجے ہو جائے گا یعنی وہ مرتد کے حکم میں ہوگا کہ دار الحرب میں چلے جانے سے اس کی موت کا فیصلہ کر دیا جائے گا، کیونکہ وہ مردوں سے مل گیا ہے، اسی طرح اپنے ساتھ جو وہ مال لے گیا ہے وہ بھی مال مرتد کے حکم میں ہوگا، لیکن اگر اسے گرفتار کر لیا گیا تو اسے غلام بنالیا جائے گا۔ برخلاف مرتد کے۔

### اللغات:

﴿امتنع﴾ رک گیا، انکار کیا۔ ﴿سب﴾ زبان درازی کی، نازیبا گفتاری کی۔ ﴿لم یستقض﴾ نہیں ٹوٹا۔ ﴿غایۃ﴾ انتہائی بات۔ ﴿التزم﴾ اپنے ذمے میں لیا ہے۔ ﴿بلحق﴾ ساتھ مل جائے۔ ﴿یسترق﴾ غلام بنایا جائے گا۔

### ذمی کی جنایات کی سر:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی ذمی جزیہ دینے سے انکار کر دے یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا نعوذ باللہ حضرت نبی اکرم ﷺ کو برا بھلا کہے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے تو ان جرائم کی وجہ سے اس کا عقد ذمہ ختم نہیں ہوگا، بلکہ باقی رہے گا، کیونکہ قتل سے جو چیز مانع ہے وہ جزیہ کو لازم کرنا ہے نہ کہ جزیہ ادا کرنا اور ان جرائم کے بعد بھی اس کے حق میں التزام باقی ہے، اس لیے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں اور جرائم میں تو اسے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر اس بد بخت نے حضرت نبی اکرم ﷺ پر زبان طعن دراز کیا تو اس کی گردن ناپ دی جائے گی اور اس کا ”عہد و ہد“ اس کے منہ پر مار دیا جائے گا، کیونکہ اگر کوئی مسلمان اس طرح کی نازیبا حرکت کرتا تو اس کا ایمان سلب ہو جاتا اس لیے جب کوئی کافر ذمی اس طرح کی گستاخی کرے گا تو اس کا بھی امان ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ عقد ذمہ ایمان کا بدل ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کو برا بھلا کہنا کفر ہے حالانکہ ذمی کا کفر عقد ذمہ کے جواز سے مانع نہیں ہے، کیونکہ بحالت کفر ہی وہ ذمی بنتا ہے تو جب کفر ابتدائی مانع ذمیت نہیں ہے تو کفر طاری رافع ذمہ نہیں ہوگا ”لان البقاء أسهل من الابتداء“۔

قال ولا یستقض الخ فرماتے ہیں کہ اگر ذمی دار الحرب چلا جائے یا ذمی اپنی ایک پارٹی بنا کر مسلمانوں پر حملہ کر دیں تو ان کا عہد و امان ختم ہو جائے گا، اس لیے کہ ایسا کرنے سے وہ ہمارے خلاف لڑائی کرنے والے بن جائیں گے اور عقد ذمہ کا مقصد اور اس کی منفعت یعنی دفع شر الحراب فوت ہو جائے گی۔ اور نقض عہد کے بعد ذمی کی جان اور اس کا مال مرتد کی جان اور اس کے مال کے حکم میں ہوگی، کیونکہ وہ دار الحرب جا کر کفار سے مل گیا ہے جو ایک طرح سے مردے ہیں، اور مرتد کی بیوی کی طرح اس کی بیوی بھی اگر دار السلام میں ہو تو بائیں ہو جائے گا اسی طرح مسلمان اگر دار الحرب پر قابض ہو گئے تو اس کے اموال غنیمت ہو جائیں گے، البتہ اس ذمی اور مرتد میں فرق یہ ہوگا کہ ذمی گرفتار ہو کر قید بنالیا جائے گا لیکن مرتد کو قیدی نہیں بنایا جاسکتا، بلکہ اس کے سامنے صرف دو ہی راستے ہوں گے (۱) یا تو وہ اسلام قبول کرے (۲) یا پھر اپنی گردن کٹوالے۔

## فصلُ اُمّی ہذا فصلُ فی احکامِ نصاریٰ بنی تغلب

یہ فصل نصاریٰ بنو تغلب کے احکام کے بیان میں ہے

نصاری بنو تغلب کے احکام عام نصاریٰ کے احکام سے مختلف ہیں اسی لیے علیحدہ فصل کے تحت انھیں بیان کیا جا رہا ہے۔

وَنَصَارَىٰ بَنُو تَغْلَبَ يُؤْخَذُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ ضِعْفَ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الزَّكَاةِ، لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ صَلَّاهُمْ عَلَى ذَلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ، وَيُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْ صِبْيَانِهِمْ، لِأَنَّ الصُّلْحَ وَقَعَ عَلَى الصَّدَقَةِ الْمَضَاعِفَةِ، وَالصَّدَقَةُ تَجِبُ عَلَيْهِنَّ دُونَ الصِّبْيَانِ فَكَذَا الْمَضَاعِفُ، وَقَالَ زُفَرٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ أَيْضًا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، لِأَنَّهُ جِزْيَةٌ فِي الْحَقِيقَةِ عَلَى مَا قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ هَذِهِ جِزْيَةٌ فَسَمَوْهَا مَا شِئْتُمْ وَلِهَذَا تُصْرَفُ مَصَارِفُ الْجِزْيَةِ وَلَا جِزْيَةٌ عَلَى النِّسْوَانِ، وَلَنَا أَنَّهُ مَالٌ وَجَبَ بِالصُّلْحِ، وَالْمَرْأَةُ مِنْ أَهْلِ وَجُوبٍ مِثْلِهِ عَلَيْهَا، وَالْمَصْرَفُ مُصَالِحُ الْمُسْلِمِينَ، لِأَنَّهُ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ وَذَلِكَ لَا يَخْتَصُّ بِالْجِزْيَةِ، أَلَا تَرَىٰ أَنَّهُ لَا يَرَاغَىٰ فِيهِ شَرَانِطُهَا.

**ترجمہ:** نصاریٰ بنو تغلب کے اموال سے مسلمانوں سے لی جانے والی زکوٰۃ کا دو گنا مال لیا جائے گا اس لیے کہ حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نے حضرات صحابہ کرام رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ کی موجودگی میں اسی مقدار پر ان سے صلح کی تھی، ان کی عورتوں سے بھی لیا جائے گا، لیکن ان کے بچوں سے نہیں لیا جائے گا، کیونکہ صلح صدقہ مضاعفہ پر واقع ہوئی ہے اور صدقہ عورتوں پر واجب ہے نہ کہ بچوں پر، لہذا مضاعف بھی عورتوں پر ہی واجب ہوگا۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ ان کی عورتوں سے بھی نہیں لیا جائے گا یہی امام شافعی رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کا بھی قول ہے اس لیے کہ یہ درحقیقت جزیہ ہے جیسا کہ حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نے فرمایا تھا یہ جزیہ ہے لہذا تم چاہو اسے نام دیدو اسی لیے اس کو جزیہ کے مصارف میں صرف کیا جاتا ہے اور عورتوں پر جزیہ نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ایسا مال ہے جو صلح کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور عورت اس بات کی اہل ہے کہ اس پر اس جیسا مال واجب کیا جائے۔ اور اس کا مصرف مصالح المسلمین ہیں اس لیے کہ یہ بیت المال کا مال ہے اور یہ مصرف جزیہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، کیا دکھتا نہیں کہ اس میں جزیہ کی شرطوں کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

## اللغات:

﴿ضعف﴾ دوگنا، دوہرا۔ ﴿صالحہم﴾ ان سے مصالحت کی تھی۔ ﴿محضر﴾ موجودگی۔ ﴿صبیان﴾ واحد صبی: بچے۔ ﴿سقموہا﴾ اس کا نام رکھو۔ ﴿تصرف﴾ خرچ کیا جاتا ہے۔

## بنو تغلب کے جزیہ کی مقدار:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نصاریٰ بنو تغلب سے جو جزیہ لیا جائے گا اس کی مقدار زکوٰۃ کے مال سے دوگنی ہوگی یعنی ان سے ہر سو دراہم میں سے پانچ دراہم لیے جائیں گے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب نصاریٰ بنو تغلب پر جزیہ لازم کیا تو انہوں نے اس سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ تم ہم سے زکوٰۃ کی مقدار مال لے لو، اس پر حضرت عمر نے فرمایا لا اُخذ الصدقة عن مشرک میں مشرک سے صدقہ نہیں لوں گا تب حضرت نعمان بن زرعہ نے عرض کیا اے امیر المؤمنین خذ منهم الصدقة باسم الجزية کہ ان سے جزیہ کے نام پر صدقہ لے لیجئے چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سے صدقہ کا دوگنا مال لیا (بنایہ شرح عربی ہدایہ) اور یہ مال ان کی عورتوں سے بھی لیا جائے گا لیکن بچوں سے نہیں لیا جائے گا، کیونکہ صلح صدقہ مضاعفہ پر واقع ہوئی تھی اور صدقہ عورتوں پر تو واجب ہے، لیکن بچے اس وجوب سے مستثنیٰ ہیں۔

امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ کے یہاں عورتوں سے بھی نہیں لیا جائے گا، کیونکہ یہ درحقیقت جزیہ ہے اور عورتوں پر جزیہ نہیں ہوتا، اسی لیے تو یہ مال مصارف جزیہ میں صرف کیا جاتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ صلح کے نتیجے میں ملنے والا مال ہے اور مال صلح عورتوں پر بھی واجب ہوتا ہے۔ اور امام زفر وغیرہ کا اسے مصارف جزیہ کا مصرف قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ مال مسلمانوں کے فائدے اور منافع میں صرف کیا جاتا ہے اور یہ مصالحوں کے ساتھ خاص نہیں ہیں، بلکہ ان میں ہر طرح کے اموال مثلاً خراج اور اہل حرب کے ہدایا سب ہوتے ہیں، اسی لیے تو یہ مال نائب کے ذریعے بھی لے لیا جاتا ہے اور اس میں معطی کے کھڑے ہو کر دینے کی شرط نہیں ہے جب کہ جزیہ میں یہ شرطیں ملحوظ ہیں، اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ مال صلح ہے، مال جزیہ نہیں ہے۔

وَيُوضَعُ عَلَى مَوْلَى التَّغْلِبِيِّ الْخَرَاجُ أَيْ الْجِزْيَةُ وَخَرَاجُ الْأَرْضِ بِمَنْزِلَةِ مَوْلَى الْقُرَشِيِّ، وَزَفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يُضَاعِفُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ((إِنَّ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ)) أَلَا تَرَى أَنَّ مَوْلَى الْهَاشِمِيِّ يَلْحَقُ بِهِ فِي حَقِّ حُرْمَةِ الصَّدَقَةِ، وَلَنَا أَنَّ هَذَا تَخْفِيفٌ، وَالْمَوْلَى لَا يَلْحَقُ بِالْأَصْلِ فِيهِ وَلِهَذَا تَوَضَّعَ الْجِزْيَةُ عَلَى مَوْلَى الْمُسْلِمِ إِذَا كَانَ نَصْرَانِيًّا، بِخِلَافِ حُرْمَةِ الصَّدَقَةِ لِأَنَّ الْحُرْمَاتِ تَثْبُتُ الشُّبُهَاتِ فَالْحَقُّ الْمَوْلَى بِالْهَاشِمِيِّ فِي حَقِّهِ وَلَا يَلْزَمُ مَوْلَى الْغَنِيِّ حَيْثُ لَا تَحْرُمُ عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ، لِأَنَّ الْغَنِيَّ مِنْ أَهْلِهَا وَإِنَّمَا الْغَنِيُّ مَانِعٌ وَلَمْ يُوْجَدْ فِي حَقِّ الْمَوْلَى، أَمَّا الْهَاشِمِيُّ فَلَيْسَ بِأَهْلٍ لِهَذِهِ الصَّلَةِ أَصْلًا لِأَنَّهُ صِيفٌ لَشَرَفِهِ وَكَرَامَتِهِ عَنْ أَوْسَاخِ النَّاسِ فَالْحَقُّ بِهِ مَوْلَاهُ.

**ترجمہ:** ہاشمی غلاموں کی طرح تغلی غلاموں پر بھی جزیہ اور خراج مقرر کیا جائے گا، امام زقر فرماتے ہیں کہ ان سے دو گنا لیا جائے گا، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے قوم کا آزاد کیا ہوا غلام انھی میں سے ہوتا ہے، کیا دکھتا نہیں کہ حرمت صدقہ کے حق میں ہاشمی کا غلام ہاشمی کے ساتھ کر دیا جاتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ تخفیف ہے اور آزاد کردہ غلام اس تخفیف میں اصل کے ساتھ نہیں ہوگا، اسی لیے اگر مسلمان کا آزاد کردہ غلام نصرانی ہو تو اس پر جزیہ مقرر کیا جاتا ہے۔ برخلاف صدقہ حرام ہونے کے، کیونکہ شبہات سے بھی حرمتیں ثابت ہو جاتی ہیں لہذا حرمت کے حق میں ہاشمی کے مولیٰ کو اس ہاشمی کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا اور مولیٰ الغنی پر اعتراض نہیں وارد ہو سکتا، اس لیے کہ مالدار شخص میں صدقہ لینے کی اہلیت ہوتی ہے اور اس کا غنی لینے سے مانع ہوتا ہے اور اس کے غلام کے حق میں یہ بات نہیں ہے۔ رہا ہاشمی تو وہ اس عطیہ کا مستحق ہی نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنی شرافت و کرامت کی وجہ سے لوگوں کی میل پکیل سے محفوظ کر دیا گیا ہے لہذا اس کے غلاموں کو بھی اسی کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہے۔

### اللغات:

﴿مولیٰ﴾ غلام۔ ﴿بضاعف﴾ دو گنا کرتے ہیں، دوہرا بتاتے ہیں۔ ﴿غنی﴾ مالدار۔ ﴿صیف﴾ محفوظ کیا گیا ہے۔ ﴿اوساخ﴾ واحد و نسخ؛ میل پکیل۔

### بنو تغلب کے آزاد کردہ غلاموں کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں نصاریٰ بنو تغلب کے آزاد کردہ غلاموں پر بھی جزیہ اور ان کی زمینوں میں خراج مقرر کیا جائے گا اور اصل یعنی بنو تغلب کی طرح ان کے غلاموں سے دو گنا نہیں لیا جائے گا جب کہ امام زقر کے یہاں تغلی غلاموں سے بھی ان کے مولیٰ کی طرح دو گنا لیا جائے گا، کیونکہ حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ قوم کا آزاد کردہ غلام بھی انھی میں سے ہوتا ہے یعنی جو احکام و مسائل قوم کے ہوتے ہیں وہی احکام ان کے مولیٰ کے بھی ہوتے ہیں اور چوں کہ بنو تغلب سے دو گنا لیا جاتا ہے لہذا ان کے مولیٰ سے بھی دو گنا لیا جائے گا جیسا کہ ہاشمی شخص پر صدقہ حرام ہے تو اس کے آزاد کردہ غلام کے لیے بھی صدقہ لینا حرام ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ بنو تغلب سے دو گنا لینا درحقیقت ان کے حق میں تخفیف فی الذلۃ ہے یعنی دو گنا دینے میں جزیہ اور خراج کی بہ نسبت ذلت اور رسوائی کم ہے لہذا یہ تخفیف ان کے مولیٰ کے حق میں ثابت نہیں ہوگی، جیسے اگر کوئی شخص مسلمان ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر جزیہ اور خراج نہیں ہوگا، لیکن اگر اس مسلمان کا کوئی نصرانی غلام ہو تو اس پر جزیہ ہوگا اور اس کے مولیٰ کے حق میں جو جزیہ معدوم ہے یہ انعدام اس غلام کے حق میں مؤثر نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف حرمت صدقہ کا معاملہ ہے تو ہاشمی کے مولیٰ پر اس لیے صدقہ حرام ہے کہ ہاشمی میں صدقہ لینے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور اپنی شرافت و بزرگی کی وجہ سے وہ کسی بھی حالت میں صدقہ نہیں لے سکتا اور چوں کہ ہاشمی کے غلام میں کچھ نہ کچھ ہاشمیت کا اثر ہو ہی جاتا ہے اور اس میں ہاشمیت کی بو آنے لگتی ہے لہذا اسی شبہ اور بو کی وجہ سے حرمت صدقہ ہاشمی کے مولیٰ کو اس کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہے۔

اب اگر کوئی شخص مالدار ہو تو اس کے لیے صدقہ لینا حرام ہے، لیکن یہ حرمت اس کے مولیٰ کے حق میں مؤثر نہیں ہوگی اور اس



کے مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام کے لیے صدقہ لینا حلال ہوگا اگر وہ محتاج ہو۔ کیونکہ اس کے اصل یعنی مالدار میں فی الجملہ صدقہ لینے کی صلاحیت موجود ہے اور عارض غنی کی وجہ سے اس کے لیے صدقہ حرام ہوا ہے اور چوں کہ یہ عارض اس کے مولیٰ میں موجود نہیں ہے، لہذا اس کے حق میں صدقہ لینا حلال ہوگا۔

قَالَ وَمَا جَبَاهُ الْإِمَامُ مِنَ الْخَرَاجِ وَمِنْ أَمْوَالِ بَنِي تَغْلِبَ وَمَا أَهْدَاهُ أَهْلُ الْحَرْبِ إِلَى الْإِمَامِ وَالْجِزْيَةُ تُصْرَفُ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ كَسَدِّ الثُّورِ وَبِنَاءِ الْقَنَاطِيرِ وَالْجُسُورِ وَيُعْطَى قِصَاةُ الْمُسْلِمِينَ وَعُمَّالُهُمْ وَعُلَمَاءُهُمْ مِنْهُ مَا يَكْفِيهِمْ، وَيُدْفَعُ مِنْهُ أَرْزَاقُ الْمُقَاتِلَةِ وَذُرَارِيَّتِهِمْ، لِأَنَّهُ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ فَإِنَّهُ وَصَلَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ وَهُوَ مَعْدٌ لِمَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ وَهَؤُلَاءِ عَمَلَتْهُمْ، وَنَفَقَةُ الذَّرَارِيِّ عَلَى الْأَبَاءِ فَلَوْلَمْ يُعْطُوا كِفَايَتَهُمْ لَاحْتِاجُوا إِلَى الْإِكْتِسَابِ وَلَا يَفْرُغُونَ لِلْقِتَالِ، وَمَنْ مَاتَ فِي نِصْفِ السَّنَةِ فَلَأَشْيَاءُ لَهُ مِنَ الْعَطَاءِ، لِأَنَّهُ نَوْعُ صَلَاةٍ وَلَيْسَ بِذَيْنٍ وَلِهَذَا سُمِّيَ عَطَاءٌ فَلَا يَمْلِكُ قَبْلَ الْقَبْضِ وَيَسْقُطُ بِالْمَوْتِ، وَأَهْلُ الْعَطَاءِ فِي زَمَانِنَا مِثْلُ الْقَاضِي وَالْمُدَرِّسِ وَالْمُفْتِي، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ امام خراج سے اور بنو تغلب کے اموال سے جو مال جمع کرے اور وہ مال جسے حربی لوگ امام کو ہدیہ کر دیں اور جزیہ یہ سب امام مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کرے جیسے سرحدوں کو مضبوط کرنا، پل بنوانا، اور اسی میں سے مسلمان قاضیوں، عاملوں اور عالموں کو اتنا مال دے جو ان کے لیے کافی ہو اور اسی مال سے مجاہدین اور ان کی اولاد کو روزینہ بھی دے اس لیے کہ یہ بیت المال کا مال ہے، کیونکہ بغیر قتال کے یہ مال مسلمانوں کو ملا ہے اور بیت المال مسلمانوں کے مصالح کے لیے بنایا گیا ہے اور یہ لوگ مسلمانوں کے عامل ہیں اور اولاد کا خرچہ ان کے آباء پر ہوگا، اس لیے اگر ان لوگوں کو بقدر کفایت مال نہ دیا گیا تو ان لوگوں کو کمانے کی ضرورت ہوگی اور وہ قتال کے لیے فارغ نہیں ہوں گے۔

اور قاضی وغیرہ میں سے جو شخص درمیان سال میں مر گیا تو عطاء میں سے اسے کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ عطاء ایک طرح کا صلہ ہے، قرض نہیں ہے اسی لیے اس کو عطاء کہا جاتا ہے لہذا قبضہ سے پہلے کوئی اس کا مالک نہیں ہوگا اور مستحق کی موت سے ساقط ہو جائے گا، ہمارے زمانے میں اہل عطاء یہ لوگ ہیں قاضی، مدرس اور مفتی، واللہ اعلم۔

### اللغات:

﴿ما جباه﴾ جس کو ٹیکس کے طور پر وصول کرے۔ ﴿أهداه﴾ جو ہدیہ کیا ہو۔ ﴿تصرف﴾ خرچ کیا جائے گا۔ ﴿سد﴾ باندھنا، مضبوط کرنا۔ ﴿ثور﴾ سرحدیں۔ ﴿قناطیر﴾ واحد قنطرة؛ پل۔

### خراج، جزیہ اور حربیوں کے ہدایا کے مصارف:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ خراج، جزیہ اور حربیوں کے ہدایہ وغیرہ سے جو مال امام کے پاس جمع ہو امام کو چاہئے کہ وہ سارے

اموال مسلمانوں کے مصالح یعنی سرحدوں کی مضبوطی اور پل وغیرہ کی تعمیرات میں خرچ کرے اور انھیں اموال میں سے مسلم قاضیوں، عاملوں اور علماء کی تنخواہ دے اور مجاہدین اور ان کی آل و اولاد کا نان و نفقہ بھی دے، اس لیے کہ یہ بیت المال کا مال ہے اور بیت المال مسلمانوں کی مصالح اور ان کے مصائب میں کام آنے کے لیے بنایا جاتا ہے اور چوں کہ یہ لوگ یعنی قاضی وغیرہ مسلمانوں کی تنظیم و ترقی کے لیے سرگرم عمل رہتے ہیں اس لیے ان کا روزینہ اور ان کے اخراجات بھی مسلمانوں کے مال یعنی بیت المال سے پورے کئے جائیں گے۔ اور چوں کہ اولاد کا نفقہ باپ کے ذمے ہوتا ہے اس لیے امام کو چاہئے کہ ہر شخص کو اتنا مال دے جو اس کے ذاتی اخراجات اور اس کے اہل و عیال کی ضروریات کے لیے کافی ہو جائے اور کوئی شخص اپنے بال بچوں کی خاطر فکر معاش میں ادھر ادھر کام کرنے کے متعلق نہ سوچے، اس لیے کہ اگر ان میں سے کوئی جماعت اپنے مقصد اور مشن سے پھر گئی تو اس کا نقصان صرف مسلمانوں کو ہوگا۔

ومن مات الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ مسلم قاضیوں اور عاملوں کو چوں کہ سال کے اخیر میں پورے سال کی تنخواہ دی جاتی ہے اس لیے اگر کوئی شخص درمیان سال میں مر جائے تو اس کا استحقاق ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ یہ عطیہ ہے کوئی قرض نہیں ہے اور عطیہ کا حکم یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے کوئی اس کا مالک نہیں ہوتا اور جو شخص مر گیا ہو ظاہر ہے کہ وہ قبضہ کر نہیں سکتا اس لیے درمیان سال میں مرنے سے استحقاق ختم ہو جائے گا، ہاں آخر سال میں مرنے سے مرنے والے کے قریبی کو اس کے حصے کا عطیہ دیا جاسکتا ہے۔ اور اس زمانے میں مفتی، قاضی اور مدرس وغیرہ اہل عطاء میں شامل و داخل ہیں لہذا ان کی خوب خدمت کرنی چاہئے۔ واللہ اعلم وعلیہ اتم۔



## بَابُ اَحْكَامِ الْمُرْتَدِّينَ

یہ باب اسلام سے پھر جانے والے بد بختوں کے احکام کے بیان میں ہے

اس سے پہلے کفر اصلی کے احکام بیان کئے گئے ہیں، اور اب کفر طاری کے احکام بیان کئے جارہے ہیں، اس لیے کہ طاری اصلی سے موخر ہوتا ہے۔

قَالَ وَإِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ عُرِضَ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ فَإِنْ كَانَتْ لَهُ شُبْهَةٌ كُشِفَتْ عَنْهُ، لِأَنَّهُ عَسَاهُ اعْتَرَتْهُ شُبْهَةٌ فَتَرَاخَوْا فِيهِ دَفْعُ شَرِّهِ بِأَحْسَنِ الْأَمْرَيْنِ إِلَّا أَنْ الْعُرْضَ عَلَى مَا قَالُوا غَيْرُ وَاجِبٍ، لِأَنَّ الدَّعْوَةَ بِلَفْتِهِ، قَالَ وَيُحْبَسُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ أَسْلَمَ وَإِلَّا قُتِلَ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ الْمُرْتَدُّ يُعْرَضُ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ حُرًّا كَانَ أَوْ عَبْدًا فَإِنْ أَبَى قُتِلَ، وَتَلَوِيْلُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ يَسْتَمْهِلُ فَيَمْهِلُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، لِأَنَّهَا مُدَّةٌ ضَرَبَتْ لِإِبْلَاءِ الْأَعْدَاءِ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَأَبِي يُونُسَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُؤَجَّلَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ طَلَبَ ذَلِكَ أَوْ لَمْ يَطْلُبْ، وَعَنِ الشَّافِعِيِّ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ أَنَّ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يُؤَجَّلَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَقْتُلَهُ قَبْلَ ذَلِكَ، لِأَنَّ ارْتِدَادَ الْمُسْلِمِ يَكُونُ عَنْ شُبْهَةٍ ظَاهِرًا فَلَا بُدَّ مِنْ مُدَّةٍ يُمَكِّنُهُ التَّأَمُّلُ فَقَدَرْنَاهُ بِالْفَلَاحِ، وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ﴾ (سورة التوبة: ۵) مِنْ غَيْرِ قَيْدِ الْإِمْهَالِ وَكَذَا قَوْلُهُ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ ((مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ))، وَلِأَنَّهُ كَافِرٌ حَرْبِيٌّ بِلَفْتِهِ الدَّعْوَةُ فَيُقْتَلُ لِلْحَالِ مِنْ غَيْرِ اسْتِمْهَالٍ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ تَأْخِيرُ الْوَاجِبِ لِأَمْرٍ مُوْهُومٍ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ لِإِطْلَاقِ الدَّلَائِلِ، وَكَيْفِيَّةُ تَوْبَتِهِ أَنْ يَتَبَرَّأَ عَنِ الْأَذْيَانِ كُلِّهَا سِوَى الْإِسْلَامِ، لِأَنَّهُ لَا دِينَ لَهُ، وَلَوْ تَبَرَّأَ عَمَّا انْتَقَلَ إِلَيْهِ كَفَاءً لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر نعوذ باللہ کوئی مسلمان اسلام سے پھر جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے اور اگر اسے کوئی شبہ ہو گیا ہو تو اس کو حل کیا جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے اسے کوئی شبہ ہو گیا ہو لہذا اسے ختم کر دیا جائے اور ایسا کرنے میں دو طریقوں میں سے احسن طریقے پر اس کے شر کو دفع کرنا ہے، لیکن حضرات مشائخ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِم فرماتے ہیں کہ اس پر اسلام پیش کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ اسے اسلام

کی دعوت پہنچ چکی ہے۔

فرماتے ہیں کہ مرتد کو تین دنوں تک قید رکھا جائے اگر وہ اسلام لے آئے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ جامع صغیر میں ہے مرتد خواہ آزاد ہو یا غلام اس پر اسلام پیش کیا جائے گا اور اگر وہ انکار کر دے تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور قول اول کی تاویل یہ ہے کہ اگر مرتد مہلت مانگے تو اسے تین دن تک مہلت دی جائے گی، کیونکہ اعذار دور کرنے کے لیے یہی مدت متعین کی گئی ہے۔ حضرات شیخین رحمہما سے مروی ہے کہ تین دنوں تک مرتد کی مہلت دینا مستحب ہے خواہ وہ مانگے یا نہ مانگے۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ امام پر لازم ہے کہ وہ مرتد کو تین دنوں تک کی مہلت دے اور اس سے پہلے اسے قتل کرنا امام کے لیے حلال نہیں ہے، کیونکہ مسلم کا ارتداد بہ ظاہر شبہ کی وجہ سے ہوتا ہے لہذا غور و فکر کرنے کے لیے کسی مدت کا ہونا ضروری ہے اور ہم نے تین دن سے اس کی تعیین کر دی ہے۔

ہماری دلیل اللہ پاک کا یہ ارشاد مقدس ہے فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ اور اس میں امہال کی قید نہیں ہے ایسے ہی آپ ﷺ کا یہ فرمان جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کر دو۔ اور اس لیے کہ مرتد کافر حربی ہو گیا ہے اور اسے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے لہذا مہلت دیے بغیر اسے فوراً قتل کر دیا جائے گا اور یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ امر موہوم کی وجہ سے واجب کو موخر کرنا جائز نہیں ہے۔ اور دلائل کے مطلق ہونے کی وجہ سے آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور مرتد کی توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ وہ تمام ادیان سے براءت کا اظہار کر دے، اس لیے کہ فی الحال اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ اور مرتد جس دین کی طرف مائل ہوا تھا اگر اس سے براءت کر لیا تو کافی ہوگا، اس لیے کہ مقصود حاصل ہو چکا ہے۔

### اللَّغَاتُ:

﴿ارتد﴾ پھر جائے، پلٹ جائے، کافر ہو جائے۔ ﴿عرض﴾ پیش کیا جائے گا۔ ﴿کشف عنہ﴾ اس کو حل کیا جائے گا۔ ﴿عساہ﴾ یہ ممکن ہے۔ ﴿اعتزقہ﴾ اس پر وارد ہو۔ ﴿تراح﴾ ہٹا دیا جائے۔ ﴿یُجَبَس﴾ قید کیا جائے گا۔ ﴿اہنی﴾ انکار کیا۔ ﴿ابلاء﴾ پرانا ہونا، دور ہونا۔ ﴿یؤجلہ﴾ اس کو مدت دے دے۔ ﴿امہال﴾ مہلت دینا۔ ﴿یتبرأ﴾ براءت ظاہر کر دے، غیر متعلق ہونے کا اعلان کرے۔

### تخریج:

① أخرجه بخاری في كتاب الجهاد باب لا يعذب بعذاب الله، حديث رقم: ۳۰۱۷.

### مرتد کے احکام:

ترجمے سے عبارت کا مطلب واضح ہے کہ عام طور پر دین اسلام میں کسی شبہ کی وجہ سے ہی کوئی مسلمان مرتد ہوتا ہے، اس لیے کسی بھی مرتد کو قتل کرنے سے پہلے اس کے شکوک و شبہات کو دور کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اسلام سے مطمئن ہو کر دوبارہ اسلام قبول کر لے۔ اسی لیے حضرات شیخین رحمہما کے یہاں مرتد کو تین دنوں تک کی مہلت دینا مستحب ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں امہال واجب ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ امہال کی قید سے خالی ہے اور اس میں



فوری طور پر مشرکین کے قتل کا حکم ہے اسی طرح حدیث پاک من بدل دینہ فاقتلوه میں بھی مرتد کے فوری قتل کا حکم وارد ہے لہذا مرتد کو مہلت دینا مستحب تو ہوگا لیکن واجب اور لازم نہیں ہوگا۔

مرتد کی توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دین اسلام کے سوا تمام ادیان سے توبہ کرے اور سب سے بیزاری اور براءت ظاہر کرے اور جس دین کی طرف وہ مائل ہوا تھا اگر اس نے اسی بیزاری اور براءت ظاہر کر دی تو یہ بھی درست ہے، اور اس سے بھی اس کی توبہ اور براءت متحقق ہو جائے گی، کیونکہ مقصود حاصل ہو چکا ہے اور اس کا ارتداد ختم ہو چکا ہے۔

قَالَ فَإِنْ قَتَلَهُ قَاتِلٌ قَبْلَ عَرْضِ الْإِسْلَامِ عَلَيْهِ كُفْرًا وَلَا شَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ، وَمَعْنَى الْكُفْرَانِيَّةِ هَهُنَا تَرْكُ الْمُسْتَحَبِّ وَانْتِفَاءُ الضَّمَانِ، لِأَنَّ الْكُفْرَ مُبِيحٌ لِلْقَتْلِ، وَالْعَرْضُ بَعْدَ بُلُوغِ الدَّعْوَةِ غَيْرُ وَاجِبٍ، وَأَمَّا الْمُرْتَدَّةُ فَلَا تُقْتَلُ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَقْتُلُ لِمَا رَوَيْنَا، وَلِأَنَّ رِدَّةَ الرَّجُلِ مُبِيحَةٌ لِلْقَتْلِ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ جَنَابَةٌ مَغْلُظَةٌ فَتَسَاطُ بِهَا عُقُوبَةُ مَغْلُظَةٍ، وَرِدَّةُ الْمَرْأَةِ تُشَارِكُهَا فِيهَا فَتُشَارِكُهَا فِي مَوْجِبِهَا، وَلَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ، وَلِأَنَّ الْأَصْلَ تَأْخِيرُ الْأَجْزِيَةِ إِلَى دَارِ الْأَخِيَّةِ إِذْ تَعَجَّلُهَا يُخِلُّ بِمَعْنَى الْإِبْتِلَاءِ، وَإِنَّمَا عُدِلَ عَنْهُ دَفْعًا لِشَرِّ نَاجِزٍ وَهُوَ الْحَرَابُ، وَلَا يَتَوَجَّهُ ذَلِكَ مِنَ النِّسَاءِ لِعَدَمِ صَلَاحِيَّةِ النِّسَاءِ، بِخِلَافِ الرِّجَالِ فَصَارَتْ الْمُرْتَدَّةُ كَالْأَصْلِيَّةِ، قَالَ وَلَكِنْ تُحْبَسُ حَتَّى تُسَلِّمَ لِأَنَّهَا امْتَنَعَتْ عَنْ إِيْقَاءِ حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى بَعْدَ الْإِقْرَارِ فَتُجَبَّرُ عَلَى إِيْقَانِهِ بِالْحَبْسِ كَمَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَتُجَبَّرُ الْمَرْأَةُ عَلَى الْإِسْلَامِ حُرَّةٌ كَانَتْ أَوْ أَمَةً وَالْأَمَةُ يُجَبَّرُ مَوْلَاهَا، أَمَّا الْجَبَرُ فَلَمَّا ذَكَرْنَا وَمِنَ الْمَوْلَى لِمَا فِيهِ مِنَ الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَقِّينِ، وَيُرَوَّى تَضْرِبُ فِي كُلِّ أَيَّامٍ مُبَالِغَةً فِي الْحَمْلِ عَلَى الْإِسْلَامِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر مرتد پر اسلام پیش کرنے سے پہلے کسی قاتل نے اسے قتل کر دیا تو یہ مکروہ ہے لیکن قاتل پر کوئی ضمان نہیں ہوگا اور یہاں کراہیت ترک مستحب اور انتفائے ضمان کے معنی میں ہے، کیونکہ کفر قتل کو مباح کر دیتا ہے اور دعوت اسلام پہنچنے کے بعد اسلام پیش کرنا واجب نہیں ہے، اور مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے بھی قتل کیا جائے گا اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ مرد کا ارتداد جنابیت مغلظہ ہونے کی وجہ سے قتل کو مباح کرتا ہے لہذا اس سے سخت سزا بھی متعلق ہوگی اور عورت مرتدہ ہو کر اس جرم میں شریک ہے لہذا وہ اس کی سزا میں بھی شریک ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کے قتل سے منع فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ دار آخرت کے لیے سزاؤں کو مؤخر کرنا اصل ہے، کیونکہ جلدی سزا دینے سے ابتلاء اور آزمائش میں خلل ہوتا ہے، لیکن اس اصل سے اس مقصد سے اعراض کر لیا جاتا ہے تاکہ فی الحال پیدا ہونے والا شر یعنی لڑائی ختم ہو جائے اور عورتوں سے لڑائی متوقع نہیں ہے کیونکہ ان میں جنگ کرنے کی

صلاحیت نہیں ہوتی۔ برخلاف مردوں کے لہذا مرتدہ کافرہ اصلہ کی طرح ہوگئی۔

فرماتے ہیں کہ مرتدہ کو قید کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے، کیونکہ وہ حقوق اللہ کا اقرار کرنے کے بعد اس کو پورا کرنے سے رک گئی ہے، لہذا قید کے ذریعے ان حقوق کو پورا کرنے کے لیے اس پر جبر کیا جائے گا جیسے حقوق العباد میں ہوتا ہے۔ جامع صغیر میں ہے کہ مرتدہ عورت کو اسلام لانے کے لیے مجبور کیا جائے گا خواہ وہ آزاد ہو یا باندی ہو اور باندی پر اس کا مولیٰ بھی جبر کرے گا۔ رہا جبر تو اس وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور مولیٰ اس لیے جبر کرے گا تاکہ اس میں دونوں حق جمع ہو جائیں۔ اور مروی ہے کہ باندی کو ہر روز مارا جائے تاکہ اسلام پر آمادہ کرنے میں مبالغہ ہو۔

### اللغات:

﴿عرض﴾ پیش کرنا۔ ﴿مبیح﴾ حلال کرنے والا ہے۔ ﴿بلوغ﴾ پہنچنا۔ ﴿جنایہ﴾ جرم۔ ﴿مغلطہ﴾ شدید، پختہ، سخت۔ ﴿تناط بہ﴾ اس سے متعلق ہوگی۔ ﴿عقوبہ﴾ سزا۔ ﴿تعجیل﴾ جلدی کرنا۔ ﴿تحبس﴾ قید کی جائے گی۔ ﴿ناجز﴾ فوری۔ ﴿ایفاء﴾ پوری پوری ادائیگی۔ ﴿تجبر﴾ مجبور کی جائے گی۔

### اسلام پیش کرنے سے پیشتر قتل کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں مرتد پر اسلام پیش کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے، اسی لیے اگر کوئی شخص قبل العرض مرتد کو قتل کر دے تو اس پر ضمان نہیں ہوگا کیونکہ مرتد کا کفر اس کے قتل کو مباح کر رہا ہے، ہاں اس کا یہ فعل مکروہ اور غیر پسندیدہ ہے۔ اور اگر کوئی عورت مرتد ہوئی ہو تو ہمارے یہاں اسے قتل نہیں کیا جائے گا جب کہ امام شافعیؒ کے یہاں اسے بھی قتل کیا جائے گا۔ امام شافعیؒ کی دلیل حدیث من بدل دینہ فاقتلوه میں کلمہ من کا عموم ہے جو مراد اور عورت سب کو شامل ہے، دوسری اور عقلی دلیل یہ ہے کہ مرد کا ارتداد جنایت مغلطہ ہونے کی وجہ سے عقوبت مغلطہ یعنی قتل کا موجب ہے اور عورت بھی نفس رذت اور نفس جنایت میں اس کی شریک ہے، لہذا جب عورت کی جنایت بھی مغلطہ ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی سزا بھی بھاری ہوگی اور اسے بھی قتل کیا جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے اس لیے عورتوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور پھر دار آخرت دار جزاء ہے اور جزاؤں اور سزاؤں کو موخر کرنا اصل ہے اس لیے بھی عورت کو دنیا میں اس کے ارتداد کی سزا نہیں دی جائے گی اور یہی اصل مرد کے متعلق بھی ہے، لیکن مرد کے شر یعنی لڑائی کو ختم کرنے کے لیے اس کے حق میں اس اصل سے اعراض کیا گیا ہے اور اسے دنیا میں ارتداد کی سزا دی گئی ہے اور چوں کہ عورتوں میں لڑائی کی صلاحیت نہیں ہوتی اس لیے ان کے حق میں یہ اصل اپنی اصلی حالت پر قائم ہے اور مرتدہ عورت کافرہ عورت کی طرح ہے اور چوں کہ کافرہ عورت قتل نہیں کی جاتی اس لیے مرتدہ بھی قتل نہیں کی جائے گی۔ ہاں اسے قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کر لے، کیونکہ ایک مرتبہ اسلام لانے اور حقوق اللہ کا اقرار کرنے کے بعد اب وہ ایفاء حق سے منہ موڑ رہی ہے لہذا جس طرح حقوق العباد مثلاً دیون وغیرہ کی ادائیگی کے لیے مدیون اور مدیونہ کو قید کیا جاتا ہے اسی طرح حقوق اللہ کی ادائیگی کے لیے بھی مرتدہ کو قید کیا جائے گا۔

جامع صغیر میں بھی یہی حکم ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اگر مرتدہ عورت باندی ہو تو اسلام قبول کرنے کے لیے اس کا

مولیٰ بھی اس پر دباؤ ڈالے تاکہ حق اللہ کی بھی رعایت ہو اور خود مولیٰ کے حق یعنی استحدام کی بھی وصولیابی ہو، اسی لیے بعض روایات میں یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ مولیٰ اسلام قبول کرنے کے لیے باندی کی پٹائی اور ٹھوکائی بھی کر سکتا ہے، تاکہ کما حقہ جبر متحقق ہو جائے اور وہ مرتدہ اسلام کی آغوش میں آجائے۔

قَالَ وَيَزُولُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ أَمْوَالِهِ بِرِدَّتِهِ زَوَالًا مُرَاعَى فَإِنْ أَسْلَمَ عَادَتْ إِلَى حَالِهَا قَالُوا هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَعِنْدَهُمَا لَا يَزُولُ مِلْكُهُ، لِأَنَّهُ مُكَلَّفٌ مُحْتَاجٌ فَلِأَنَّهُ أَنْ يُقْتَلَ بَقِيَ مِلْكُهُ كَالْمُحْكُومِ عَلَيْهِ بِالرَّجْمِ وَالْقِصَاصِ، وَلَهُ أَنَّهُ حَرْبِيٌّ مَقْهُورٌ تَحْتَ أَيْدِينَا حَتَّى يُقْتَلَ، وَلَا قَتْلَ إِلَّا بِالْحِرَابِ فَهَذَا يُوجِبُ زَوَالَ مِلْكِهِ وَمَالِكِيَّتِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ مَدْعُوٌّ إِلَى الْإِسْلَامِ بِالْإِجْبَارِ عَلَيْهِ وَيُرْجَى عَوْدُهُ إِلَيْهِ فَتَوَقَّفْنَا فِي أَمْرِهِ، فَإِنْ أَسْلَمَ جُعِلَ هَذَا الْعَارِضُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِي حَقِّ هَذَا الْحُكْمِ وَصَارَ كَأَنَّهُ لَمْ يَزَلْ مُسْلِمًا وَلَمْ يَعْمَلِ السَّبَبُ، وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ أَوْ لِحَقِّ بَدَارِ الْحَرْبِ وَحُكْمِ بِلِحَاقِهِ اسْتَقَرَّ كُفْرُهُ فَيَعْمَلُ السَّبَبُ عَمَلَهُ وَزَالَ مِلْكُهُ.

**ترجمہ:** مرتد کے ارتداد کی وجہ سے اس کے اموال سے زوال موقوف کی طرح اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے چنانچہ اگر وہ اسلام لے آتا ہے تو ملکیت بحال ہو جاتی ہے۔ حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ حکم حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں ہے اور حضرات صاحبین رحمہم کے یہاں مرتد کی ملکیت زائل نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ مکلف اور محتاج ہوتا ہے لہذا اس کے قتل کئے جانے تک اس کی ملکیت باقی رہتی ہے جیسے وہ شخص جس پر رجم یا قصاص کا فیصلہ کیا گیا ہو۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ایک حربی ہے جو ہمارے ہاتھوں مغلوب ہے یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا جائے اور لڑائی کے بغیر قتل نہیں ہوتا اور اس کا حربی ہونا ہی اس کی ملکیت اور مالکیت کے زوال کا سبب ہے، تاہم اس پر جبر کر کے اسے اسلام کی دعوت دی جائے گی اور اس کا اسلام کی طرف واپس آنا متوقع ہے، اس لیے ہم نے اس کے معاملے میں توقف کر دیا۔ اب اگر وہ اسلام لے آتا ہے تو مذکورہ عارض (ارتداد) کو زوال ملک کے حق میں معدوم سمجھا جائے گا اور وہ ایسا ہو جائے گا گویا ہمیشہ وہ مسلمان ہی تھا اور اس نے زوال ملک کا سبب اختیار ہی نہیں کیا۔ اور اگر وہ مر گیا یا بحالت ارتداد قتل کر دیا گیا یا دار الحرب چلا گیا اور اس کے دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دیا گیا تو اس کا کفر پختہ ہو جائے گا لہذا سبب (ارتداد) اپنا اثر دکھائے گا اور اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔

### اللغات:

﴿ردۃ﴾ مرتد ہونا، مسلمان کا (محاذ اللہ) کافر ہو جانا۔ ﴿مقہور﴾ مجبور، مغلوب۔ ﴿حرب﴾ جنگ کرنا۔ ﴿یوجلجی﴾ امید کی جاتی ہے۔ ﴿لحق﴾ جاملا۔ ﴿استقر﴾ پختہ ہو جائے گا، پکا ہو جائے گا۔  
**مرتد کی ملکیت کا زائل ہونا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرتد ہو جائے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اس کی ملکیت موقوف ہو کر زائل ہو جاتی ہے

اور اگر وہ اسلام لے آتا ہے تو وہ ملکیت بحال ہو جاتی ہے جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں اس کی ملکیت زائل ہی نہیں ہوتی، کیونکہ وہ احکام کا مکلف ہے اور مال و ملکیت کا ضرورت مند ہے لہذا جب تک وہ مقتول نہیں ہو جاتا اس وقت تک اس کی ملکیت باقی رہے گی جیسے اگر کسی شخص پر رجم یا قصاص کا فیصلہ کر دیا گیا تو اس کے بھی مرجوم یا مقتول ہونے تک اس کی ملکیت باقی رہے گی اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی مرتد کے مقتول ہونے تک اس کی ملکیت برقرار رہے گی۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مرتد اب کافر حربی ہو گیا ہے اور ہمارے یعنی مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہے اور اس کا ارتداد اس کے قتل کا موجب ہے نیز اس کا حربی ہونا اس کی ملکیت اور مالکیت کے زوال کا سبب ہے وہ اس طرح کہ مقہور و مغلوب ہونے سے انسان مملوک ہو جاتا ہے اور جو مملوک ہوتا ہے اس کی مالکیت ختم ہو جاتی ہے اور جب مالکیت ختم ہو جاتی ہے تو ملکیت خود بخود رفع ہو جاتی ہے اسی لیے ہم نے مرتد کی ملکیت کو زائل قرار دیا ہے، لیکن چوں کہ وہ اسلام کے محاسن سے واقف ہو چکا ہے اور اس کا دوبارہ اسلام کے دامن سے وابستہ ہونا ممکن اور متوقع ہے اسی لیے ہم اس کی ملکیت کو زوال موقوف کی طرح زائل قرار دیتے ہیں اور اس پر اسلام پیش کراتے ہیں چنانچہ اگر وہ اسلام لے آتا ہے تو اس کی ملکیت بحال ہو جائے گی اور یوں سمجھا جائے گا کہ وہ مرتد ہی نہیں ہوا تھا۔ اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کر دے یا مرجائے یا دار الحرب چلا جائے اور قاضی اس کے دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دے تو اب اس کا ارتداد اور کفر پختہ ہو جائے گا اور اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔

قَالَ وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ انْتَقَلَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي إِسْلَامِهِ إِلَى وَرَثَةِ الْمُسْلِمِينَ وَكَانَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ رِدَّتِهِ قِيًّا، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ كِلَاهُمَا لِرِثَتِهِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ كِلَاهُمَا فِيءٌ لِأَنَّهُ مَاتَ كَافِرًا وَالْمُسْلِمُ لَا يَرِثُ الْكَافِرُ ثُمَّ هُوَ مَالٌ حَرْبِيٌّ لَا أَمَانٌ لَهُ فَيَكُونُ قِيًّا، وَلَهُمَا أَنْ مِلْكُهُ فِي الْكُفْبَيْنِ بَعْدَ الرِّدَّةِ بَاقِيٌّ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فَيُنْتَقَلُ بِمَوْتِهِ إِلَى وَرَثَتِهِ وَيَسْتَدُ إِلَى مَا قُبِلَ رِدَّتِهِ إِذِ الرِّدَّةُ سَبَبُ الْمَوْتِ فَيَكُونُ تَوْرِيثُ الْمُسْلِمِ مِنَ الْمُسْلِمِ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ أَنَّهُ يُمَكِّنُ الْإِسْتِنَادَ فِي كَسْبِ الْإِسْلَامِ لَوْ جُودَهُ قَبْلَ الرِّدَّةِ وَلَا يُمَكِّنُ الْإِسْتِنَادَ فِي كَسْبِ الرِّدَّةِ لِعَدَمِهِ قَبْلَهَا وَمَنْ شَرَطَهُ وَجُودَهُ، ثُمَّ إِنَّمَا يَرِثُهُ مَنْ كَانَ وَارِثًا لَهُ حَالَةَ الرِّدَّةِ وَبَقِيَ وَارِثًا إِلَى وَقْتِ مَوْتِهِ فِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِعْتِبَارًا لِلْإِسْتِنَادِ، وَعَنْهُ أَنَّهُ يَرِثُهُ مَنْ كَانَ وَارِثًا لَهُ عِنْدَ الرِّدَّةِ وَلَا يَبْطُلُ اسْتِحْقَاقُهُ بِمَوْتِهِ بَلْ يَخْلُفُهُ وَارِثُهُ، لِأَنَّ الرِّدَّةَ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ، وَعَنْهُ أَنْ يُعْتَبَرَ وَجُودُ الْوَارِثِ عِنْدَ الْمَوْتِ، لِأَنَّ الْحَادِثَ بَعْدَ انْعِقَادِ السَّبَبِ قَبْلَ تَمَامِهِ كَالْحَادِثِ قَبْلَ انْعِقَادِهِ بِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ الْحَادِثِ مِنَ الْمُبْعِ قَبْلَ الْقَبْضِ، وَتَرِثُهُ أُمَرَاتُ الْمُسْلِمَةِ إِذَا مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ لِأَنَّهُ يَصِيرُ فَرًّا وَإِنْ كَانَ صَحِيحًا وَقَتُ الرِّدَّةِ، وَالْمُرْتَدَّةُ كَسْبُهَا لِرِثَتِهَا، لِأَنَّهُ



لَا حَرَابَ مِنْهَا فَلَمْ يُوْجَدْ سَبَبُ الْقَيْدِ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ وَيَرِثُهَا زَوْجُهَا الْمُسْلِمُ إِنْ ارْتَدَّتْ وَهِيَ مَرِيضَةٌ لِقَصْدِهَا إِبْطَالُ حَقِّهِ وَإِنْ كَانَتْ صَحِيحَةً لَا يَرِثُهَا لِأَنَّهَا لَا تُقْتَلُ فَلَمْ يَتَعَلَّقْ حَقُّهُ بِمَالِهَا بِالرَّدَّةِ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر مرتد مر گیا یا اپنی ردت پر قتل کر دیا گیا تو اس کی حالت اسلام کی کمائی اس کے مسلمان ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی اور وہ مال جو اس نے ردت کی حالت میں کمایا ہو، وہ فئے ہو جائے گا، یہ حکم حضرت امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں مال اس کے ورثاء کا ہوگا امام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں مال فئے ہوں گے، کیونکہ وہ کافر ہو کر مرا ہے اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا پھر وہ ایسے حربی کا مال ہے جسے امان نہیں حاصل ہے اس لیے یہ مال فئے ہوگا۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ارتداد کے بعد بھی دونوں کمائی میں اس کی ملکیت باقی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں لہذا اس کی موت کے بعد وہ مال اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا اور یہ انتقال اس کے مرتد ہونے سے کچھ دیر پہلے ہوگا، کیونکہ ردت ہی اس کی موت کا سبب ہے لہذا یہ مسلمان کا مسلمان سے وراثت حاصل کرنا ہوگا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اسلام والی کمائی میں استناد ممکن ہے کیونکہ یہ کمائی ارتداد سے پہلے کی ہے، لیکن ردت والی کمائی میں استناد ممکن نہیں ہے، کیونکہ ردت سے پہلے یہ کمائی معدوم ہے حالانکہ استناد کے لیے ردت سے پہلے کسب کا موجود ہونا شرط ہے پھر وہی شخص اس کا وارث ہوگا جو بحالت ردت اس کا وارث تھا اور اس کی موت تک اس کا وارث باقی رہا تھا۔ یہ امام اعظم رحمہم اللہ سے ایک روایت ہے جو استناد کے اعتبار پر مبنی ہے۔ امام اعظم رحمہم اللہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ جو شخص بوقت ردت اس کا وارث تھا وہی اس کا وارث ہوگا اور اس وارث کی موت سے اس کا استحقاق باطل نہیں ہوگا بلکہ وارث کا وارث اس کا نائب ہوگا، کیونکہ ردت موت کے درجے میں ہے۔

امام اعظم رحمہم اللہ سے تیسری روایت یہ ہے کہ مرتد کی موت کے وقت وارث کا وجود معتبر ہے، اس لیے کہ انعقاد سبب کے بعد اس کے مکمل ہونے سے پہلے پیدا ہونے والا وارث انعقاد سبب سے پہلے پیدا ہونے والے کی طرح ہے جیسے مبیعہ باندی پر قبضہ سے پہلے پیدا ہونے والا لڑکا۔ اور اگر مرتد اپنی ردت پر مر گیا یا قتل کر دیا گیا اور اس کی مسلمان بیوی اس کی عدت میں ہو تو وہ اس مرتد کی وارث ہوگی، اس لیے کہ یہ شخص فار ہو گیا ہے اگرچہ بوقت ردت صحیح تھا، اور مرتدہ عورت کی کمائی اس کے ورثاء کی ہوگی کیونکہ اس کی طرف سے جنگ نہیں ہوتی، لہذا فئے کا سبب نہیں پایا گیا، برخلاف مرتد کے امام اعظم رحمہم اللہ کے یہاں۔ اور اگر کوئی عورت مرتد ہوئی اور وہ مریض ہو تو اس کا مسلمان شوہر اس کا وارث ہوگا، کیونکہ بیوی نے اس کے حق کو باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اور اگر وہ تندرست ہو تو شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا، اس لیے کہ عورت قتل نہیں کی جائے گی، لہذا اس کے مرتد ہونے سے اس کے مال سے شوہر کا حق متعلق نہیں ہوا، برخلاف مرتد کے۔

### اللَّغَاتُ:

﴿اكتسب﴾ اس نے کمایا۔ ﴿فیس﴾ مال غنیمت، وہ مال جس کا خرچ امام کا صواب دیدی اختیار ہوتا ہے۔ ﴿قبیل﴾ ذرا

پہلے۔ (توریت) وارث بنانا۔ (فاز) فراری، بچ کر بھاگنے والا۔ (قصد) ارادہ۔

### مرتد کے قتل کے بعد اس کے اموال کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرتد مرجائے یا بحالت ارتداد قتل کر دیا جائے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حالت اسلام میں اس کا کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثاء کا ہوگا اور بحالت ارتداد کمایا ہوا مال فئے ہوگا۔ حضرات صاحبین کے یہاں دونوں طرح کے اموال اس کے ورثاء کو ملیں گے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دونوں اموال فئے ہوں گے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص مرتد ہو کر کفر کی حالت میں مرا ہے اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا نیز اس مرتد کو امان بھی نہیں حاصل ہے اس لیے یہ کافر حربی ہے اور حربی کا مال فئے ہوتا ہے، لہذا اس کا مال بھی فئے ہوگا۔

حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اسلام اور ردت دونوں حالتوں میں اس کی جو کمائی ہے اس میں اس شخص کی ملکیت موجود ہے لہذا اس کی موت یعنی اس کے مرتد ہونے سے یہ ملکیت اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی اور چوں کہ اس کی ردت ہی اس کی موت ہے اس لیے ارتداد سے کچھ دیر پہلے اس ملکیت کو ورثاء کی طرف منتقل کر دیا جائے جیسے موت سے کچھ دیر پہلے نزع کی حالت میں میت کے اموال سے ورثاء کا حق متعلق کر دیا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی ردت سے کچھ دیر پہلے مرتد کی ملکیت اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی اور اس حالت میں چوں کہ مورث مسلمان ہیں اور اس کے ورثاء بھی مسلمان ہیں، لہذا مسلمان مسلمان کے وارث ہوں گے اور یہ درست ہے۔

ولابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الخ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بھی وہی ہے جو حضرات صاحبین کی دلیل ہے لیکن فرق یہ ہے کہ مرتد کی اس کمائی کو ردت سے کچھ پہلے اس کے ورثاء کی طرف منتقل کرنا ممکن ہے جو اس نے اسلام کی حالت میں حاصل کیا ہو اس لیے کہ یہ کمائی ردت اور شبہ ردت سے خالی ہے اس لیے کہ ردت سے پہلے یہ کمائی معدوم ہے حالانکہ نقل اور اسناد کے لیے ردت سے پہلے کسب اور کمائی کا وجود شرط ہے اور وہ یہاں معدوم ہے اسی لیے ہم نے ردت کے بعد والی کمائی کو ورثاء کی طرف منتقل نہیں کیا ہے بلکہ اسے فئے اور غنیمت قرار دے دیا ہے۔

ثم انما یوثق الخ اب رہ گئی یہ بات کہ اس کا وارث کون ہوگا تو اس سلسلے میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے تین روایتیں مروی ہیں:

(۱) پہلی روایت جو حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی ہے یہ ہے کہ جو شخص ردت کی حالت میں اس کا وارث ہو یعنی آزاد اور مسلمان ہو اور اس کی موت تک وہ اسی وصف پر قائم ہو وہی اس کا وارث ہوگا۔ کیونکہ اس کا وارث ہونا استناد سے ثابت ہوگا اور مستند کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اسی وصف کے ساتھ منسوب ہو جس وصف کے ساتھ ثابت ہوا تھا اور چوں کہ وارث وارث ہونے کے وقت حرا اور مسلمان تھا اس لیے استناد کی حالت میں بھی اس کا حرا اور مسلمان ہونا ضروری ہے۔

(۲) دوسری روایت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور وہ یہ ہے کہ بوقت ردت جو شخص اس کا وارث تھا وہی بوقت موت بھی اس کا وارث ہوگا اور اگر یہ وارث مرجائے تو اس کا استحقاق باطل نہیں ہوگا بلکہ اس وارث کا وارث اس مرتد مورث کا وارث ہوگا، اس لیے کہ ردت بھی موت کے درجے میں ہے اور اگر مورث کی موت کے بعد کوئی وارث مرجائے تو اس کا نائب وارث ہوتا ہے اسی طرح

صورت مسئلہ میں بھی مرنے والے وارث کا نائب اپنے اصل کے مورث کا وارث ہوگا۔

(۳) امام اعظم رحمہ اللہ سے تیسری روایت امام محمد رحمہ اللہ کی ہے اور یہ اصح الروایات ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مرتد کی موت کے وقت وارث کا موجود ہونا معتبر ہے خواہ وہ وارث بوقت ردت موجود ہو یا موجود نہ ہو اور بعد میں ہوا ہو، اس لیے کہ سبب منعقد ہونے کے بعد اس کے پورا ہونے سے پہلے جو چیز وجود میں آتی ہے وہ انعقاد سبب سے پہلے پیدا ہونے والی چیز کی طرح ہے جیسے اگر کسی نے کوئی باندی خریدی اور قبضہ سے پہلے اس باندی سے بچہ پیدا ہوا ہو تو وہ بچہ بیچ سے پہلے کا شمار ہوگا اور اس کے مقابلے میں بھی ثمن ہوگا، کیونکہ یہ بچہ حادث قبل انعقاد سبب کی طرح ہے۔

وتروثه الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مرتد مر گیا یا ارتداد کی حالت میں اسے قتل کر دیا گیا اور اس کی مسلمان بیوی اس کی عدت میں ہے تو وہ اس کی وارث ہوگی، کیونکہ یہ شخص فار یعنی بیوی کو میراث سے محروم کرنے والا ہے لہذا جس طرح اس کے مریض ہونے کی حالت میں اس کی بیوی اس شخص کی وارث ہوتی ہے اسی طرح اس کے تندرست ہونے کی صورت میں بھی اس کی بیوی اس شخص کی وارث ہوگی۔

اور اگر عورت مرتد ہوئی ہو تو اس کی کمائی اس کے ورثاء کو ملے گی، کیونکہ اس عورت کی طرف سے لڑنا اور جنگ کرنا ممکن ہی نہیں ہے اس لیے وہ حربہ نہیں ہوگی، اور اس کا مال بھی فی نہیں ہوگا لیکن مرتد مرد کی بعد الارث ادوالی کمائی امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں فی ہوگی کیونکہ اس کی طرف سے لڑائی متوقع ہے۔ اور وہ حربی ہے۔ اب اگر یہ عورت بیمار ہو تو اس کا مسلمان شوہر اس کا وارث ہوگا، کیونکہ بیمار ہونے کی صورت میں یہ فائدہ ہوگا اور ارتداد سے اپنے شوہر کا حق باطل کرنے والی ہوگی۔ لیکن اگر یہ تندرست ہو تو اس کا شوہر وارث نہیں ہوگا، کیونکہ اب یہ فائدہ نہیں ہے اور اسے قتل بھی نہیں کیا جائے گا، لہذا اس کے مرتد ہونے سے اس کے مال سے شوہر کا حق متعلق نہیں ہوا اس لیے شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا، اس کے برخلاف مرتد مستحق قتل ہوتا ہے اور اس کے ارتداد سے اس کے مال سے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے اس لیے مرتد مرد کے ورثاء اس کے وارث ہوں گے۔

قَالَ وَإِنْ لِحَقِّ بَدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَحَكَمَ الْحَاكِمُ بِلِحَاقِهِ عَتَقَ مَدْبَرُوهُ وَأَمَهَاتُ أَوْلَادِهِ وَحَلَّتِ الدُّيُونُ الَّتِي عَلَيْهِ وَنَقَلَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ إِلَى وَرَثَتِهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَبْقَى مَالُهُ مَوْقُوفًا كَمَا كَانَ لِأَنَّهُ نَوْعُ غَيْبَةٍ فَأَشْبَهَ الْغَيْبَةَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ، وَلَنَا أَنَّهُ صَارَ مُرْتَدًّا بِاللِّحَاقِ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَهُمْ أَمْوَاتٌ فِي حَقِّ أَحْكَامِ الْإِسْلَامِ لَا نَقْطَاعَ وَلَايَةِ الْإِلْزَامِ كَمَا هِيَ مَنْقُطَعَةٌ عَنِ الْمَوْتِ فَصَارَ كَالْمَوْتِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَسْتَقِرُّ لِحَاقُهُ إِلَّا بِقَضَاءِ الْقَاضِي لِاحْتِمَالِ الْعُودِ إِلَيْنَا فَلَا بُدَّ مِنَ الْقَضَاءِ، وَإِذَا تَقَرَّرَ مَوْتُهُ ثَبَتَ الْأَحْكَامُ الْمُتَعَلِّقَةُ وَهِيَ مَا ذَكَرْنَاهَا كَمَا فِي الْمَوْتِ الْحَقِيقِيِّ، ثُمَّ يُعْتَبَرُ كَوْنُهُ وَارِثًا عِنْدَ لِحَاقِهِ فِي قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ، لِأَنَّ اللَّحَاقَ هُوَ السَّبَبُ، وَالْقَضَاءُ لِتَقَرُّرِهِ لِقَطْعِ الْإِحْتِمَالِ، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَتَّ الْقَضَاءِ،

لَاَنَّهُ یَصِیْرُ مَوْتًا بِالْقَضَاءِ، وَالْمُرْتَدَّةُ اِذَا لِحِقَتْ بِدَارِ الْحَرْبِ فَهِيَ عَلٰی هٰذَا الْخِلَافِ .

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا اور حاکم نے اس کے دارالحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دیا تو اس کے تمام مدبر اور امہات اولاد سب آزاد ہو جائیں گے اور اس کے میعاد قرضے فوراً واجب الاداء ہو جائیں گے۔ اور بحالت اسلام اس کی حاصل کردہ کمائی اس کے مسلمان ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مال حسب سابق موقوف رہے گا، کیونکہ دارالحرب میں جانا ایک طرح کی غیبی بت ہے اور یہ دارالاسلام کی غیبی بت کے مشابہ ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حربیوں سے مل جانے کی وجہ سے یہ شخص مرتد ہو گیا ہے اور اہل حرب احکام اسلام کے حق میں مردہ ہوتے ہیں، اس لیے کہ ان سے الزام کی ولایت منقطع ہوتی ہے جیسے مردوں سے منقطع ہوتی ہے تو مرتد مردہ کی طرح ہو گیا تاہم قضائے قاضی کے بغیر اس کا لحاق پختہ نہیں ہوگا اس لیے کہ اس کے ہماری طرف واپس آنے کا احتمال ہے اس لیے قضاء باللحاق ضروری ہے اور جب اس کا مردہ ہونا مستحکم ہو گیا تو مردے سے متعلق احکام ثابت ہو جائیں گے یعنی جو حکم ہم نے بیان کیا ہے جیسے حقیقی مردے میں ہوتا ہے۔ پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں اس کے دارالحرب چلے جانے سے وارث ہونے کا اعتبار ہوگا کیونکہ پہنچ جانا سبب میراث کا سبب ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بوقت قضاء اس کے مورث ہونے کا اعتبار ہوگا۔ اور جب کوئی عورت مرتد ہو کر دارالحرب چلی جائے تو وہ بھی اسی اختلاف پر ہے۔

### اللغات:

﴿لحق﴾ جا ملا۔ ﴿حلت﴾ فوری واجب الاداء ہو جائیں گے۔ ﴿اکتسب﴾ اُس نے کمایا۔ ﴿لا یستقر﴾ نہیں پختہ ہوگا۔ ﴿عود﴾ لوٹنا۔ ﴿یصیر﴾ ہو جائے گا۔

### مرتد کا دارالحرب چلے جانا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرتد ہو کر دارالحرب چلا جائے اور قاضی اس کے جانے کا فیصلہ کر دے تو اب وہ مردوں کے حکم میں ہو جائے گا اور اس کے تمام مدبر اور ام ولد سب آزاد ہو جائیں گے اور اس پر جو میعاد قرضے ہوں گے ان کی میعاد ختم ہو جائے گی اور وہ فی الحال واجب الاداء ہو جائیں گے نیز اس نے حالت اسلام میں جو مال کمایا ہے وہ سب اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائیں گے، یہ حکم ہمارے یہاں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا مال محفوظ رہے گا جیسا کہ اس کے دارالحرب جانے سے پہلے اس کا مال محفوظ تھا، کیونکہ اس کا دارالحرب جانا ایک طرح کی غیبی بت ہے اور غیبی بت سے انسان مردہ نہیں ہوتا جیسے اگر کوئی شخص دارالاسلام ہی میں غائب ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس پر مردہ ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا، اسی طرح اس شخص پر بھی شوافع کے یہاں میت کا حکم لاگو نہیں ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مرتد ہو کر حربیوں سے جا ملنے کی وجہ سے یہ شخص مردہ ہو گیا ہے، کیونکہ حربی احکام اسلام کے حق میں مردہ ہیں اور مردوں کی طرح ان پر بھی کوئی حکم لازم کرنے کی ولایت نہیں ہے تاہم اس کے دوبارہ واپس آنے کا احتمال ہے اس لیے قضائے قاضی کے بغیر اس کا ارتداد اور لحاق بدارالحرب پختہ نہیں ہوگا، لیکن جب قاضی اس کے دارالحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دے گا تو



مردوں کے ساتھ وہ بھی مردہ شمار ہوگا اور جو احکام بیان کئے گئے ہیں یعنی مدبروں اور امہات اولاد کی آزاد اور دیون کافی الحال واجب الاداء ہونا وہ سب اس کے حق میں بھی ثابت ہوں گے۔

ثم يعتبر كونه الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں اس مرتد کے دار الحرب پہنچنے کے وقت جو وارث ہوں گے وہی اس کے وارث شمار کئے جائیں گے اور بعد میں کسی وارث کا اعتبار نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں اس کے دار الحرب جانے کے بعد قضائے قاضی تک جو اس کے وارث ہوں گے وہ سب اس کی موت کے وقت اس کے ورثاء شمار ہوں گے۔ امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ہو کر اس کا دار الحرب پہنچ جانا ہی میراث کا سبب ہے لہذا یہی لحاق وارث ہونے کا بھی سبب ہوگا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ میراث کا سبب اس کی موت کا حکم ہے اور موت کا حکم قضائے قاضی سے ثابت ہوگا لہذا وارث ہونے اور نہ ہونے کا مدار بھی اسی وقت پر (یعنی قضاء پر) ہوگا۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ کا یہی اختلاف مرتدہ عورت کا بھی ہے۔

وَتَقْضَى دِيُونُهُ الَّتِي لَزِمَتْهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ مِمَّا اكْتَسَبَتْ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ وَمَا لَزِمَتْهُ فِي حَالِ رِدَّتِهِ مِنَ الدِّيُونِ تَقْضَى مِمَّا اكْتَسَبَتْ فِي حَالِ رِدَّتِهِ، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ رحمہ اللہ هَذِهِ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ، وَعَنْهُ أَنَّهُ يَبْدَأُ بِكَسْبِ الْإِسْلَامِ وَإِنْ لَمْ يَفِ بِذَلِكَ يَبْدَأُ مِنْ كَسْبِ الرِّدَّةِ وَعَنْهُ عَلَى عَكْسِهِ، وَجَهُ الْأَوَّلِ أَنَّ الْمُسْتَحَقَّ بِالسَّبَبِ مُخْتَلِفٌ وَحُصُولُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْكَسْبَيْنِ بِإِعْتِبَارِ السَّبَبِ الَّذِي وَجَبَ لَهُ الدَّيْنُ فَيُقْضَى كُلُّ دَيْنٍ مِنَ الْكَسْبِ الْمُكْتَسَبِ الَّذِي فِي تِلْكَ الْحَالَةِ لِيَكُونَ الْغَرَمُ بِالْغَنَمِ، وَجَهُ الثَّانِي أَنَّ كَسْبَ الْإِسْلَامِ مِلْكُهُ حَتَّى يَخْلُقَهُ الْوَارِثُ فِيهِ، وَمِنْ شَرْطِ هَذِهِ الْخِلَافَةِ الْفِرَاقُ مِنْ حَقِّ الْمَوْرَثِ فَيَقْدَمُ الدَّيْنُ عَلَيْهِ، أَمَّا كَسْبُ الرِّدَّةِ فَلَيْسَ بِمَمْلُوكٍ لَهُ لِبُطْلَانِ أَهْلِيَةِ الْمَلِكِ بِالرِّدَّةِ عَنْهُ فَلَا يَقْضَى دَيْنُهُ مِنْهُ إِلَّا إِذَا تَعَذَّرَ قَضَاؤُهُ مِنْ مَحَلِّ آخَرَ فَيُجَنَّبُ يَقْضَى مِنْهُ كَالَّذِي إِذَا مَاتَ وَلَا وَارِثَ لَهُ يَكُونُ مَالُهُ لَجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ، وَلَوْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ يَقْضَى مِنْهُ كَذَلِكَ هُنَا، وَجَهُ الثَّالِثِ أَنَّ كَسْبَ الْإِسْلَامِ حَقُّ الْوَرَثَةِ، وَكَسْبُ الرِّدَّةِ خَالِصٌ حَقُّهُ فَكَانَ قَضَاءُ الدَّيْنِ مِنْهُ أَوْلَى إِلَّا إِذَا تَعَذَّرَ بَأَنَّ لَمْ يَفِ بِهِ فَيُجَنَّبُ يَقْضَى مِنْ كَسْبِ الْإِسْلَامِ تَقْدِيمًا لِحَقِّهِ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رحمہ اللہ وَمُحَمَّدٌ رحمہم اللہ تَقْضَى دِيُونُهُ مِنَ الْكَسْبَيْنِ، لِأَنَّهُمَا جَمِيعًا مِلْكُهُ حَتَّى يَجْرِيَ الْإِرْثُ فِيهِمَا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

**ترجمہ:** اور مرتد پر بحالت اسلام جتنے قرضے لازم ہوئے ہوں انہیں حالت اسلام والی اس کی کمائی سے ادا کیا جائے گا اور جو قرضے بحالت ردت اس پر لدے ہوں انہیں ردت والی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔ بندہ ضعیف کہتا ہے کہ یہ امام اعظم رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ پہلے اسلام والی کمائی سے شروع کیا جائے اور اگر ادا ہوئی دیون کے لیے یہ کمائی نا کافی ہو تو بحالت ارتداد والی کمائی سے اسے ادا کیا جائے گا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ ہی سے اس کے برعکس مروی ہے۔

پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ اس پر واجب شدہ قرضہ دوا لگ الگ سبب کی وجہ سے مختلف ہے اور دونوں طرح کی کمائی اسی سبب سے حاصل ہے جس سبب سے اس پر دین واجب ہوا ہے لہذا ہر قرضہ اسی کمائی سے ادا کیا جائیگا جو اس حالت میں ہوئی ہوتا کہ نفع کے عوض نقصان اور ضمان واجب ہو۔

دوسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ اسلام کی کمائی اس کی ملکیت ہے حتیٰ کہ اس کا وارث اس میں اس شخص کا نائب ہوگا اور وارث کے نائب ہونے کے لیے ملکیت کا حق مورث سے فارغ ہونا شرط ہے لہذا دین کو میراث پر مقدم کیا جائے گا۔ رہی حالت ردت والی کمائی تو وہ مرتد کی مملوک نہیں ہے، کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ردت سے اہلیت ملکیت باطل ہو جاتی ہے، لہذا اس کمائی سے اس کا قرضہ ادا نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر اسلام والی کمائی سے اس کی ادائیگی معذور ہو تو اس وقت حالت ارتداد والی کمائی سے اسے ادا کیا جائے گا، جیسے اگر کوئی ذمی مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال عام مسلمانوں کا ہوگا اور اگر اس پر دین ہو تو اس مال سے ادا کیا جائے گا ایسے ہی یہ بھی ہے۔

تیسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ اسلام والی کمائی ورثاء کا حق ہے اور ردت والی کمائی اس کا اپنا حق ہے، لہذا اس کمائی سے قرض ادا کرنا اولیٰ ہے، لیکن اگر ادائیگی معذور ہو بایں طور کہ وہ ناکافی ہو تو اس وقت اسلام والی کمائی سے اس کا دین ادا کیا جائے گا، اس لیے کہ دین کی ادائیگی میراث سے مقدم ہے۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کے قرضے دونوں کمائیوں سے ادا کیے جائیں گے، کیونکہ دونوں اس کی ملک ہیں حتیٰ کہ دونوں میں میراث جاری ہوتی ہے۔

## اللغات:

﴿دیون﴾ واحد دین: قرضے۔ ﴿اکتسب﴾ کمایا۔ ﴿یبدأ﴾ شروع کیا جائے گا۔ ﴿لم یف﴾ پورا نہ ہوا۔ ﴿کسب﴾ کمائی۔ ﴿غرم﴾ تاوان، ادائیگی۔ ﴿غنم﴾ نفع، سہولت۔ ﴿تعذر﴾ مشکل ہو گیا، ناممکن ہو گیا۔

## مرتد کے قرضے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرتد پر قرضے ہوں تو ان قرضوں کو دو حصوں پر تقسیم کیا جائے گا اور حالت اسلام میں جو قرضے اس پر لازم ہوئے ہوں انھیں حالت اسلام والی کمائی سے ادا کیا جائے گا اور جو قرضے حالت ارتداد میں لازم ہوئے ہوں انھیں ارتداد والی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے امام زفر کی روایت ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے حسن بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ پہلے اسلام والی کمائی سے قرضے ادا کئے جائیں اور اگر یہ کمائی ادائیگی دیون کے لیے ناکافی ہو تو ردت والی کمائی سے قرضے ادا کئے جائیں گے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تیسری روایت جو امام ابو یوسف کی ہے وہ یہ ہے کہ ردت والی کمائی سے ادائیگی دین کو شروع کیا جائے گا۔ یہ کل تین روایات ہوتیں۔ ان میں سے پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ دونوں کمائیاں دوا لگ الگ یعنی اسلام اور ردت کی حالتوں میں حاصل ہوئی ہیں اور ان دونوں کا قرضہ بھی الگ الگ سبب سے ہے، لہذا ہر کمائی کا قرضہ اس حالت کی کمائی سے ادا کیا جائے گا تاکہ نفع میں سے نقصان اور تاوان ادا کر دیا جائے۔

وجہ الثانی الخ دوسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ اسلام کی حالت میں اس نے جو مال کمایا ہے وہ اس کی ملکیت ہے اسی لیے

اس شخص کے وارث اس کے مالک ہوں گے اور اس خلافت کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ ملکیت مورث کے حق سے یعنی دین وغیرہ سے فارغ ہو لہذا وراثت والی خلافت پر دین کو مقدم کیا جائے گا۔ رہی بحالت ردت والی کمائی تو وہ اس کی مملوک نہیں ہے اس لیے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں ردت سے ملکیت کی اہلیت و صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اس لیے ردت والی کمائی سے اس کے دیون نہیں ادا کئے جائیں گے ہاں اگر حالت اسلام والی کمائی سے ان کی ادائیگی نہ ہو سکے تو پھر اس کمائی سے دیون ادا کئے جائیں گے۔

تیسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ حالت اسلام کی کمائی ورثاء کا حق ہے جب کہ ارتداد کی کمائی مرتد کا اپنا حق ہے لہذا مرتد کی کمائی سے اس کے قرضے ادا کئے جائیں گے، لیکن اگر حالت ارتداد والی کمائی ادائیگی دیون کے لیے نا کافی ہو تو حالت اسلام والی کمائی سے اسے ادا کیا جائے گا۔ حضرات شیخین کے یہاں اس شخص کی دونوں کمائی سے اس کے دیون ادا کئے جائیں گے، کیونکہ وہ دونوں کمائیوں کا مالک ہے اور دونوں میں وراثت جاری ہے لہذا دونوں سے دیون ادا کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہے۔

قَالَ وَمَا بَاعَهُ أَوْ اشْتَرَاهُ أَوْ أَعْتَقَهُ أَوْ وَهَبَهُ أَوْ رَهْنَهُ أَوْ تَصَرَّفَ فِيهِ مِنْ أَمْوَالِهِ فِي حَالِ رَدِّهِ فَهُوَ مَوْقُوفٌ فَإِنْ أَسْلَمَ صَحَّتْ عُقُودُهُ، وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ أَوْ لِحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجُوزُ مَا صَنَعَ فِي الْوَجْهَيْنِ، إَعْلَمُ أَنَّ تَصَرُّفَاتِ الْمُرْتَدِّ عَلَى أَقْسَامٍ: نَافِذٌ بِالِاتِّفَاقِ كَالِاسْتِيلَادِ وَالطَّلَاقِ لِأَنَّهُ لَا يَفْتَقِرُ إِلَى حَقِيقَةِ الْمَلِكِ وَتَمَامِ الْوِلَايَةِ، وَبَاطِلٌ بِالِاتِّفَاقِ كَالنِّكَاحِ وَالذَّبْحَةِ، لِأَنَّهُ يَتَعَمَدُ الْمِلَّةَ وَلَا مِلَّةَ لَهُ، وَمَوْقُوفٌ بِالِاتِّفَاقِ كَالْمُفَاوَضَةِ لِأَنَّهُا تَعْتَمِدُ الْمُسَاوَاةَ وَلَا مُسَاوَاةَ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْمُرْتَدِّ مَا لَمْ يُسْلِمَ، وَمُخْتَلِفٌ فِي تَوَقُّفِهِ وَهُوَ مَا عَدَدْنَاهُ، لَهُمَا أَنَّ الصِّحَّةَ تَعْتَمِدُ الْأَهْلِيَّةَ، وَالنَّفَازَ يَتَعَمَدُ الْمَلِكَ وَلَا خِفَاءَ فِي وُجُودِ الْأَهْلِيَّةِ لِكَوْنِهِ مُخَاطَبًا وَكَذَا الْمَلِكُ لِقِيَامِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ، وَلِهَذَا لَوْ وَلَدَ لَهُ وَلَدٌ بَعْدَ الرِّدَّةِ لِسِتَةِ أَشْهُرٍ مِنْ امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ يَرِثُهُ، وَلَوْ مَاتَ وَلَدُهُ بَعْدَ الرِّدَّةِ قَبْلَ الْمَوْتِ لَا يَرِثُهُ فَيَصِحُّ تَصَرُّفَاتُهُ قَبْلَ الْمَوْتِ إِلَّا أَنَّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَصِحُّ كَمَا تَصِحُّ مِنَ الصَّحِيحِ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ عَوْدُهُ إِلَى الْإِسْلَامِ، إِذَا الشُّبْهَةُ تَزَاحُ فَلَا يُقْتَلُ وَصَارَ كَالْمُرْتَدِّ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَصِحُّ كَمَا تَصِحُّ مِنَ الْمَرِيضِ، لِأَنَّ مَنْ انْتَحَلَ إِلَى نَحْلَةٍ لَا سِيَّمَا مُعْرِضًا عَمَّا نَشَأَ عَلَيْهِمْ فَلَمَّا يَتْرُكُهُ فَيُقْضَى إِلَى الْقَتْلِ ظَاهِرًا، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ، لِأَنَّهُ لَا يُقْتَلُ، وَلَآبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ حَرْبِيٌّ مَقْهُورٌ تَحْتَ أَيْدِينَا عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ فِي تَوَقُّفِ الْمَلِكِ وَتَوَقُّفِ التَّصَرُّفَاتِ بِنَاءً عَلَيْهِ، وَصَارَ كَالْحَرْبِيِّ يَدْخُلُ دَارَنَا بِغَيْرِ أَمَانٍ فَيُؤْخَذُ وَيُقَهَّرُ وَيَتَوَقَّفُ تَصَرُّفَاتُهُ لِتَوَقُّفِ حَالِهِ، وَكَذَا الْمُرْتَدُّ، وَاسْتِحْقَاقُهُ الْقَتْلَ لِطُلَانِ سَبَبِ الْعِصْمَةِ فِي الْفُضْلَيْنِ

فَأَوْجَبَ خَلًّا فِي الْأَهْلِيَّةِ، بِخِلَافِ الزَّانِي وَقَاتِلِ الْعَمَدِ، لِأَنَّ الْإِسْتِحْقَاقَ فِي ذَلِكَ جَزَاءٌ عَلَى الْجَنَائَةِ، وَبِخِلَافِ الْمَرْأَةِ، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ حَرْبِيَّةً وَلِهَذَا لَا تُقْتَلُ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ مرتد نے اپنی ردت کی حالت میں جو مال فروخت کیا یا خریدا یا غلام آزاد کیا یا بہہ کیا یا کوئی چیز رہن رکھی یا اپنے اموال میں کوئی تصرف کیا تو اس کا تصرف موقوف رہے گا چنانچہ اگر وہ اسلام لے آتا ہے تو اس کے عقود درست ہو جائیں گے، اور اگر وہ مرجائے یا قتل کر دیا جائے یا دار الحرب چلا جائے تو اس کے عقود باطل ہو جائیں گے۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں اس کے تصرفات جائز ہوں گے۔

تم جان لو کہ مرتد کے تصرفات کئی قسم کے ہیں اول وہ جو بالاتفاق نافذ ہوتے ہیں جیسے ام ولد بنانا اور طلاق دینا یہ تصرفات حقیقی ملک اور تمامیت ولایت کے محتاج نہیں ہوتے (۲) دوسرے وہ تصرفات جو بالاتفاق باطل ہیں جیسے نکاح اور ذبیحہ، اس لیے کہ ان کی صحت کا مدار ملت پر ہے (۳) تیسرے وہ تصرفات جو بالاتفاق موقوف ہیں جیسے شرکت مفادضہ اس لیے کہ مفادضہ کا مدار مساوات پر ہے اور مسلم اور مرتد کے درمیان مساوات نہیں ہوتی جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے (۴) چوتھے وہ تصرفات جس کے موقوف ہونے میں اختلاف ہے اور یہ وہی تصرفات ہیں جنہیں ہم شمار کر چکے ہیں۔

حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ ان تصرفات کی صحت کا دار و مدار تصرف کی اہلیت پر ہے اور نفاذ کا مدار ملکیت پر ہے اور اہلیت میں کوئی خفاء نہیں ہے اس لیے کہ متصرف احکام شرع کا مخاطب ہے نیز اس میں ملکیت بھی موجود ہے، کیونکہ ملکیت اس کی موت سے پہلے تک باقی ہے جیسا کہ اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں اسی لیے اگر اس کے مرتد ہونے کے بعد اس کی مسلمان بیوی سے چھ ماہ میں کوئی بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ اس مرتد کا وارث ہوگا۔ اور اگر ردت کے بعد مرتد کی موت سے پہلے اس کا لڑکا مر گیا تو وہ مرتد کا وارث ہوگا، لہذا موت سے پہلے والے اس کے تصرفات صحیح ہوں گے تاہم امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں اس کے تصرفات اسی طرح صحیح ہوں گے جیسا کہ تندرست آدمی کے تصرفات صحیح ہوتے ہیں، کیونکہ اس کا اسلام کی طرف واپس آنا ظاہر ہے لہذا جو شبہ ہوا ہے اسے ختم کر دیا جائے اور مرتدہ عورت کی طرح اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں اس مرتد کے تصرفات اسی طرح صحیح ہوں گے جیسا کہ مریض کے تصرفات صحیح ہوتے ہیں، اس لیے کہ جو شخص کوئی دعویٰ کرتا ہے خاص کر اس صورت میں جب وہ اس مذہب سے اعراض کر کے نیا مذہب بناتا ہے جس پر وہ پیدا ہوا ہو تو وہ اسے کم ہی چھوڑتا ہے اور بہ ظاہر وہ قتل کر دیا جاتا ہے۔ برخلاف مرتدہ کے اس لیے کہ وہ قتل نہیں کی جاتی۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ حربی ہے اور ہمارے ہاتھوں مغلوب ہے جیسا کہ اس کی ملکیت کے موقوف رہنے کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں اور تصرفات کا موقوف ہونا ملکیت کے موقوف ہونے پر مبنی ہے اور یہ مرتد اس حربی کی طرح ہو گیا جو امان لیے بنیر دار الاسلام میں آ گیا ہو اور اسے گرفتار کر کے مقہور کر دیا گیا تو اس کے تصرفات موقوف کر دیئے جاتے ہیں، کیونکہ اس کا حال موقوف ہوتا ہے یہی حال مرتد کا بھی ہوتا ہے۔

اور دونوں صورتوں میں سبب عصمت کے بطلان کی وجہ سے مرتد مستحق قتل ہوتا ہے اور یہی چیز اس کی اہلیت میں خلل پیدا کرتی



ہے۔ برخلاف زانی کے اور قاتل عمد کے کیونکہ ان میں قتل کا استحقاق جنایت کی سزا کے طور پر ہوتا ہے۔ اور برخلاف عورت کے کیونکہ عورت جنگجو نہیں ہوتی اسی لیے وہ قتل نہیں کی جاتی۔

### اللغات:

﴿اعتق﴾ اس نے آزاد کیا۔ ﴿ردۃ﴾ ارتداد، مسلمان کا کافر ہو جانا۔ ﴿عقود﴾ معاملات۔ ﴿استیلا﴾ ام ولد بنانا۔ ﴿لا یفتقر﴾ محتاج نہیں ہوتے۔ ﴿تعتمد﴾ مبنی ہوتی ہے۔ ﴿عود﴾ واپسی، لوٹنا۔ ﴿انتحل﴾ نسبت اختیار کی۔ ﴿نحله﴾ مذہب و عقیدہ۔ ﴿یفضی﴾ پہنچاتا ہے۔

### حالت ارتداد کے تصرفات:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مرتد حالت ردت میں جو تصرفات کرتا ہے مثلاً بیع و شراء کرنا، ہبہ کرنا اور غلام آزاد کرنا وغیرہ وغیرہ تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اس کے یہ تصرفات موقوف ہوں گے اگر وہ ایمان لے آتا ہے تو یہ عقود نافذ ہو جائیں گے اور اگر وہ مرجاتا ہے یا قتل کر دیا جاتا ہے یا دار الحرب چلا جاتا ہے تو یہ تمام تصرفات باطل ہو جائیں گے جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں دونوں صورتوں میں اس کے تصرفات صحیح ہوں گے خواہ اس نے بحالت اسلام انجام دیا ہو یا بحالت ارتداد اور بعد القتل والموت بہر دو صورت اس کے تصرفات جائز ہوں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ مرتد کے تصرفات کی کل چار قسمیں ہیں (۱) وہ تصرفات جو بالاتفاق نافذ ہو جاتے ہیں جیسے اگر مرتد کسی کو ام ولد بنائے یا عدت کے دوران اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کا یہ فعل سب کے یہاں نافذ ہوگا، کیونکہ ام ولد بنانے اور طلاق دینے کے لیے نہ تو حقیقی ملکیت کی ضرورت درکار ہے اور نہ ہی مکمل ولایت کی، اسی لیے تو فقہاء نے غلام کی طلاق کو درست قرار دیا ہے حالانکہ غلام میں ولایت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جو بالاتفاق باطل ہے اور یہ ترجمہ سے واضح ہے۔ (۳) تیسری وہ ہے جو بالاتفاق موقوف ہے جیسے مرتد کسی مسلمان کے ساتھ کاروبار کرتے ہوئے شرکت مفادضہ کرے تو یہ مفادضہ موقوف رہے گا اگر وہ اسلام قبول کر لے تو مفادضہ صحیح ہوگا اور اگر بحالت ارتداد مرجائے یا قتل کر دیا جائے یا دار الحرب چلا جائے تو مفادضہ باطل ہو جاتا ہے اور اس بطلان کی وجہ یہ ہے کہ مفادضہ کی صحت کے لیے مساوات بین الشریکین ضروری ہے حالانکہ مسلمان اور مرتد میں کوئی مساوات نہیں ہے، کیونکہ اسلام اور کفر میں کھلا ہوا تضاد ہے۔ (۴) چوتھی قسم ان تصرفات کی ہے جو مختلف فیہ ہیں اور عبارت میں بیان کئے گئے ہیں۔

لہذا الخ حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ صحت تصرف کا دار و مدار تصرف کی اہلیت پر ہے اور اس تصرف کا نافذ ہونا متصرف کی ملکیت پر موقوف ہے اور صورت مسئلہ میں متصرف کی اہلیت ولیاقت میں کوئی شبہ نہیں ہے، کیونکہ وہ احکام شرع کا مخاطب ہے اسی لیے تو ارتداد کی وجہ سے اس پر قتل واجب ہے نیز جو چیز نفاذ تصرف کے لیے ضروری ہے وہ بھی مرتد میں موجود ہے یعنی اس کی موت تک اس کی ملکیت برقرار ہے اسی لیے اگر اس کے مرتد ہونے کے بعد اس کی مسلمان بیوی سے چھ ماہ کے اندر کوئی بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ اس کا وارث ہوگا اور اگر ارتداد کے بعد موت سے پہلے اس کا کوئی لڑکا مر گیا تو وہ اپنے مرتد باپ کا وارث نہیں ہوگا، کیونکہ مرتد کی ملکیت موت تک باقی تھی اور قبل از موت اس کا لڑکا مر گیا ہے فلا یرثہ اسی سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قبل الموت مرتد کے تصرفات صحیح

ہوں گے اور جب تصرفات صحیح ہوں گے تو اسلام کے تصرفات اسی طرح صحیح ہوں جیسے تندرست آدمی کے تصرفات صحیح ہوتے ہیں یعنی یہ تصرفات متصرف اور مرتد کے پورے مال میں صحیح ہوں گے، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے گا اس لیے اس کا شبہ ختم کرنا ضروری ہے۔ اور جس طرح مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جاتا اسی طرح اس شخص کو بھی قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ تصرفات تصرفات مریض کی طرح صحیح ہوں گے یعنی اس کے تہائی مال سے نافذ ہوں گے، اس لیے کہ جو شخص ایک مذہب پر پیدا ہوا اسی پر پلا بڑھا اس کے بعد اس نے وہ مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کیا تو بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص اس دوسرے مذہب کو ترک کر دے لہذا اس مرتد کا دوبارہ اسلام قبول کرنا مشکل ہے اور اس کا انجام قتل ہے اس لیے میت کی طرف سے تہائی مال ہی میں اس کے تصرفات نافذ ہوں گے۔

ولابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الخ حضرت امام عالی مقام رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ارتداد کے بغیر مرتد حربی ہو جاتا ہے اور چوں کہ یہ ہمارے ہاتھوں مقہور اور مغلوب ہے، لہذا امان لیے بغیر دارالاسلام آجانے والے حربی مقہور کی طرح اس کے تصرفات بھی موقوف ہوں گے، کیونکہ اس کی ملکیت موقوف رہتی ہے جب کہ تصرفات کی صحت ملکیت ہی پر موقوف ہے، لہذا جب اس کی ملکیت موقوف ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے تصرفات بھی موقوف ہوں گے۔

رہا سوال مرتد کے مستحق قتل ہونے کا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عصمت یعنی اسلام سے برگشتہ ہونے کی وجہ سے یا حربی ہونے کی وجہ سے اس کی عصمت اور حفاظت معدوم ہو چکی ہے اور عصمت کے معدوم ہونے سے اس کی اہلیت و صلاحیت میں خلل اور نقص ہو گیا ہے اور جب اہلیت گڑ بڑ ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے تصرفات بھی گڑ بڑ ہوں گے یعنی نافذ اور صحیح نہیں ہوں گے۔ اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کا اسے مرتدہ عورت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ عورت حربیہ نہیں ہوتی اور وہ قتل بھی نہیں کی جاتی۔ اسی طرح زانی اور قاتل عمد اس وجہ سے مستحق قصاص ہوتے ہیں کہ قصاص اور قتل ان کے جرم اور ان کی جنایت کی سزا ہے لہذا مرتد کو ان پر قیاس کرنا بھی درست نہیں ہے۔

فَإِنْ عَادَ الْمُرْتَدُّ بَعْدَ الْحُكْمِ بِلِحَاقِهِ بِدَارِ الْحَرْبِ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ مُسْلِمًا فَمَا وَجَدَهُ فِي يَدِهِ وَرَثَتِهِ مِنْ مَالِهِ بِعَيْنِهِ أَخَذَهُ، لِأَنَّ الْوَارِثَ إِنَّمَا يَخْلُفُهُ فِيهِ لَا سِتْغْنَاءَ بِهِ، وَإِذَا عَادَ مُسْلِمًا اِحْتِاجَ إِلَيْهِ فَيَقْدَمُ عَلَيْهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَزَالَ الْوَارِثُ عَنْ مَلِكِهِ، وَبِخِلَافِ أُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَمُدَبَّرِيهِ، لِأَنَّ الْقَضَاءَ قَدْ صَحَّ بِدَلِيلٍ مُصَحِّحٍ فَلَا يَنْقُضُ، وَلَوْ جَاءَ مُسْلِمًا قَبْلَ أَنْ يَقْضِيَ الْقَاضِي بِذَلِكَ فَكَأَنَّهُ لَمْ يَزَلْ مُسْلِمًا لِمَا ذَكَرْنَا.

**ترجمہ:** پھر اگر مرتد کے دارالحرب چلے جانے کے فیصلے کے بعد مرتد مسلمان ہو کر دارالاسلام واپس آ گیا تو اپنا جو مال بعینہ اپنے کسی وارث کے پاس پائے اسے لے لے، کیونکہ وارث اسی وقت اس مال کا وارث ہوگا جب مرتد اس سے مستغنی ہو جائے لیکن جب وہ مسلمان ہو کر واپس آ گیا تو اس مال کا ضرورت مند ہو گیا اس لیے وہ شخص وارث سے مقدم ہوگا۔ برخلاف اس صورت کے جب وارث نے اس مال کو اپنی ملکیت سے نکال دیا ہو۔ اور برخلاف اس کی امہات اولاد اور مدبروں کے، اس لیے کہ ان کے متعلق دلیل صحیح

سے صحیح فیصلہ ہو چکا ہے لہذا اب یہ فیصلہ ختم نہیں ہوگا اور اگر قاضی کے اس کے دارالحرب چلے جانے کے فیصلہ کرنے سے پہلے وہ مسلمان ہو کر دارالاسلام واپس آگیا (تو اس کی جملہ املاک بحال رہیں گی) اور وہ ایسا ہو جائے گا گویا کہ ہمیشہ مسلمان ہی تھا۔

### اللغات:

﴿عاد﴾ واپس آگیا۔ ﴿لحاق﴾ ساتھ مل جانا۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿استغناء﴾ غیر ضرورت مند ہونا، بے نیاز ہونا۔

### مرتد کا دارالحرب سے مسلمان ہو کر واپس آ جانا:

مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا اور قاضی نے اس کے دارالحرب جانے کا فیصلہ کر دیا پھر وہ مسلمان ہو کر دوبارہ دارالاسلام آگیا تو اب دارالاسلام میں اس کے ورثاء کے پاس اس کے جو اموال بعینہ موجود ہوں ان اموال کو وہ مذکورہ ورثاء سے واپس لے لے، کیونکہ وارث اسی صورت میں اس کے مال کا مستحق ہوتا ہے جب اس شخص کو مال کی ضرورت نہ ہو حالانکہ صورت مسئلہ میں اس کے مسلمان ہو کر دارالاسلام آ جانے سے وہ شخص خود ہی مال کا ضرورت مند ہو گیا ہے، اس لیے اس کی ضرورت وارث کی ضرورت سے مقدم ہوگی۔ لیکن اگر وارث نے وہ مال اپنی ضرورت میں صرف کر دیا تو اس مال سے اس شخص کا حق ختم ہو جائے گا، اسی طرح اس کے وہ مدبر و غیرہ جو آزاد ہو گئے ہیں وہ بھی آزاد ہی رہیں گے اور پھر غلام نہیں بنیں گے، کیونکہ ان کے متعلق قاضی کا فیصلہ صحیح دلیل سے ہوا تھا اور صحیح تھا اس لیے اب وہ فیصلہ باطل اور ناقض نہیں ہوگا۔ ہاں اگر مرتد دارالحرب چلا گیا اور قاضی نے اس کے دارالحرب جانے کا فیصلہ نہیں کیا تھا پھر وہ مسلمان ہو کر دارالاسلام واپس آگیا تو اس کی املاک علیٰ حالہا بحال رہیں گی اور کوئی بھی چیز اس کی ملکیت سے زائل نہیں ہوگی، کیونکہ اس صورت میں وہ ہمیشہ مسلمان ہی سمجھا جائے گا اور اس کا ارتداد معدوم شمار ہوگا۔

وَإِذَا وَطِنَ الْمُرْتَدُّ جَارِيَةً نَّصْرَانِيَّةً كَانَتْ لَهُ فِي حَالَةِ الْإِسْلَامِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لَّا كَثْرَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ ارْتَدَّ فَادْعَاهُ فَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ وَالْوَلَدُ حُرٌّ وَهُوَ ابْنُهُ وَلَا يَرِثُهُ، وَإِنْ كَانَ الْجَارِيَةُ مُسْلِمَةً وَرِثَةُ الْإِبْنِ إِنْ مَاتَ عَلَى الرِّدَّةِ أَوْ لِحَقَّ بِدَارِ الْحَرْبِ، أَمَّا صِحَّةُ الْإِسْتِيلَادِ فَلَمَّا قُلْنَا وَأَمَّا الْإِرْثُ فَلِأَنَّ الْأُمَّ إِذَا كَانَتْ نَصْرَانِيَّةً وَالْوَلَدُ تَبَعَ لَهُ لِقُرْبِهِ إِلَى الْإِسْلَامِ لِلْجَبْرِ عَلَيْهِ فَصَارَ فِي حُكْمِ الْمُرْتَدِّ، وَالْمُرْتَدُّ لَا يَرِثُ الْمُرْتَدَّةَ، أَمَّا إِذَا كَانَتْ مُسْلِمَةً فَالْوَلَدُ مُسْلِمٌ تَبَعَ لَهَا، لِأَنَّهَا خَيْرُهُمَا دِينًا، وَالْمُسْلِمُ يَرِثُ الْمُرْتَدَّةَ، وَإِذَا لِحَقَّ الْمُرْتَدُّ بِمَالِهِ بِدَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ ظَهَرَ عَلَى ذَلِكَ الْمَالِ فَهُوَ فِيَّ، فَإِنْ لِحَقَّ ثُمَّ رَجَعَ وَأَخَذَ مَالًا وَالْحَقُّ بِدَارِ الْحَرْبِ فَظَهَرَ عَلَى ذَلِكَ الْمَالِ فَوَجَدْتُهُ الْوَرِثَةَ قَبْلَ الْقِسْمَةِ رُدَّ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّ الْأَوَّلَ مَالٌ لَمْ يَجْرِ فِيهِ الْإِرْثُ، وَالثَّانِي انْتَقَلَ إِلَى الْوَرِثَةِ بِقَضَاءِ الْقَاضِي بِلِحَاقِهِ وَكَانَ الْوَارِثُ مَالِكًا قَدِيمًا.

ترجمہ: اگر مرتد نے ایسی نصرانیہ باندی سے وطی کی جو حالت اسلام میں اس کی باندی تھی پھر اس باندی نے اس کے مرتد ہونے

کے وقت سے لے کر چھ ماہ سے زیادہ مدت میں بچہ جنا تو وہ باندی اس کی ام ولد ہوگی اور لڑکا آزاد ہوگا اس مرتد کا لڑکا ہوگا لیکن اس کا وارث نہیں ہوگا، اور اگر باندی مسلمان ہو تو اگر مرتد ردت پر مرا ہو یا دار الحرب چلا گیا ہو تو یہ لڑکا اس کا وارث ہوگا۔ رہا ام ولد بنانے کا صحیح ہونا تو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور رہا لڑکے کا وارث ہونا تو اس وجہ سے ہے کہ جب اس کی ماں نصرانیہ ہے تو لڑکا اپنے مرتد باپ کے تابع ہوگا کیونکہ وہ باپ اسلام سے زیادہ قریب ہے، کیونکہ اس پر اسلام قبول کرنے کے لیے جبر کیا جائے گا لہذا یہ لڑکا بھی مرتد کے حکم میں ہوگا اور مرتد کا وارث نہیں ہوتا، لیکن اگر وہ باندی مسلمان ہو تو لڑکا ماں کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا، اس لیے کہ ماں ہی دین کے اعتبار سے بہتر ہے اور مسلمان مرتد کا وارث ہوگا۔ اور اگر مرتد اپنا مال لے کر دار الحرب چلا گیا پھر اس مال پر مجاہدین کا غلبہ ہو گیا تو وہ مال فتنے ہوگا، پھر اگر مرتد دار الحرب جا کر واپس آ گیا اور مال لے کر دوبارہ دار الحرب چلا گیا پھر اس مال پر غلبہ ہوا اور غنائم کی تقسیم سے پہلے مرتد کے وارثوں نے وہ مال پالیا تو انھی کو وہ مال دیا جائے گا، کیونکہ پہلا مال ایسا مال ہے جس میں وراثت نہیں جاری ہوتی۔ اور دوسرا مال اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو گیا ہے، کیونکہ قاضی نے اس کے دار الحرب جانے کا فیصلہ کر دیا ہے، لہذا وارث اس مال کا پرانا حق دار ہوا ہے۔

### اللغات:

﴿جاریۃ﴾ باندی۔ ﴿ادعاه﴾ اس نے اُس کا دعویٰ کیا۔ ﴿استیلا﴾ اُم ولد بنانا۔ ﴿ظہور﴾ غلبہ پالیا گیا۔ ﴿فیس﴾ مال نسیئت۔ ﴿الحقہ﴾ اس کو ملا لیا۔ ﴿رد﴾ واپس کیا جائے گا۔

### حالت ارتداد میں کافر باندی سے وطی کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسلمان ہونے کے زمانے میں مرتد کی کوئی نصرانیہ باندی تھی اور اس باندی سے مرتد نے وطی کی تھی چنانچہ اس شخص کے مرتد ہونے کے وقت سے لے کر چھ ماہ سے زائد مدت میں اس باندی نے ایک بچہ جنا اور مرتد نے اس کا دعویٰ کر دیا تو وہ باندی اس کی ام ولد ہوگی اور لڑکا ہوگا اور آزاد ہوگا لیکن اپنے باپ کا وارث نہیں ہوگا، ہاں اگر باندی مسلمان ہو اور مرتد بحالت ردت مرا ہو یا دار الحرب چلا گیا ہو تو ان صورتوں میں وہ لڑکا اپنے باپ کا وارث ہوگا۔ صاحب ہدایہ دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مرتد کا کسی باندی کو ام ولد بنانا صحیح ہے، کیونکہ استیلا کے لیے نہ تو حقیقی ملک ضروری ہوتی ہے اور نہ ہی ولایت کی تمامیت درکار ہوتی ہے۔ اور ماں کے نصرانیہ ہونے کی صورت میں وہ مرتد باپ کا اس لیے وارث نہیں ہوگا کہ لڑکا اپنے باپ کے تابع ہوگا، کیونکہ باپ کو دوبارہ اسلام لانے کے لیے جبر کیا جائے گا اور وہ اسلام سے زیادہ قریب ہوگا، اس لیے باپ کے تابع ہو کر وہ لڑکا بھی مرتد کے حکم میں ہوگا اور مرتد کا وارث نہیں ہوتا۔ اور ماں کے مسلمان ہونے کی صورت میں الولد یتبع خیرا لا یوین دینا کی وجہ سے لڑکا اپنی ماں کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا اور مسلمان مرتد کا وارث ہو سکتا ہے، لہذا اس صورت میں اس کے اپنے باپ کے وارث ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

وإذا لحق المرتد النخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مرتد اپنا مال لے کر دار الحرب گیا پھر اس مال پر مجاہدین کا غلبہ ہو گیا تو وہ مال مال فتنے ہوگا، کیونکہ ارتداد اور لحاق بدار الحرب کی وجہ سے وہ مرتد حربی ہو گیا ہے اور حربی کا مال مال فتنے ہوتا ہے۔ اور اگر مرتد تنہا



دارالحرب گیا پھر واپس آ گیا اور دوبارہ ساز و سامان لے کر دارالحرب چلا گیا اور پھر اس مال پر مجاہدین کا قبضہ ہو گیا اور مرتد کے ورثاء کو قبل از تقسیم یہ مال مل گیا تو یہ مال ورثاء ہی کو ملے گا، کیونکہ جب قاضی نے مرتد کے دارالحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دیا تو مرتد کا مال اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو گیا اور ورثاء ہی اس کے پرانے مالک ہو گئے اور غلبہ کے بعد دوبارہ وہ مال ورثاء کو ملا ہے تو وہی اس کے زیادہ حق دار ہوں گے، لہذا انھی کو وہ مال دیا جائے گا۔

وَإِذَا لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بِدَارِ الْحَرْبِ وَلَهُ عَبْدٌ فَقُضِيَ بِهِ لِأَبْنِهِ وَكَاتَبَهُ الْإِبْنُ ثُمَّ جَاءَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمًا فَالْكِتَابَةُ جَائِزَةٌ، وَالْكِتَابَةُ وَالْوِلَاءُ لِلْمُرْتَدِّ الَّذِي أَسْلَمَ، لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى بُطْلَانِ الْكِتَابَةِ لِنُفُوذِهَا بِدَلِيلٍ مُنْقِذٍ فَجَعَلْنَا الْوَارِثَ الَّذِي هُوَ يَكُونُ خَلْفَهُ كَالْوَكِيلِ مِنْ جِهَتِهِ، وَحُقُوقُ الْعَقْدِ فِيهِ يَرْجِعُ إِلَى الْمُوَكَّلِ، وَالْوِلَاءُ لِمَنْ يَقَعُ الْعِتْقُ عَنْهُ، وَإِذَا قُتِلَ الْمُرْتَدُّ رَجُلًا خَطَا ثُمَّ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ فَالَّذِي فِي مَالِ الْكُتْسَةِ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ خَاصَّةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ الْبَاقُونَ فِي حَالَةِ الْإِسْلَامِ وَالرِّدَّةِ جَمِيعًا، لِأَنَّ الْعَوَاقِلَ لَا تَعْقِلُ الْمُرْتَدَّ لِانْعِدَامِ النُّصْرَةِ فَيَكُونُ فِي مَالِهِ وَعِنْدَهُمَا الْكُتْسَانِ جَمِيعًا مَالُهُ لِنُفُوذِ تَصَرُّفَاتِهِ فِي الْحَالَيْنِ وَلِهَذَا يَجْرِي الْإِرْثُ فِيهِمَا عِنْدَهُمَا، وَعِنْدَهُ مَالُهُ الْمُكْتَسَبُ فِي الْإِسْلَامِ لِنَفَازِ تَصَرُّفِهِ فِيهِ دُونَ الْمَكْسُوبِ فِي الرِّدَّةِ لِتَوَقُّفِ تَصَرُّفِهِ وَلِهَذَا كَانَ الْأَوَّلُ مِيرَاثًا عِنْدَهُ وَالثَّانِي فَيَا عِنْدَهُ.

**ترجمہ:** اگر مرتد دارالحرب چلا گیا اور اس کا ایک غلام تھا جس کے متعلق قاضی نے اس کے بیٹے کو دیے جانے کا فیصلہ کر دیا اور بیٹے نے اسے مکاتب بنالیا پھر مرتد مسلمان ہو کر واپس آیا تو مکاتب جائز ہے اور کتابت کا مال اور مکاتب کی ولاء اس مرتد کو ملے گی جو مسلمان ہو گیا ہے اس لیے کہ مکاتب کو باطل کرنے کی صورت نہیں ہے، کیونکہ وہ دلیل منفذ سے نافذ ہوئی ہے لہذا ہم نے اس وارث کو جو مرتد کا نائب ہے اس کی طرف سے وکیل بنا دیا اور عقد کتابت میں حقوق عقد موکل کی طرف لوٹتے ہیں اور ولاء اسے ملتی ہے جس کی طرف سے آزادی واقع ہوتی ہے۔

اگر مرتد نے خطا کسی شخص کو قتل کر دیا پھر وہ دارالحرب چلا گیا یا بحالت ردت قتل کر دیا گیا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں دیت صرف اس مال میں ہوگی جو اس نے حالت اسلام میں کمایا ہے۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ دیت اس پورے مال میں ہوگی جو اس نے اسلام اور ارتداد دونوں حالتوں میں کمایا ہے۔ کیونکہ عواقل مرتد کی دیت نہیں دیتے، اس لیے کہ نصرت معدوم ہوتی ہے، لہذا اسی کے مال میں دیت ہوگی۔ حضرات صاحبین کے یہاں دونوں کمائیاں اسی کا مال ہیں اس لیے کہ دونوں حالتوں میں اس کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں اسی لیے حضرات صاحبین کے یہاں دونوں کمائیوں میں وارثت جاری ہوتی ہے۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اس کا مال وہی ہے جو اس نے حالت اسلام میں کمایا ہے، کیونکہ (امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں) اس کے تصرفات اسی میں نافذ ہوتے ہیں نہ کہ حالت ردت والی کمائی میں، کیونکہ اس کمائی میں اس کا تصرف موقوف ہوتا ہے، اسی لیے امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں

حالت اسلام کی کمائی میراث ہوتی ہے اور حالت ردت والی کمائی فئے ہوتی ہے۔

### اللغات:

﴿قضى به﴾ اس کا فیصلہ کر دیا گیا۔ ﴿کاتبه﴾ اس سے مکاتبت کا معاملہ کر لیا۔ ﴿ولاء﴾ آزاد کردہ غلام کی میراث۔

﴿اکتسب﴾ اس نے کمایا۔

### مرتد کی غیر موجودگی کے تصرفات:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا اور اس مرتد کا ایک غلام تھا جس کے بارے میں قاضی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ غلام مرتد کے بیٹے کا ہے چنانچہ بیٹے نے اسے اپنا لیا اور اسے مکاتب بنادیا اس کے بعد مرتد مسلمان ہو کر دارالاسلام واپس آ گیا تو اس کے بیٹے کی کی ہوئی مکاتبت جائز ہوگی البتہ عقد کتابت کا عوض اور بدل کتابت ادا کرنے کی صورت میں اس مکاتب غلام کی ولاء اس کے پہلے آقا یعنی اس نو مسلم کو ملے گی۔ اس لیے کہ صورت مسئلہ میں بدل کتابت باطل نہیں ہوئی، کیونکہ اس کا بیٹا قضائے قاضی سے اس غلام کا مالک ہوا ہے، اس لیے صحت کی شکل اختیار کرتے ہوئے ہم نے اس کے وارث بیٹے کو اس کا وکیل قرار دیا ہے اور عقد کتابت میں چوں کہ عقود موکل کی طرف لوٹتے ہیں اس لیے کتابت کا عوض اور اس کی ولاء اسی موکل یعنی مرتد ہو کر اسلام لانے والے کو ملے گی، کیونکہ آزادی اسی کی طرف سے واقع ہوئی ہے اور یہ تو بہت مشہور ہے کہ الولاء للمعتق۔

وإذا قتل المرتد الخ فرماتے ہیں کہ اگر مرتد نے خطا کسی شخص کو قتل کر دیا پھر وہ دارالحرب چلا گیا یا بحالت ردت قتل کر دیا گیا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اس کے اسی مال میں دیت واجب ہوگی جو اس نے اسلام کی حالت میں کمایا ہے۔ اور حضرات صاحبین کے یہاں اسلام اور ردت دونوں زمانوں کی کمائی میں دیت واجب ہوگی، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ دونوں زمانوں کی کمائی اس کی ملکیت ہے کیونکہ دونوں میں اس کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں اور دونوں میں میراث بھی جاری ہے، لہذا دونوں کمائیوں سے دیت بھی ادا کی جائے گی، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں چوں کہ حالت اسلام والی کمائی ہی میں مرتد کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں اور اسی میں ان کے یہاں میراث بھی جاری ہوتی ہے، اس لیے حالت اسلام والی کمائی ہی اس کا مال ہوگی اور اسی سے دیت ادا کی جائے گی، رہی حالت ردت والی کمائی تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں یہ مرتد کا نہیں ہے، کیونکہ اس میں اس کے تصرفات موقوف رہتے ہیں اور یہ کمائی امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں میراث بھی نہیں ہوگی بلکہ فئے ہوگی، اسی لیے اس سے دیت بھی نہیں ادا کی جائے گی۔ اور دونوں صورتوں میں قاتل کے مال سے دیت ادا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مرتد اور مسلمان میں باہمی نصرت معدوم ہے اسی لیے صورت مسئلہ میں عاقلہ اس کی دیت ادا نہیں کریں گے۔

وَإِذَا قُطِعَتْ يَدُ الْمُسْلِمِ عَمْدًا فَارْتَدَّ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ ثُمَّ مَاتَ عَلَى رِدَّتِهِ مِنْ ذَلِكَ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ جَاءَ مُسْلِمًا فَمَاتَ مِنْ ذَلِكَ فَعَلَى الْقَاطِعِ نِصْفُ الدِّيَةِ فِي مَالِهِ لِلْوَرَثَةِ، أَمَّا الْأَوَّلُ لِأَنَّ السَّرَايَةَ حَلَّتْ مَحَلًّا غَيْرَ مَعْصُومٍ فَأُهْدِرَتْ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قُطِعَ يَدُ الْمُرْتَدِّ ثُمَّ أَسْلَمَ فَمَاتَ مِنْ ذَلِكَ لِأَنَّ الْإِهْدَارَ لَا يَلْحَقُهُ الْإِعْتِبَارُ،

أَمَّا الْمُعْتَبَرُ فَقَدْ يُهْدَرُ بِالْإِبْرَاءِ فَكَذَا بِالرَّدَّةِ، وَأَمَّا الْغَائِبِيُّ وَهُوَ مَا إِذَا لَحِقَ وَمَعْنَاهُ إِذَا قُضِيَ بِلِحَاقِهِ لِأَنَّهُ صَارَ مَيِّتًا تَقْدِيرًا وَالْمَوْتُ يَقْطَعُ السَّرَايَةَ، وَإِسْلَامُهُ حَيَاةٌ حَادِثَةٌ فِي التَّقْدِيرِ فَلَا يَعُودُ حُكْمُ الْجَنَائِيَةِ الْأُولَى، فَإِذَا لَمْ يَقْضِ الْقَاضِي بِلِحَاقِهِ فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ الَّذِي نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

**ترجمہ:** اگر عدا کسی مسلمان کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر نعوذ باللہ وہ مرتد ہو گیا پھر اسی قطع کی وجہ سے بحالت ردت وہ مر گیا یا دار الحرب چلا گیا اس کے بعد مسلمان ہو کر واپس آیا اور اسی زخم سے مر ا تو قاطع کے مال میں نصف دیت واجب ہوگی جو میت کے ورثاء کو دی جائے گی، رہی پہلی صورت تو اس وجہ سے کہ قطع ایسے محل میں سرایت کر گیا تھا جو قابل حفاظت نہیں تھا، اسی لیے اس کا خون ہدر ہو گیا۔ برخلاف اس صورت کہ جب مرتد کا ہاتھ کاٹا گیا پھر وہ مسلمان ہوا اور اسی قطع کی وجہ سے مر گیا تو قاطع پر کچھ نہیں ہوگا، کیونکہ اہدار کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور جب معتبر قصاص معاف کرنے سے ختم ہو جاتا ہے تو ردت سے بھی قصاص ساقط ہو جائے گا۔ رہی دوسری صورت یعنی جب وہ دار الحرب چلا گیا ہو اور قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ کر دیا ہو تو اس کا قصاص اس وجہ سے باطل ہوگا کہ وہ تقدیری اعتبار سے مردہ ہو چکا ہے اور موت زخم کے اثر کو سرایت کرنے سے روک دیتی ہے اور اس کا اسلام لانا معنائی زندگی پانا ہے لہذا (اس زندگی میں) پہلی جنایت کا حکم عود نہیں کرے گا۔ اور اگر قاضی نے اس کے دار الحرب جانے کا فیصلہ نہ کیا ہو تو وہ اس اختلاف پر ہے جسے آئندہ ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

### اللغات:

﴿قطعت﴾ کاٹ دیا گیا۔ ﴿ید﴾ ہاتھ۔ ﴿سرایۃ﴾ پھیل جانا، بڑھ جانا۔ ﴿اھدرت﴾ بے بدلہ چھوڑ دیا گیا۔ ﴿ابراء﴾ بری کر دینا، معاف کر دینا۔

### ارتداد اور دیت نفس کا ایک مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے جان بوجھ کر بغیر غلطی کے کسی مسلمان کا ہاتھ کاٹ دیا پھر یہ مقطوع بد بخت مرتد ہو گیا اور بحالت ردت مر گیا یا دار الحرب چلا گیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد وہاں سے مسلمان ہو کر واپس آیا اور پھر اسی زخم سے اس کی موت ہو گئی تو اب قاطع پر دیت نفس نہیں ہوگی، بلکہ اس پر دیت ید واجب ہوگی جو دیت نفس کا نصف ہے۔ پہلی یعنی ارتداد والی صورت میں دیت نفس کے عدم وجوب کی وجہ یہ ہے کہ زخم اگرچہ اسے بحالت اسلام لگا ہے لیکن یہ زخم جب اس میں سرایت ہوا ہے اس وقت وہ مرتد ہو چکا تھا اور زخم غیر محترم اور غیر محفوظ مقام میں سرایت کر گیا ہے، اس لیے اس کا عوض اور خون بہا واجب نہیں ہوگا، کیونکہ عوض تو محترم محل کا واجب ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر مرتد کا ہاتھ کاٹا گیا پھر وہ مسلمان ہو گیا اور اسی سابقہ زخم کی وجہ سے مر گیا تو اس کا کوئی ضمان نہیں ہوگا یعنی نہ تو دیت نفس واجب ہوگی اور نہ ہی دیت ید واجب ہوگی، کیونکہ جس وقت قطع ید ہوا ہے اس وقت اس کا کوئی اعتبار نہیں تھا اور اس وقت قطع ید واجب نہیں تھا، لہذا بعد میں اسلام لانے کی وجہ سے بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور بعد میں بھی قطع ید واجب نہیں ہوگا۔

اور دوسری یعنی دار الحرب چلے جانے کی صورت میں دیتِ نفس واجب نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دار الحرب جانے کی وجہ سے وہ شخص معنا مردہ ہو گیا اور موت سرایتِ زخم سے مانع ہے اور دوبارہ اس کا اسلام لانا حقیقت میں اسے نئی زندگی ملنے کے مترادف ہے، اس لیے اس نئی زندگی میں زخم کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور سابقہ زخم سے مرنے کی وجہ سے قاطع پر دیتِ نفس نہیں واجب ہوگی۔ اور اگر قاضی نے اس مرتد کے دار الحرب جانے کا فیصلہ نہ کیا ہو تو اس کا حکم اگلی عبارت میں درج ہے۔

قَالَ فَإِنْ لَمْ يَلْحَقْ وَأَسْلَمَ ثُمَّ مَاتَ فَعَلَيْهِ الدِّيَةُ كَامِلَةً، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ وَزُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ نِصْفُ الدِّيَةِ، لِأَنَّ إِعْتِرَاضَ الرِّدَّةِ أَهْدَرَ السَّرَايَةَ فَلَا يَنْقَلِبُ بِالإِسْلَامِ إِلَى الضَّمَانِ كَمَا إِذَا قُطِعَ يَدُ مُرْتَدٍّ فَأَسْلَمَ، وَلَهُمَا أَنَّ الْجَنَايَةَ وَرَدَتْ عَلَى مَحَلٍّ مَعْصُومٍ وَتَمَّتْ فِيهِ فَيَجِبُ ضَمَانُ النَّفْسِ كَمَا إِذَا لَمْ يَتَخَلَّلِ الرِّدَّةُ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِقِيَامِ الْعِصْمَةِ فِي حَالِ بَقَاءِ الْجَنَايَةِ وَإِنَّمَا الْمُعْتَبَرُ قِيَامُهَا فِي حَالِ إِنْعِقَادِ السَّبَبِ وَفِي حَالِ ثُبُوتِ الْحُكْمِ، وَحَالَةُ الْبَقَاءِ بِمَعْزُولٍ مِنْ ذَلِكَ كَلِّهِ وَصَارَ كَقِيَامِ الْمَلِكِ فِي حَالِ بَقَاءِ الْيَمِينِ، وَإِذَا ارْتَدَّ الْمُكَاتَبُ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَاسْتَسَبَّ مَالًا فَأَخَذَ بِمَالِهِ وَأَبَى أَنْ يُسْلِمَ فَقُتِلَ فَإِنَّهُ يُوفَى مَوْلَاهُ مُكَاتَبَتَهُ وَمَا بَقِيَ فَلِوَرَثَتِهِ، وَهَذَا ظَاهِرٌ عَلَى أَصْلِهِمَا لِأَنَّ كَسْبَ الرِّدَّةِ مِلْكُهُ إِذَا كَانَ حُرًّا فَكَذَا إِذَا كَانَ مُكَاتَبًا، وَأَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فَلِأَنَّ الْمُكَاتَبَ إِنَّمَا يَمْلِكُ أَكْسَابَهُ بِالْكِتَابَةِ وَالْكِتَابَةُ لَا يَتَوَقَّفُ بِالرِّدَّةِ فَكَذَا أَكْسَابُهُ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا يَتَوَقَّفُ تَصَرُّفُهُ بِالْأَقْوَى وَهُوَ الرِّقُّ فَكَذَا بِالْأَذْنَى بِطَرِيقِ الْأُولَى.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر مرتد دار الحرب نہیں گیا اور اسلام لے آیا تو قاطع پر پوری دیت واجب ہوگی، یہ حکم حضرات شیخین رحمہما کے یہاں ہے، امام محمد رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام صورتوں میں نصف دیت ہی واجب ہوگی، کیونکہ ردت نے سرايت کو باطل کر دیا لہذا اسلام لانے سے یہ اہل دارضمان میں تبدیل نہیں ہوگا جیسے اگر کسی مرتد کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ حضرات شیخین رحمہما کی دلیل یہ ہے کہ جنایت محل محترم پر واقع ہو کر اسی میں تام بھی ہوئی ہے لہذا ضمان نفس واجب ہوگا جیسے اگر ردت متخلل نہ ہوئی ہو۔ یہ اس لیے ہے کہ بقائے جنایت کی حالت میں عصمت اور احترام کی موجودگی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا بلکہ سب منعقد ہونے اور حکم ثابت ہونے کے وقت عصمت کی موجودگی معتبر ہوتی ہے۔ اور حالت بقاء ان سے الگ ہے اور یہ ایسا ہو گیا جیسے بقائے یمین کی حالت میں ملکیت کا قیام۔

اگر مکاتب مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا اور مال کما لیا پھر اپنے مال سمیت پکڑا گیا اور مسلمان ہونے سے انکار کر دیا چنانچہ قتل کر دیا گیا تو (اس کے مال سے) اس کے مولیٰ کی مکاتب پوری کی جائے گی اور جو مال بچے گا وہ اس کے ورثاء کا ہوگا۔ حضرات



صاحبین رحمہم اللہ کی اصل پر تو یہ ظاہر ہے، کیونکہ مرتد اگر آزاد ہو تو اس کی کمائی (عندہما) اس کی ملکیت ہوتی ہے لہذا جب وہ مکاتب ہو تو بھی اس کی کمائی اسی کی مملوک ہوگی۔ اور امام اعظم رحمہم اللہ کے یہاں یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ عقد کتابت کی وجہ سے مکاتب اپنی کمائی کا مالک ہوتا ہے اور اس کے مرتد ہونے سے کتابت موقوف نہیں ہوتی لہذا اس کی کمائی بھی موقوف نہیں ہوگی۔ کیا دکھتا نہیں کہ اس کا تصرف اقویٰ یعنی رقیّت کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا لہذا ادنیٰ (ردت) کی وجہ سے بدرجہ اولیٰ باطل نہیں ہوگا۔

### اللغات:

﴿اعتراض﴾ درمیان میں آجانا۔ ﴿ردۃ﴾ مرتد ہونا، مسلمان کا کافر ہو جانا۔ ﴿أهدر﴾ معاف کر دیا ہے، بے بدلہ چھوڑ دیا ہے۔ ﴿مغزل﴾ علیحدگی کی جگہ، دوری۔ ﴿یسلم﴾ سپرد کر دے۔ ﴿اکساب﴾ واحد کسب؛ کمائیاں۔ ﴿دق﴾ غلامی۔

### ارتداد اور دیت نفس کا ایک مسئلہ:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرتد مقطوع الید ہو کر دار الحرب نہیں گیا یا گیا تو لیکن قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ نہیں کیا پھر وہ مسلمان ہو گیا اور اسی قطع ید کی وجہ سے اس کی موت ہو گئی تو حضرات شیخین رحمہم اللہ کے یہاں قاطع پر اس کی پوری دیت واجب ہوگی، جب کہ امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ کے یہاں تمام صورتوں میں قاطع پر نصف دیت ہی واجب ہوگی ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مقطوع کی ردت نے زخم کی سرایت اور اس کے اثر کو ختم کر دیا ہے، لہذا اس کے مسلمان ہونے سے یہ اہل ارضمان میں تبدیل نہیں ہوگا، اس لیے دیت نفس نہیں واجب ہوگی بلکہ تمام صورتوں میں نصف دیت یعنی دیت ید ہی واجب ہوگی۔

حضرات شیخین رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں جس وقت مقطوع کا ہاتھ کاٹا گیا ہے اس وقت وہ مسلمان تھا اور جنایت محترم اور معصوم محل پر واقع ہوئی ہے اور بحالت اسلام اسی کی زخم کی وجہ سے اس شخص کی موت بھی ہوئی ہے اس لیے دیت نفس واجب ہوگی جیسے اگر درمیان میں ردت نخل نہ ہو تو اس صورت میں بھی قاطع پر دیت نفس واجب ہوتی ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی اس پر کامل دیت واجب ہوگی۔

اور صورت مسئلہ میں بوقت قطع ید چوں کہ مقطوع مسلمان ہے اور اس کی عصمت کامل ہے، لہذا اس وقت کی جنایت کی جزاء اور سزا بھی کامل ہوگی اور قاطع پر پوری دیت واجب ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بقائے یمین کی حالت میں ملکیت کا باقی رہنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر بوقت انعقاد یمین ملکیت باقی ہو تو یمین درست ہوگی۔ مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے *إن دخلت الدار فانت طالق* کہا تو چوں کہ بوقت یمین وہ اس کی بیوی ہے اس لیے یمین صحیح ہے پھر اگر اس نے اسی بیوی کو طلاق بائنہ دے کر اپنی ملکیت سے نکال دیا اور اس کے بعد دوبارہ اس سے نکاح کر لیا پھر یہ بیوی گھر میں داخل ہوئی تو بھی وہ مطلقہ ہو جائے گی۔

وإذا الخ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مکاتب مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا اور وہاں جا کر اس نے مال کمالیا پھر امام نے اس کے مال سمیت اسے پکڑ لیا اور اس پر اسلام پیش کیا لیکن اس نے اسلام لانے سے انکار کر دیا تو امام اسے قتل کر دے اور اس کے پاس جو مال ہے اس مال سے اس کا عقد کتابت ادا کر دے اور اگر کچھ مال بچ جائے تو اسے اس مرتد کے ورثاء کو دیدے۔ حضرات صاحبین کے یہاں تو اس کی صحت ظاہر و باہر ہے کیونکہ عندہما مرتد بحالت ارتداد والی کمائی کا مالک ہوتا ہے اور عقد کتابت جب موت سے باطل

نہیں ہوتی تو ردت سے بدرجہ اولیٰ باطل نہیں ہوگی۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اس کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عقد کتابت کی وجہ سے مکاتب اپنے کمائی کا مالک ہوتا ہے اس لیے کہ ردت کی وجہ سے عقد کتابت میں کوئی خرابی نہیں ہوتی لہذا مکاتب کی کمائی میں بھی ردت کی وجہ سے کوئی خرابی نہیں ہوگی اور اس کی کمائی سے بدل کتابت بھی ادا کیا جائے گا اور باقی اس کے ورثاء کو ملے گا۔ نیز جب رقیّت کی وجہ سے مرتد کے تصرفات موقوف نہیں ہوتے تو ردت کی وجہ سے بدرجہ اولیٰ موقوف نہیں ہوں گے، کیونکہ مانعیت کے حوالے سے رقیّت ردت سے اقویٰ ہے۔

وَإِذَا ارْتَدَّ الرَّجُلُ وَأَمْرَاتُهُ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ وَلِحَقًّا بِدَارِ الْحَرْبِ فَحَبَلَتِ الْمَرْأَةُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَوَلَدَتْ وَلَدًا وَوُلِدَ لَوَلَدِهِمَا فَظَهَرَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا فَالْوَلَدَانِ فِيءٌ، لِأَنَّ الْمُرْتَدَّةَ تَسْتَرِقُ فَيَتْبَعُهَا وَلَدُهَا وَيُجْبَرُ الْوَلَدُ الْأَوَّلُ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَلَا يُجْبَرُ وَلَدُ الْوَلَدِ، وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ أَنَّهُ يُجْبَرُ تَبَعًا لِلْجَدِّ وَأَصْلُهُ التَّبَعِيَّةُ فِي الْإِسْلَامِ وَهِيَ رَابِعَةٌ أَرْبَعَةٌ مَسَائِلُ كُلِّهَا عَلَى الرَّوَايَتَيْنِ، وَالثَّانِيَةُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ، وَالثَّلَاثَةُ جَزُ الْوَلَاءِ وَالْآخَرَى الْوَصِيَّةُ لِلْقَرَابَةِ.

**ترجمہ:** اگر میاں اور بیوی دونوں مرتد ہو کر دار الحرب چلے گئے اور عورت دار الحرب میں حاملہ ہوئی اور ایک بچے کو جنم دیا اور ان کے لڑکے کو لڑکا پیدا ہوا پھر ان پر مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا تو دونوں لڑکے فئے جوں گے، کیونکہ مرتدہ رقیق بنائی جائے گی، لہذا اس کا لڑکا اس کے تابع ہوگا اور پہلے لڑکے کو اسلام لانے کے لیے مجبور کیا جائے گا جب کہ ان کے پوتے کو اسلام کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ حضرت حسن بن زیاد رحمہ اللہ نے امام اعظم رحمہ اللہ روایت کی ہے دادا کے تابع کر کے اسے بھی مجبور کیا جائے گا اور اس روایت کی اصل یہ ہے کہ اسلام کے لیے جمعیت درست ہے اور یہ ان چاروں میں سے چوتھا مسئلہ ہے جن میں ہر مسئلہ دو روایتوں پر ہے۔ دوسرا مسئلہ صدقہ فطر ہے، تیسرا مسئلہ جز ولاء کا ہے اور چوتھا مسئلہ قرابت دار کے لیے وصیت کرنے کا ہے۔

### اللغات:

﴿حبلت﴾ حاملہ ہوگئی۔ ﴿ظہر﴾ غلبہ پایا گیا۔ ﴿فئی﴾ مال غنیمت۔ ﴿تسترق﴾ غلام بنائی جائے گی۔ ﴿جز﴾ کھینچنا، کھیننا۔ ﴿ولاء﴾ آزاد کردہ غلام کی میراث۔

### میاں بیوی کا اکٹھے ارتداد اور دار الحرب چلے جانا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی ایک ساتھ مرتد ہو کر دار الحرب چلے گئے اور بیوی نے وہاں ایک بچے کو جنم دیا پھر اس لڑکے کی شادی ہوئی اور اس کی بیوی کے یہاں بھی لڑکے کی ولادت ہوئی اور مجاہدین دار الحرب پر غالب ہو گئے تو ان کا لڑکا اور پوتا دونوں فئے اور غنیمت ہوں گے، اس لیے کہ مرتدہ بیوی کو باندی بنا لیا جائے گا، اور بچہ رقیق و حریت میں چوں کہ ماں کے تابع ہوتا ہے لہذا اپنی باندی ماں کے تابع ہو کر وہ لڑکا بھی فئے ہوگا اور ان کے اپنے لڑکے کو تو اسلام لانے کے لیے مجبور کیا جاسکتا ہے کیونکہ باپ مرتد ہے اور مرتد پر اسلام پیش کیا جاتا ہے لہذا باپ کے تابع کر کے لڑکے پر بھی اسلام پیش کیا جائے گا نیز دادا کے تابع کر کے پوتے پر

بھی اسلام پیش کیا جائے گا لیکن لڑکے کے لڑکے یعنی پوتے کو اسلام کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ لڑکا دادا کے تابع نہیں ہوتا، یہ ظاہر الروایہ ہے اور حسن بن زیاد نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بیان کی ہے دادا کے تابع کر کے پوتے پر بھی اسلام پیش کیا جائے گا اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر الروایہ میں مسلمان ہونے کے لیے دادا کی تبعیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے جب کہ حسن بن زیاد کے یہاں یہ تبعیت معتبر ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ان چار مسائل میں سے ایک ہے جن میں ظاہر الروایہ اور حسن بن زیاد کی الگ الگ دو دو روایتیں ہیں۔ دوسرا مسئلہ صدقہ فطر کا ہے کہ اگر کسی لڑکے کا باپ غریب ہو یا نہ ہو اور اس کا دادا مالدار ہو تو ظاہر الروایہ میں دادا پر اس کا صدقہ فطر واجب نہیں ہے اور حسن بن زیاد کے یہاں واجب ہے (۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک آزاد عورت نے کسی غلام سے نکاح کیا اور اس کے لڑکا پیدا ہوا تو یہ لڑکا اپنی ماں کے تابع ہو کر آزاد ہوگا اور اس کی ولاء اس کی ماں کے موالی کے لیے ہوگی، اب اگر دادا اپنے پوتے کو آزاد کر دے تو ظاہر الروایہ میں دادا اس کی ولاء اس کے ماں کے موالی سے اپنے موالی کی طرف نہیں لائے گا جب کہ حسن بن زیاد کے یہاں دادا یہ ولاء اپنے موالی کی طرف کھینچ لائے گا۔

(۴) چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے اقرباء کے لیے وصیت کی تو حسن بن زیاد کے یہاں اس میں باپ کے ساتھ دادا بھی داخل ہوگا جب کہ ظاہر الروایہ میں دادا داخل نہیں ہوگا۔

قَالَ وَارْتِدَادُ الصَّبِيِّ الَّذِي يَعْقُلُ ارْتِدَادُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ وَمُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ وَيُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَلَا يُقْتَلُ، وَإِسْلَامُهُ إِسْلَامٌ لَا يَرِثُ أَبَوَيْهِ إِنْ كَانَا كَافِرَيْنِ، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رحمۃ اللہ علیہ ارْتِدَادُهُ لَيْسَ بِارْتِدَادِ إِسْلَامِهِ إِسْلَامٌ، وَقَالَ زُفَرٌ وَالشَّافِعِيُّ رحمۃ اللہ علیہ إِسْلَامُهُ لَيْسَ بِإِسْلَامٍ وَارْتِدَادُهُ لَيْسَ بِارْتِدَادٍ، لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ أَنَّهُ تَبَعَ لِأَبَوَيْهِ فِيهِ فَلَا يَجْعَلُ أَصْلًا وَلَآئِنَّهُ يَلْزَمُهُ أَحْكَامُ يَشُوبُهَا الْمَضَرَّةُ فَلَا يُوْهَلُ لَهُ، وَلَنَا فِيهِ أَنَّ عَلِيًّا رضي الله عنه أَسْلَمَ فِي صَبَاهُ وَصَحَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِسْلَامُهُ وَافْتِخَارُهُ بِذَلِكَ مَشْهُورٌ، وَلَآئِنَّهُ أَتَى بِحَقِيقَةِ الْإِسْلَامِ وَهِيَ التَّصَدِيقُ وَالْإِفْرَارُ مَعَهُ، لِأَنَّ الْإِفْرَارَ عَنْ طَوْعٍ دَلِيلٌ عَلَى اعْتِقَادِهِ عَلَى مَا عُرِفَ، وَالْحَقَائِقُ لَا تَرُدُّ، وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ سَعَادَةُ أَبَدِيَّةٌ وَنَجَاةٌ عُقُوبِيَّةٌ وَهِيَ مِنْ أَجْلِ الْمُنَافِعِ وَهُوَ الْحُكْمُ الْأَصْلِيُّ ثُمَّ يَتَّبِعُ عَلَيْهِ غَيْرَهَا فَلَا يَبَالِي بِشُوبَةٍ، وَلَهُمْ فِي الرَّدَةِ أَنَّهَا مُضَرَّةٌ مُحْضَةٌ، بِخِلَافِ الْإِسْلَامِ عَلَى أَصْلِ أَبِي يُونُسَ رحمۃ اللہ علیہ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ أَعْلَى الْمُنَافِعِ عَلَى مَا مَرَّ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ وَمُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ أَنَّهَا مَوْجُودَةٌ حَقِيقَةٌ وَلَا مَرَدَّ لِلْحَقِيقَةِ كَمَا قُلْنَا فِي الْإِسْلَامِ إِلَّا أَنَّهُ يُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ لِمَا فِيهِ مِنَ النَّفْعِ وَلَا يُقْتَلُ لِأَنَّهُ عُقُوبَةٌ وَالْعُقُوبَاتُ مَوْضُوعَةٌ عَنِ الصِّبْيَانِ مَرْحَمَةٌ عَلَيْهِمْ، وَهَذَا فِي الصَّبِيِّ الَّذِي يَعْقِلُ، وَمَنْ لَا يَعْقِلُ مِنَ الصِّبْيَانِ لَا يَصِحُّ

اَرْتَدَّادُهُ، لِأَنَّ اِقْرَارَهُ لَا يَدُلُّ عَلَى تَغْيِيرِ الْعَقِيدَةِ وَكَذَا الْمَجْنُونُ وَالسَّكَرَانُ الَّذِي لَا يَعْقِلُ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ حضرات طرفین علیہ السلام کے یہاں نابالغ سمجھ دار بچے کا ارتداد معتبر ہے اسے اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کیا جائے گا، لیکن اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اور اس کا اسلام قبول کرنا بھی معتبر ہے یہی وجہ ہے کہ اگر اس کے ماں باپ کافر ہوں تو وہ ان کا وارث نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مرتد ہونا معتبر نہیں ہے تاہم اس کا مسلمان ہونا معتبر ہے۔ امام زفر اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہ تو اس کا مسلمان ہونا معتبر ہے اور نہ ہی اس کا مرتد ہونا معتبر ہے۔ اسلام کے متعلق ان حضرات کی دلیل یہ ہے مسلمان ہونے میں وہ اپنے والدین کے تابع ہے لہذا (مسلمان ہونے میں) اسے اصل نہیں قرار دیا جائے گا، اور اس لیے کہ اسے مسلمان مان لینے سے اس پر کچھ ایسے احکام لازم ہوں گے جن سے اسے نقصان ہوگا، اس لیے بھی وہ اسلام لانے کا اہل نہیں ہوگا۔ اسلام لانے کے متعلق ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بچپن میں اسلام قبول کیا تھا اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام کو صحیح باقی رکھا تھا اور اس حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فخر کرنا مشہور و معروف ہے۔ اور اس لیے بھی بچے کا اسلام معتبر ہے کہ وہ بھی ایمان کی حقیقت بجالاتا ہے یعنی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرتا ہے، اس لیے کہ بخوشی اقرار کرنا اس کے اعتقاد کی دلیل ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے اور حقائق مسترد نہیں ہوتے۔

اور اسلام سے متعلق ہونے والی چیزیں یعنی دائمی سعادت اور اخروی نجات (جو اہم منافع ہیں) یہی اسلام کا اصلی حکم ہے اور ان کے علاوہ دیگر چیزیں بھی انھی پر مبنی ہیں۔ لہذا نقصان کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

ارتداد کے متعلق ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ یہ صرف نقصان ہی نقصان ہے۔ برخلاف اسلام کے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی اصل پر، کیونکہ اس سے اعلیٰ منافع متعلق ہوتے ہیں جیسا کہ گذر چکا ہے۔ ردت کے متعلق حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ وہ حقیقتاً موجود ہوتی ہے اور حقیقت رد نہیں کی جاتی جیسا کہ اسلام کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں، لیکن اسے اسلام پر مجبور کیا جائے گا اس لیے کہ اس میں نفع ہے اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ قتل سزا ہے اور بچوں مہربانی کی غرض سے ان سے سزائیں اٹھالی گئی ہیں، یہ حکم اس بچے کے بارے میں ہے جو سمجھ دار ہو۔ اور نابالغ بچوں کا ارتداد صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا اقرار تغیر عقیدہ کی دلیل نہیں ہے، مجنون اور نابالغ مدہوش کا بھی یہی حکم ہے۔

### اللغات:

﴿یشوبہ﴾ جس سے ملا ہوا ہے۔ ﴿یوہل﴾ اس کا اہل نہیں قرار دیا جائے گا۔ ﴿صبا﴾ بچپن۔ ﴿طوع﴾ رضا مندی، مان کر۔ ﴿یبتنی﴾ مبنی ہوتا ہے، مدار ہوتا ہے۔ ﴿لایبالی﴾ پرواہ نہیں کی جائے گی۔ ﴿عقوبہ﴾ سزا۔ ﴿صیان﴾ واحد صبی؛ بچے۔ ﴿سکران﴾ مدہوش، نشے میں غرق۔

### بچے کا ارتداد:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ حضرات طرفین کے یہاں سمجھ دار بچے کا ارتداد بھی مقبول و معتبر ہے اور اس کا اسلام بھی معتبر ہے چنانچہ اگر وہ مرتد ہو گیا تو اسلام لانے کے لیے اس پر جبر کیا جائے گا اور اگر وہ مسلمان ہوا تو اپنے کافر والدین کا وارث نہیں ہوگا۔ امام



ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں اس بچے کا ارتداد تو معتبر نہیں ہے لیکن اس کا اسلام مقبول و معتبر ہے جب کہ امام زفر اور امام شافعی رحمہما کے یہاں نہ تو اس کا ارتداد معتبر ہے اور نہ ہی اسلام معتبر ہے۔ اسلام کے معتبر نہ ہونے کے متعلق ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ بچہ دین اور مذہب میں اپنے والدین کے تابع ہوتا ہے اور اس کے والدین کافر ہیں لہذا ان کے تابع ہو کر وہ بھی کافر ہوگا اور اگر ہم بچے کے اسلام کو معتبر مان لیں تو تابع کا اصل ہونا لازم آئے گا حالانکہ اصلیت اور جمعیت میں منافات ہے، نیز اگر ہم اس کے اسلام کو قبول کر لیں تو اسے مضرت اور نقصان لاحق ہوگا یعنی وہ اپنے والدین کی میراث سے محروم ہوگا لہذا اس حوالے سے بھی اس کا اسلام معتبر نہیں ہوگا۔

بچے کے اسلام کی معتبریت اور مقبولیت کے متعلق ہماری دلیل سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اسلام ہے کہ حضرت علی نے بچپن میں اسلام قبول کیا اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام کو صحیح قرار دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس شرف قبولیت پر ہمیشہ شاداں اور غراں تھے اور یہ واقعہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ بچے کا اسلام مقبول و معتبر ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ بالغ کی طرح بچہ بھی اسلام کی حقیقت بجالاتا ہے یعنی وہ بھی دل سے تصدیق کرتا ہے اور زبان سے اقرار کرتا ہے اور چوں کہ یہ تصدیق و اقرار بخوشی ہوتا ہے اس لیے یہ بھی معتبر اور مقبول ہوگا۔ اور رہا امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ بچے کا اسلام معتبر ماننے سے اسے نقصان ہوگا، ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ اس کا نقصان یعنی حرمان میراث دینا سے متعلق ہے جب کہ اس کے عوض اسے دائمی سعادت اور اخروی نجات کا پروانہ ملتا ہے جس سے بڑا کوئی نفع ہی نہیں ہے اور یہی مرد مومن کی زیست کا مقصد اور اس کی حیات کا حاصل ہے اور پر دوسرے منافع مرتب ہوتے ہیں اس لیے اس نفع عظیم کے سامنے معمولی نقصان کی کوئی پرواہ نہیں کی جائے گی اور اس کا اسلام معتبر ہوگا۔

بچے کا ارتداد معتبر نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ارتداد میں صرف نقصان ہی نقصان ہے اور نقصان والے کام بچے کے حق میں معتبر نہیں ہوتے لہذا اس کا ارتداد بھی معتبر نہیں ہوگا۔ ارتداد کے متعلق امام ابو یوسف رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں اور اسلام کے سلسلے میں وہ حضرات طرفین رحمہما کے ساتھ ہیں۔

ارتدادی صبی کے معتبر ہونے کے متعلق حضرات طرفین رحمہما کی دلیل یہ ہے کہ ردت حقیقتاً موجود ہوتی ہے اور حقیقت کو کوئی ٹال نہیں سکتا اس لیے بچے کی ردت تو معتبر ہوگی تاہم اسے اسلام لانے کے لیے مجبور کیا جائے گا، کیونکہ اگر وہ اسلام لے آئے گا تو اس کی دنیا بھی بن جائے گی اور آخرت بھی سنور جائے گی، لیکن اگر وہ اسلام لانے سے انکار کر دے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ قتل ایک بڑی سزا ہے اور بچہ معمولی سزا کا سزاوار نہیں ہے چہ جائے کہ اسے بڑی سزا دی جائے۔

وہذا فی الصبی الخ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف سمجھ دار بچے کے متعلق ہے لیکن نا سمجھ بچے کا ارتداد صحیح نہیں ہے، کیونکہ نا سمجھ بچہ اسلام اور کفر میں تمیز نہیں کر سکتا لہذا وہ ایک نہیں بلکہ ایک ہزار مرتبہ اقرار کرے اس کا اقرار تغیر عقیدہ کی دلیل نہیں ہوگا، یہی حکم مجنون اور نا سمجھ مدہوش کا بھی ہے یعنی ان کا ارتداد بھی معتبر نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم و علمہ اتم۔



## بَابُ الْبَغَاةِ

یہ باب باغیوں کے احکام کے بیان میں ہے

احکام مرتدین کے بعد باب البغاة کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح اسلام سے انکار کے بعد مرتدین کو قتل کر دیا جاتا ہے اسی طرح اگر باغی لوگ حملہ کرنے میں پہل کریں تو انھیں بھی قتل کر دیا جاتا ہے اس لیے دونوں کو یکے بعد دیگر بیان کیا گیا ہے لیکن مرتدین سے اسلام کی توقع رہتی ہے اس لیے ان کے احکام کو باغیوں کے احکام سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔  
واضح رہے کہ بَغَاة باغی کی جمع ہے جیسے قُضَاة قاضی کی جمع ہے اس کے لغوی معنی ہیں طلب کرنا، قرآن کریم میں ہے ذَلِكَمَا كُنَّا نَبْعُ اس کے اصطلاحی معنی ہیں وہ لوگ جو امام برحق کی اطاعت سے نکل جائیں۔

وَإِذَا تَغَلَّبَ قَوْمٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى بَلَدٍ وَخَرَجُوا مِنْ طَاعَةِ الْإِمَامِ دَعَاهُمْ إِلَى الْعُودِ إِلَى الْجَمَاعَةِ وَكَشَفَ عَنْ شُبُهَتِهِمْ، لِأَنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَ ذَلِكَ بِأَهْلِ حَرُورَاءَ قَبْلَ قِتَالِهِمْ، وَلَئِنَّ أَهْلَ الْأَمْرَيْنِ، وَلَعَلَّ الشَّرَّ يَنْدَفِعُ بِهِ فَيُبْدَأُ بِهِ.

**ترجمہ:** اگر مسلمان کو قوم زبردستی کسی شہر پر قابض ہو جائے اور وہ لوگ امام کی اطاعت سے نکل جائیں تو امام انھیں جماعت سے جڑنے کی دعوت دے اور ان کا شبہ دور کر دے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل حروراء سے قتال کرنے سے پہلے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا اور اس لیے کہ یہ دو کاموں میں سے زیادہ آسان ہے اور ہو سکتا ہے کہ اسی سے شر ختم ہو جائے لہذا امام کو چاہئے کہ پہلے یہی کام کرے۔

**اللغات:**

بَلَد: شہر۔ دَعَاهُمْ: ان کو دعوت دے۔ عُود: لوٹنا، واپس آنا۔ أَهْلُ الْأَمْرَيْنِ: زیادہ ہلکا۔ فَيُبْدَأُ: ابتداء کرے، شروع کرے۔

**اہل نبی سے جنگ سے پہلے مذاکرات کا حکم:**

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی قوم امام عادل کی بغاوت کر کے جماعت المسلمین سے الگ ہو جائے اور کسی شہر یا علاقے پر قابض اور غالب ہو جائے تو امام کو چاہئے کہ ان لوگوں سے قبل از قتال انھیں جماعت کے ساتھ ملنے اور جڑنے کی دعوت دے اور اگر اسلام یا

جماعت المسلمین کے متعلق انھیں کوئی شبہ ہو گیا ہو تو اسے دور کر دے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل حروراء کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا لہذا ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہئے اور ہو سکتا ہے کہ بات چیت کے ذریعے معاملہ حل ہو جائے اور قتل و غارت گری سے نجات مل جائے، لہذا اس حوالے سے بھی بات چیت اور مصالحت کو قتل سے مقدم کیا جائے گا۔ اہل حروراء کا قصہ مشہور ہے اور ہدایہ صفحہ: ۶۰۸، حاشیہ: ۳، پر مفصل مذکور ہے۔

وَلَا يَبْدَأُ بِالْقِتَالِ حَتَّى يَبْدُوهُ فَإِنْ بَدَّوهُ قَاتَلَهُمْ حَتَّى يَفْرَقَ جَمْعَهُمْ، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ كَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ فِي مُخْتَصَرِهِ، وَذَكَرَ الْإِمَامُ الْمَعْرُوفُ بِخَوَاهِرُ زَادَهُ أَنَّ عِنْدَنَا يَجُوزُ أَنْ يَبْدَأَ بِقِتَالِهِمْ إِذَا تَعَسَّكُرُوا وَاجْتَمَعُوا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجُوزُ حَتَّى يَبْدُوا بِالْقِتَالِ حَقِيقَةً لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ قَتْلُ الْمُسْلِمِ إِلَّا دَفْعًا وَهُمْ مُسْلِمُونَ، بِخِلَافِ الْكَافِرِ، لِأَنَّ نَفْسَ الْكُفْرِ مُبِيعٌ عِنْدَهُ، وَلَنَا أَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى الدَّلِيلِ وَهُوَ الْاجْتِمَاعُ وَالْإِمْتِنَاعُ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَوْ أَنْتَظَرَ الْإِمَامُ حَقِيقَةً قِتَالَهُمْ رَبَّمَا لَا يُمْكِنُهُ الدَّفْعُ فَيُدَارُ عَلَى الدَّلِيلِ ضَرُورَةً دَفْعُ شَرِّهِمْ، وَإِذَا بَلَغَهُ أَنَّهُمْ يَشْتَرُونَ السَّلَاحَ وَيَتَأَهَّبُونَ لِلْقِتَالِ يَنْبَغِي أَنْ يَأْخُذَهُمْ وَيَحْبِسَهُمْ حَتَّى يَقْلَعُوا عَنْ ذَلِكَ وَيَحْدُثُوا تَوْبَةً دَفْعًا لِلشَّرِّ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ، وَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَنْ لُزُومِ الْبَيْتِ مَحْمُولٌ عَلَى حَالِ عَدَمِ الْإِمَامِ، أَمَّا إِعَانَةُ الْإِمَامِ الْحَقِّ فَمِنْ الْوَاجِبِ عِنْدَ الْغِنَاءِ وَالْقُدْرَةِ.

**ترجمہ:** اور امام پہلے قتال نہ کرے یہاں تک کہ وہ لوگ قتال شروع کر دیں چنانچہ اگر وہ لوگ قتال کرنے میں پہل کر دیں تو امام ان سے قتال کرے یہاں تک کہ ان کا شیرازہ منتشر کر دے، بندہ ضعیف کہتا ہے کہ امام قدوری نے اپنی مختصر میں ایسا ہی ذکر کیا ہے اور خواہر زادہ کے نام سے مشہور امام نے بیان کیا ہے کہ اگر باغی لوگ اپنا لشکر بنالیں اور ایک جگہ (قتال کے لیے) جمع ہو جائیں تو امام کے لیے ان سے قتل میں پہل کرنا جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان پر پہلے حملہ کرنا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ وہ ”سج“ پہلے قتال کریں، کیونکہ مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے لیکن دفاع کے لیے اور باغی بھی مسلمان ہیں۔ برخلاف کافر کے، کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں نفس کفر ہی میح للقتل ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم کا دار و مدار دلیل پر ہوتا ہے اور یہاں ان کا جمع ہونا اور امام کی اطاعت سے انکار کرنا ہی دلیل ہے، اسی لیے اگر امام ان کے حقیقتاً قتال کرنے کا انتظار کرے گا تو کبھی ایسا ہوگا کہ امام کے لیے دفاع کرنا ممکن نہیں رہے گا لہذا ان کے شر کو ختم کرنے کی ضرورت کے پیش نظر حکم کا مدار دلیل پر ہوگا۔

اگر امام کو یہ اطلاع ملی کہ باغی لوگ ہتھیار خرید کر قتال کی تیاری کر رہے ہیں تو امام کو چاہئے کہ انھیں گرفتار کر کے قید کر دے یہاں تک کہ وہ لوگ اس سے باز آجائیں اور توبہ کر لیں تاکہ بقدر امکان ان کا شر ختم ہو جائے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے جو یہ بات مشہور ہے کہ (جب فتنہ عام ہو تو) گھروں میں بیٹھ جانا چاہئے یہ اس صورت پر محمول ہے جب امام نہ ہو۔ رہا امام برحق کا تعاون کرنا تو

جہاں تک طاقت و قدرت ہو واجب ہے۔

### اللغات:

﴿بدء وہ﴾ وہ جنگ میں پہل کریں۔ ﴿یفرق﴾ منتشر کر دے، بکھیر دے۔ ﴿نعسکروا﴾ لشکر تیار کر لیا۔ ﴿مبیح﴾ حلال کرنے والا۔ ﴿یدار﴾ مدار رکھا جاتا ہے۔ ﴿یتأهبون﴾ تیاری کر رہے ہیں۔ ﴿یحسبهم﴾ ان کو قید کر دے۔ ﴿یقلعوا﴾ ہٹ جائیں۔ ﴿اعانة﴾ مدد کرنا۔ ﴿غناء﴾ قدرت، استطاعت۔

### باغیوں سے کب جنگ کی جائے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب تک بغاۃ قتل و قتل کرنے میں پہل نہ کریں اس وقت تک امام ان سے قتال نہ کرے لیکن اگر وہ لڑائی شروع کر دیں تو امام کو چاہئے کہ ان سے قتال کر کے ان کی دھجیاں بکھیر دے۔ قدوری میں یہی حکم مذکور ہے۔ البتہ امام شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر بغاۃ لشکر تیار کر کے قتال کے لیے جمع ہو جائیں تو بھی ان سے قتال کرنا واجب ہے۔ اس کے برخلاف شوافع کے یہاں اس وقت تک ان سے قتال نہیں کیا جائے گا جب تک وہ حقیقتاً قتال شروع نہ کر دیں، کیونکہ مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور یہ لوگ بھی مسلم ہیں اس لیے اگر وہ حقیقتاً قتال نہیں کرتے تو بلا وجہ ان سے قتال نہیں کیا جائے گا، ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم کا دار و مدار قتال کی دلیل پر ہے نہ کہ حقیقت قتال پر اور قتال کی دلیل بغاۃ کا ایک جگہ جمع ہونا ہے اور امام برحق کی اطاعت سے نکلنا ہے اور یہ بات ان کی طرف سے حقیقت قتال سے پہلے موجود ہو جاتی ہے، لہذا حقیقت قتال کا انتظار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس انتظار میں بسا اوقات بغاوت اتنا آگے نکل جائیں گے کہ انھیں روکنا اور قابو میں کرنا مشکل ہوگا اس لیے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ لوگ کہیں جمع ہو کر قتال کی تیاری کر رہے ہیں تو ان پر حملہ کرنا جائز ہوگا۔

اگر امام کو یہ اطلاع ملی کہ بغاوت ہتھیار خرید رہے ہیں اور قتال کی تیاری کر رہے ہیں تو امام کو چاہئے کہ انھیں گرفتار کر کے قید کر دے تاکہ وہ توبہ کر لیں اور اپنی اس حرکت سے باز آ جائیں اور اس طرح ان کا یہ شر ختم ہو جائے۔

والمروئی الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول یہ منقول ہے کہ جب مسلمانوں میں فتنہ پھیل جائے تو اپنے گھروں میں بیٹھ جانا چاہئے، یہ قول اس صورت پر محمول ہے جب مسلمانوں میں امام نہ ہو اور کسی شخص کی رائے پر اتفاق رائے نہ ہو، لیکن اگر امام برحق موجود ہو اور اس کی طرف سے فتنے کے مقابلہ کے لیے نکلنے کا اعلان ہو رہا ہو تو ہر شخص پر حسب استطاعت اس میں حصہ لینا ضروری ہے، کیونکہ قرآن کریم نے صاف لفظوں میں یہ اعلان کر دیا ہے: فقاتلوا التي تبغي حتى تفي الى امر الله۔

فَإِنْ كَانَتْ لَهُمْ فِتْنَةٌ أُجْهِزَ عَلَى جَرِيحِهِمْ وَأُتْبِعَ مُوَلِّيَهُمْ دَفْعًا لِّشَرِّهِمْ كَمَا لَا يَلْتَحِقُوا بِهِمْ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِتْنَةٌ لَمْ يُجْهِزْ عَلَى جَرِيحِهِمْ وَلَمْ يُتْبِعْ مُوَلِّيَهُمْ لَانْدِفَاعِ الشَّرِّ دُونَهُ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رحمۃ اللہ علیہ لَا يَجُوزُ ذَلِكَ فِي الْحَالِّينَ، لِأَنَّ الْقِتَالَ إِذَا تَرَكَوْهُ لَمْ يَبْقَ قَتْلُهُمْ دَفْعًا، وَجَوَابُهُ مَا ذَكَرْنَاهُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ دَلِيلُهُ لِحَقِيقَتِهِ، وَلَا يَسْبِي لَهُمْ ذَرِيَّةٌ وَلَا يَقْسَمُ لَهُمْ مَالٌ لِقَوْلِ عَلِيٍّ رحمۃ اللہ علیہ يَوْمَ الْجُمَلِ وَلَا يَقْتُلُ أَسِيرٌ وَلَا يَكْشِفُ سِتْرٌ وَلَا يُؤْخَذُ مَالٌ وَهُوَ



الْقُدْوَةُ فِي هَذَا الْبَابِ، وَقَوْلُهُ فِي الْأَسِيرِ تَأْوِيلُهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ فِتْنَةٌ، فَإِنْ كَانَتْ يَقْتُلُ الْإِمَامُ الْأَسِيرَ وَإِنْ شَاءَ حَبْسَهُ لِمَا ذَكَرْنَا، وَلَأَنَّهُمْ مُسْلِمُونَ وَالْإِسْلَامُ يَعِصُمُ النَّفْسَ وَالْمَالَ، وَلَا بَأْسَ أَنْ يُقَاتِلُوا بِسِلَاحِهِمْ إِنْ أَحْتَاجَ الْمُسْلِمُونَ إِلَيْهِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجُوزُ، وَالْكَرَاعُ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ، لَهُ أَنَّهُ مَالُ مُسْلِمٍ فَلَا يَجُوزُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ إِلَّا بِرِضَا، وَلَنَا أَنْ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَسَمَ السِّلَاحَ فِيمَا بَيْنَ أَصْحَابِهِ بِالْبَصْرَةِ، وَكَانَتْ قِسْمَتُهُ لِلْحَاجَةِ لَا لِلتَّمْلِكِ، وَلَئِنْ لِلْإِمَامِ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ فِي مَالِ الْعَادِلِ عِنْدَ الْحَاجَةِ فَبِمَالِ الْبَاغِي أَوْلَى، وَالْمَعْنَى إِنْ حَاقَ الضَّرَرُ الْأَذْنَى بِالْأَعْلَى، وَيَحْبِسُ الْإِمَامُ أَمْوَالَهُمْ وَلَا يَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَلَا يَقْسِمُهَا حَتَّى يَتَوَبَّأَ فَيَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ أَمَّا عَدَمُ الْقِسْمَةِ فَلَمَّا بَيَّنَّا، وَأَمَّا الْحَبْسُ فَلِدَفْعِ شَرِّهِمْ بِكُسْرِ شَوْكِهِمْ فَيَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ أَمَّا عَدَمُ الْقِسْمَةِ فَلَمَّا بَيَّنَّا، وَأَمَّا الْحَبْسُ فَلِدَفْعِ شَرِّهِمْ بِكُسْرِ شَوْكِهِمْ وَلِهَذَا يَحْبِسُ عَنْهُمْ وَإِنْ كَانَ لَا يُحْتَاجُ إِلَيْهَا إِلَّا أَنَّهُ يَبِيعُ الْكَرَاعَ، لِأَنَّ حَبْسَ الثَّمَنِ أَنْظَرُ وَأَيْسَرُ، وَأَمَّا الرَّدُّ بَعْدَ التَّوْبَةِ فَلِإِنْدِفَاعِ الضَّرُورَةِ وَلَا اسْتِغْنَامٍ فِيهَا.

**ترجمہ:** اور اگر ان باغیوں کی مددگار کوئی جماعت ہو تو ان کے زخیوں کو قتل کر دیا جائے اور ان میں سے بھاگنے والوں کا پیچھا کر کے ان کا شر ختم کر دیا جائے تاکہ وہ لوگ باغیوں سے نہ مل سکیں۔ اور اگر ان کی کوئی مددگار جماعت نہ ہو تو ان کے زخیوں کو قتل نہ کیا جائے اور نہ ہی ان کے بھاگنے والوں کا پیچھا کیا جائے، کیونکہ اس کے بغیر ہی ان کا شر ختم ہو چکا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں حالتوں میں یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر باغیوں نے قتال چھوڑ دیا تو ان کو قتل کرنا دفع کے لیے نہیں ہوگا، اور اس کا جواب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ دلیل قتال کا اعتبار ہے نہ کہ حقیقت قتال کا اور ان کی ذریت کو قید نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کا مال تقسیم کیا جائے گا، اس لیے کہ جنگ جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمادیا تھا کہ نہ تو ان قیدیوں میں سے کوئی قیدی قتل کیا جائے اور نہ ہی کسی عورت کی بے عزتی اور پردہ دری کی جائے اور نہ ہی ان کا مال لوٹا جائے اور اس باب میں وہی ہمارے پیشوا ہیں۔ اور قیدی کے متعلق ان کے قول کی تاویل یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب باغیوں کی کوئی مددگار جماعت نہ ہو، لیکن اگر ان کی کوئی معاون جماعت ہو تو امام قیدی کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو انہیں قیدی بنا کر رکھ لے۔ اور اس لیے کہ یہ لوگ مسلمان ہیں اور اسلام جان و مال کی حفاظت کرتا ہے۔

اور اگر مسلمانوں کو ضرورت ہو تو باغیوں سے ہتھیار چھین کر اسی سے مسلمان ان سے قتال کریں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔ اور ان کے اونٹوں کو استعمال کرنے میں بھی یہی اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مسلمان کا مال ہے، لہذا اس کی رضامندی کے بغیر اس مال سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقام بصرہ میں مجاہدین کے درمیان مال تقسیم فرمایا تھا اور یہ تقسیم بر بنائے ضرورت تھی نہ کہ مالک بنانے کے لیے تھی۔ اور اس لیے بھی کہ

بوقت ضرورت امام کے لیے عادل کے مال کو بھی اس طرح تقسیم کرنا درست ہے لہذا باغی کے مال میں بدرجہ اولیٰ اسے اختیار ہوگا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ضرر اعلیٰ کو دور کرنے کے لیے ادنیٰ ضرر برداشت کر لیا جاتا ہے۔

اور امام ان کے اموال کو روک لے نہ تو انہیں واپس دے اور نہ ہی انہیں تقسیم کرے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لیں تو امام وہ اموال انہیں واپس کر دے، تقسیم نہ کرنے کی دلیل وہی ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں اور ان کے ساز و سامان کو روکنے کی دلیل یہ ہے کہ ان کی شان و شوکت ختم کر کے ان کے شر سے لوگوں کی حفاظت کی جاسکے، اسی لیے امام یہ سامان باغیوں سے روک لے اگرچہ اسے خود ان کی ضرورت نہ ہو، لیکن وہ اونٹوں کو بیچ کر ان کا ثمن محفوظ رکھ لے، کیونکہ ثمن کو روکنا زیادہ آسان ہے اور جب وہ توبہ کر لیں تو اب ان کے سامان انہیں واپس کر دیئے جائیں، کیونکہ ضرورت ختم ہو چکی ہے اور ان اموال کو غنیمت بنایا نہیں گیا تھا، لہذا اب ان کا مال واپس کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

### اللغات:

﴿فئة﴾ مددگار جماعت، پارٹی۔ ﴿اجہز﴾ مراد: قتل کر دیئے جائیں۔ ﴿جریح﴾ زخمی۔ ﴿اتبع﴾ پیچھا کیا جائے۔ ﴿مولیٰ﴾ میدان چھوڑ کر بھاگنے والا۔ ﴿یلتحقوا﴾ جا ملیں گے۔ ﴿اندفاع﴾ دور کرنا۔ ﴿لایسبی﴾ قیدی نہیں بنایا جائے گا۔ ﴿یعضم﴾ محفوظ کرتا ہے۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار، اسلحہ۔ ﴿کسر﴾ توڑنا۔ ﴿کراع﴾ جنگی سواریاں، گھوڑے وغیرہ۔ ﴿انظر﴾ زیادہ مصلحت والا۔ ﴿ایسر﴾ زیادہ آسان۔ ﴿استغنام﴾ غنیمت لینا۔

### باغیوں کے مددگاروں کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر باغیوں کی کوئی مددگار جماعت ہو اور وہ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف قتال کر رہی ہو تو ان لوگوں میں سے جو لوگ زخمی ہوئے ہوں مسلمانوں کو چاہئے کہ انہیں گرفتار کر کے فوراً ان کو قتل کر دیں اور جو لوگ بھاگ گئے ہوں ان کا پیچھا کر کے انہیں بھی قتل کر دیا جائے گا تا کہ یہ دوبارہ باغیوں کی مدد نہ کر سکیں اور ان کا شرمٹ جائے۔ ہاں اگر ان کی کوئی مددگار جماعت نہ ہو تو یہ کام نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اب قتل وغیرہ کے بغیر ہی معاملہ نمٹ چکا ہے، لہذا بلاوجہ خون خرابہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ خواہ بغاوت کی حمایتی جماعت ہو یا نہ ہو بہر دو صورت نہ تو ان کے زخمیوں کو قتل کرنا جائز ہے اور نہ ہی ان کے بھاگنے والوں کا پیچھا کرنا درست ہے، کیونکہ ان کا قتال مدافعت کے لیے مباح ہے حالانکہ جب ان لوگوں نے قتال ترک کر دیا تو اب ان کا قتل دفع کے لیے نہیں رہا اس لیے مباح بھی نہیں ہوگا، لیکن ہماری طرف سے اس کا جواب وہی ہے جو ہم اس سے پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ بغات کے حق میں اباحت قتل کے لیے قتل کی دلیل معتبر ہے نہ کہ حقیقی قتال اور ان کے جمع ہونے اور امام برحق کی اطاعت نہ کرنے سے دلیل قتال موجود ہے لہذا ان کا قتل مباح ہوگا۔

ولایسبی لہم الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ باغیوں پر غلبہ پانے کی صورت میں ان کی ذریت یعنی بیویوں اور بچوں کو قید کر کے انہیں باندی اور غلام نہیں بنایا جائے گا اور نہ ہی ان کے اموال کو غنیمت سمجھ کر مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ جنگ جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کاموں سے منع فرمادیا تھا حتیٰ کہ قیدیوں کے قتل سے بھی منع کر دیا تھا اس لیے فقہاء نے ان کے اس

تو اس صورت پر محمول کیا ہے کہ جب باغیوں کے ساتھ کوئی حمایتی اور مددگار جماعت نہ ہو، لیکن اگر ان کی کوئی معاون جماعت ہو تو امام کو اختیار ہوگا اگر وہ چاہے تو قیدیوں کو قتل کر دے تاکہ ان کے شر سے لوگ محفوظ ہو جائیں۔

ولا باس الخ فرماتے کہ اگر مسلمانوں کو ضرورت ہو تو باغیوں کا ہتھیار اور ان کا ساز و سامان چھین کر ان سے قتال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں مسلمانوں کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے، یہی حال ان کے اونٹوں اور سواریوں کا بھی ہے یعنی ہمارے یہاں ان کا استعمال جائز ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ضرورت کی وجہ سے بصرہ میں مجاہدین کے مابین ہتھیار تقسیم فرمایا ہے اور پھر امام کو یہ حق ہے کہ ضرورت پڑنے پر وہ عادل شخص کے اموال کی تقسیم کر دے تو باغی کس کھیت کی مولیٰ ہے اس کا مال تو بدرجہ اولیٰ تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ یہ ضابطہ تو بہت مشہور ہے کہ ضرر اعلیٰ کو ختم کرنے کے لیے ضرر ادنیٰ کو برداشت کر لیا جاتا ہے۔

و یحبس الإمام الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام باغیوں کا مال ضبط کر لے گا نہ تو اسے واپس کرے گا اور نہ ہی مجاہدین میں تقسیم کرے گا ہاں جب وہ تو بہ کر لیں گے تو تقسیم کر دے گا، کیونکہ ان کے تو بہ کر لینے کی وجہ سے جس اور ضبط کی ضرورت ختم ہو چکی ہے اور چوں کہ یہ اموال غنائم نہیں بنائے گئے تھے، اس لیے انھیں ان کے مالکان کو واپس کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، ان کے علاوہ جو اونٹ اور دیگر جانور ہوں امام کو چاہئے کہ انھیں فروخت کر کے ان کا ثمن رکھ لے، کیونکہ جانوروں کی حفاظت میں پریشانی ہے جب کہ ثمن رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہے۔

قَالَ وَمَا جَبَاهُ أَهْلُ الْبَغْيِ مِنَ الْبِلَادِ الَّتِي غَلَبُوا عَلَيْهَا مِنَ الْخَرَاجِ وَالْعُسْرِ لَمْ يَأْخُذْهُ الْإِمَامُ ثَانِيًا، لِأَنَّ وِلَايَةَ الْأَخِذِ لَهُ بِإِعْتِبَارِ الْحِمَايَةِ وَلَمْ يَحْمِيَهُمْ فَإِنْ كَانُوا صَرَفُوهُ فِي حَقِّهِ أُجْزِيَ مَنْ أَخَذَ مِنْهُ لِرُصُولِ الْحَقِّ إِلَى مُسْتَحَقِّهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُونُوا صَرَفُوهُ فِي حَقِّهِ فَعَلَى أَهْلِهِ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يُعِيدُوا ذَلِكَ، لِأَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إِلَى مُسْتَحَقِّهِ، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ رحمہ اللہ قَالُوا لَا إِعَادَةَ عَلَيْهِمْ فِي الْخَرَاجِ لِأَنَّهُمْ مُقَاتِلَةٌ فَكَانُوا مَصَارِفَ وَإِنْ كَانُوا أَغْنِيَاءَ، وَفِي الْعُسْرِ إِنْ كَانُوا فَقَرَاءَ كَذَلِكَ، لِأَنَّهُ حَقُّ الْفُقَرَاءِ وَقَدْ بَيَّنَّا فِي الزَّكَاةِ، وَفِي الْمُسْتَقْبَلِ يَأْخُذْهُ الْإِمَامُ لِأَنَّهُ يَحْمِيَهُمْ فِيهِ لِظُهُورِ وِلَايَتِهِ، وَمَنْ قَتَلَ رَجُلًا وَهُمَا مِنْ عَسْكَرِ أَهْلِ الْبَغْيِ ثُمَّ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَلَيْسَ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ، لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لِلْإِمَامِ الْعَدْلِ حِينَ الْقَتْلِ فَلَمْ يَنْعَقِدْ مُوجِبًا كَالْقَتْلِ فِي دَارِ الْحَرْبِ، وَإِنْ غَلَبُوا عَلَى مِصْرٍ فَقَتَلَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ عَمْدًا ثُمَّ ظَهَرَ عَلَى الْمِصْرِ فَإِنَّهُ يُقْتَصُّ مِنْهُ وَتَأْوِيلُهُ إِذَا لَمْ يَجْرِ عَلَى أَهْلِهِ أَحْكَامُهُمْ وَأُزْعِجُوا قَبْلَ ذَلِكَ وَفِي ذَلِكَ لَمْ تَنْقَطِعْ وِلَايَةُ الْإِمَامِ فَيَجِبُ الْقِصَاصُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ باغیوں نے جن علاقوں پر غالب ہو کر (مسلمانوں سے) خراج اور عشر جمع کیا ہے امام اسے دوبارہ نہیں

لے گا، کیونکہ امام کے لیے لینے کی ولایت حفاظت کی وجہ سے ہے حالانکہ امام ان کی حفاظت نہیں کر سکا۔ اور اگر باغیوں نے وہ مال اس کے مصرف میں خرچ کر دیا ہو تو جن لوگوں سے یہ اموال لئے گئے تھے ان کی طرف سے کفایت ہو جائے گی، کیونکہ حق اس کے مستحق تک پہنچ گیا ہے اور اگر باغیوں نے اس مال کو اس کے مصرف میں خرچ نہ کیا ہو تو ہر صاحب مال پر فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ دینا لازم ہے کیونکہ وہ اپنے مستحق تک نہیں پہنچا ہے۔ بندہ ضعیف کہتا ہے کہ مشائخؒ نے فرمایا خراج میں ان پر اعادہ نہیں ہے، کیونکہ مصرف میں مجاہدین بھی ہوتے ہیں لہذا دینے والے بھی خراج کے مصارف ہوں گے اگرچہ وہ مالدار ہوں، اور اگر وہ فقیر ہوں تو عشر میں بھی یہی حکم ہوگا۔ اس لیے کہ عشر فقراء کا حق ہے اور کتاب الزکوٰۃ میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں اور بعد والے سالوں میں امام ان سے وصول کرے گا کیونکہ مستقبل میں امام کی ولایت ظاہر ہوگی اور وہ ان کی مدد کرے گا۔

باغیوں کے لشکر میں سے اگر کسی نے دوسرے کو قتل کر دیا پھر بغات پر مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا تو قاتل پر کچھ نہیں ہوگا، کیونکہ بوقت قتل ان پر امام عادل کی ولایت نہیں تھی لہذا یہ قتل موجب قصاص نہیں ہوا جیسے دار الحرب کا قتل اور اگر بغات کسی شہر پر غالب ہو گئے پھر اہل شہر میں سے کسی نے دوسرے شہری کو عمدۂ قتل کر دیا پھر شہر پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ جب شہر پر بغات کے فرمان جاری نہیں ہوئے تھے اور اس سے پہلے ہی وہ وہاں سے بھگادیے گئے، کیونکہ اس صورت میں امام کی ولایت منقطع نہیں ہوئی تھی اسی لیے قصاص واجب ہوا ہے۔

### اللغات:

﴿ما جباہ﴾ جو بطور ٹیکس وصول کیا۔ ﴿حماۃ﴾ حفاظت۔ ﴿لم یحیمہم﴾ ان کی حفاظت نہیں کی۔ ﴿صرفوہ﴾ اس کو خرچ کیا ہے۔ ﴿یعیدوا﴾ دوبارہ ادا کریں۔ ﴿مقاتلۃ﴾ جنگجو، فوجی۔ ﴿عسکر﴾ لشکر۔ ﴿ظہر﴾ غلبہ پایا گیا۔ ﴿موجب﴾ سبب، واجب کرنے والا۔ ﴿یقتص﴾ قصاص لیا جائے گا۔ ﴿از عجو﴾ ہٹا دیئے گئے، بھگادیئے گئے۔

### باغیوں کا وصول کردہ عشر اور خراج:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر باغی لوگ مسلمانوں کے کسی علاقے پر قابض ہو گئے اور وہاں کے لوگوں سے خراج اور عشر وصول کر لیا اب اگر امام المسلمین اس علاقے پر غالب ہو جاتا ہے تو وہاں کے لوگوں سے دوبارہ اسی سال کا عشر اور خراج وصول کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام کو عشر اور خراج لینے کا حق حفاظت کرنے کی وجہ سے حاصل ہے حالانکہ بغاۃ کے اس علاقے پر غالب ہونے کی وجہ سے حفاظت و صیانت کی پول کھل گئی ہے پھر اگر بغاۃ وہ خراج وغیرہ اس کے مصرف میں خرچ کر دیا ہو تو دینے والے اس سال کے عشر و خراج سے بری الذمہ ہو جائیں گے، لیکن اگر بغاۃ نے اسے صحیح مصرف میں نہ خرچ کیا ہو تو دینا یعنی فیما بینہم و بین اللہ دوبارہ دینا واجب ہے، لیکن قضاء واجب نہیں ہے، صاحب ہدایہ حضرات مشائخؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ان پر خراج کا اعادہ نہیں ہے، کیونکہ خراج اپنے مصرف ہی میں صرف ہوا ہے اس لیے کہ بغاۃ مقاتلہ ہیں اور مقاتلہ بھی خراج کا مصرف ہیں، لہذا اگر بغاۃ نے مال خراج کو اپنی ذاتی ضروریات میں صرف کیا ہو تو بھی دینے والے بری الذمہ ہو جائیں گے، خواہ بغاۃ مالدار ہوں یا محتاج ہوں۔

اور اگر وہ فقراء ہوں تو عشر کا بھی یہی حکم ہوگا، کیونکہ عشر فقراء کا حق ہے اور وہ حق اپنے مستحق کو مل گیا ہے۔ یہ فیصلہ تو سال رواں



کا ہے۔ البتہ آئندہ سالوں میں امام ان لوگوں سے پھر خراج اور عشر لینے کا کام شروع کر دے گا اس لیے کہ اب آئندہ وہ ان کی حفاظت کرے گا۔

ومن قتل رجلا الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر باغیوں میں سے کسی نے دوسرے کو قتل کر دیا اور پھر ان پر مسلمانوں کو فتح مل گئی تو قاتل پر نہ تو قصاص ہے اور نہ ہی دیت ہے، کیونکہ بوقت قتل قاتل اور مقتول دونوں امام عادل کی ولایت سے خارج تھے لہذا یہ قتل موجب قصاص واقع نہیں ہوا تھا جیسے دار الحرب کا قتل موجب قصاص نہیں ہوتا، اسی طرح یہ قتل بھی موجب قصاص نہیں ہے۔ اگر بغاۃ کسی شہر پر قابض ہو گئے لیکن اس شہر پر ان کا مکمل قبضہ اور کنٹرول نہیں ہوا تھا کہ انھیں وہاں سے بھگا دیا گیا اور اسی دوران شہریوں میں سے کسی نے دوسرے شہری کو قتل کر دیا اور پھر اس شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ جب اس پر بغاۃ کا مکمل قبضہ نہیں ہوا تھا تو وہ شہر امام عادل کی ولایت سے خارج نہیں ہوا تھا اور قاتل اس کی ولایت میں واقع ہوا ہے اس لیے یہ قتل موجب قصاص ہوگا۔

وَإِذَا قَتَلَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْعَدْلِ بَاغِيًا فَإِنَّهُ يَرِثُهُ فَإِنْ قَتَلَهُ الْبَاغِيُ وَقَالَ قَدْ كُنْتُ عَلَى حَقٍّ وَأَنَا الْآنَ عَلَى حَقٍّ يَرِثُهُ وَإِنْ قَالَ قَتَلْتُهُ وَأَنَا أَعْلَمُ أَنِّي عَلَى الْبَاطِلِ لَمْ يَرِثُهُ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَرِثُ الْبَاغِيُ فِي الرَّوْجَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَأَصْلُهُ أَنَّ الْعَادِلَ إِذَا أَتَلَفَ نَفْسَ بَاغِيٍ أَوْ مَالَهُ لَا يَضْمَنُ وَلَا يَأْتُمُّ لِأَنَّهُ مَأْمُورٌ بِقِتَالِهِمْ دَفْعًا لَشَرِّهِمْ، وَالْبَاغِيُ إِذَا قَتَلَ الْعَادِلَ لَا يَجِبُ الضَّمَانُ بِنَدَنَّا وَيَأْتُمُّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْقَدِيمِ أَنَّهُ يَجِبُ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا تَابَ الْمُرْتَدُّ وَقَدْ أَتَلَفَ نَفْسًا أَوْ مَالًا، لَهُ أَنَّهُ أَتَلَفَ مَالًا مَعْصُومًا أَوْ قَتَلَ نَفْسًا مَعْصُومَةً فَيَجِبُ الضَّمَانُ إِعْتِبَارًا بِمَا قَبْلَ الْمُنْعَةِ، وَلَنَا جَمَاعُ الصَّحَابَةِ رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ، وَلِأَنَّهُ أَتَلَفَ عَنْ تَأْوِيلٍ فَاسِدٍ وَالْفَاسِدُ مِنْهُ مُلْحَقٌ بِالصَّحِيحِ إِذَا ضَمَّتْ إِلَيْهِ مَنَفَعَةٌ فِي حَقِّ الدَّفْعِ كَمَا فِي مَنَعَةِ أَهْلِ الْحَرْبِ وَتَأْوِيلِهِمْ، وَهَذَا لِأَنَّ الْأَحْكَامَ لَا بُدَّ فِيهَا مِنَ الْإِلْزَامِ الْإِلْزَامِ، وَلَا الْإِلْزَامُ لِإِعْتِقَادِ الْإِبَاحَةِ عَنْ تَأْوِيلٍ، وَلَا الْإِلْزَامُ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ لَوْجُودِ الْمُنْعَةِ، وَالْوِلَايَةُ بَاقِيَةٌ قَبْلَ مَنَعَةٍ وَعِنْدَ عَدَمِ التَّأْوِيلِ ثَبَتَ الْإِلْزَامُ إِعْتِقَادًا، بِخِلَافِ الْإِثْمِ لِأَنَّهُ لَا مَنَعَةَ فِي حَقِّ الشَّارِعِ، إِذَا ثَبَتَ هَذَا قَوْلُ قَتْلِ الْعَادِلِ الْبَاغِيِ قَتْلٌ بِحَقٍّ فَلَا يَمْنَعُ الْإِرْثُ، وَلِأَبِي يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَتْلِ الْبَاغِيِ الْعَادِلِ أَنَّ تَأْوِيلَ الْفَاسِدِ إِنَّمَا يُعْتَبَرُ فِي حَقِّ الْإِرْثِ، وَلَهُمَا فِيهِ أَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى دَفْعِ الْحَرَمَانِ أَيْضًا إِذَا الْقَرَابَةُ سَبَبُ رِثٍ فَيُعْتَبَرُ الْفَاسِدُ فِيهِ إِلَّا أَنَّ مَنْ شَرَطَهُ بِقَاوُوهُ عَلَى دِيَانَتِهِ فَإِذَا قَالَ كُنْتُ عَلَى الْبَاطِلِ لَمْ يُوْجَدْ الدَّفْعُ جَبَ الضَّمَانُ.

**ترجمہ:** اگر اہل عدل میں سے کسی نے کسی باغی کو قتل کر دیا تو بھی قاتل مقتول کا وارث ہوگا اور اگر باغی عادل کو قتل کر دے اور یوں کہے میں حق پر تھا اور اب بھی حق پر ہوں تو وہ مقتول کا وارث ہوگا اور اگر یہ کہا میں نے اس حال میں اسے قتل کیا ہے کہ میں جانتا تھا کہ میں حق پر نہیں ہوں تو وہ مقتول کا وارث نہیں ہوگا۔ یہ حکم حضراتِ طرفین کے یہاں ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں باغی عادل مقتول کا وارث نہیں ہوگا یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ جب عادل شخص باغی کی جان یا اس کا مال ہلاک کرے گا تو نہ وہ ضامن ہوگا اور نہ ہی گنہگار ہوگا، کیونکہ ان کا شردور کرنے کے لیے عادل کو بغاۃ کے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور باغی اگر عادل کو قتل کرتا ہے تو ہمارے یہاں اس پر ضمان نہیں ہوگا لیکن وہ گنہگار ہوگا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم یہ ہے کہ ضمان واجب ہوگا۔

اسی اختلاف پر ہے جب مرتد نے توبہ کر لی حالانکہ بحالت ارتداد اس نے کسی جان یا مال کو ہلاک کیا تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے محفوظ مال یا معصوم جان کو ہلاک کیا ہے، لہذا اس پر ضمان واجب ہوگا حصول طاقت سے پہلے والی حالت پر قیاس کرتے ہوئے۔

ہماری دلیل حضراتِ صحابہ کرام کا اجماع ہے اور اگر باغی کے ساتھ طاقت موجود ہو تو دفع ضمان کے حق میں تاویل فاسد بھی صحیح کے ساتھ ملحق ہوتی ہے جیسے اہل حرب کی قوت اور ان کی تاویل کا یہی حکم ہے۔ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ احکام شرع کے لیے الزام یا التزام ضروری ہے اور باغی التزام نہیں کرتا اس لیے کہ وہ اپنی فاسد تاویل سے اہل عدل کی جان اور ان کے اموال کو مباح سمجھتا ہے اور باغی پر امام کی طرف سے کوئی حکم لازم بھی نہیں ہوتا اس لیے کہ اس پر امام کی ولایت نہیں ہوتی، کیونکہ اس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور طاقت سے پہلے تو ولایت حاصل رہتی ہے۔ اور تاویل نہ ہونے کی صورت میں اعتقاد التزام ثابت ہو جاتا ہے۔ برخلاف گناہ کے کیونکہ حق شرع میں طاقت کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ عادل شخص کا باغی کو قتل کرنا برحق ہے لہذا یہ قتل مانع ارث نہیں ہوگا، اور باغی کے عادل شخص کو قتل کرنے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ تاویل فاسد دفع ضمان کے حق میں معتبر ہے جب کہ یہاں استحقاقِ ارث ثابت کرنے کی ضرورت ہے، لہذا ارث کے حق میں تاویل فاسد کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اس میں حضراتِ طرفین رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں دفع حرمان کی بھی ضرورت ہے، کیوں کہ قرابتِ ارث کا سبب ہے لہذا دفع حرمان میں بھی تاویل فاسد کا اعتبار ہوگا، لیکن اس اعتبار کی شرط یہ ہے کہ وہ اپنی دیانت پر باقی ہو یہی وجہ ہے کہ اگر اس نے کنت علی الباطل کہا تو دفع نہیں پایا گیا اس لیے ضمان واجب ہوگا۔

### اللغات:

﴿یرثہ﴾ اس کا وارث ہوگا۔ ﴿اتلف﴾ ہلاک کر دیا۔ ﴿لا یأثم﴾ گناہ گار نہیں ہوگا۔ ﴿منعۃ﴾ دفاعی طاقت، قوت مدافعت۔ ﴿التزام﴾ اپنے ذمے لینا۔ ﴿حرمان﴾ محروم ہونا۔ ﴿قرابۃ﴾ رشتہ داری۔

### باغیوں کے ساتھ جنگ میں قاتل و مقتول کا وارث بننا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عادل نے کسی باغی کو قتل کر دیا تو بھی عادل قاتل اس باغی مقتول کا وارث ہوگا، اس کے برخلاف

اگر باغی نے کسی عادل کو قتل کر دیا اور یوں کہا کہ میں قبل از قتل بھی حق پر تھا اور اب بھی حق پر ہوں تو وہ باغی بھی مقتول عادل کا وارث ہوگا، لیکن اگر قاتل نے کہا کہ مجھے معلوم تھا کہ میں حق پر نہیں ہوں پھر بھی میں نے اسے قتل کر دیا تو قاتل اس مقتول کا وارث نہیں ہوگا، یہ حکم حضرات طرفین رضی اللہ عنہما کے یہاں ہے۔ امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے یہاں باغی قاتل عادل مقتول کا وارث ہی نہیں ہوگا خواہ وہ انا علی الحق کہے یا انہی اعلم انا علی الباطل کہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ اگر عادل کسی باغی کا نفس اور اس کا مال ہلاک کر دے تو نہ تو عادل پر ضمان ہوگا اور نہ ہی وہ گناہ گار ہوگا، کیونکہ عادل شخص کو بغاوت کا شردور کرنے کے لیے ان کے قتل پر مامور کیا گیا ہے، اسی طرح اگر باغی کسی عادل کو قتل کر دے تو ہمارے یہاں اس پر ضمان تو نہیں ہوگا تاہم وہ گناہ گار ضرور ہوگا۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول قدیم یہ ہے کہ باغی ضامن ہوگا، کیونکہ وہ محترم اور معصوم جان کو ہلاک کرنے والا ہے۔ اسی طرح اگر کسی مرتد نے بحالت ارتداد کسی جان یا مال کو ہلاک کر یا تھا پھر اس نے توبہ کر لی تو ہمارے یہاں وہ جنایت سابقہ کا ضامن نہیں ہوگا جب کہ شوافع کے یہاں اس پر ضمان ہوگا۔

صورت مسئلہ میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ باغی نے عادل کو قتل کر کے درحقیقت محترم اور معصوم نفس کو قتل کیا ہے اور اگر وہ طاقت و قوت کے حصول سے پہلے کسی نفس معصومہ کو قتل کرتا تو اس پر ضمان واجب ہوتا لہذا بعد حصول الممنوع یعنی صورت مسئلہ کے قتل سے بھی اس پر ضمان واجب ہوگا۔

عدم وجوب ضمان پر ہماری نقلی دلیل حضرات صحابہ کا اجماع ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ سلیمان بن ہشام نے امام زہری کو ایک مکتوب لکھا کہ ایک عورت اپنے شوہر کے پاس سے بھاگ کر خوارج سے جا ملی اور کہنے لگی کہ میری قوم مشرک ہے چنانچہ اس نے وہاں نکاح کر لیا پھر تائب ہو کر لوٹ آئی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس پر امام زہری رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ حکم نامہ تحریر فرمایا:

اما بعد فان الفتنة الاولى ثارت واصحاب رسول الله ﷺ ممن شهد بدرا كثير فاجتمع رأيهم على ان لا يقيموا على احد حدا في فرج استحلوه بالقران ولا قصاص في دم استحلوه بتاويل القران الخ (بتایہ: ۷/۷۸)

یعنی جس وقت خوارج کا پہلا فتنہ برپا ہوا اس وقت بہت سے بدری صحابہ گرام موجود تھے اس وقت ان کی متفقہ رائے سے یہ فیصلہ طے ہوا کہ اگر خوارج قرآنی تاویل سے کسی عورت کو حلال کر لیں تو ان پر حد نہیں جاری ہوگی اسی طرح اگر قرآنی تاویل سے وہ کسی شخص کو حلال سمجھ کر قتل کر دیں تو ان پر قصاص نہیں ہوگا اور صورت مسئلہ کی پہلی شق میں چوں کہ باغی نے قد کنت علی حق وانا الان علی الحق کی تاویل سے قتل کو انجام دیا ہے اسی لیے ہمارے یہاں اس پر قصاص اور ضمان نہیں ہے اور وہ مستحق میراث بھی ہے۔ اور باغی کی تاویل اگرچہ فاسد ہے، لیکن طاقت و قوت کے وقت دفع ضمان میں یہ تاویل تاویل صحیح کے ساتھ ملحق ہے جیسے اگر جنگ کے دوران حربی مسلمانوں کو قتل کر دیں یا ان کے اموال لوٹ لیں پھر وہ بھی مسلمان ہو جائیں تو ان پر قصاص یا ضمان نہیں ہے اسی طرح باغیوں پر بھی ہمارے یہاں ضمان نہیں ہے۔ اور ان پر اس وجہ سے بھی ضمان نہیں ہے کہ ضمان احکام شرعیہ میں سے ایک حکم ہے اور احکام شرع کے لیے امام کی طرف سے الزام یا بخوشی اس کا التزام ضروری ہے اور باغی کے حق میں الزام اور التزام دونوں چیزیں معدوم ہیں۔ الزام تو اس وجہ سے معدوم ہے کہ وہ باغی طاقت و قوت کے ساتھ امام کی ولایت سے خارج ہے۔ اور التزام اس وجہ سے معدوم ہے کہ وہ بیجا تاویل سے مسلمان اور عادل کے مال و جان کو مباح سمجھتا ہے اور وہ تاویل یہ ہے کہ خارج اور باغی قرآن کریم کی

آیت ومن یعص الله ورسوله فإن له جهنم خالدین فیہا الآیۃ۔ کے پیش نظر ہر عادل کو عاصی سمجھتا ہے اور یہ تاویل کرتا ہے کہ عادل موجب کتاب پر عمل نہیں کرتا اس لیے وہ مباح الدم ہے۔

والولاية الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا بعد المنعہ والے قتل باغی کو قبل المنعہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ قبل المنعہ وہ امام کی ولایت میں ہوتا ہے اور اس پر الزام متحقق ہوتا ہے، اس لیے قبل المنعہ والے قتل پر اس کو ضمان دینا پڑے گا لیکن بعد المنعہ قتل کی صورت میں اس پر ضمان یا قصاص نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر اس کی طرف سے تاویل نہ کی گئی ہو یا باطل تاویل کی گئی ہو تو بھی اس پر ضمان ہوگا، کیونکہ اس صورت میں اعتقاد اس پر التزام ثابت ہوگا اور اس پر ضمان ہو یا نہ ہو بہر صورت گناہ سے وہ بچ نہیں سکے گا اور گناہ ہر حال میں ہوگا، کیونکہ گناہ شریعت کا حق ہے اور شریعت کے معاملے میں منعہ یا عدم منعہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ ان تمام تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عادل کا باغی کو قتل کرنا برحق ہے اسی لیے قتل کے بعد بھی عادل باغی مقتول کی میراث پاتا ہے، کیونکہ قتل ناحق حرمان میراث کا سبب ہے نہ کہ قتل برحق۔

اگر باغی عادل کو قتل کر دے تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں قاتل خواہ تاویل کرے نہ کرے بہر صورت وہ مقتول کی میراث نہیں پاتا کیونکہ تاویل فاسد دفع ضمان کے حق میں تو معتبر ہے، لیکن اثبات ارث میں معتبر نہیں ہے اور یہاں قاتل کے حق میں میراث کے استحقاق اور اثبات کی ضرورت ہے اس لیے اس کی تاویل یہاں معتبر اور مؤثر نہیں ہوگی۔ اس سلسلے میں حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ بھائی اس کی تاویل یہاں بھی دافع ہے اور وہ دافع حرمان ہے یعنی قاتل قرابت کی وجہ سے اپنے مورث کی میراث کا مستحق ہے لیکن قتل دافع ارث ہے لہذا اس کی تاویل کو دافع حرمان قرار دے کر اسے میراث دلوادی جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنی تاویل پر مصر اور قائم ہو اسی لیے ہم نے متن میں قد کنت علی حق کے بعد وانا الان علی حق کی شرط لگادی ہے اور اگر اس نے وانا اعلم انی علی الباطل کہہ دیا تو اس کے حق میں دافع حرمان نہیں پایا جائے گا اور وہ میراث سے محروم تو ہوگا ہی ساتھ ہی ساتھ اسے مقتول کا ضمان بھی دینا پڑے گا۔

قَالَ وَيُكْرَهُ بَيْعُ السَّلَاحِ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ وَفِي عَسَاكِرِهِمْ، لِأَنَّهُ أَعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ وَلَيْسَ بَيْعُهُ بِالْكُوفَةِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ لَا بَأْسَ، لِأَنَّ الْغَلْبَةَ فِي الْأُمُصَارِ لِأَهْلِ السَّلَاحِ وَإِنَّمَا يُكْرَهُ بَيْعُ نَفْسِ السَّلَاحِ لَا بَيْعَ مَا لَا يُقَاتِلُ بِهِ إِلَّا بِصُنْعَةٍ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ يُكْرَهُ بَيْعُ الْمَعَارِفِ وَلَا يُكْرَهُ بَيْعُ الْخَشَبِ، وَعَلَى هَذَا الْخَمْرُ مَعَ الْعِنَبِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اہل فتنہ سے اور ان کے لشکروں سے ہتھیار فروخت کرنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ معصیت پر اعانت ہے، ہاں کوفہ میں اہل کوفہ سے اور جسے اہل فتنہ میں سے نہ جانتا ہو اس سے ہتھیار بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ شہروں میں تو بہت سے ہتھیار والے ہوتے ہیں اور ہتھیار ہی کی فروختگی مکروہ ہے اس چیز کو فروخت کرنا مکروہ نہیں ہے جس سے کاری گری کے بغیر قتال ممکن نہ ہو، کیا دکھتا نہیں کہ طنبور کو بیچنا مکروہ ہے لیکن اس کی لکڑی فروخت کرنا مکروہ نہیں ہے اسی حکم پر شراب اور انگور کی بھی بیع ہے۔



## اللغات:

﴿سلاح﴾ ہتھیار۔ ﴿عساکر﴾ واحد عسکر؛ جنگی پڑاؤ۔ ﴿إعانة﴾ امداد، مدد کرنا۔ ﴿صنعة﴾ کاری گری۔ ﴿معاذف﴾ آلات موسیقی۔ ﴿خشب﴾ لکڑی۔ ﴿خمر﴾ شراب۔ ﴿عنب﴾ انگور۔

## اہل فتنہ کو ہتھیار فروخت کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ خوارج یا ان کے لشکروں سے کسی مسلمان کا ہتھیار فروخت کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ اعانت علی المعصیۃ ہے جب کہ قرآن کریم نے ہمیں اعانت علی الاطاعت کا حکم دیا ہے: تعاونوا علی البر والتقویٰ اور اعانت علی المعصیۃ سے منع کیا ہے ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان۔ اگر کوئی کوفہ میں اہل کوفہ سے کوئی مسلمان ہتھیار بیچتا ہے یا کسی ایسے شخص سے بیچتا ہے جس کو وہ باغی اور خارجی نہ جانتا ہو تو اس بیع میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ شہروں میں بے شمار ”ہتھیار دار“ ہوتے ہیں اور ہر کوئی ہتھیار والا خارجی یا باغی نہیں ہوتا، اسی طرح خارجی اور باغی نمایاں ہوتا ہے لہذا ایسے لوگوں سے ہتھیار بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور کراہت کا تعلق نفس ہتھیار سے ہے ان چیزوں سے نہیں ہے جن سے ہتھیار بنایا جاتا ہے جیسے لوہا اور سریا وغیرہ، کیونکہ لوہے وغیرہ میں کاری گری کے بغیر ان سے قتال نہیں کیا جاسکتا یہی وجہ ہے کہ ستار اور طنبور کی بیع مکروہ ہے لیکن جس لکڑی سے یہ بننے ہیں ان کی بیع درست ہے اسی طرح انگور کی بیع جائز ہے لیکن شراب کی بیع حرام ہے، کیونکہ معصیت کا تعلق شراب اور ستار ہے نہ کہ انگور اور لکڑی سے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی معصیت نفس سلاح سے متعلق ہے نہ کہ لوہا اور سریا وغیرہ سے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم



# کتاب اللقیط

یہ کتاب احکام لقیط کے بیان میں ہے

کتاب السیر کے معاً بعد کتاب اللقیط کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مجاہد کی طرح لقیط کی جان بھی ہتھیلی پر ہوتی ہے مگر چوں کہ جہاد کی مشروعیت اور فضیلت قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور اسے افضل الأعمال باعتبار الأحوال قرار دیا گیا ہے اس لیے اس کے بیان کو بیان لقیط سے مقدم کیا گیا ہے۔

لقیط کے لغوی معنی ہیں: زمین سے اٹھایا ہوا بچہ، اور اس کے شرعی معنی ہیں وہ بچہ جیسے فقر و فاقہ کے ڈر سے یا زنا کی تہمت سے بچتے ہوئے اس کے ماں باپ نے سر راہ ڈال دیا ہو۔

الَلَّقِیْطُ سُمِّیَ بِهِ بِاعْتِبَارِ مَالِهِ لِمَا اِنَّهُ یُلْقَطُ، وَالْاِلْتِقَاطُ مَنْدُوْبٌ اِلَیْهِ لِمَا فِیْهِ مِنْ اِحْیَائِهِ وَاِنْ غَلَبَ عَلٰی ظَنِّهِ ضِیَاعُهُ فَوَاجِبٌ، قَالَ الَلَّقِیْطُ حُرٌّ، لِاَنَّ الْاَصْلَ فِیْ بَنِیْ اٰدَمَ اِنَّمَا هُوَ الْحُرِّیَّةُ وَكَذَا الدَّارُ دَارُ الْاَحْرَارِ، وَلِاَنَّ الْحُكْمَ لِلْغَالِبِ، وَنَفَقَتُهُ فِیْ بَیْتِ الْمَالِ هُوَ الْمَرْوِیُّ عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ وَعَلِیٍّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ، وَلِاَنَّهٗ مُسْلِمٌ عَاجِزٌ عَنِ التَّكْسِبِ وَلَا مَالَ لَهُ وَلَا قَرَابَةً فَاشْبَهَ الْمُفْعَدُ الَّذِیْ لَا مَالَ لَهُ، وَلِاَنَّ مِیرَاثَهُ لِبَیْتِ الْمَالِ وَالْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ وَلِهَذَا كَانَتْ جَنَایَتُهُ فِیْهِ، وَالْمُلْتَقِطُ مُتَبَرِّعٌ فِی الْاِنْفَاقِ عَلَیْهِ لِعَدَمِ الْوِلَایَةِ اِلَّا اَنْ یَّامُرَهُ الْقَاضِیُّ بِهِ لِیَكُوْنَ دِیْنًا عَلَیْهِ لِعُمُومِ الْوِلَایَةِ.

**ترجمہ:** لقیط کو انجام کار کے اعتبار سے لقیط کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ اٹھالیا جاتا ہے، اور اٹھالینا مستحب ہے کیونکہ اس میں لقیط کا احیاء ہے، اور اگر دیکھنے والے کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ ضائع ہو جائے گا تو اسے اٹھالینا واجب ہے۔ فرماتے ہیں کہ لقیط آزاد ہوتا ہے، کیونکہ بنی آدم میں حریت اصل ہوتی ہے نیز دارالاسلام بھی آزاد لوگوں کا ملک ہے، اور اس لیے بھی کہ غالب پر حکم لگتا ہے اور لقیط کا

نفقہ بیت المال سے دیا جائے گا یہی حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اور اس لیے کہ لقیط مسلمان ہے جو کمائی کرنے سے عاجز ہے اور اس کے پاس کوئی مال بھی نہیں ہے اور اس کی کوئی قرابت بھی نہیں ہے تو لقیط اس اپانج کی طرح ہو گیا جس کے پاس مال نہ ہو۔ اور اس لیے کہ لقیط کی میراث بیت المال کی ہے اور جو نفع لیتا ہے وہی ضمان بھی ادا کرتا ہے اسی لیے لقیط کی جنایت کا ضمان بھی بیت المال ہی میں واجب ہوتا ہے۔

اور لقیط پر خرچ کرنے میں ملتقط متبرع ہوتا ہے کیونکہ لقیط پر ملتقط کو ولایت نہیں ہوتی، لہذا یہ کہ اگر قاضی اسے اس پر انفاق کا حکم دیدے تاکہ یہ انفاق اس پر دین ہو جائے، کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہے۔

### اللغات:

﴿لَقِيطٌ﴾ اٹھایا جانے والا، ملنے والا۔ ﴿احیاء﴾ زندہ کرنا۔ ﴿حر﴾ آزاد۔ ﴿نفقۃ﴾ خرچ، اخراجات۔ ﴿نکسب﴾ کمائی کرنا۔ ﴿مقعد﴾ اپانج، معذور۔ ﴿جنایۃ﴾ جرم۔ ﴿ملتقط﴾ گرے ہوئے کو اٹھانے والا۔ ﴿انفاق﴾ خرچ کرنا۔  
گرے پڑے بچے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ لقیط اصلاً تو طرح بمعنی مطروح ہوتا ہے لیکن چوں کہ عموماً وہ راستوں سے اٹھالیا جاتا ہے اسی لیے مال کے اعتبار سے اسے لقیط کہا جاتا ہے، عام حالات میں النقاط مستحب ہے لیکن اگر بچے کی ہلاکت اور اس کے ضیاع کا خوف ہو تو واجب ہے، کیونکہ اس میں بچے کا احیاء ہے اور احیاء امر مستحسن ہے، قرآن میں ومن احیاء فکانما احیا الناس جمیعاً۔

لقیط حر اور آزاد ہوتا ہے کیونکہ بنو آدم حر الاصل ہوتے ہیں اس لیے ہمارے ماں باپ یعنی حضرت آدم وحواء علیہما السلام بھی آزاد تھے۔ اور پھر دارالاسلام آزاد لوگوں کا ملک ہوتا ہے اور وہاں کے اکثر باشندے آزاد ہوتے ہیں، لہذا ان کے تابع ہو کر لقیط بھی آزاد ہوگا، اور اگر لقیط کے پاس مال نہ ہو تو اس کا نفقہ بیت المال سے دیا جائے گا کیونکہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بیت المال سے لقیط کو خرچہ دینا ثابت اور منقول ہے، دوسری بات یہ ہے کہ لقیط بھی مسلم ہوتا ہے اور کمانے سے عاجز ہوتا ہے، لہذا جس طرح مسلم اپانج کو بیت المال سے نفقہ دیا جاتا ہے اسی طرح لقیط کو بھی بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا، کیونکہ لقیط اگر مال چھوڑ کر مرجاتا ہے تو اس کی میراث بھی بیت المال ہی کو ملتی ہے، لہذا اس کا نفقہ بھی بیت المال دے گا، اس لیے کہ الغرم بالغنم کا ضابطہ اور اور فارمولہ بہت مشہور ہے، یہی وجہ ہے کہ لقیط کی جنایت کا ضمان بھی بیت المال ہی دیتا ہے، اور ملتقط لقیط کی پرورش میں جو مال خرچ کرتا ہے اس میں وہ متبرع اور محسن ہوتا ہے، کیونکہ ملتقط پر اسے کوئی ولایت نہیں ہوتی، ہاں اگر قاضی نے ملتقط کو لقیط پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہو اور یہ کہہ دیا ہو کہ اس کے بالغ ہونے کے بعد تم اس سے اپنا حساب پورا کر لینا تو ملتقط جو کچھ خرچ کرے گا وہ اس لقیط کے ذمے دین ہوگا اور بعد میں وہ لقیط سے اپنا مال وصول کر لے گا، کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہوتی ہے۔

قَالَ فَإِنَّ التَّقَطَّ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ لغيرِهِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ لِأَنَّهُ ثَبَتَ حَقُّ الْحِفْظِ لَهُ لِسَبْقِ يَدِهِ، فَإِنْ أَدْعَى مُدْعِي أَنَّهُ ابْنُهُ فَأَلْقُوْهُ قَوْلُهُ مَعْنَاهُ إِذَا لَمْ يَدَّعِ الْمُتْلَقُ نَسَبَهُ، وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَقْبَلَ قَوْلُهُ لِأَنَّهُ يَتَضَمَّنُ إِبْطَالَ

حَقِّ الْمُلْتَقَطِ، وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّهُ إِقْرَارٌ لِلصَّبِيِّ بِمَا يَنْفَعُهُ، لِأَنَّهُ يَتَشَرَّفُ بِالنَّسَبِ وَيُعَيَّرُ بَعْدَمِهِ، ثُمَّ قِيلَ يَصِحُّ فِي حَقِّهِ دُونَ إِبْطَالِ يَدِ الْمُلْتَقَطِ، وَقِيلَ يَتَنَبَّى عَلَيْهِ بَطْلَانُ يَدِهِ، وَلَوْ ادَّعَاهُ الْمُلْتَقَطُ، قِيلَ يَصِحُّ قِيَاسًا وَاسْتِحْسَانًا، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ عَلَى الْقِيَاسِ وَالْإِسْتِحْسَانِ وَقَدْ عَرَفَ فِي الْأَصْلِ، وَإِنْ ادَّعَاهُ اثْنَانِ وَوَصَفَ أَحَدُهُمَا عَلَامَةً فِي جَسَدِهِ فَهُوَ أَوْلَى بِهِ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ لِمُوَافِقَةِ الْعَلَامَةِ كَلَامَهُ، وَإِنْ لَمْ يَصِفْ أَحَدُهُمَا عَلَامَةً فَهُوَ ابْنُهُمَا لِاسْتَوَانِهِمَا فِي السَّبَبِ وَلَوْ سَبَقَتْ دَعْوَةُ أَحَدِهِمَا فَهُوَ ابْنُهُ لِأَنَّهُ ثَبَتَ حَقُّهُ فِي زَمَانٍ لَا مُنَازَعَ لَهُ فِيهِ إِلَّا إِذَا أَقَامَ الْآخَرُ الْبَيِّنَةَ، لِأَنَّ الْبَيِّنَةَ أَقْوَى.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے لقیط کو اٹھالیا تو دوسرے کے لیے ملقط سے اسے لینے کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ لینے میں پہل کرنے کی وجہ سے اسے حق حفاظت حاصل ہو گیا ہے، لیکن اگر کسی مدعی نے یہ دعویٰ کیا کہ لقیط میرا بیٹا ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا یعنی جب ملقط نے اس لقیط سے اپنے نسب کا دعویٰ نہ کیا ہو۔ یہ استحسان ہے اور قیاس یہ ہے کہ مدعی کا دعویٰ مقبول نہ ہو، کیونکہ یہ دعویٰ ملقط کے حق کو باطل کرنے پر متضمن ہے، استحسان کی دلیل یہ ہے کہ یہ بچے کے حق میں اس چیز کا اقرار ہے جو اس کے لیے نفع بخش ہے، کیونکہ نسب سے وہ شریف کہلاتا ہے اور نسب نہ ہونے سے اسے عار دلائی جاتی ہے۔ پھر کہا گیا کہ یہ دعویٰ صرف ثبوت نسب میں صحیح ہوگا اور ملقط کا قبضہ باطل کرنے میں معتبر نہیں ہوگا دوسرا قول یہ ہے کہ ملقط کے قبضہ کا بطلان بھی اس پر مبنی ہوگا اور اگر ملقط اس کا دعویٰ کرے تو ایک قول یہ ہے کہ قیاس اور استحسان دونوں اعتبار سے صحیح ہوگا، لیکن اصح یہ ہے کہ یہ بھی استحساناً صحیح ہوگا اور قیاس کے اعتبار سے صحیح نہیں ہوگا اور مبسوط میں یہ جان لیا گیا ہے۔

اگر دو لوگ اس لقیط کا دعویٰ کریں اور ان میں سے ایک مدعی اس کے جس میں کوئی علامت بیان کر دیا تو یہ شخص اس کا زیادہ حق دار ہوگا، کیونکہ ظاہر حال اس کے حق میں شاہد ہے اس لیے کہ علامت اس کی بات سے ہم آہنگ ہے، اور اگر ان میں سے کسی نے علامت نہیں بیان کی تو وہ لقیط ان دونوں کا لڑکا ہوگا کیونکہ سبب (دعویٰ) میں دونوں برابر ہیں۔ اور اگر ان میں سے کسی کا دعویٰ مقدم ہو تو وہ اسی کا بیٹا ہوگا اس لیے کہ اس کا حق ایسے زمانے میں ثابت ہوا ہے جس میں اس کا کوئی منازع نہیں ہے لہذا یہ کہ دوسرا شخص بینہ پیش کر دے، اس لیے کہ بینہ زیادہ قوی ہوتا ہے۔

### اللغات:

﴿التقط﴾ گرا ہوا پایا۔ ﴿سبق﴾ پہلے ہونا۔ ﴿لم يدع﴾ دعویٰ نہیں کیا۔ ﴿يتشرف﴾ معزز ہوگا۔ ﴿يعير﴾ شرم دلایا جائے گا۔ ﴿جسد﴾ جسم۔ ﴿اقام﴾ قائم کر دے۔

### لقیط کا زیادہ حقدار کون ہوگا:

عبارت کا مطلب ترجمہ سے واضح ہے البتہ ہر ہر جزء کو منطبق کرنے کی ضرورت ہے مثلاً ملقط ہی لقیط کا زیادہ حق دار ہوگا، لیکن اگر کوئی شخص اس بچے سے اپنے نسب کا دعویٰ کرے اور ملقط خاموش رہے یعنی وہ دعویٰ نہ کرے تو استحساناً مدعی کا دعویٰ معتبر ہوگا، کیونکہ



ثبوت نسب سے اسے شرف و عزت حاصل ہوگی اور معدوم النسب ہونے کی صورت میں عار اور ذلت ہوگی۔ باقی بات واضح ہے۔

اگر دو لوگوں نے لقیط کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ وہ میرا بیٹا ہے اور ان میں سے ایک نے اس کے بدن میں یہ علامت بتادی کہ دائیں طرف تل ہے اور یہ علامت صحیح ٹھہری تو علامت بتانے والے کا دعویٰ معتبر ہوگا، کیونکہ یہ علامت درحقیقت شہادت کی طرح ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ ان من ساعده الظاهر فالقول قوله یعنی ظاہر حال جس کے موافق ہوتا ہے اسی کی بات معتبر ہوتی ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی نے علامت نہ بتائی ہو تو دونوں اس لقیط کے حق دار ہوں گے لیکن اگر کسی کا دعویٰ پہلے ہو تو اسے ترجیح حاصل ہوگی، اسی طرح اگر دوسرے نے بعد میں دعویٰ کیا، لیکن ساتھ میں بینہ بھی پیش کر دیا تو اب بینہ کی وجہ سے وہ بازی جیت جائے گا اور اس کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا، کیونکہ بینہ کے آگے کسی کی ایک نہیں چلتی۔

وَإِذَا وَجِدَ فِي مِصْرٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قُرَاهِمُ فَأَدْعَى ذِمِّيًّا أَنَّهُ ابْنُهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَكَانَ مُسْلِمًا، وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ لِأَنَّ دَعْوَاهُ تَضَمَّنَ النَّسَبَ وَهُوَ نَافِعٌ لِلصَّغِيرِ، وَإِبْطَالُ الْإِسْلَامِ الثَّابِتِ بِالذَّارِ وَهُوَ يَضُرُّهُ فَصَحَّتْ دَعْوَتُهُ فِيمَا يَنْفَعُهُ دُونَ مَا يَضُرُّهُ، وَإِنْ وَجَدَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قُرَى أَهْلِ الذِّمَّةِ أَوْ فِي بَيْعَةٍ أَوْ كُنْسِيَّةٍ كَانَ ذِمِّيًّا، وَهَذَا الْجَوَابُ فِيمَا إِذَا كَانَ الْوَاحِدُ ذِمِّيًّا رَوَايَةً وَاحِدَةً، وَإِنْ كَانَ الْوَاحِدُ مُسْلِمًا فِي هَذَا الْمَكَانِ أَوْ ذِمِّيًّا فِي مَكَانٍ الْمُسْلِمِينَ اخْتَلَفَ الرِّوَايَةُ فِي رَوَايَةِ كِتَابِ اللَّقِيطِ أُعْتَبِرَ الْمَكَانُ لِسَبْقِهِ وَفِي كِتَابِ الدَّعْوَى فِي بَعْضِ النُّسخِ أُعْتَبِرَ الْوَاحِدُ وَهُوَ رَوَايَةُ ابْنِ سَمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِقُوَّةِ الْيَدِ، أَلَا تَرَى أَنَّ تَبِيعَةَ الْأَبَوَيْنِ فَوْقَ تَبِيعَةِ الذَّارِ حَتَّى إِذَا سَبِيَ مَعَ الصَّغِيرِ أَحَدُهُمَا يُعْتَبَرُ كَافِرًا وَفِي بَعْضِ نُسَخِهِ أُعْتَبِرَ الْإِسْلَامُ نَظَرًا لِلصَّغِيرِ.

**ترجمہ:** اگر مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں یا دیہاتوں میں سے کسی دیہات میں کوئی لقیط پایا گیا اور ایک ذمی نے دعویٰ کیا یہ اس کا بیٹا ہے تو اس ذمی سے مذکورہ لقیط کا نسب ثابت ہو جائے گا اور وہ مسلمان ہوگا۔ یہ استحسان ہے۔ کیونکہ ذمی کا دعویٰ ثبوت نسب کو متضمن ہے اور یہ چیز اس بچے کے لیے مفید ہے نیز یہ دعویٰ دارالاسلام کی وجہ سے ثابت ہونے والے لقیط کے اسلام کو باطل کرنے پر مشتمل ہے حالانکہ اسلام کا ابطال اس کے لیے نقصان دہ ہے، لہذا جو چیز بچے کے لیے نفع بخش ہے اس میں اس کا دعویٰ صحیح ہوگا اور جو چیز اس کے لیے مضر ہے اس میں صحیح نہیں ہوگا۔

اور اگر ذمیوں کے گاؤں میں سے کسی گاؤں میں یا بیعہ یا کنسہ میں لقیط پایا جائے تو وہ ذمی ہوگا یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب پانے والا ذمی ہو۔ اور اگر ذمیوں کے علاقے میں کسی مسلمان نے اسے پایا یا مسلمانوں کے علاقوں میں کسی ذمی نے اسے پایا تو اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں، چنانچہ کتاب اللقیط کی روایت میں مکان کا اعتبار ہے کیونکہ مکان مقدم ہے اور مبسوط کے بعض نسخوں میں کتاب الدعویٰ کی روایت یہ ہے کہ پانے والے کا اعتبار ہوگا یہی امام محمد رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سے محمد بن سماعہ کی روایت ہے، اس لیے کہ

قبضہ قوی ہوتا ہے کیا دکھتا نہیں کہ والدین کی تبعیت دار کی تبعیت سے فائق ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر بچے کے ساتھ والدین میں سے کوئی قید کیا گیا تو وہ بچہ کافر ہی شمار ہوتا ہے اور مبسوط والی کتاب الدعویٰ کے بعض نسخوں میں یہ ہے کہ بچہ پر شفقت کے پیش نظر اسلام کا اعتبار کیا گیا ہے۔

## اللغات:

﴿مصر﴾ شہر۔ ﴿قربۃ﴾ بستی۔ ﴿تضمن﴾ ضمنا شامل ہوتا ہے۔ ﴿بضرۃ﴾ اس کو نقصان دے گا۔ ﴿بیعة﴾ عیسائیوں کی عبادت گاہ۔ ﴿کنیسۃ﴾ یہودیوں کی عبادت گاہ، سنی گاگ۔ ﴿سبق﴾ پہلے ہونا۔ ﴿سبی﴾ قیدی کر لیا گیا۔

## ذمی کا لقیط کے بارے میں دعوائے نسب:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلم شہر یا مسلم بستی اور دیہات میں کوئی لقیط ملا اور کسی ذمی نے یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو استحساناً اس ذمی سے وہ لقیط ثابت النسب تو ہوگا لیکن ذمی نہیں ہوگا، بلکہ مسلمان ہوگا، اس لیے کہ اس ذمی کا دعویٰ دو چیزوں پر مشتمل ہے (۱) ثبوت نسب پر (۲) دارالاسلام میں اس کے پائے جانے کی وجہ سے اس بچے کے مسلمان ہونے کو باطل کرنے پر اور ان میں سے پہلی چیز یعنی نسب کا ثبوت اس لقیط کے حق میں مفید ہے لہذا اس سلسلے میں ذمی کا دعویٰ معتبر ہوگا اور دوسری چیز یعنی ابطال اسلام کے متعلق اس کا دعویٰ مقبول نہیں ہوگا اور وہ بچہ مسلمان رہے گا، کیونکہ ابطال اسلام کے حوالے سے دعویٰ کو معتبر ماننے میں بچے کا ضرر ہے۔

اس کے برخلاف اگر ذمیوں کے کسی گاؤں میں یا بیعہ یا کنیسہ میں کوئی لقیط ملا تو وہ ذمی ہوگا اسی طرح اگر اسے کوئی ذمی پائے تو بھی وہ ذمی ہوگا، اور اگر کسی مسلمان نے ذمیوں کے علاقے میں یا بیعہ اور کنیسہ میں کوئی لقیط پایا، یا کسی ذمی نے مسلمانوں کے علاقے میں کوئی لقیط پایا تو اس کے متعلق روایات مختلف ہیں چنانچہ مبسوط کی کتاب اللقیط میں ہے کہ جس جگہ پایا گیا ہو اس کا اعتبار ہوگا یعنی اگر ذمیوں کے علاقے میں ملا تو ذمی ہے خواہ واجد مسلم ہو اور اگر مسلم علاقے میں ملا تو وہ مسلم ہوگا اگرچہ واجد ذمی ہو۔ اور مبسوط کے کتاب الدعویٰ کے بعض نسخوں میں ہے کہ پانے والے کا اعتبار ہے چنانچہ اگر پانے والا مسلم ہے تو لقیط مسلم ہوگا اور اگر واجد ذمی ہو تو لقیط ذمی ہوگا یہی امام محمد سے محمد بن سماعہ کی روایت ہے اور اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ پانے والا اس پر قابض ہوتا ہے اور اثبات احکام میں قبضہ کا عمل دخل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی بچہ اپنے والدین کے پاس ہو تو وہ انہی کے دین کا پیروکار مانا جائے گا خواہ دارالاسلام میں ہو یا دارالکفر میں اور اگر بچہ کے والدین میں سے اسی کے ساتھ کوئی قید ہوا ہو تو اس کے تابع ہو کر وہ بچہ بھی کافر ہی ہوگا بہر حال یہ بات ثابت ہوگئی کہ قبضے کا اعتبار ہوتا ہے۔

اور کتاب الدعویٰ کے بعض نسخوں میں ہے کہ ہر حال میں بچے کو مسلمان قرار دیا جائے گا خواہ وہ کہیں بھی پایا جائے اور کوئی بھی اسے پائے، کیونکہ اس کو مسلمان قرار دینے میں اس کے حق میں شفقت ہے اور ذمی بنانے میں مضرت ہے اور بچے کے حق میں صرف اور صرف مشفقانہ امور معتبر ہوتے ہیں، لہذا ہر حال میں اسے مسلمان ہی مانا جائے گا۔

وَمَنْ ادَّعى أَنَّ اللَّقِیْطَ عَبْدُهُ لَمْ یُقْبَلْ مِنْهُ، لِأَنَّهُ حُرٌّ ظَاهِرًا إِلَّا أَنْ یُقِیْمَ الْبَیِّنَةَ أَنَّهُ عَبْدُهُ، فَإِنْ ادَّعى عَبْدٌ أَنَّهُ ابْنُهُ ثَبَّتَ نَسَبُهُ مِنْهُ لِأَنَّهُ یَنْفَعُهُ وَكَانَ حُرًّا، لِأَنَّ الْمَمْلُوكَ قَدْ تَلَدَّ لَهُ الْحُرَّةُ فَلَا تَبْطُلُ الْحُرِّيَّةُ الظَّاهِرِيَّةُ بِالشَّكِّ،

وَالْحُرُّ فِي دَعْوَتِهِ اللَّقِيطُ أَوْلَى مِنَ الْعَبْدِ، وَالْمُسْلِمُ أَوْلَى مِنَ الذَّمِي تَرْجِيحًا لِمَا هُوَ الْأَنْظَرُ فِي حَقِّهِ، وَإِنْ وَجَدَ مَعَ اللَّقِيطِ مَالٌ مَشْدُودٌ عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُ إِعْتِبَارًا لِلظَّاهِرِ وَكَذَا إِذَا كَانَ مَشْدُودًا عَلَى ذَابَّةٍ وَهُوَ عَلَيْهَا لِمَا ذَكَرْنَا ثُمَّ يَصْرِفُهُ الْوَاحِدُ إِلَيْهِ بِأَمْرِ الْقَاضِي، لِأَنَّهُ مَالٌ ضَائِعٌ، وَلِلْقَاضِي وَلَايَةُ صَرْفِ مِثْلِهِ إِلَيْهِ، وَقِيلَ يَصْرِفُهُ بِغَيْرِ أَمْرِ الْقَاضِي لِأَنَّهُ اللَّقِيطُ ظَاهِرًا، وَلَهُ وَلَايَةُ الْإِنْفَاقِ وَشِرَاءِ مَا لَا بُدَّ مِنْهُ كَالطَّعَامِ وَالْكُسُوفَةِ، لِأَنَّهُ مِنَ الْإِنْفَاقِ لَهُ، وَلَا يَجُوزُ تَرْوِيجُ الْمُتَلَقِّطِ لِإِنْعَادَامِ سَبَبِ الْوَلَايَةِ مِنَ الْقُرَابَةِ وَالْمِلْكِ وَالسُّلْطَنَةِ.

**ترجمہ:** اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ لقیط اس کا غلام ہے تو اس کا دعویٰ مقبول نہیں ہوگا، کیونکہ ظاہر حال کے اعتبار سے وہ آزاد ہے الایہ کہ اس بات پر (مدعی) بینہ قائم کر دے کہ لقیط اس کا غلام ہے۔ پھر اگر کسی غلام نے یہ دعویٰ کیا کہ لقیط اس کا بیٹا ہے تو اس غلام سے لقیط کا نسب ثابت ہو جائے گا، کیونکہ نسب کا ثبوت لقیط کے لیے نفع بخش ہے، اور وہ آزاد ہوگا اس لیے کہ آزاد عورت غلام کے لیے بھی بچہ پیدا کرتی ہے لہذا شک کی وجہ سے ظاہری حریت باطل نہیں ہوگی۔ اور لقیط کا دعویٰ کرنے میں غلام کی بہ نسبت آزاد اس کا زیادہ مستحق ہوگا اور مسلمان ذمی سے زیادہ اولیٰ ہوگا اس چیز کو ترجیح دیتے ہوئے جو بچے کے حق میں زیادہ باعث شفقت ہے، اور اگر لقیط کے ساتھ اس پر کچھ مال بندھا ہو تو ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے وہ مال بھی اسی کا ہوگا اسی طرح اگر مال کسی سواری پر ہو اور لقیط اس سواری پر ہو تو بھی وہ مال لقیط کا ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ پھر پانے والا قاضی کے حکم سے وہ مال لقیط پر صرف کرے گا، اس لیے کہ یہ ضائع ہونے والا مال ہے اور قاضی کو لقیط پر اس جیسا مال صرف کرنے کی اجازت ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ واجد قاضی کے حکم کے بغیر وہ مال لقیط پر صرف کر سکتا ہے کیونکہ یہ ظاہر یہ لقیط ہی کا مال ہے۔

پانے والے کو لقیط پر خرچ کرنے اور اس کی ضروریات زندگی کی چیزیں خریدنے کا حق ہے جیسے کھانا اور کپڑا، کیونکہ یہ اس کے اخراجات میں سے ہیں۔ اور ملقط کے لیے لقیط کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ سبب ولایت یعنی قرابت، ملکیت اور حاکمیت (ملقط کے حق میں) معدوم ہے۔

### اللغات:

﴿حر﴾ آزاد۔ ﴿تلد﴾ بچہ جنتی ہے۔ ﴿انظر﴾ زیادہ مصلحت والا۔ ﴿مشدود﴾ بندھا ہوا۔ ﴿ذابۃ﴾ سواری۔ ﴿صرف﴾ خرچ کرنا۔ ﴿کسوة﴾ کپڑے، لباس ملبوسات۔ ﴿انفاق﴾ خرچ کرنا۔

### لقیط کے بارے میں اپنا غلام ہونے کا دعویٰ کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ لقیط میرا غلام ہے تو محض دعوے سے لقیط اس کا غلام نہیں ہوگا، کیونکہ لقیط حرا اصل ہے کیونکہ وہ بھی بنو آدم میں داخل ہے اور تمام بنو آدم میں حریت اصل ہے ہاں اگر مدعی اپنے دعوے پر بینہ پیش کر دے تو اس کا دعویٰ معتبر ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی غلام یہ دعویٰ کر دے کہ یہ لقیط میرا بیٹا ہے تو اس غلام سے لقیط کا نسب ثابت ہو جائے گا، کیونکہ ثبوت نسب سے لقیط کا نفع وابستہ ہے اس لیے لقیط اس سے ثابت النسب ہوگا لیکن آزاد ہوگا اس لیے کہ آزاد عورت غلام کی بیوی بن کر

اس کے لیے بچہ جن سکتی ہے اور حریت میں بچہ آزادی کے تابع ہوتا ہے لہذا اس کی ظاہری حریت جو اسے حاصل ہے وہ اس شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوگی کہ ہو سکتا ہے اس کی ماں بھی مملوک ہو۔

والحر فی دعوتہ الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر آزاد بھی لقیط کے نسب کا دعویٰ کرے اور غلام بھی کرے یا مسلمان اور ذمی دونوں کریں تو آزاد اور مسلمان غلام اور ذمی سے احق اور اولیٰ ہوں گے، کیونکہ حریت اور اسلام لقیط کے حق میں عبدیت اور ذمیت سے بہتر اور نفع ہیں اور ان میں اس کے لیے شفقت زیادہ ہے۔

وإن وجد مع اللقیط الخ فرماتے ہیں کہ اگر لقیط کے ساتھ اس کے بدن وغیرہ سے لگا کر بندھا ہو مال موجود ہو یا کسی سواری پر مال ہو اور لقیط اس پر بیٹھا ہو تو وہ مال اسی کا ہوگا، کیونکہ جب وہ مال اس کے ساتھ ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر لقیط ہی کا قبضہ ہے اور قبضہ ملکیت کی دلیل ہے اس لیے لقیط اس کا مالک ہوگا پھر جو شخص لقیط کو پائے گا وہ قاضی کے حکم اور اس کی اجازت سے مذکورہ مال اس کی ضروریات میں صرف کرے گا، کیونکہ لقیط ہی کی طرح یہ مال بھی ضیاع اور ہلاکت کے قریب ہے اور جان سے مال پر خطرہ ہوتا ہے اور قاضی کو چوں کہ اس طرح کے لوگوں پر اس طرح کے اموال صرف کی ولایت حاصل ہے لہذا وہ واجد کو صرف کرنے کا حکم دے کر اس مال کو ضیاع سے بچالے گا۔

بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ قاضی کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر بھی واجد وہ مال لقیط پر صرف اور خرچ کر سکتا ہے، کیونکہ وہ لقیط ہی کا مال ہے اور اپنی ضروریات میں صرف کے لیے لقیط کو اس کی حاجت بھی ہے، لیکن چوں کہ وہ خود صرف کرنے اور اپنی ضروریات کی چیزیں مثلاً کھانا اور کپڑا وغیرہ خریدنے پر قادر نہیں ہے لہذا اس کی طرف سے ملقط یہ امور انجام دے گا البتہ ملقط کے لیے لقیط کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نکاح کے لیے ولایت ضروری ہے اور ولایت کا مدار قرابت، ملکیت اور حاکمیت پر ہے حالانکہ ملقط کے حکم میں یہ چیزیں معدوم ہیں، اس لیے ملقط کو ولایت تزویج حاصل نہیں ہوگی اور اس کے لیے لقیط کا نکاح کرنا درست نہیں ہوگا۔

وَلَا تَصْرِفُهُ فِي مَالِ الْمُتَلَقِّطِ اعْتِبَارًا بِالْأَمِّ، وَهَذَا لِأَنَّ وَلَايَةَ التَّصْرِيفِ لِتَشْمِيرِ الْمَالِ وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ بِالرَّأْيِ الْكَامِلِ وَالشَّفَقَةِ الْوَافِرَةِ، وَالْمَوْجُودُ فِي كُلِّ مِنْهُمَا أَحَدُهُمَا، قَالَ وَيَجُوزُ أَنْ يَقْبِضَ لَهُ الْهَبَةُ لِأَنَّهُ نَفْعٌ مُحْضٌ وَلِهَذَا يَمْلِكُهُ الصَّغِيرُ بِنَفْسِهِ وَتَمْلِكُهُ الْأُمُّ وَوَصِيَّهَا، قَالَ وَيُسَلِّمُهُ فِي صِنَاعَةٍ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ تَفْقِيفِهِ وَحِفْظُ حَالِهِ، قَالَ وَيُؤَاجِرُهُ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ هَذِهِ رِوَايَةُ الْقُدُورِيِّ فِي مُخْتَصَرِهِ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرُ لَا يَجُوزُ أَنْ يُؤَاجِرَهُ، ذَكَرَهُ فِي الْكِرَاهِيَةِ وَهُوَ الْأَصَحُّ، وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ يَرْجِعُ إِلَى تَفْقِيفِهِ، وَوَجْهُ الثَّانِي أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ إِتْلَافَ مَنَافِعِهِ فَأَشْبَهَ الْعَمَّ، بِخِلَافِ الْأَمِّ لِأَنَّهَا تَمْلِكُهُ عَلَى مَا نَذَرَهُ فِي الْكِرَاهِيَةِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

**ترجمہ:** اور واجد کے لیے اٹھائے ہوئے بچے کے مال میں (تجارتی) تصرف کرنا جائز نہیں ہے اس کی ماں پر قیاس کرتے ہوئے، یہ اس وجہ سے کہ تصرف کی ولایت مال بڑھانے کے لیے ہوتی ہے اور تمیز رائے کامل اور شفقت تامہ سے متحقق ہوتی ہے جب کہ واجد



اور ام دونوں میں سے ہر ایک کو ایک ہی ایک چیز حاصل ہے۔

اور واجد کا لقیط کے لیے ہبہ پر قبضہ کرنا جائز ہے کیونکہ ہبہ صرف نفع ہے اسی لیے اگر صغیر عاقل ہو تو وہ بذات خود ہبہ پر قبضہ کرنے کا مالک ہے اور اس کی ماں اور ماں کا وصی بھی اس کے مالک ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ملقط کے لیے لقیط کو کوئی ہنر سیکھنے میں لگانا جائز ہے، کیونکہ یہ اس کو بہتر بنانے اور اس کی حالت کی حفاظت کرنے سے متعلق ہے۔ اور ملقط اسے اجرت بھی دے سکتا ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ مختصر القدوری میں امام قدوری رحمہ اللہ کی روایت ہے اور جامع صغیر میں ہے کہ ملقط کے لیے لقیط کو اجرت پر دینا جائز نہیں ہے امام محمد رحمہ اللہ نے اسے کتاب الکراہیہ میں بیان کیا ہے اور یہی اصح بھی ہے۔ پہلے کی دلیل یہ ہے کہ اجرت پر دینے سے بھی اس کے حق میں بہتر ہی ہے۔ جامع صغیر کی دلیل یہ ہے کہ ملقط اس کے منافع ضائع کرنے کا مالک نہیں ہے اور اس حوالے سے وہ صغیر کے چچا کے مشابہ ہے۔ برخلاف ماں کے، کیونکہ ماں اس چیز کی مالک ہوتی ہے جیسا کہ کتاب الکراہیہ میں ان شاء اللہ ہم اسے بیان کریں گے۔

### اللغات:

﴿تسمیر﴾ اضافہ کرنا، بڑھانا۔ ﴿وافرة﴾ بھرپور، پوری۔ ﴿تشقیف﴾ بہتر بنانا۔ ﴿یسلمہ﴾ اسے سپرد کر دے، لگا دے۔ ﴿صناعة﴾ کاری گری۔ ﴿یواجرة﴾ اس کو اجرت پر دینا۔ ﴿اتلاف﴾ ہلاک کرنا۔ ﴿عم﴾ چچا۔

### لقیط کے تصرفات مالیہ کا اختیار:

عبارت میں کل چار مسئلے مذکور ہیں (۱) واجد اور ملقط لقیط کے مال میں تجارتی تصرفات نہیں کر سکتا جیسا کہ لقیط کی ماں نہیں کر سکتی، کیونکہ یہ تصرف مال میں اضافہ کرنے کی نیت سے ہوتا ہے اور مال کامل رائے اور مکمل شفقت سے بڑھتا ہے حالانکہ ملقط اور ماں دونوں میں سے ہر ایک میں صرف ایک ہی چیز موجود ہے چنانچہ ملقط کی رائے کامل ہے تو شفقت ناقص ہے اور ماں کی شفقت تام ہے تو رائے ناقص ہے جب کہ تجارتی تصرفات کے لیے کامل الرائے اور تام الشفقت ہونا ضروری ہے اور وہ ان میں معدوم ہے اس لیے انھیں اس تصرف کا اختیار نہیں ہوگا۔

(۲) ملقط کے لیے لقیط کے نام سے ملنے والے ہدایا اور تحائف قبول کرنا اور ان پر قبضہ کرنا جائز ہے، کیونکہ اس میں اس کا نفع ہی نفع ہے اور ملقط کو لقیط کے متعلق ہر نفع بخش کام کرنے کا اختیار اور جواز حاصل ہے، اسی لیے تو اگر بچہ باشعور ہو تو وہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نفع بخش چیز لینے کا مالک ہے اور اس کی ماں اور اس کی ماں کے وصی کو بھی یہ اختیار ہے لہذا ملقط کو بھی یہ اختیار ملے گا۔ (۳) ملقط کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ بچے کو ہنر اور کام دھندا سیکھنے میں لگا دے، کیونکہ اس میں بھی اس کے حق میں بھلائی ہے اور اس کا تاب ناک مستقبل پوشیدہ ہے۔

(۴) امام قدوری رحمہ اللہ کے ملقط لقیط کو اجرت اور مزدوری پر لگا سکتا ہے لیکن جامع صغیر کی کتاب الکراہیت کی صراحت کے مطابق ملقط کے لیے یہ جائز نہیں ہے، امام قدوری رحمہ اللہ کی دلیل وہی ہے جو ہنر سکھانے کے متعلق اس کی بھلائی اور بہتری کے حوالے سے مذکور ہے۔ اور جامع صغیر والے قول کی دلیل یہ ہے کہ لقیط سے محنت اور مزدوری کرانے سے اس کی صلاحیت اور قوت ختم

ہو جائے گی اور ملتقط کو اس کی صلاحیت اور اس کے منافع ختم کرنے کا حق نہیں ہے، لہذا اسے لقیط سے محنت اور مزدوری کرانے کا بھی حق نہیں ہوگا جیسا کہ ایک چچا کو اپنے بھتیجے سے محنت و مزدوری کرانے کا حق نہیں ہے اسی طرح ملتقط کو بھی یہ حق نہیں ہے، اس کے برخلاف ماں کو اپنے چھوٹے بچے سے محنت و مزدوری کرانے اور اسے اجرت پر لگانے کا حق ہے اور جامع صغیر والا قول ہی اصح ہے۔ اور قول قدوری اور ان کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مزدوری اور اجارہ کو صنعت اور کاری گری پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔



# کتاب اللُّقْطَةِ

یہ کتاب احکام لقطہ کے بیان میں ہے

اس سے پہلے لقیطہ کے احکام بیان کئے گئے ہیں اور اب لقطہ کے احکام بیان کئے جارہے ہیں چوں کہ لقیطہ کا تعلق انسان سے ہے، لہذا اس کی کرامت کے پیش نظر اسے لقطہ المتعلقة بالمال سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔  
 واضح رہے کہ لقطہ بروزن لقمہ اس مال کو کہتے ہیں جو راستے میں پڑا ہو اور کوئی شخص بہ نیت حفاظت اسے اٹھا لے۔ (بنایہ: ۶/۷۶۵)

قَالَ اللَّقْطَةُ أَمَانَةٌ إِذَا أَشْهَدَ الْمُلتَقِطُ أَنَّهُ يَأْخُذُهَا لِيَحْفَظَهَا يَرُدُّهَا عَلَى صَاحِبِهَا لِأَنَّ الْآخِذَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ مَادُونٌ فِيهِ شَرْعًا بَلْ هُوَ الْأَفْضَلُ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ، وَهُوَ الْوَاجِبُ إِذَا خَافَ الصِّيَاعَ عَلَى مَا قَالُوا، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ لَا تَكُونُ مَضْمُونَةً عَلَيْهِ وَكَذَا إِذَا تَصَادَقَا أَنَّهُ أَخَذَهَا لِلْمَالِكِ، لِأَنَّ تَصَادُقَهُمَا حُجَّةٌ فِي حَقِّهِمَا فَصَارَ كَالْبَيِّنَةِ، وَلَوْ أَقْرَأَ أَنَّهُ أَخَذَهُ لِنَفْسِهِ يَضْمَنُ بِالْإِجْمَاعِ، لِأَنَّهُ أَخَذَ مَالَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ وَبِغَيْرِ إِذْنِ الشَّرْعِ، وَإِنْ لَمْ يَشْهَدْ الشُّهُودُ عَلَيْهِ وَقَالَ الْآخِذُ أَخَذْتُهُ لِلْمَالِكِ وَكَذَبَهُ الْمَالِكُ يَضْمَنُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ لَا يَضْمَنُ، وَالْقَوْلُ قَوْلُهُ لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ لِاخْتِيَارِهِ الْحِسْبَةَ دُونَ الْمَعْصِيَةِ، وَلَهُمَا أَنَّهُ أَقْرَأَ بِسَبَبِ الضَّمَانِ وَهُوَ أَخَذَ مَالَ الْغَيْرِ وَادَّعَى مَا يَبْرُرُهُ وَهُوَ الْآخِذُ لِمَالِكِهِ وَفِيهِ وَقَعَ الشَّكُّ فَلَا يَبْرُرُ، وَمَا ذُكِرَ مِنَ الظَّاهِرِ يُعَارِضُهُ مِثْلُهُ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنْ يَكُونَ الْمُتَصَرِّفُ عَامِلًا لِنَفْسِهِ وَيَكْفِيهِ فِي الْإِشْهَادِ أَنْ يَقُولَ مِنْ سَمِعْتُمُوهُ يُنْشِدُ لِقْطَةً فَذَلُّوهُ عَلَيَّ وَاحِدَةً كَانَتِ اللَّقْطَةُ أَوْ أَكْثَرُ لِأَنَّهُ اسْمُ جِنْسٍ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ لقطہ ملتقط کے پاس امانت ہوتا ہے بشرطیکہ ملتقط اس بات پر گواہ بنا لے کہ وہ اس کی حفاظت کرنے اور

اسے اس کے مالک کو واپس کرنے کی غرض سے اٹھا رہا ہے، کیونکہ اس نیت سے لینا شرعاً ماذون ہے، بلکہ اکثر علماء کے یہاں یہ افضل ہے اور اگر اس مال کے ہلاک ہونے کا خوف ہو تو اسے اٹھانا واجب ہے جیسا کہ مشائخ نے فرمایا ہے اور جب یہ صورت حال ہے تو لفظ ملتقط پر مضمون ہوگا ایسے ہی اگر مالک اور ملتقط نے اس بات پر اتفاق کر لیا ہو کہ اس نے مالک کے لیے وہ لفظ اٹھایا تھا، کیونکہ ان کا اتفاق کر لینا ان کے حق میں حجت ہے تو یہ بینہ کی طرح ہو گیا۔

اور اگر ملتقط نے یہ اقرار کیا کہ اس نے اپنے لیے وہ لفظ اٹھایا تھا تو بالاتفاق وہ ضامن ہوگا، کیونکہ اس نے دوسرے کا مال اس کی اور شریعت کی اجازت کے بغیر لیا ہے۔ اور اگر ملتقط نے بوقت اخذ اس پر گواہ نہیں بنایا تھا اور پھر کہتا ہے کہ میں نے مالک کے لیے اسے لیا تھا اور مالک نے اس کی تکذیب کر دی تو حضرات طرفین کے یہاں وہ ضامن ہوگا امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ضامن نہیں ہوگا۔ اور ملتقط ہی کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ ظاہر حال اس کے حق میں شاہد ہے، اس لیے کہ اس نے نیک کام کیا ہے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس نے خود سبب ضمان کا اقرار کر لیا اور وہ دوسرے کا مال لینا ہے اور اس نے ایسا دعویٰ بھی کر دیا جو اسے ضمان سے بری کر دے یعنی صاحب مال کے لیے مال لینا اس لیے اس کی بات میں شک ہو گیا لہذا وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے جو ظاہر حال ذکر کیا ہے اسی کے مثل ظاہر اس کے معارض ہے، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ انسان اپنی ذات ہی کے لیے کام کرتا ہے۔

اور ملتقط کے اشہاد کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ یوں کہے تم لوگ جسے اپنا لفظ (تلاش کرنے کے لیے) اعلان کرتے ہوئے سنو اسے میرا نام بتا دینا، خواہ لفظ ایک ہو یا زیادہ، کیونکہ وہ اسم جنس ہے۔

## اللغات:

﴿اشہد﴾ گواہ بنالے۔ ﴿یردھا﴾ اس کو واپس کر دے گا۔ ﴿ماذون﴾ اجازت دی گئی ہے۔ ﴿تصادقا﴾ دونوں نے تصدیق کی۔ ﴿حسبہ﴾ نیکی کا کام۔ ﴿ما یرنہ﴾ جو اس کو بری کر دے گا۔ ﴿ینشد﴾ اعلان کرتا ہو۔ ﴿دلوہ﴾ میری طرف بھیجو۔

## لفظ کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ لفظ اٹھانے والے کے ہاتھ میں امانت ہوتا ہے لیکن اس صورت میں امانت ہوگا جب ملتقط اٹھاتے وقت اس بات پر گواہ بنالے کہ میں بہ نیت حفاظت اسے اٹھا رہا ہوں اور اسے اس کے مالک کے حوالے کر دوں گا، اس طرح اس نیت سے اٹھانا شریعت میں ممدوح اور مستحسن ہے حدیث شریف میں ہے من اصاب لقطۃ فلیشهد ذوی عدل یعنی جو شخص کوئی لفظ پائے اس پر دو عادل لوگوں کو گواہ بنادے، اسی لیے اکثر علماء کے یہاں لفظ کو اٹھانا افضل ہے اور لقیط ہی کی طرح خوف ہلاکت کی صورت میں اسے اٹھانا واجب ہے، اور حفاظت اور واپس کرنے کی نیت سے اٹھانے والا بصورت ہلاکت اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

اگر مالک اور ملتقط نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ ملتقط نے مالک کو دینے ہی کے لیے اسے اٹھایا تھا تو اس صورت میں بھی ملتقط ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ مالک اور ملتقط کی چیز اس کے حق میں حجت ہے اور جس طرح اگر ملتقط بوقت اخذ مالک کو واپس کرنے



پر مینہ قائم کر دے تو وہ لفظ اس پر مضمون نہیں ہوتا اسی طرح اتفاق کر لینے کی صورت میں بھی لفظ اس پر مضمون نہیں ہوگا، ہاں اگر ملقط یہ اقرار کر لے کہ میں نے اپنے لیے اس لفظ کو اٹھایا تھا تو بالاتفاق وہ اس کا ضامن ہوگا، کیونکہ اس نے دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر لیا ہے اور شریعت کی اجازت بھی معدوم ہے اور دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کا مال لینا حرام ہے اس لیے ملقط اس مال کا ضامن ہوگا۔

وإن لم يشهد الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر لیتے وقت ملقط نے اس بات پر گواہ نہ بنایا کہ میں اسے مالک کے لیے لے رہا ہوں اور بعد میں کہتا ہے کہ میں نے اسے مالک کے لیے لیا ہے اور مالک کہنے لگا کہ نہیں ملقط اپنے لیے لیا ہے تو حضرات طرفین کے یہاں ملقط ضامن ہوگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں ضامن نہیں ہوگا بلکہ ملقط ہی کا قول معتبر ہوگا، کیونکہ ملقط نے مالک کے لیے اٹھا کر ثواب کا کام کیا ہے، گناہ نہیں کیا ہے، اس لیے ظاہر حال اس کے حق میں شاہد ہے، لہذا اس کی بات معتبر ہوگی۔

حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں ملقط نے دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کا مالک لے کر خود ہی سبب ضمان کا اقرار کر لیا ہے اور پھر مالک کے لیے لینے کی بات کہہ کر وہ اپنے آپ کو اس ضمان سے بری کر رہا ہے اس لیے اس کی بات میں شک ہے لہذا شک کی وجہ سے وہ بری نہیں ہوگا، بلکہ اس کا دوسرے کے مال کو لینا اس بات کی دلیل ہوگی کہ اس نے اپنے لیے ہی لیا ہے، کیونکہ عموماً انسان اپنے لیے ہی کام کرتا ہے نہ کہ دوسرے کے لیے۔

ویکفیه فی الإشهاد الخ فرماتے ہیں کہ ملقط کے لیے اشہاد کی صورت یہ ہے کہ یوں کہے جس شخص کو آپ لوگ اپنی گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے دیکھیں یا سنیں اسے میرا نام اور پتہ بتا دو، بس اتنا کہنا اشہاد کے لیے کافی ہے خواہ لفظ ایک ہو یا کئی لفظے ہوں۔

قَالَ فَإِنْ كَانَتْ أَقْلٌ مِنْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ عَرَفَهَا أَيَّامًا وَإِنْ كَانَتْ عَشْرَةً فَصَاعِدًا عَرَفَهَا حَوْلًا، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ وَهَذِهِ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ، وَقَوْلُهُ أَيَّامًا مَعْنَاهُ عَلَى حَسَبِ مَا يَرَى الْإِمَامُ، وَقَدَرَهُ مُحَمَّدٌ رحمہ اللہ فِي الْأَصْلِ بِالْحَوْلِ مِنْ غَيْرِ تَفْصِيلٍ بَيْنَ الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رحمہما اللہ لِقَوْلِهِ عليہ السلام مَنْ التَّقَطَّ شَيْئًا فَلْيُعْرِفْهُ سَنَةً، مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ، وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ التَّقْدِيرَ بِالْحَوْلِ وَرَدَ فِي لُقْطَةٍ كَانَتْ مِائَةً دِينَارٍ تُسَاوِي أَلْفَ دِرْهَمٍ، وَالْعَشْرَةُ وَمَا فَوْقَهَا فِي مَعْنَى الْأَلْفِ فِي تَعَلُّقِ الْقَطْعِ بِهِ فِي السَّرِقَةِ وَتَعَلُّقِ اسْتِحْلَالِ الْفَرْجِ بِهِ وَلَيْسَتْ فِي مَعْنَاهَا فِي حَقِّ تَعَلُّقِ الزَّكَاةِ فَأَوْجَبْنَا التَّعْرِيفَ بِالْحَوْلِ أَحْيَاطًا، وَمَادُونِ الْعَشْرِ لَيْسَ فِي مَعْنَى الْأَلْفِ بَوَاجِهُ مَا فَفَوَّضْنَا إِلَى رَأْيِ الْمُتَلَيِّ بِهِ، وَقِيلَ الصَّحِيحُ أَنَّ شَيْئًا مِنْ هَذِهِ الْمَقَادِيرِ لَيْسَ بِإِلَازِمٍ وَيُفَوَّضُ إِلَى رَأْيِ الْمُتَلَقِّطِ يُعْرِفُهَا إِلَى أَنْ يَغْلِبَ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّ صَاحِبَهَا لَا يَطْلُبُهَا بَعْدَ ذَلِكَ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ بِهِ، وَإِنْ كَانَتْ اللَّفْظَةُ شَيْئًا لَا يَبْقَى عَرَفَهُ حَتَّى إِذَا خَافَ أَنْ يَفْسُدَ تَصَدَّقَ بِهِ، وَيَنْبَغِي أَنْ يُعْرِفَهَا فِي

الْمَوْضِعَ الَّذِي أَصَابَهَا، وَفِي الْجَامِعِ فَإِنَّ ذَلِكَ أَقْرَبُ إِلَى الْوُصُولِ إِلَى صَاحِبِهَا وَإِنْ كَانَتْ شَيْئًا يُعْلَمُ أَنَّ صَاحِبَهَا لَا يَطْلُبُهَا كَالنَّوَاةِ وَقُشُورِ الرُّمَّانِ يَكُونُ الْقَاوَةُ إِبْسَاحَةً حَتَّى جَازَ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ مِنْ غَيْرِ تَعْرِيفٍ، وَلَكِنَّهُ يَبْقَى عَلَى مِلْكِ مَالِكِهِ، لِأَنَّ التَّمْلِيكَ مِنَ الْمَجْهُولِ لَا يَصِحُّ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر لقطہ دس درہم سے کم کی مالیت کا ہو تو ملقط چند دنوں تک اس کی تشہیر کر دے اور اگر دس درہم یا اس سے زائد (کی مالیت) کا ہو تو سال بھر تشہیر کرے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ امام اعظم رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے اور امام قدوری رحمہ اللہ کے قول ایسا کا مطلب یہ ہے کہ امام کی رائے کے مطابق ملقط تشہیر کرے، اور امام محمد رحمہ اللہ نے مبسوط میں ایک سال سے اس کا اندازہ کیا ہے اور قلیل و کثیر میں کوئی فرق نہیں کیا ہے یہی امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی قول ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ”جو شخص کوئی چیز اٹھائے اسے چاہئے کہ ایک سال تک اس کی تشہیر کرے“ یہ فرمان گرامی بغیر کسی تفصیل کے وارد ہے۔ قول اور کی دلیل یہ ہے کہ ایک سال کی تقدیر اس لقطہ کے متعلق وارد ہے جو سودینار برابر ایک ہزار درہم تھا، اور عشرۃ درہم اور اس سے زیادہ اس وجہ سے الف کے معنی میں ہیں کہ چوری کی صورت میں اس سے قطع یہ متعلق ہوتا ہے اور اس سے عورت کی شرم گاہ کو حلال کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عشرۃ درہم و ما فوقہا وجوب زکوٰۃ کے حق میں الف درہم کے معنی میں نہیں ہیں، لہذا ہم نے احتیاطاً ایک سال تک شناخت کرنے کو واجب قرار دیدیا۔

اور دس سے کم کسی بھی صورت میں الف کے معنی میں نہیں ہے لہذا ہم نے اسے مجتہلی بہ کی رائے کے حوالے کر دیا، ایک قول یہ ہے کہ ان مقادیر میں سے کوئی بھی مقدار لازم اور ضروری نہیں ہے اور اسے ملقط کی رائے کے سپرد کر دیا جائے وہ اتنے دنوں تک اس کی شناخت کرے کہ اس کا غالب گمان یہ ہو جائے کہ اس کے بعد صاحب لقطہ اسے تلاش نہیں کرے گا پھر ملقط اسے صدقہ کر دے۔ اور اگر لقطہ پائیدار چیز نہ ہو تو ملقط اس کی تشہیر کرتا رہے اور جب اسے یہ اندیشہ ہو کہ اب یہ چیز خراب ہو جائے گی تو اسے صدقہ کر دے۔ اور جس جگہ اسے پایا ہے اسی جگہ تشہیر کرنا مناسب ہے اسی طرح لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ بھی تشہیر کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے مالک کو لقطہ مل جانا زیادہ ممکن ہوگا۔ اور اگر لقطہ ایسی معمولی چیز ہو جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ اس کا مالک اسے تلاش نہیں کرے گا جیسے کھجور کی گٹھلی اور انار کے چھلکے تو اس کا القاء اباحت کا سبب ہوگا حتیٰ کہ بدون تشہیر اس سے نفع اٹھانا جائز ہوگا لیکن یہ چیز اپنے مالک کی ملکیت پر قائم رہے گی، کیونکہ نامعلوم شخص کی طرف سے تملیک درست نہیں ہے۔

## اللغات:

﴿عرفہا﴾ اس کی تشہیر کرے۔ ﴿حول﴾ سال۔ ﴿استحلال﴾ حلال کرنا۔ ﴿یتصدق﴾ صدقہ کر دے۔ ﴿أصابہا﴾ وہ ملی ہے۔ ﴿وصول﴾ پہنچنا۔ ﴿نواة﴾ گٹھلی۔ ﴿قشور﴾ واحد قشرة؛ چھلکے۔ ﴿رمان﴾ انار۔ ﴿إلقاء﴾ گرا دینا۔

## تخریج:

## لفظ کے لیے تشہیر کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر لفظ دس درہم سے کم کی مالیت اور قیمت کا ہو تو امام کی صواب دید کے مطابق ملتقط چند دنوں تک اس کی تشہیر اور اس کا اعلان کرتا رہے۔ اور اگر دس درہم یا اس سے زیادہ کی مالیت کا ہو تو ملتقط ایک سال تک اس کی تشہیر کرے، یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے۔

ظاہر الروایہ یہ ہے کہ لفظ خواہ دس درہم سے کم کا ہو یا زیادہ کا بہر صورت ملتقط ایک سال تک اس کی تشہیر کرے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مبسوط میں یہی بیان کیا ہے اور امام مالک و احمد و شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس قول کی دلیل یہ حدیث پاک ہے من التقط شیئاً فلیعرفہ سنة اور اس حدیث مبارک سے وجہ استدلال اس طرح سے ہے کہ اس میں لفظ کے متعلق سال بھر تک تشہیر کرنے کا وجوبی حکم وارد ہے اور قلیل و کثیر کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی گئی ہے، لہذا علی الاطلاق سال بھر تک لفظ کی تشہیر ضروری ہے خواہ وہ دس درہم سے کم کا ہو یا زیادہ کا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی روایت کی دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سال بھر تک کی تشہیر کا فرمان مروی ہے وہ اس لفظ کے متعلق ہے جس کی مالیت سو دینا برابر ایک ہزار درہم تھی، کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت ابی بن کعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال اخذت صرة مائة دينار فأتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال عرفہا حولاً الخ فرماتے ہیں کہ سو دینار سے بھری ہوئی ایک تھیلی مجھے ملی تو میں اسے لے کر حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا ایک سال تک اس کی تشہیر کرو، اس سے معلوم ہوا کہ تقدیر بالحوال مقید ہے مطلق نہیں ہے، لہذا ائمہ ثلاثہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس سے علی الاطلاق سال بھر کی تشہیر کو واجب قرار دینا درست نہیں ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ عشرۃ و ما فوقہا الف کے معنی میں کیوں ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ عشرۃ و ما فوقہا کو اس لیے الف کے معنی میں لیا گیا ہے کیونکہ جس طرح الف درہم کی چوری موجب قطع ید ہے اسی طرح دس درہم کی چوری پر بھی قطع ید ہوتا ہے اور جس طرح ایک ہزار درہم پر نکاح ہوتا ہے اور عورت کی شرمگاہ حلال ہوتی ہے اسی طرح دس یا اس سے زائد درہم سے بھی عورت کی شرمگاہ حلال ہو جاتی ہے، لیکن جس طرح الف درہم میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس طرح عشرۃ درہم میں زکوٰۃ کا وجوب نہیں ہے، تو گویا عشرۃ درہم کی دو حیثیتیں ہوں گی (۱) قطع ید اور استحلال فرج کے حوالے سے وہ الف درہم کی طرح ہے (۲) وجوب زکوٰۃ کے متعلق وہ الف کی طرح نہیں ہے، لہذا ہم نے عشرۃ کی پہلی حیثیت کا اعتبار کرتے ہوئے احتیاطاً اس میں سال بھر تک تشہیر کو واجب کر دیا اور عشرۃ سے کم مقدار کسی بھی صورت میں الف کے معنی نہیں ہے، اس لیے ہم نے اس صورت کو مجتہلی بہ کی رائے پر موقوف کر دیا ہے۔

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ تشہیر کے لیے کوئی بھی مدت لازم اور ضروری نہیں ہے، بلکہ یہ ملتقط کی رائے پر موقوف ہے اور ملتقط لفظ کی تشہیر کرتا رہے حتیٰ کہ جب اس کا غالب گمان یہ ہو جائے کہ صاحب لفظ اب اس کو تلاش نہیں کرے گا تو ملتقط تشہیر ختم کر کے اسے صدقہ کر دے۔ اسی طرح اگر لفظ جلدی خراب ہونے والی چیز ہو تو جب ملتقط کو اس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو اس وقت صدقہ کر دے۔

وینبغي الخ فرماتے ہیں کہ لقطہ کی تشہیر کے لیے بازار اور جامع مسجد وغیرہ جیسے بھیڑ بھاڑ والے علاقے زیادہ بہتر ہیں تاکہ اچھی طرح اعلان ہو جائے اور صاحب لقطہ کو اس کا مال مل جائے، اور اگر لقطہ معمولی چیز ہو جیسے کھجور کی گٹھلی اور پھل وغیرہ کے چھلکے تو اسے گھر سے باہر پھینک دینا ہی اس کی طرف سے بے توجہی کی دلیل ہوگی اور جو اسے اٹھا لے گا اس کے لے اس کا استعمال مباح ہوگا، لیکن اٹھانے والا اس کا مالک نہیں ہوگا، کیونکہ اس چیز کا مالک مجہول اور نامعلوم ہے اور نامعلوم کی طرف سے تملیک صحیح نہیں ہوتی۔

فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا إِيصَالًا لِلْحَقِّ إِلَى الْمُسْتَحَقِّ وَهُوَ وَاجِبٌ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ وَذَلِكَ بِإِيصَالِ عَيْنِهَا عِنْدَ الظَّفَرِ بِصَاحِبِهَا وَإِيصَالِ الْعَوَضِ وَهُوَ الثَّوَابُ عَلَى اعْتِبَارِ إِجَازَتِهِ التَّصَدُّقُ بِهَا، وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا رَجَاءَ الظَّفَرِ بِصَاحِبِهَا، قَالَ إِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا يَعْنِي بَعْدَ مَا تَصَدَّقَ بِهَا فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَمْضَى الصَّدَقَةَ وَلَهُ ثَوَابُهَا، لِأَنَّ التَّصَدُّقَ وَإِنْ حَصَلَ بِإِذْنِ الشَّرْعِ لَمْ يَحْصُلْ بِإِذْنِهِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى إِجَازَتِهِ، وَالْمِلْكُ يَثْبُتُ لِلْفَقِيرِ قَبْلَ الْإِجَازَةِ فَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى قِيَامِ الْمَحَلِّ، بِخِلَافِ بَيْعِ الْفُضُولِيِّ لِثَبُوتِهِ بَعْدَ الْإِجَازَةِ فِيهِ. وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْمُتَلَقِّطُ، لِأَنَّهُ سَلَّمَ مَالَهُ إِلَى غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ إِلَّا أَنَّهُ بِإِبَاحَةِ مَنْ جِهَةِ الشَّرْعِ وَهَذَا لَا يَنَافِي الضَّمَانَ حَقًّا لِلْعَبْدِ كَمَا فِي تَنَاوُلِ مَالِ الْغَيْرِ حَالَةَ الْمُخْمَصَّةِ، وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْمُسْكِينُ إِذَا هَلَكَ فِي يَدِهِ لِأَنَّهُ قَبَضَ مَالَهُ بِغَيْرِ إِذْنِهِ، وَإِنْ كَانَ قَائِمًا أَخَذَهُ لِأَنَّهُ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر لقطہ کا مالک آجائے تو ٹھیک ورنہ اسے صدقہ کر دے تاکہ حق اس کے مستحق تک پہنچ جائے اور یہ کام بقدر امکان واجب ہے یعنی جب اس کا مالک مل جائے تو اسے عین لقطہ دیدیا جائے اور (اگر مالک نہ ملے تو) عوض یعنی ثواب پہنچا دیا جائے اس امید پر کہ مالک اس کے صدقہ کرنے کی اجازت دیدے گا اور اگر ملے تو مالک کے آنے کی امید میں اسے روکے رکھے۔ پھر اگر صدقہ کرنے کے بعد مالک لقطہ آئے تو اسے اختیار ہے اگر چاہے تو صدقہ نافذ کر دے اور اس کا ثواب لے لے، کیونکہ اگرچہ صدقہ شریعت کی اجازت سے ہوا ہے، لیکن اس میں اس کی اجازت شامل نہیں ہے، لہذا اس کا نفاذ اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اور اس کی اجازت سے پہلے فقیر کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور ملکیت کا ثبوت محل صدقہ کے قیام پر موقوف نہیں رہے گا۔ برخلاف بیع فضولی کے، اس لیے کہ اس میں اجازت کے بعد ہی ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر مالک چاہے تو ملے تو ملے کو ضامن بنائے، کیونکہ ملے نے اس کی اجازت کے بغیر اس کا مال دوسرے کو دیدیا ہے اور اگرچہ شریعت کی طرف سے اسے اباحت ملی ہے لیکن یہ اباحت حق العبد میں ضمان کے منافی نہیں ہے جیسے مخمسہ کی حالت میں دوسرے کا مال کھانا منافی ضمان نہیں ہے۔

اور اگر مالک چاہے تو مسکین کو اس کا ضامن بنائے بشرطیکہ لقطہ اس کے پاس ہلاک ہو گیا ہو، اس لیے کہ مسکین نے مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال پر قبضہ کیا ہے، اور اگر وہ موجود ہو تو مالک اسے لے لے، کیونکہ اسے بعینہ اس کا مال مل گیا ہے۔



## اللغات:

﴿تصدق﴾ صدقہ کر دے۔ ﴿ایصال﴾ پہنچانا۔ ﴿ظفر﴾ کامیابی۔ ﴿امسکھا﴾ اُس کو روکے رکھے۔ ﴿رجاء﴾ اُمید۔ ﴿امضی﴾ جاری کر دے۔ ﴿ضمن﴾ ضامن بنادے۔ ﴿سلم﴾ سپرد کر دیا ہے۔ ﴿مخمصة﴾ فاقہ کشی۔  
**لقطہ کے لیے تشہیر کا حکم:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ملقط لقطہ کی مالی حیثیت کے اعتبار سے اس کی تشہیر کرتا ہے اور اگر اس کا مالک آجائے تو اسے سوئپ دے اور اگر مالک نہ آئے اور اس کے آنے کی امید نہ ہو تو اسے صدقہ کر دے، کیونکہ یہ ایک حق ہے جسے اس کے مستحق تک پہنچانا ضروری ہے اور مستحق تک پہنچانے کی یہی دو صورتیں ہیں، یعنی مالک آجائے تو اسے دیدے ورنہ صدقہ کر دے۔ اور اگر لقطہ کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو مالک کے آنے کی امید میں ملقط اسے اپنے پاس بھی رکھ سکتا ہے۔

اور اگر ملقط کے لقطہ کو صدقہ کرنے کے بعد مالک آئے تو اسے تین اختیارات ملیں گے (۱) اگر چاہے تو صدقہ کو نافذ کر کے اس کا ثواب لے لے، کیونکہ اگر چہ صدقہ شریعت کی اجازت سے ہوا ہے لیکن چوں کہ یہ مال اسی شخص کا مملوک ہے اس لیے نفاذ صدقہ کے لیے اس کی اجازت ضروری ہوگی اور اجازت اور مصدق علیہ کے لیے ثبوت ملک کی خاطر محل صدقہ کا قیام اور وجود ضروری نہیں ہوگا، کیونکہ اجازت سے پہلے بھی فقیر اور مصدق علیہ کے لیے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔

(۲) مالک کو دوسرا اختیار یہ ملے گا کہ وہ ملقط کو ضامن بنا سکتا ہے، اس لیے کہ ملقط ہی نے مالک کی اجازت کے بغیر اس کا مال دوسرے کو دیا ہے اور اگر چہ اس نے شریعت کی اجازت سے دیا ہے لیکن چوں کہ یہ حق العبد ہے اور شریعت کی اجازت حق العبد میں وجوب ضمان سے مانع نہیں ہے جیسے اگر مخمصة اور جاں کنی کی حالت میں کوئی شخص دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کا مال استعمال کر لے تو یہ استعمال اگر چہ من جانب الشرع مباح ہے تاہم موجب ضمان ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں لقطہ کا صدقہ بھی موجب ضمان ہوگا۔

(۳) مالک کو تیسرا اختیار یہ ملے گا کہ اگر لقطہ مسکین کے قبضے میں ہلاک ہو جائے تو مالک اس سے بھی ضمان لے گا، کیونکہ اس نے مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال پر قبضہ کیا ہے تو یہ غاصب الغاصب کی طرح ہو گیا اور غاصب الغاصب منسوب کا ضامن ہوتا ہے اس لیے یہ بھی ملقط کا ضامن ہوگا، اور اگر وہ لقطہ مسکین کے پاس موجود ہو تو مالک چپ چاپ اسے لے لے اور چلتا بنے، کیونکہ اسے اس کا مال مل گیا ہے فہو احق بہ۔

قَالَ وَيَجُوزُ الْإِلْتِقَاطُ فِي الشَّاةِ وَالْبَقَرِ وَالْبَعِيرِ، وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا إِذَا وَجَدَ الْبَعِيرُ وَالْبَقَرُ فِي الصَّحْرَاءِ فَالتَّرْكُ أَفْضَلُ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْفَرَسُ، لَهُمَا أَنَّ الْأَصْلَ فِي أَخْذِ مَالِ الْغَيْرِ الْحُرْمَةُ، وَالْإِبَاحَةُ مَخَافَةُ الضِّيَاعِ وَإِذَا كَانَ مَعَهَا مَا يَنْدَفَعُ عَنْ نَفْسِهَا يَقْلُ الضِّيَاعُ وَلَكِنَّهُ يَتَوَهَّمُ فَيُقْضَى بِالْكَرَاهَةِ وَالنَّدْبِ إِلَى التَّرْكِ، وَلَنَا أَنَّهَا لِقْطَةٌ يَتَوَهَّمُ ضَيَاعُهَا فَيَسْتَحِبُّ أَخْذَهَا وَتَعْرِيفُهَا صِيَانَةً لِمُؤَالِ النَّاسِ كَمَا فِي الشَّاةِ، فَإِنْ

أَنْفَقَ الْمُلْتَظُّ عَلَيْهَا بِغَيْرِ إِذْنِ الْحَاكِمِ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ لِقُصُورٍ وَلَا يَتَبِعُهُ عَنْ ذِمَّةِ الْمَالِكِ، وَإِنْ أَنْفَقَ بِأَمْرِ كَانَ ذَلِكَ دَيْنًا عَلَى صَاحِبِهَا، لِأَنَّ لِلْقَاضِي وَلَايَةً فِي مَالِ الْغَائِبِ نَظَرًا لَهُ وَقَدْ يَكُونُ النَّظَرُ فِي الْإِنْفَاقِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ بکری، گائے اور اونٹ کو بھی بطور لقطہ اٹھانا جائز ہے، امام مالک اور امام شافعی رحمہما فرماتے ہیں کہ اگر اونٹ اور گائے جنگل میں پائے تو نہ اٹھانا افضل ہے اور گھوڑا بھی اسی اختلاف پر ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کا مال لینے میں حرمت اصل ہے اور ضیاع کے خوف سے اباحت ثابت ہوتی ہے اور جب خود ہی لقطہ کے پاس اتنی قوت ہو کہ وہ اپنی ذات سے مدافعت کر سکتا ہو تو ضیاع کا خدشہ کم ہوتا ہے لیکن ضیاع کا وہم تو ہوتا ہی ہے تو اسے پکڑنے کو مکروہ قرار دیا جائے گا اور نہ پکڑنا اولیٰ ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اونٹ اور گائے بھی لقطہ ہیں اور ان کے ضیاع کا خطرہ برقرار ہے، لہذا لوگوں کے اموال کو بچانے کے پیش نظر ان میں سے ہر ایک کو پکڑنا اور تشہیر کرنا مستحب ہوگا۔ جیسے بکری میں یہی حکم ہے۔ پھر اگر ملتقط نے قاضی کے حکم کے بغیر لقطہ پر کچھ خرچ کیا تو وہ متبرع ہوگا، کیونکہ مالک پر اسے کوئی ولایت نہیں حاصل ہے اور اگر ملتقط نے قاضی کے حکم سے خرچ کیا ہو تو وہ صرف صاحب لقطہ پر دین ہوگا، کیونکہ قاضی کو برائے شفقت غائب کے مال میں ولایت حاصل ہے اور کبھی خرچ کرنے میں ہی شفقت پنہاں ہوتی ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

### اللغات:

﴿شاة﴾ بکری۔ ﴿بقرة﴾ گائے۔ ﴿بعير﴾ اونٹ۔ ﴿صحراء﴾ جنگل، بے آباد جگہ۔ ﴿فرس﴾ گھوڑا۔ ﴿يقضی﴾ فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ﴿انفق﴾ خرچ کیا۔ ﴿قصور﴾ کم ہونا، کوتاہی۔ ﴿نظر﴾ مصلحت۔

### جانوروں کا لقطہ:

مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح اموال لقطہ ملیں تو انہیں اٹھانا جائز اور مستحسن ہے اسی طرح ہمارے یہاں جانور بھی اگر لقطہ ملیں تو انہیں بھی اٹھانا درست اور جائز ہے خواہ بکری ہو یا گائے اور اونٹ ہوں اور خواہ جنگل میں ملیں یا آبادی میں بہر صورت انہیں اٹھانا جائز ہے، امام مالک اور امام شافعی رحمہما فرماتے ہیں کہ اگر اونٹ اور گائے جنگل میں ملیں تو انہیں نہ اٹھانا اولیٰ ہے اور اٹھانا مکروہ ہے، گھوڑا بھی اسی اختلاف پر ہے یعنی ہمارے یہاں ہر جگہ اٹھانا جائز ہے اور ان حضرات کے یہاں جنگل میں ترک بہتر ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کا مال اس کی اجازت کے بغیر لینے میں حرمت اصل ہے اور اباحت اس وقت عارضی طور پر ثابت ہوتی جب اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور چوں کہ گائے، اونٹ اور گھوڑا یہ سب اپنی طاقت و قوت کے بل پر مدافعت کرنے پر قادر ہوتے ہیں اور آسانی سے کسی کے ہاتھ نہیں آتے اس لیے ان میں ضیاع اور ہلاکت کا خطرہ کم ہوتا ہے لہذا انہیں جنگل میں نہ پکڑنا ہی اولیٰ اور افضل ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر یہ جانور اپنے مالک سے بچھڑ جائیں تو لقطہ بن جائیں گے اور ان کے ضائع ہونے کا امکان پیدا ہو جائے گا اس لیے انہیں پکڑنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہوگا تا کہ لوگوں کے اموال ضیاع سے محفوظ کئے جاسکیں۔ اور جس طرح بکری وغیرہ کو لقطہ کی شکل میں پکڑنا جائز ہے اسی طرح اونٹ اور گائے وغیرہ بھی اگر لقطہ بن جائیں تو انہیں پکڑنا درست اور جائز ہوگا۔

فان أنفق الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ملقط نے لفظ جانوروں کو گھاس بھوسا اور چارہ دینے میں کچھ رقم خرچ کی ہے اور قاضی کی اجازت سے خرچ کی ہے تب تو صاحب لقط سے وہ رقم واپس لینے کا حق دار ہوگا اور اگر قاضی کی اجازت اور اس کے حکم کے بغیر اپنی مرضی سے خرچ کیا ہو تو وہ متبرع ہوگا اور مالک سے اسے واپس لینے کا حق نہیں ہوگا کیوں کہ اسے مالک پر کوئی ولایت نہیں ہے۔

وَإِذَا رَفَعَ ذَلِكَ إِلَى الْحَاكِمِ نَظَرَ فِيهِ فَإِنْ كَانَ لِلْبَيْمَةِ مَنَفَعَةٌ أَجَرَهَا وَأَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ أَجَرَتِهَا، لِأَنَّ فِيهِ إِبْقَاءَ الْعَيْنِ عَلَى مِلْكِهِ مِنْ غَيْرِ الزَّامِ الدِّينِ عَلَيْهِ وَكَذَلِكَ يَفْعَلُ بِالْعَبْدِ الْأَبْقَى، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا مَنَفَعَةٌ وَخَافَ أَنْ تَسْتَفْرِقَ النَّفَقَةَ قِيمَتَهَا بَاعَهَا وَأَمَرَ بِحِفْظِ ثَمَنِهَا إِبْقَاءً لَهُ مَعْنَى عِنْدَ تَعَدُّرِ إِبْقَائِهِ صُورَةً، وَإِنْ كَانَ الْأَصْلَحُ الْإِنْفَاقَ عَلَيْهَا أَذِنَ فِي ذَلِكَ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلَى مَالِكِهَا، لِأَنَّهُ نَصَبَ نَاطِرًا وَفِي هَذَا نَظَرٌ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، قَالُوا إِنَّمَا يَأْمُرُ بِالْإِنْفَاقِ يَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ عَلَى قَدْرِ مَا يُرَى رَجَاءً أَنْ يَظْهَرَ مَالُكُهَا، فَإِذَا لَمْ يَظْهَرْ يَأْمُرُ بِبَيْعِهَا، لِأَنَّ دَارَةَ النَّفَقَةِ مُسْتَأْصَلَةٌ فَلَا نَظَرَ فِي الْإِنْفَاقِ مُدَّةً مُدِيدَةً، قَالَ وَفِي الْأَصْلِ شَرْطُ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ غَضَبًا فِي يَدِهِ وَلَا يَأْمُرُ فِيهِ بِالْإِنْفَاقِ وَإِنَّمَا يَأْمُرُ بِهِ فِي الْوَدِيعَةِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْبَيِّنَةِ لِكُشْفِ الْحَالِ، وَلَيْسَتْ الْبَيِّنَةُ تَقَامُ لِلْقَضَاءِ، وَإِنْ قَالَ لَا بَيِّنَةَ لِي يَقُولُ الْقَاضِي لَهُ أَنْفَقَ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فِيمَا قُلْتَ حَتَّى تَرْجِعَ عَلَى الْمَالِكِ إِنْ كَانَ صَادِقًا وَلَا يَرْجِعُ إِنْ كَانَ غَاصِبًا، وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ وَجُعِلَ النَّفَقَةُ دَيْنًا عَلَى صَاحِبِهَا إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ إِنَّمَا يَرْجِعُ عَلَى الْمَالِكِ بَعْدَ مَا حَضَرَ وَلَمْ تَبَعْ اللَّفْقَةُ إِذَا شَرَطَ الْقَاضِي الرُّجُوعَ إِلَى الْمَالِكِ وَهَذِهِ رَوَايَةٌ وَهِيَ الْأَصَحُّ.

**ترجمہ:** اور جب یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو قاضی اس میں غور کرے اور اگر اس جانور سے کوئی آمدنی ہو سکتی ہو تو قاضی اسے اجرت پر دیدے اور اس کی اجرت سے اس پر خرچ کرے، کیونکہ ایسا کرنے میں مالک پر دین لازم کئے بغیر اس کی ملکیت پر عین کو باقی رکھنا ہے ایسے ہی بھاگے ہوئے غلام کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔ اور اگر جانور سے آمدنی نہ ہو سکے اور یہ ڈر ہو کہ نفقہ اس کی قیمت کو محیط ہو جائے تو قاضی اسے فروخت کر کے اس کے ثمن کی حفاظت کا آؤر دیدے تاکہ صورتاً اس کی ابقاء معذور ہونے کی وجہ سے معنا اس کو باقی رکھا جاسکے۔ اور اگر جانور پر خرچ کرنا اس کے حق میں زیادہ بہتر ہو تو قاضی انفاق کی اجازت دیدے اور نفقہ کو اس کے مالک پر دین بنادے، کیونکہ قاضی معفق مقرر کیا گیا ہے اور ایسا کرنے میں دونوں طرف شفقت ہے۔

حضرات مشائخ رحمہم فرماتے ہیں کہ قاضی دو یا تین دنوں تک ہی انفاق کا حکم دے گا اس امید پر کہ اس کا مالک ظاہر ہو جائے، لیکن اگر اس کا مالک ظاہر نہ ہو تو قاضی اسے فروخت کرنے کا حکم دیدے، کیونکہ مستقل خرچہ دینے میں جانور کا استیصال ہوگا لہذا جی مدت تک خرچہ دینے میں کوئی شفقت نہیں ہے۔

فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ نے مبسوط میں گواہ پیش کرنے کی شرط لگائی ہے یہی صحیح ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ لقطہ ملقط کے قبضہ میں غصب ہو اور غصب میں قاضی انفاق کا حکم نہیں دے گا، یہ حکم تو قاضی ودیعت میں دیتا ہے، لہذا صورت حال کی وضاحت کے لیے گواہ کا ہونا ضروری ہے اور قضائے قاضی کے لیے بینہ نہیں پیش کیا جائے گا۔ اور اگر یہ کہہ دیا کہ میرے پاس بینہ نہیں ہے تو قاضی اس سے کہے اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو اسے چارہ دیا کرو تا کہ مالک سے واپس لے سکو اور اگر ملقط غاصب ہوگا تو مالک سے واپس نہیں لے سکے گا۔

اور قدوری میں امام قدوری رحمہ اللہ کا یہ قول وجعل النفقة دینا علی صاحبها اس بات کا اشارہ ہے کہ ملقط مالک کے آنے کے بعد اسی وقت اس سے نفقہ کی رقم واپس لے گا جب لقطہ فروخت نہ کیا گیا ہو اور قاضی نے مالک سے واپس لینے کی شرط لگائی ہو یہی روایت اصح ہے۔

### اللغات:

﴿بہیمۃ﴾ جانور، چوپایہ۔ ﴿اجرھا﴾ اس کو کرائے پر دے دے۔ ﴿انفق﴾ خرچ کر دے۔ ﴿إبقاء﴾ باقی رکھنا۔ ﴿الزام﴾ ذمے لگانا۔ ﴿ابق﴾ بھگوزا غلام۔ ﴿نستغرق﴾ غرق ہو جائے گا، گمر جائے گا۔ ﴿إذن﴾ اجازت دے دے۔ ﴿ناظر﴾ مصلحت کی رعایت رکھنے والا۔ ﴿رجاء﴾ امید۔ ﴿مستأصلة﴾ تباہی ہوگی۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿ودیعة﴾ امانت۔

### لقطہ جانور کے اخراجات:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر لقطہ جانور کا معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش کیا گیا تو قاضی اس میں غور و فکر کرے اور اگر وہ جانور سواری یا بار برداری کے قابل ہو تو اسے اجرت پر لگا دے اور اس کی کمائی سے اس کا خرچہ چلایا جائے، کیونکہ ایسا کرنے سے مالک کی ملکیت بھی صحیح سالم اس کی ملکیت پر باقی رہے گی اور اس پر قرض بھی نہیں لدے گا، لیکن اگر اس جانور سے آمدنی اور کمائی کی کوئی امید نہ ہو اور یہ ڈر ہو کہ اسے نفقہ دینے سے نفقہ کی رقم اس کی قیمت سے بڑھ جائے گی تو قاضی اسے فروخت کر دے اور اس کا ثمن باقی رکھنے کا حکم دیدے، کیونکہ اس صورت میں صورتنا اسے باقی رکھنا ناممکن ہے لہذا اس کا ثمن محفوظ رکھ کر معنایا اسے باقی رکھا جائے گا۔

اور اگر اس جانور پر خرچ کرنا ہی اس کے لیے اصلح اور انفع ہو تو قاضی ملقط کو اس پر خرچ کرنے کا حکم دیدے اور اس نفقہ کا مالک جانور پر قرض قرار دیدے لیکن دو یا تین دن تک ہی خرچ کرنے کا حکم دے اور اس سے زائد دنوں کے لیے یہ حکم نہ دے اس لیے کہ زیادہ دنوں تک خرچ کرانے سے نفقہ جانور کی قیمت سے بڑھ جائے گا اور ”لینے کے دینے“ پڑیں گے۔

قال فی الاصل الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے مبسوط میں یہ شرط لگائی ہے کہ جب ملقط لقطہ اٹھائے تو اسی وقت اس بات پر گواہ بنالے کہ میں اسے حفاظت کے لیے اٹھا رہا ہوں تا کہ اس کے غصب کے لیے لینے کا امکان ختم ہو جائے یہ امانت ہو جائے اور قاضی کے لیے بھی اسے انفاق کا حکم دینے میں سہولت ہو، کیونکہ قاضی ودیعت اور امانت ہی میں انفاق کا حکم دے سکتا ہے، غصب میں نہیں دے سکتا۔

اور اگر ملقط یہ کہہ دے کہ بوقت التقاط میرے پاس گواہ نہیں تھے اور اب بھی نہیں ہیں تو قاضی اس سے یہ کہے کہ تم اس پر خرچ



کرتے رہو اگر تمہارا امین اور ملقط ہونا ثابت ہوا تو تمہیں مالک سے نفقہ کی رقم واپس لینے کا اختیار ہوگا اور اگر تم غاصب ٹھہرے تو لقطہ واپس کرنا ہوگا، اور ملقط اسی وقت مالک سے نفقہ کی رقم واپس لینے کا مستحق اور مجاز ہوگا جب لقطہ موجود ہو اور قاضی نے یہ کہہ دیا ہو کہ تم مالک سے واپس لے لینا، لیکن اگر قاضی نے صرف اتفاق کا حکم دیا ہو اور واپس لینے کے لیے نہ کہا ہو تو اسے نفقہ کی رقم واپس لینے کا حق نہیں ہوگا، یہی اصح ہے۔

قَالَ فَإِذَا حَضَرَ بَعِي الْمَالِكِ فَلِلْمُلْقِطِ أَنْ يَمْنَعَهَا مِنْهُ حَتَّى يَحْضُرَ النِّفْقَةُ لِأَنَّهُ يَحْيِي بِنَفْقَتِهِ فَصَارَ كَأَنَّهُ اسْتِفَادَ الْمَالِكُ مِنْ جِهَتِهِ فَأَشْبَهَ الْمُبِيعَ، وَأَقْرَبَ مِنْ ذَلِكَ رَأْيُ الْأَبِيِّ فَإِنَّ لَهُ الْحَبْسُ لِاسْتِيفَاءِ الْجَعْلِ لِمَا ذَكَرْنَا ثُمَّ لَا يَسْقُطُ ذَيْنُ النِّفْقَةِ بِهَلَاكِهِ فِي يَدِ الْمُلْقِطِ قَبْلَ الْحَبْسِ وَيَسْقُطُ إِذَا هَلَكَ بَعْدَ الْحَبْسِ لِأَنَّهُ يَصِيرُ بِالْحَبْسِ شَيْئًا الرِّهْنِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ پھر اگر مالک آیا تو ملقط کو یہ حق ہے کہ وہ لقطہ جانور مالک کو دینے سے منع کر دے یہاں تک کہ مالک نفقہ کی رقم اسے دیدے، اس لیے کہ ملقط ہی کے نفقہ سے وہ جانور زندہ رہا ہے تو یہ ایسا ہو گیا گویا کہ ملقط مالک کی طرف سے ملکیت کا مالک ہو گیا ہے اور یہ بیع کے مشابہ ہے اور بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لانے والا بھی اسی کے قریب ہے چنانچہ اسے بھی اپنا خرچہ وصول کرنے تک حق حبس حاصل ہوگا، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ پھر حبس سے پہلے ملقط کے قبضہ میں جانور کے ہلاک ہونے سے دین نفقہ ساقط نہیں ہوگا اور اگر حبس کے بعد جانور ہلاک ہوا ہے تو دین ساقط ہو جائے گا، کیونکہ حبس کی وجہ سے یہ رہن کے مشابہ ہو گیا ہے۔

### اللُّغَاتُ:

﴿حضر﴾ موجود ہوا، آگیا۔ ﴿یمنعها﴾ اس کو روک لے۔ ﴿یحیی﴾ زندہ رہنا۔ ﴿راد﴾ لوٹانے والا، واپس لانے والا۔ ﴿ابق﴾ بھگوز غلام۔ ﴿حبس﴾ قید کرنا۔ ﴿نفقہ﴾ خرچ اخراجات۔ ﴿حبس﴾ قید کرنا، روکنا۔

### لقطہ جانور کے اخراجات:

مسئلہ یہ ہے کہ ملقط نے قاضی کے حکم سے جب لقطہ پر خرچ کیا تو جب مالک لقطہ آئے اس وقت ملقط کو یہ حق ہوگا کہ اپنا نفقہ واپس لینے تک لقطہ کو روک لے اور مالک کے سپرد نہ کرے، کیونکہ اسی کے نان و نفقے اور خرچے سے لقطہ کو زندگی ملی ہے، لہذا لقطہ بیع کے مشابہ ہو گیا اور جس طرح استیفائے ثمن کے لیے بائع کو حبس منع کا حق ہے اسی طرح استیفائے نفقہ کے لیے ملقط کو لقطہ روکنے کا حق ہے، اسی طرح بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ کر لانے والے شخص نے اگر اس پر کچھ رقم خرچ کی ہو تو اسے بھی استیفائے نفقہ کے لیے حبس آبق کا حق ہوگا۔

ملقط نے لقطہ پر کچھ رقم خرچ کی لیکن حبس لقطہ سے پہلے وہ ملقط کے پاس ہلاک ہو گیا تو چوں کہ لقطہ اس کے قبضہ میں امانت تھا اور امانت مضمون نہیں ہوتی اس لیے ملقط پر اس کا ضمان نہیں ہوگا اور وہ مالک سے اپنا نفقہ لینے کا حق دار ہوگا، لیکن اگر حبس

کے بعد لقطہ ہلاک ہوا ہو تو اسے اپنا نفقہ لینے کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ جس کے بعد لقطہ ملتقط کے قبضہ میں ایسا ہے جیسے مرہن کے پاس شی مرہون اور شی مرہون کی ہلاکت سے راہن پر اس کا نفقہ نہیں ہوتا یعنی اگر مرہن شی مرہون پر کچھ خرچہ کئے ہوئے ہو تو اس کی ہلاکت سے مرہن کا حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح بعد الحبس لقطہ ہلاک ہونے سے ملتقط کا حق رجوع بھی ختم ہو جائے گا۔

قَالَ وَلَقُطَّةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ سَوَاءٌ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجِبُ التَّعْرِيفُ فِي لُقُطَةِ الْحَرَمِ إِلَى أَنْ يَجِيءَ صَاحِبُهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْحَرَمِ وَلَا يَحِلُّ لُقُطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدِهَا، وَلَنَا قَوْلُهُ ① عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنْ عَرِفَ عِفَاصُهَا وَوَكَّائُهَا ثُمَّ عَرَفَهَا سَنَةً مِنْ غَيْرِ فَضْلٍ، وَلَأَنَّهَا لُقُطَةٌ وَفِي التَّصَدُّقِ بَعْدَ مُدَّةٍ التَّعْرِيفُ إِبْقَاءُ مِلْكِ الْمَالِكِ مِنْ وَجْهِ فَيْمِلِكُهُ كَمَا فِي سَائِرِهَا، وَتَأْوِيلُ مَا رَوَى أَنَّهُ لَا يَحِلُّ الْإِلْتِقَاطُ إِلَّا لِلتَّعْرِيفِ، وَالتَّخْصِصُ بِالْحَرَمِ لِبَيَانِ أَنَّهُ لَا يَسْقُطُ التَّعْرِيفُ فِيهِ لِمَمَّا كَانَ أَنَّهُ لِلْغُرَبَاءِ ظَاهِرًا.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ حل اور حرم دونوں جگہوں کا لقطہ برابر ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ حرم کے لقطہ کی تشہیر کرنا واجب ہے یہاں تک کہ اس کا مالک آجائے، اس لیے کہ حرم محترم کے متعلق حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے حرم کا لقطہ اسی شخص کے لیے حلال ہے جو اس کا اعلان کرے، ہماری دلیل حضرت نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے تم اس کے برتن اور بندھن کو محفوظ کر لو پھر سال بھر اس کی تشہیر کرو، یہ فرمان مقدس کسی تفصیل کے بغیر مروی ہے۔ اور اس لیے کہ وہ بھی لقطہ ہے اور مدت تشہیر کے بعد اس کا صدقہ کرنے میں من وجہ مالک کی ملکیت کا ابقاء ہے لہذا دوسرے لقطوں کی طرح ملتقط اس کا بھی مالک ہو جائے گا۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث کی تاویل یہ ہے تشہیر کرنے کے لیے ہی حرم شریف کا لقطہ اٹھانا حلال ہے اور حرم محترم کی تخصیص اس وجہ سے ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ وہاں کے لقطہ میں بھی تشہیر ساقط نہیں ہے اس وجہ سے کہ حرم بہ ظاہر مسافروں کی جگہ ہے۔

## اللغات:

﴿لقطة﴾ گری پڑی ملنے والی چیز۔ ﴿حل﴾ غیر حرم۔ ﴿تعریف﴾ تشہیر کرنا، اعلان کرنا۔ ﴿منشد﴾ اعلان کرنے والا۔ ﴿عفاص﴾ برتن۔ ﴿وکاء﴾ رسی، بندھن۔ ﴿غرباء﴾ واحد غریب۔

## تخریج:

① اخرجہ بخاری فی کتاب الخصومات، باب اذا لم يوجد صاحب اللقطة.

## حل اور حرم کا لقطہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں حل اور حرم محترم دونوں مقامات کے لقطوں کا حکم ایک اور یکساں ہے اور دونوں کے لیے ایک مدت تک تشہیر واجب ہے، اس کے برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں حرم محترم کے لقطے میں اس وقت تک تشہیر ضروری ہے جب تک کہ اس کا مالک آنے جائے، ان کی دلیل یہ حدیث پاک ہے لَا يَحِلُّ لُقُطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدِهَا کہ حرم شریف کا لقطہ اسی شخص کے

لیے حلال ہے جو اس کی تشہیر کرنے والا ہو۔ ہماری دلیل لقطہ کے متعلق ایک سوال کرنے والے سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ لقطہ کے برتن اور بندھن کو اچھی طرح جان لو اور پھر سال بھر تک اس کی تشہیر کرتے رہو، چوں کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان گرامی مطلق ہے اور حل اور حرم کی تفصیل سے خالی ہے، اس لیے اس کا حکم بھی مطلق ہوگا اور حل اور حرم دونوں جگہ کے لقطوں کی تشہیر ایک خاص مدت تک کے لیے ہوگی، نیز مدت تعریف کے بعد لقطہ کو صدقہ کرنے سے بھی تحصیل ثواب کے حق میں مالک کی ملکیت باقی رہتی ہے لہذا جس طرح غیر حرم کے لقطوں کی سال بھر تشہیر کے بعد ملتقط اس کے صدقہ کرنے کا مالک ہے اسی طرح حرم محترم کے لقطہ کی بھی سال بھر تشہیر کے بعد ملتقط اس کے صدقے کا مالک ہوگا اور مالک کے آنے تک اس پر تشہیر کرنا لازم نہیں ہوگا۔

رہی امام شافعی رحمہ اللہ کی پیش کردہ حدیث پاک تو اس کی تاویل یہ ہے کہ مال غیر کو اس کی اجازت کے بغیر لینا حرام ہے اور صرف تشہیر کی نیت سے ہی لینا حلال ہے اور حدیث پاک میں حرم محترم کی تخصیص اس وہم کو دور کرنے کے لیے ہے کہ حرم محترم مسافروں کی جگہ ہے اور لوگ حج میں آنے کے بعد اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں اس لیے تشہیر کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے عام یہ اعلان فرمادیا کہ حرم محترم کے لقطہ میں بھی تشہیر واجب ہے اور ساقط نہیں ہے۔

وَإِذَا حَضَرَ رَجُلٌ فَادَّعَى اللُّقْطَةَ لَمْ تَدْفَعْ إِلَيْهِ حَتَّى يُقِيمَ الْبَيِّنَةَ فَإِنْ أُعْطِيَ عَلَامَتَهَا حَلٌّ لِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يَدْفَعَهَا إِلَيْهِ، وَلَا يُجْبَرُ عَلَى ذَلِكَ فِي الْقَضَاءِ، وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ يُجْبَرُ، وَالْعَلَامَةُ مِثْلُ أَنْ يُسَمَّى وَزَنَ الدَّرَاهِمَ وَعَدَدَهَا وَوَكَّاءَهَا وَوَعَاءَهَا، لَهْمَا أَنَّ صَاحِبَ الْيَدِ يَنَازِعُهُ فِي الْيَدِ وَلَا يَنَازِعُهُ فِي الْمِلْكِ فَيُشْتَرَطُ الْوُصْفُ لَوْ جُودِ الْمُنَازَعَةُ مِنْ وَجْهِهِ وَلَا تُشْتَرَطُ إِقَامَةُ الْبَيِّنَةِ لِعَدَمِ الْمُنَازَعَةِ مِنْ وَجْهِهِ، وَلَنَا أَنَّ الْيَدَ حَقٌّ مَقْصُودٌ كَالْمِلْكِ فَلَا يَسْتَحِقُّ إِلَّا لِحُجَّةٍ وَهُوَ الْبَيِّنَةُ اِعْتِبَارًا بِالْمِلْكِ إِلَّا أَنَّهُ تَحَلُّ لَهُ الدَّفْعُ عِنْدَ إِصَابَةِ الْعَلَامَةِ لِقَوْلِهِ ①

الْعَلِيَّةُ فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَعَرَّفَ عِفَاصَهَا وَعَدَدَهَا فَادْفَعَهَا إِلَيْهِ، وَهَذَا لِلِابَاحَةِ عَمَلًا بِالْمَشْهُورِ وَهُوَ قَوْلُهُ

الْعَلِيَّةُ عَلَى الْمُدَّعِي الْحَدِيثُ، وَيَأْخُذُ مِنْهُ كَفِيلًا إِذَا كَانَ يَدْفَعُهَا إِلَيْهِ اسْتِيفَافًا، وَهَذَا بِإِخْلَافٍ لِأَنَّهُ يَأْخُذُ الْكَفِيلَ لِنَفْسِهِ، بِإِخْلَافِ التَّكْفِيلِ لِوَارِثٍ غَائِبٍ عِنْدَهُ، وَإِذَا صَدَّقَهُ قِيلَ لَا يُجْبَرُ عَلَى الدَّفْعِ كَالْوَكِيلِ بِقَبْضِ الْوَدِيعَةِ إِذَا صَدَّقَهُ، وَقِيلَ يُجْبَرُ، لِأَنَّ الْمَالِكَ هُنَا غَيْرُ ظَاهِرٍ وَالْمُودَعُ مَالِكٌ ظَاهِرًا، وَلَا يَتَصَدَّقُ بِاللُّقْطَةِ عَلَى غَنِيٍّ، لِأَنَّ الْمَأْمُورَ بِهِ هُوَ التَّصَدَّقُ لِقَوْلِهِ ② فَإِنْ لَمْ يَأْتِ يَعْنِي صَاحِبُهَا فَلْيَتَصَدَّقْ بِهِ، وَالصَّدَقَةُ لَا يَكُونُ عَلَى غَنِيٍّ فَأَشْبَهُ الصَّدَقَةُ الْمَفْرُوضَةُ.

ترجمہ: اگر کوئی شخص حاکم کے پاس گیا اور اس نے لقطہ کا دعویٰ کیا تو جب تک وہ گواہ نہ پیش کر دے اس وقت تک لقطہ اس کے حوالے نہیں کیا جائے گا، پھر اگر وہ کوئی علامت بیان کر دے تو ملتقط کے لیے اسے لقطہ دینا حلال ہے، لیکن قضاء ملتقط کو اس پر مجبور

نہیں کیا جائے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما فرماتے ہیں کہ مجبور کیا جائے گا۔ اور علامت یہ ہے کہ مثلاً وہ دراہم کا وزن، ان کی تعداد اس کا بندھن اور اس کا برتن بیان کر دے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ملقط قبضہ کے متعلق مالک سے منازعات کر رہا ہے لیکن ملکیت کے متعلق منازعات نہیں کر رہا ہے لہذا لقطہ کا وصف بیان کرنا شرط ہوگا، کیونکہ من وجہ منازعت موجود ہے اور بینہ پیش کرنا شرط نہیں ہوگا اس لیے کہ من وجہ منازعت معدوم ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ملکیت کی طرح قبضہ بھی حق مقصود ہے لہذا ملکیت پر قیاس کرتے ہوئے بدون حجت یعنی بینہ پیش کئے بغیر وہ اس کا مستحق نہیں ہوگا تاہم علامت بیان کرنے کی صورت میں ملقط کے لیے دینا حلال ہوگا، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اگر اس کا مالک آجائے اور وہ لقطہ کی تحصیل اور اس کی تعداد بیان کر دے تو ملقط وہ لقطہ مالک کے حوالے کر دے، یہ حکم اباحت کے لیے ہے حدیث مشہور پر عمل کرتے ہوئے اور وہ حدیث آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے مدعی پر بینہ پیش کرنا لازم ہے۔ اور ملقط جب مالک کو لقطہ دینے لگے تو بہ طور ضمان اس سے ایک کفیل لے لے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ ملقط اپنی ذات کے لیے کفیل مانگ رہا ہے، برخلاف امام اعظم رحمہما کے یہاں غائب وارث کے لیے کفیل لینے کے (کہ یہ صحیح نہیں ہے) اور اگر ملقط نے مالک کی تصدیق کوئی تو ایک قول یہ ہے کہ اسے مالک کو دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا جیسے وکیل بقبض الودیعت کی اگر مودع تصدیق کر دے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اسے دفع پر مجبور کیا جائے گا، کیونکہ یہاں مالک ظاہر نہیں ہے جب کہ امانت کا مالک ظاہر ہوتا ہے۔

اور ملقط مالدار شخص پر لقطہ صدقہ نہ کرے، کیونکہ صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”پھر اگر مالک لقطہ نہ آئے تو ملقط کو چاہئے کہ اس کا صدقہ کر دے اور مالدار پر صدقہ نہیں کیا جاتا چنانچہ یہ صدقہ مفروضہ (زکوٰۃ) کے مشابہ ہو گیا۔

## اللغات:

﴿لم تدفع﴾ نہیں دیا جائے گا۔ ﴿لا یجبر﴾ مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ﴿وکاء﴾ بندھن۔ ﴿وعاء﴾ تھیلی، برتن، حفاظتی کور، کیس وغیرہ۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿حجة﴾ دلیل۔ ﴿استیفاق﴾ اطمینان پیدا کرنا، یقین بنانا۔ ﴿ودیعة﴾ امانت۔

## تخریج:

① أخرجه مسلم فی کتاب اللقطة باب معرفة العفاص و الوکاء، حدیث: ۵.

## لقطہ کے مالک ہونے کا دعویٰ کرنے کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاضی کے پاس کوئی شخص آئے اور یہ دعویٰ کرے کہ فلاں ملقط کے پاس جو لقطہ ہے وہ میرا ہے تو قاضی محض اس کے دعوے پر ملقط کو لقطہ واپس کرنے کا حکم نہ دے بلکہ اس سے گواہ طلب کرے یا کوئی علامت مثلاً اگر اس میں دراہم ہوں تو ان کی تعداد اور ان کا وزن معلوم کرے یا لقطہ کا تھیلا اور بندھن معلوم کرے چنانچہ اگر وہ علامت بتا دے تو قاضی ملقط سے کہے کہ بھائی اس کی امانت اس کے حوالے کر دو لیکن ہمارے یہاں قاضی ملقط پر جبر نہ کرے اور زور و زبردستی سے نہ دلوائے، جب کہ امام شافعی اور امام مالک رحمہما کے یہاں مدعی کی طرف سے بیان علامت کے بعد دفع لقطہ کے حوالے سے قاضی ملقط پر جبر کر سکتا ہے۔ ان



حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ملقط اور مدعی کا نزاع قبضہ میں ہے، ملکیت میں نہیں ہے اور قبضہ کا نزاع بیان اوصاف سے زائل ہو جاتا ہے اس لیے وصف بیان کرنے کے بعد مدعی لقطہ کا مستحق ہو جائے گا اور اس پر بینہ پیش کرنا ضروری نہیں ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ملکیت کی طرح قبضہ بھی حق مقصود ہے لہذا جس طرح بدون بینہ ملکیت کے لیے جبر جائز نہیں ہے اسی طرح بدون بینہ قبضہ کے لیے بھی جبر درست نہیں ہے تاہم علامت اور وصف بیان کرنے کی صورت میں ملقط کے لیے مدعی کو لقطہ دیدینا جائز ہے، کیونکہ حدیث پاک میں اس کا حکم وارد ہے فإن جاء صاحبها وعرف عفاصها وعددها فادفعها إليه، اور اس حدیث پاک میں دفع کا حکم اباحت کے لیے ہے کیونکہ البينة على المدعي والى حدیث مشہور سے مدعی پر بیحد لازم کر دیا گیا ہے اور اگر ہم فادفعها إليه کو بھی وجوب پر محمول کریں گے تو البينة على المدعي سے ٹکراؤ ہوگا، کیونکہ اس میں مدعی پر بینہ پیش کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے اس لیے ٹکراؤ سے بچتے ہوئے ہم نے فادفعها کو اباحت اور جواز پر محمول کر دیا ہے۔

وبأخذ منه الخ فرماتے ہیں کہ اگر ملقط چاہے تو لقطہ مدعی کے حوالے کرتے وقت اس سے اس بات کی ضمان لے لے لے کہ میں نے یہ لقطہ تمہارے حوالے کر دیا ہے تاکہ بعد میں اس پر کسی طرح کا کوئی الزام عائد نہ ہو اور احتیاطاً ایسا کرنا درست اور جائز ہے لیکن غائب وارث کے لیے امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں کفیل لینا درست نہیں ہے یعنی اگر کسی شخص کی میراث قرض خواہوں اور وارثوں میں تقسیم کی جا رہی ہو تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں کسی بھی قرض خواہ اور وارث سے کفیل نہیں لیا جائے گا کہ اگر دوسرا کوئی قرض خواہ یا کفیل ظاہر ہوا تو تمہیں اپنے اپنے حصوں میں سے دینا ہوگا، کیونکہ کسی دوسرے کا وارث بن کر سامنے آنا موہوم ہے اور امر موہوم پر کفالت نہیں لی جاتی۔ اگر ملقط مدعی کی تصدیق کر دے کہ ہاں تم ہی اس لقطہ کے مالک ہو تو ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی اسے دفع لقطہ پر مجبور نہیں کیا جائے گا جیسے اگر مودع مودع کے وکیل بقبض الودیعت کی تصدیق کر دے تو اسے بھی دفع امانت پر مجبور نہیں کیا جاتا ہے اسی طرح اسے بھی مجبور نہیں کیا جائے گا دوسرا قول یہ ہے کہ مجبور کیا جائے گا، کیونکہ یہاں لقطہ کا مالک ظاہر اور معلوم نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ مدعی ہی اس کا مالک ہو اور اس کی تصدیق سے بات اور پختہ ہو گئی ہو جب کہ ودیعت کا مالک معلوم ہوتا ہے۔

ولا يتصدق الخ فرماتے ہیں کہ اگر تشہیر و اعلان کے بعد بھی لقطہ کا مالک نہ آئے تو ملقط کو چاہئے کہ وہ لقطہ کسی غریب کو صدقہ کر دے، امیر اور مالدار کو صدقہ نہ کرے، کیونکہ اس کا صدقہ مامور بہ ہے اور اس حوالے سے وہ زکوٰۃ کے مشابہ ہے اور زکوٰۃ کے مستحق غریب ہیں، لہذا اس کے مستحق بھی غریب ہی ہوں گے۔

وإن كان الملتقط غنياً لم يجز له أن يتصدق بها، وقال الشافعي رحمہ اللہ يجوز لقوله عليه السلام في حديث أبي بن كعب رضي اللہ عنہ فإن جاء صاحبها فادفعها إليه وإلا فانتفع بها وكان من الميسير، ولأنه إنما يباح للفقير حملاً له على رفعها صيانة لها والغني يشاركه فيه، ولنا أنه مال الغير فلا يباح الانتفاع به إلا برضاه لإطلاق النص، والإباحة للفقير لما روينا أو بالإجماع فيبقى ما رواه على الأصل، والغني محمول على

الْأَخْذُ لِاحْتِمَالِ إِفْتِقَارِهِ فِي مُدَّةِ التَّعْرِيفِ، وَالْفَقِيرُ قَدْ يَتَوَافَى لِاحْتِمَالِ اسْتِغْنَائِهِ فِيهَا، وَإِنْتِفَاعُ أَبِي هُرَيْرَةَ  
كَانَ يَأْذِنُ الْإِمَامَ وَهُوَ جَائِزٌ بِإِذْنِهِ، وَإِنْ كَانَ الْمُتَلَقُّ فَقِيرًا فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا لِمَا فِيهِ مِنْ تَحْقِيقِ النَّظَرِ  
مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَلِهَذَا جَازَ الدَّفْعُ إِلَى فَقِيرٍ غَيْرِهِ وَكَذَا إِذَا كَانَ الْفَقِيرُ أَبَاهُ أَوْ ابْنَهُ أَوْ زَوْجَتَهُ وَإِنْ كَانَ هُوَ غَنِيًّا  
لِمَا ذَكَرْنَا. وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

**ترجمہ:** اور اگر ملقط مالدار ہو تو اس کے لیے لقطہ سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے اس لیے  
کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”اگر مالک لقطہ آجائے تو اسے لقطہ دید ورنہ خود ہی اس  
سے نفع اٹھا لو“ اور حضرت ابی مالداروں میں سے تھے، اور اس لیے کہ فقیر کے لیے اسی وجہ سے لقطہ مباح ہوتا ہے کہ وہ اسے لے کر اس  
کی حفاظت کرے اور اس معنی میں غنی اس کا شریک ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ دوسرے کا مال ہے لہذا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے انتفاع جائز نہیں ہے، کیونکہ نصوص مطلق  
ہیں۔ اور فقیر کے لیے اس کی اباحت اس حدیث کی وجہ سے ہے جو ہم روایت کر چکے ہیں یا اجماع کی وجہ سے ہے لہذا اس کے علاوہ کا  
حکم اصل (ممانعت پر) پر باقی رہے گا۔

اور غنی کو اسے اٹھانے پر آمادہ کیا گیا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے مدت تعریف میں وہ محتاج ہو جائے اور کبھی فقیر حفاظت سے سستی کرتا  
ہے کہ شاید وہ اس مدت میں مالدار ہو جائے اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا انتفاع امام کی اجازت سے تھا اور امام کی اجازت سے انتفاع جائز  
ہے۔

اور اگر ملقط فقیر ہو تو اس کے لیے لقطہ سے نفع اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس میں جانبین سے شفقت ملحوظ ہے،  
اسی لیے ملقط کے علاوہ دوسرے فقیر کو لقطہ دینا جائز ہے۔ ایسے ہی اگر ملقط کا باپ یا بیٹا یا اس کی بیوی فقیر ہو تو بھی ان کے لیے لقطہ  
سے انتفاع جائز ہے اگرچہ ملقط مالدار ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

## اللغات:

﴿ملقط﴾ گری ہوئی چیز کو اٹھانے والا۔ ﴿میسر﴾ مالدار۔ ﴿صیانة﴾ حفاظت۔ ﴿لایباح﴾ حلال نہیں ہوگا۔  
﴿افتقار﴾ محتاج ہونا۔ ﴿تعریف﴾ تشہیر کرنا۔

## مالدار کے لیے لقطہ سے فائدہ اٹھانا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر ملقط مالدار اور غنی ہو تو ہمارے یہاں اسے لقطہ سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے  
یہاں جائز ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو لقطہ سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیا تھا حالانکہ حضرت ابی بن کعب مالدار  
تھے۔ ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ فقیر کے لیے اسی مقصد سے انتفاع جائز ہے تا کہ وہ اسے اٹھا کر اس کی حفاظت بھی کر سکے اور یہ مقصد غنی  
سے بھی متحقق ہو سکتا ہے، لہذا حکم انتفاع میں فقیر و غنی دونوں برابر ہوں گے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ بھائی لقطہ دوسرے کا مال ہے اور دوسرے کے مال سے اس کی رضامندی کے بغیر نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ قرآن کریم نے ولاتاکلوا أموالکم بالباطل اور ولا تعتدوا جیسے فرمان سے علی الاطلاق دوسروں کے اموال کو استعمال کرنے کی پابندی عائدی کر دی ہے، لہذا اس پابندی میں امیر و غریب دونوں برابر ہوں گے، لیکن چوں کہ صدقہ کرنے والی حدیث کے پیش نظر یا فقیر کے لیے جواز صدقہ کی وجہ سے فقیر کے لیے اس کا استعمال مباح قرار دیا گیا ہے، لہذا یہ اباحت صرف فقیر کے حق میں ثابت ہوگی اور غنی کے لیے ممانعت کا حکم اپنی اصل پر برقرار رہے گا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ مقصد رفع میں امیر و غریب دونوں برابر ہیں۔ صحیح نہیں ہے، کیونکہ غنی اس لیے اسے اٹھاتا ہے کہ شاید مدت تعریف میں وہ محتاج ہو جائے اور اسے اس مال کی ضرورت ہو جائے یا فقیر کبھی لقطہ کی حفاظت میں سستی کرتا ہے اس وجہ سے کہ شاید مدت تعریف میں وہ مالدار ہو جائے، لہذا لقطہ اٹھانے میں تو دونوں برابر ہوں گے، لیکن اس سے فائدہ اٹھانا صرف فقیر کے ساتھ خاص ہوگا۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابی کے لیے انتفاع کا جواز امام کی اجازت سے تھا اور ان کے ساتھ خاص تھا اور امام کی اجازت سے تو جواز انتفاع کے ہم بھی قائل ہیں۔ لیکن اس سے علی الاطلاق انتفاع کو جائز قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اگر ملقط فقیر ہو تو اس کے لیے لقطہ سے انتفاع جائز ہے، کیونکہ اس میں اس ملقط فقیر کا بھی فائدہ ہے اور مالک کا بھی فائدہ ہے کہ اسے ثواب مل رہا ہے، اسی لیے تو ملقط کے علاوہ دوسرے فقیر کے لیے لقطہ سے انتفاع جائز ہے اسی طرح اگر ملقط کا باپ یا بیٹا یا اس کی بیوی فقیر ہو تو ان کے لیے بھی لقطہ سے نفع اٹھانا جائز ہے اگرچہ ملقط مالدار ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس میں دونوں طرف سے شفقت موجود ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم۔



# کتاب الإِبَاقِ

یہ کتاب بھاگے ہوئے غلام کے احکام کے بیان میں ہے

إِبَاقِ باب ض سے اَبَقُ یا بَقُ کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں بھاگنا، اور شریعت میں اَبَقِ وہ غلام کہلاتا ہے جو اپنے مولیٰ سے سرکشی کر کے قصد ابھاگ جائے۔

الْأَبَقُ أَخَذَهُ أَفْضَلُ فِي حَقِّ مَنْ يَقْوِي عَلَيْهِ لِمَا فِيهِ مِنْ إِحْيَائِهِ، وَأَمَّا الضَّالُّ فَقَدْ قِيلَ كَذَلِكَ، وَقَدْ قِيلَ تَرْكُهُ أَفْضَلُ لِأَنَّهُ لَا يَبْرَحُ مَكَانَهُ فَيَجِدُهُ الْمَالِكُ وَلَا كَذَلِكَ الْأَبَقُ ثُمَّ اخْتُدِ الْأَبَقُ يَأْتِي بِهِ إِلَى السُّلْطَانِ لِأَنَّهُ لَا يَقْدِرُ عَلَى حِفْظِهِ بِنَفْسِهِ، بِخِلَافِ اللَّقْطَةِ، ثُمَّ إِذَا رُفِعَ الْأَبَقُ إِلَيْهِ يَحْبِسُهُ، وَلَوْ رَفَعَ الضَّالُّ لَا يَحْبِسُهُ لِأَنَّهُ لَا يُؤْمَنُ عَلَى الْأَبَقِ الْإِبَاقُ ثَانِيًا، بِخِلَافِ الضَّالِّ، قَالَ وَمَنْ رَدَّ أَبَقًا عَلَى مَوْلَاهُ مِنْ مَسِيرَةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا فَلَهُ عَلَيْهِ جُعْلُهُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا، وَإِنْ رَدَّهُ لِأَقَلِّ مِنْ ذَلِكَ فَبِحَسَابِهِ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَكُونَ لَهُ شَيْءٌ إِلَّا بِالشَّرْطِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ بِمَنَافِعِهِ فَاشْبَهَ الْعَبْدَ الضَّالَّ، وَلَنَا أَنَّ الصَّحَابَةَ رَضُوا أَنْ اللَّهُ عَلَيْهِمْ اتَّفَقُوا عَلَى وَجُوبِ أَصْلِ الْجُعْلِ إِلَّا أَنْ مِنْهُمْ مَنْ أَوْجَبَ أَرْبَعِينَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَوْجَبَ مَادُونَهَا فَأَوْجَبْنَا الْأَرْبَعِينَ فِي مَسِيرَةِ السَّفَرِ وَمَادُونَهَا فِيمَا دُونَهُ تَوْفِيقًا وَتَلْفِيقًا بَيْنَهُمَا، وَلَآنَ إِنْجَابَ الْجُعْلِ أَصْلُهُ حَامِلٌ عَلَى الرَّدِّ، إِذَا الْحِسْبَةُ نَادِرَةٌ فَتَحْصُلُ صِيَانَةُ الْأَبَقِ، لِأَنَّهُ لَا يَتَوَارَى، وَالْأَبَقُ يَخْتَفِي، وَيَقْدِرُ الرِّضْخُ فِي الرَّدِّ عَمَادُونَ السَّفَرِ بِاصْطِلَاحِهِمَا أَوْ يَقْوَضُ إِلَى رَأْيِ الْقَاضِي، وَقِيلَ يَقْسَمُ الْأَرْبَعُونَ عَلَى الْأَيَّامِ الثَّلَاثَةِ إِذْ هِيَ أَقَلُّ مُدَّةِ السَّفَرِ.



**ترجمہ:** بھاگے ہوئے غلام کو پکڑنا اس شخص کے حق میں بہتر ہے جو اس کی حفاظت پر قادر ہو، کیونکہ ایسا کرنے میں مولیٰ کے حق کا احیاء ہے۔ ایک قول کے مطابق بھٹکے ہوئے غلام کا بھی یہی حکم ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ضال کو نہ پکڑنا افضل ہے اس لیے کہ وہ اپنی جگہ سے زیادہ دور نہیں جائے گا اور مالک (بہ آسانی) اسے پکڑ لے گا اور آبق کا یہ حال نہیں ہے، پھر آبق کو پکڑنے والا اسے بادشاہ کے پاس لے آئے، کیونکہ آخذ بذات خود اس کی حفاظت پر قادر نہیں ہے۔ برخلاف لقطہ کے۔ پھر جب سلطان کے پاس آبق کو لایا جائے تو وہ اسے قید کر دے اور اگر بھٹکے ہوئے کو لایا جائے تو سلطان اسے قید نہ کرے، کیونکہ آبق کے دوبارہ بھاگنے کا ڈر رہتا ہے برخلاف ضال کے۔ فرماتے ہیں کہ جو شخص تین دن یا اس سے زائد کی مسافت سے پکڑ کر آبق کو اس کے مولیٰ کے پاس لائے تو لانے والے کے لیے مولیٰ پر ۴۰/ دراہم محنتانہ واجب ہیں اور اگر اس سے کم مسافت سے لائے تو اس کے حساب سے جعل واجب ہے یہ حکم بر بنائے احسان ہے۔ قیاس یہ ہے کہ شرط کے بغیر لانے والے کو کچھ نہ ملے یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے، کیونکہ لانے والا اس کے منافع کے ساتھ احسان کرنے والا ہے تو یہ بھٹکے ہوئے غلام کو لانے والے کی طرح ہو گیا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرات صحابہ اصل خرچ کے وجوب پر متفق ہیں لیکن ان میں سے بعض حضرات نے چالیس دراہم واجب قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے اس سے کم واجب قرار دیا ہے، لہذا دونوں میں موافقت پیدا کرنے کے لیے مسرت سفر میں تو ہم نے چالیس واجب کر دیا اور اس سے کم میں کم واجب کیا۔

اور اس لیے کہ ایجاب جعل کا اصل مقصد انسان کو لانے پر آمادہ کرنا ہے، کیونکہ بہت ثواب ایسا کرنا شاذ و نادر ہے، لہذا (جعل سے) لوگوں کے اموال کی حفاظت ہوگی۔ اور مال کی تقدیر سماعت پر موقوف ہے لیکن ضال کے متعلق کوئی سماعت نہیں ہے لہذا ضال میں یہ تقدیر ممتنع ہے۔ اور اس لیے کہ آبق کی صیانت کے بالمقابل ضال کی صیانت آسان ہے، کیونکہ ضال چھپتا نہیں جب کہ آبق چھپ جاتا ہے۔ اور مدت سفر سے کم کی دوری سے واپس لانے پر مالک اور راد کے اتفاق سے عطیہ متعین ہوگا یا یہ تعین قاضی کی رائے کے سپرد ہوگی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ چالیس دراہم کو تین دنوں پر تقسیم کر دیا جائے گا، کیونکہ ثلاثہ ایام قل مدت سفر ہے۔

### اللغات:

﴿آبق﴾ بھگوز غلام۔ ﴿آخذ﴾ پکڑ لینا۔ ﴿احیاء﴾ زندہ کرنا۔ ﴿ضال﴾ بھٹکا ہوا، راستہ بھولا ہوا۔ ﴿لا یبرح﴾ نہیں چھوڑتا۔ ﴿یحبسہ﴾ اس کو قید کر لے۔ ﴿مسیرۃ﴾ مسافت۔ ﴿جعل﴾ بھاگے ہوئے غلام کو واپس لانے کا معاوضہ، اجرت۔ ﴿حسبہ﴾ ثواب کی امید رکھنا۔ ﴿صیانة﴾ حفاظت۔ ﴿لا یتواری﴾ نہیں روپوش ہوتا۔

### آبق اور ضال کی تعریف اور احکام:

آبق کی تعریف آپ کو معلوم ہے اور ضال کی تعریف یہ ہے کہ وہ غلام جو اپنے گھر کا راستہ بھول گیا ہو، آبق کو پکڑ کر اس کے مولیٰ کے حوالے کرنا افضل ہے اور ضال کو پکڑنے کے متعلق دو قول ہیں (۱) اس کو بھی پکڑنا افضل ہے (۲) اسے نہ پکڑنا افضل ہے کیونکہ وہ تو خود ہی منزل کی تلاش میں رہتا ہے اور اس کے بھاگنے کا امکان بھی نہیں رہتا ہے جب کہ آبق اور بھگوزے کے بھاگنے کا ہمہ وقت امکان رہتا ہے۔۔۔

قال ومن رد الخ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تین دن یا اس سے زائد کی مسافت سفر سے پکڑ کر کسی بھگوزے غلام کو اس کے

مولیٰ کے پاس لائے تولانے والے کو چالیس درہم خرچ کے دیئے جائیں جو غلام کے مولیٰ سے لئے جائیں اور اگر اس سے کم مسافت سے لائے تو اسی حساب سے اس کا مختانہ دیا جائے یہ حکم استحسانی ہے، قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر آبق کے مولیٰ نے اس غلام کو پکڑ کر لانے والے کو انعام وغیرہ دینے کی شرط لگا دی ہو تب تو اسے مختانہ ملے گا اور اس کو مولیٰ کی طرف سے ایسی کوئی شرط نہ ہو تو لانے والا متبرع ہوگا اور اسے کچھ نہیں ملے گا جیسے عبد ضال کو لانے والا کچھ نہیں پاتا۔ امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرات صحابہ واپس لانے والے کے لیے اصل جعل کے وجوب پر متفق ہیں لیکن مقدار جعل میں ان کا اختلاف ہے چنانچہ حضرت عمر، حضرت معاویہ اور حضرت بن مسعود رضی اللہ عنہم نے چالیس درہم جعل واجب قرار دیا ہے اور حضرت علی اور حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہما سے دس درہم کا ایجاب مروی ہے اور ہم نے دونوں فریق کے قولوں میں تطبیق دیتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ مدت سفر یا اس سے زائد دوری سے لانے والے کو چالیس درہم بطور جعل دیئے جائیں اور اس سے کم فاصلہ سے لانے والے کو کم دیا جائے۔

ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ اس زمانے میں بیت ثواب آبق وغیرہ کو لانا انتہائی شاذ و نادر ہے اسی لیے لانے والے کو انعام اور مختانہ دینا بہتر ہے تاکہ لوگ اس کام میں دل چسپی لیں اور اموال ضیاع سے بچ جائیں۔

والتقدير بالسمع الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا آبق کو ضال پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ آبق کے متعلق اربعون درہم کا اندازہ اور تخمینہ سماع سے ثابت ہوا ہے اور ضال کے متعلق کوئی سماع نہیں مروی ہے، اس لیے آبق کو ضال پر قیاس کرنا درست نہیں ہے اور اس لیے بھی درست نہیں ہے کہ آبق کی حفاظت ضال کی بہ نسبت زیادہ ضروری ہے، کیوں کہ آبق چھپتا رہتا ہے اور پکڑ میں نہیں آتا جب کہ ضال چھپتا نہیں ہے لہذا اس حوالے سے بھی ایک کو دوسرے کے مشابہ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

ويقدر الرضخ الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مدت سفر سے کم دوری سے کوئی شخص آبق کو پکڑ کر لایا ہو تو اس کا جعل اور مختانہ مالک اور راد کے آپسی اتفاق سے طے ہوگا یا پھر قاضی اپنی صواب دید کے مطابق طے کرے گا۔ یا پھر اربعون درہم کو تین دنوں پر تقسیم کیا جائے گا اور ہر ہر دن کی مسافت کے مقابلہ ۳۰ و ۱۳ درہم ہوں گے۔

قَالَ وَإِنْ كَانَتْ قِيَمَتُهُ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِينَ يُقْضَى لَهُ بِقِيَمَتِهِ إِلَّا دِرْهَمًا، قَالَ وَهَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَهُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا، لِأَنَّ التَّقْدِيرَ بِهَا ثَبَتَ بِالنَّصِّ فَلَا يَنْقُصُ عَنْهَا، وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ الصُّلْحُ عَلَى الزِّيَادَةِ، بِخِلَافِ الصُّلْحِ عَلَى الْأَقَلِّ، لِأَنَّهُ حَظُّ مِنْهُ، وَلِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْمَقْصُودَ حَمْلُ الْغَيْرِ عَلَى الرَّدِّ لِيُحْيَى مَالُ الْمَالِكِ فَيَنْقُصَ دِرْهُمُ لِيُسَلَّمَ لَهُ شَيْءٌ تَحْقِيقًا لِلْفَائِدَةِ، وَأَمَّا الْوَلَدُ وَالْمَدْبَرُ فِي هَذَا بِمَنْزِلَةِ الْقَنِيِّ إِذَا كَانَ الرَّدُّ فِي حَيَاةِ الْمَوْلَى لِمَا فِيهِ مِنْ أَحْيَاءٍ مَلِكِهِ، وَلَوْ رُدَّ بَعْدَ مَمَاتِهِ لَا جُعْلَ فِيهِمَا لِأَنَّهُمَا يَعْتَقَانِ بِالْمَوْتِ، بِخِلَافِ الْقَنِيِّ، وَلَوْ كَانَ الرَّادُّ أَبَا الْمَوْلَى أَوْ ابْنَهُ وَهُوَ فِي عِيَالِهِ أَوْ أَحَدَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْآخِرِ فَلَا جُعْلَ، لِأَنَّ هُوَ لَا مَتَبَرَّعُونَ بِالرَّدِّ عَادَةً وَلَا يَتَنَاولُهُمْ إِطْلَاقُ الْكِتَابِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر اس غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہو تو واپس لانے والے کے لیے ۳۹ درہم ہی ملیں گے، فرماتے ہیں کہ یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے چالیس درہم دیئے جائیں گے، کیونکہ اربعون کی تقدیر نص سے ثابت ہوئی ہے، لہذا اس سے کم نہیں کیا جائے گا اسی لیے اربعون سے زائد پر صلح جائز نہیں ہے۔ برخلاف کم پر صلح کرنے کے اس لیے یہ راد کی طرف سے کم کرنا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جعل کا مقصد دوسرے کو رد پر ابھارنا ہے تاکہ مالک کا مال باقی رہے اس لیے ایک درہم کم کر دیا جائے تاکہ مالک کو بھی کچھ فائدہ مل جائے۔ اور ام ولد اور مدبر اس حکم میں غلام کے درجے میں ہیں بشرطیکہ رد مولیٰ کی زندگی میں ہو کیونکہ اس رد میں اس کی ملکیت کا احیاء ہے۔ اور اگر مولیٰ کی موت کے بعد آبق واپس کیا گیا تو مدبر اور ام ولد میں جعل نہیں ہوگا، کیونکہ مولیٰ کی موت سے وہ دونوں آزاد ہو جاتے ہیں۔ برخلاف خالص غلام کے۔

اور اگر واپس لانے والا مولیٰ کا باپ یا اس کا بیٹا ہو اور وہ اسی مولیٰ کی ماتحتی میں ہو یا شوہر یا بیوی میں سے کوئی ایک راد ہو تو بھی جعل نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ عموماً رد میں تبرع کرتے ہیں اور کتاب کا اطلاق انھیں شامل نہیں ہے۔

### اللغات:

﴿بقضی﴾ فیصلہ کیا جائے گا۔ ﴿حط﴾ کمی کرنا، گرائنا۔ ﴿رد﴾ لوٹانا، واپس کرنا۔ ﴿لیحیی﴾ تاکہ زندہ رہے۔ ﴿ینقص﴾ کم کیا جائے گا۔ ﴿فن﴾ خالص غلام، مملوک محض۔ ﴿جعل﴾ بھگوڑا غلام واپس کرنے کا معاوضہ۔ ﴿لا یتناولہم﴾ ان کو شامل نہیں ہوگا۔

### واپس لانے والے کی اجرت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر واپس لائے گئے غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہو تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں راد کو ۳۹ درہم ملیں گے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پورے چالیس ملیں گے، کیونکہ اربعون کی تقدیر نص سے ثابت ہے، لہذا اس میں کمی نہیں ہوگی اور نہ ہی زیادتی ہوگی چنانچہ اگر مالک اور راد چالیس درہم سے زیادہ کے لین دین پر صلح کر لیں تو زیادتی معتبر نہیں ہوگی ہاں اس سے کم پر صلح کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ صاحب حق یعنی راد کی طرف سے حط اور کمی ہے اور جب صاحب حق خود ہی اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہے تو کیا کرے قاضی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جعل دینے سے مقصد یہ ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس میں دل چسپی لیں تاکہ اموال کی حفاظت ہوتی رہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ چالیس میں سے ایک درہم کم کر دیا جائے تاکہ مالک کو بھی کچھ مل جائے اور دونوں طرف شفقت متحقق ہو جائے۔

واما ام الولد الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ام ولد یا مدبر بھاگے ہوں اور انھیں مولیٰ کی زندگی میں واپس کیا گیا ہو تو وہ قن اور غلام کے حکم میں ہوں گے، اس لیے کہ اس میں مولیٰ کی ملکیت کا احیاء ہے، لیکن اگر مولیٰ کی موت کے بعد انھیں واپس کیا جائے تو ان میں جعل نہیں ہوگا اور لانے والے کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ مولیٰ کی موت سے وہ دونوں آزاد ہو جائیں گے اور اس کی ملکیت پر مملوک نہیں رہیں گے۔ اور اگر غلام کے مولیٰ کے باپ یا بیٹے نے اسے واپس کیا ہو اور وہ راد اسی مولیٰ کی تربیت میں ہو یا میاں بیوی میں سے کسی نے دوسرے کے آبق غلام کو واپس کیا ہو تو ان میں سے کسی کو بھی جعل نہیں ملے گا، کیونکہ عموماً یہ لوگ احسان کے طور پر رد کرتے ہیں اور

انہیں اس کے صلے اور بدلے کی پرواہ نہیں ہوتی اسی لیے علیہ جعلہ اربعون الخ کے اطلاق میں یہ شامل اور داخل نہیں ہوں گے۔

قَالَ وَإِنْ أَبَقَ مِنَ الَّذِي رَدَّهٗ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ، لَكِنْ هَذَا إِذَا أَشْهَدَ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي اللَّقْطَةِ، قَالَ وَذَكَرَ فِي بَعْضِ النُّسخ أَنَّهُ لَا شَيْءَ لَهُ وَهُوَ صَحِيحٌ أَيْضًا، لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْبَائِعِ مِنَ الْمَالِكِ وَلِهَذَا كَانَ لَهُ أَنْ يُجْبَسَ الْأَبَقَ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الْجُعْلَ بِمَنْزِلَةِ الْبَائِعِ يُجْبَسُ الْمُبِيعُ لِاسْتِيفَاءِ الْقَمَنِ، وَكَذَلِكَ إِذَا مَاتَ فِي يَدِهِ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِمَا قُلْنَا، قَالَ وَلَوْ أَعْتَقَهُ الْمَوْلَى كَمَا لَقِيَهُ صَارَ قَابِضًا بِالْإِعْتَاقِ كَمَا فِي عَبْدِ الْمُشْتَرِي وَكَذَا إِذَا بَاعَهُ مِنَ الرَّادِّ لِسَلَامَةِ الْبَدَلِ، وَالرَّدُّ وَإِنْ كَانَ لَهُ حُكْمُ الْبَيْعِ لَكِنَّهُ بَيْعٌ مِنْ وَجْهِ فَلَا يَدْخُلُ تَحْتَ النَّهْيِ الْوَارِدِ عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يَقْبُضْ فَجَازَ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر غلام لانے والے کے پاس سے بھاگ جائے تو راد پر کچھ ضمان نہیں ہے، کیونکہ عبد آبق اس کے قبضے میں امانت ہے، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب راد نے گواہ بنالیا ہو۔ اور کتاب اللقطہ میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قدوری کے بعض نسخوں میں جو یہ مذکور ہے کہ راد کو بھی کچھ نہیں ملے گا یہ بھی صحیح ہے کیونکہ راد مالک کے ہاتھ فروخت کرنے والے کے معنی میں ہے اسی لیے جعل وصول کرنے سے پہلے اسے جس آبق کا حق ہے جیسے بائع استیفاء ثمن کے لیے مبیع کو روک سکتا ہے۔ نیز اگر غلام راد کے قبضہ میں مر جائے تو بھی راد پر ضمان نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ دیکھتے ہی عبد آبق کو آزاد کر دے تو اعناق کی وجہ سے وہ قابض شمار ہوگا جیسے مشتری کے غلام میں ہوتا ہے اسی طرح جب مولیٰ راد سے اس غلام کو فروخت کر دے، کیونکہ اس کے پاس بدل محفوظ ہے، اور واپس کرنا اگرچہ بیع کے حکم میں ہے لیکن یہ من وجہ ہی بیع ہے لہذا یہ اس نہی کے تحت داخل نہیں ہوگا جو کسی چیز پر قبضہ کئے بغیر اس کی فروختگی کی ممانعت کے متعلق وارد ہے۔ اس لیے یہ صورت جائز ہوگی۔

### اللغات:

﴿آبق﴾ بھاگ گیا۔ ﴿أشہد﴾ گواہ بنا لیے۔ ﴿یجس﴾ روکے رکھے، قید کرے۔ ﴿یستوفی﴾ وصول کر لے۔

﴿راد﴾ واپس لانے والا، لوٹانے والا۔

### واپس لانے والے کی شرعی حیثیت:

صورت مسئلہ تو آسان ہے کہ عبد آبق راد کے قبضہ میں امانت ہوتا ہے اور امانت میں اگر تعدی نہ پائی جائے تو اس کی ہلاکت مودع پر مضمون نہیں ہوتی اسی لیے اگر عبد آبق راد کے پاس سے بھاگ جائے یا اس کے قبضہ میں مر جائے تو اس پر ضمان نہیں ہوگا بشرطیکہ راد نے اسے پکڑتے وقت اس بات پر گواہ بنالیا ہو کہ وہ اسے مالک کو واپس کرنے کی نیت سے پکڑ رہا ہے۔ اور پکڑنے اور لانے کا جو خرچ ہوا ہوگا وہ بھی راد کو نہیں ملے گا، کیونکہ راد کی حیثیت غلام کے مولیٰ سے بائع کی ہے اور بائع جب تک مبیع نہیں دیتا اس وقت تک مستحق ثمن نہیں ہوتا اسی طرح راد بھی جب تک عبد آبق کو اس کے مولیٰ کے حوالے نہیں کر دے گا وہ بھی مستحق جعل نہیں ہوگا۔



قال الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مولیٰ راد کے ہاتھ میں غلام دیکھ کر اسے آزاد کر دے تو اس عتاق سے وہ قابض شمار ہوگا اور اس پر راد کا جعل واجب ہوگا جیسے اگر مشتری کوئی غلام خرید کر قبضہ سے پہلے اسے آزاد کر دے تو عتاق کی وجہ سے وہ بھی قابض شمار ہوگا اور اس پر مذکورہ غلام کا ثمن واجب ہوگا۔ اور اگر غلام کا مولیٰ راد کے ہاتھ اسے فروخت کر دے تو بھی جائز ہے، کیونکہ راد جس جعل کا مستحق ہے وہ غلام کے مولیٰ ہی کے پاس ہے لہذا اسے ثمن قرار دے کر بیع کو OK کر دیا جائے گا۔ اور راد اگر چہ بیع کے معنی میں ہے، لیکن چون کہ یہ من وجہ ہی بیع کے معنی میں ہے اس لیے قبل القبض بیع سے جو ممانعت وارد ہے اس ممانعت میں یہ صورت داخل نہیں ہوگی، کیونکہ ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے جو من کل وجہ بیع کے معنی میں ہو۔

قَالَ وَيَنْبَغِي إِذَا أَخَذَهُ أَنْ يُشْهَدَ أَنَّهُ يَأْخُذُهُ لِرَدِّهِ فَلَا إِشْهَادَ حَتَّمْ فِيهِ عَلَيْهِ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ حَتَّى لَوْ رَدَّهٖ مَنْ لَمْ يُشْهَدَ وَقَدْ أَخَذَ لَا جُعْلَ لَهُ عِنْدَهُمَا، لِأَنَّ تَرْكَ الْإِشْهَادِ أَمَارَةٌ أَنَّهُ أَخَذَهُ لِنَفْسِهِ وَصَارَ كَمَا إِذَا اشْتَرَاهُ مِنَ الْإِخْدِ أَوْ اتَّهَبَهُ أَوْ وَرَثَتُهُ قَرَدَتْهُ عَلَى مَوْلَاهُ لَا جُعْلَ لَهُ، لِأَنَّهُ رَدَّهٖ لِنَفْسِهِ إِلَّا إِذَا اشْهَدَ أَنَّهُ اشْتَرَاهُ لِرَدِّهِ فَيَكُونُ لَهُ الْجُعْلُ وَهُوَ مُتَبَرِّعٌ فِي أَدَاءِ الثَّمَنِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص عبد آبق کو پکڑے تو اسے اس بات پر گواہ بنالینا چاہئے کہ وہ اسے واپس کرنے کے لیے ہی پکڑ رہا ہے چنانچہ حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں آخذ کے لیے اشہاد لازم اور ضروری ہے حتیٰ کہ اگر کوئی ایسا شخص واپس کرے جس نے بوقت آخذ گواہ نہ بنایا ہو تو حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں وہ مستحق جعل نہیں ہے، کیونکہ گواہ نہ بنانا اس امر کی دلیل ہے کہ اس نے اپنے لیے اسے پکڑا ہے اور یہ ایسا ہو گیا جیسے اس شخص نے آخذ سے وہ غلام خریدا یا ہبہ میں یا وراثت میں پایا پھر اس کے مالک کو واپس کر دیا تو اسے جعل نہیں ملے گا، اس لیے کہ اس نے اپنے لیے لے کر واپس کیا ہے، لیکن اگر مشتری نے اس بات پر گواہ بنالیا کہ اس نے مالک کو واپس کرنے کے لیے اس غلام کو خریدا ہے تو اسے جعل ملے گا اور ادائیگی ثمن میں وہ متبرع ہوگا۔

### اللغات:

﴿یشہد﴾ گواہ بنالے۔ ﴿حتم﴾ ضروری ہے۔ ﴿امارۃ﴾ علامت، نشانی۔ ﴿اتہب﴾ اس کو وراثت میں لیا ہے۔

﴿جعل﴾ معاوضہ۔

### غلام کو پکڑنے وقت گواہ نہ بنانا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر عبد آبق کو پکڑنے والا بوقت آخذ اس بات پر گواہ نہ بنالے کہ وہ غلام کو اس کے مولیٰ کے حوالے کرنے کے لیے پکڑ رہا ہے تو حضرات طرفین کے یہاں وہ مستحق جعل نہیں ہوگا کیونکہ ترک اشہاد اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے من میں چوری چھپی ہے اور وہ اپنے لیے اس غلام کو پکڑ رہا ہے۔ جیسے اگر کوئی شخص آخذ سے اس غلام کو خرید لے ہبہ یا وراثت میں پائے اور پھر اسے اس کے مولیٰ کو واپس کرے تو اسے بھی جعل نہیں ملتا، کیونکہ یہ شخص مالک کو دینے کے لیے نہیں واپس کر رہا ہے، بلکہ یا تو مالک سے خود لینے کے لیے اسے دے رہا ہے یا اس غلام کو خریدنے سے اس پر جو ضمان واجب ہوا ہے اسے دور کرنے کے لیے مالک کو یہ بتا رہا ہے

کہ بھائی آپ کا غلام میں نے لے لیا ہے۔ ہاں اگر خریدتے وقت یہ شخص بھی گواہ بنا لے کہ میں مالک کو دینے کے لیے یہ غلام خرید رہا ہوں تو اب یہ بھی واپسی کے وقت مستحق جعل ہوگا لیکن شراء میں اس نے جو ثمن دیا ہے وہ نہیں پائے گا اور اس ثمن کے متعلق اسے متبرع اور محسن قرار دے دیا جائے گا۔

فَإِنْ كَانَ الْأَبْقَى رَهْنًا فَلَجُعْلٌ عَلَى الْمُرْتَهِنِ لِأَنَّهُ أَحْيَا مَالِيَّتَهُ بِالرَّدِّ وَهِيَ حَقُّهُ إِذَا الْإِسْتِيفَاءُ مِنْهَا، وَالْجُعْلُ بِمُقَابَلَةِ إِحْيَاءِ الْمَالِيَّةِ فَيَكُونُ عَلَيْهِ، وَالرَّدُّ فِي حَيَاةِ الرَّاهِنِ وَبَعْدَهُ سَوَاءٌ، لِأَنَّ الرَّهْنَ لَا يَبْطُلُ بِالْمَوْتِ، وَهَذَا إِذَا كَانَتْ قِيَمَتُهُ مِثْلَ الدَّيْنِ أَوْ أَقَلَّ مِنْهُ، فَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ فَيَقْدِرُ الدَّيْنُ عَلَيْهِ وَالْبَاقِي عَلَى الرَّاهِنِ، لِأَنَّ حَقَّهُ بِالْقَدْرِ الْمَضْمُونِ فَصَارَ كَثْمَنِ الدَّوَاءِ وَتَخْلِيصُهُ عَنِ الْجَنَايَةِ بِالْفِدَاءِ، وَإِنْ كَانَ مَذْيُونًا فَعَلَى الْمَوْلَى إِنْ اخْتَارَ قَضَاءَ الدَّيْنِ، وَإِنْ بَيْعَ بُدِئَ بِالْجُعْلِ وَالْبَاقِي لِلْغَرَمَاءِ لِأَنَّهُ مُؤَنَّةُ الْمَلِكِ وَالْمَلِكُ فِيهِ كَالْمَوْقُوفِ فَيَجِبُ عَلَى مَنْ يَسْتَقِرُّ لَهُ، وَإِنْ كَانَ جَانِبًا فَعَلَى الْمَوْلَى إِنْ اخْتَارَ الْفِدَاءَ لِعَوْدِ الْمَنْفَعَةِ إِلَيْهِ، وَعَلَى الْأَوْلِيَاءِ إِنْ اخْتَارَ الدَّفْعَ لِعَوْدِهَا إِلَيْهِمْ، وَإِنْ كَانَ مَوْهُوبًا فَعَلَى الْمَوْهُوبِ لَهُ وَإِنْ رَجَعَ الْوَاهِبُ فِي هَيْبَتِهِ بَعْدَ الرَّدِّ، لِأَنَّ الْمَنْفَعَةَ لِلْوَاهِبِ مَا حَصَلَتْ بِالرَّدِّ بَلْ يَتْرِكُ الْمَوْهُوبُ لَهُ التَّصَرُّفَ فِيهِ بَعْدَ الرَّدِّ، وَإِنْ كَانَ لِصَبِيٍّ فَلَجُعْلٌ فِي مَالِهِ، لِأَنَّهُ مُؤَنَّةٌ مِلْكِهِ، وَإِنْ رَذَّةٌ وَصِيَّةٌ فَلَا جُعْلَ لَهُ، لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِي يَتَوَلَّى الرَّدَّ فِيهِ.

**ترجمہ:** اگر عبد آبق رہن ہو تو جعل مرتہن پر ہوگا، کیونکہ رادنے واپس کر کے مرتہن ہی کی مالیت کو زندہ کیا ہے اور وہ مالیت مرتہن کا حق ہے، اس لیے کہ اسی مالیت سے مرتہن کا حق دیا جائے گا اور جعل احيائے مالیت ہی کے مقابلے میں ہوتا ہے لہذا یہ جعل مرتہن پر ہوگا۔ اور راہن کی زندگی اور اس کے بعد دونوں میں واپس کرنا برابر ہے، کیونکہ راہن کی موت سے رہن باطل نہیں ہوتا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب عبد مرہون کی قیمت دین کے برابر یا اس سے کم ہو اور اگر اس کی قیمت دین سے زائد ہو تو دین کے بقدر جعل مرتہن پر ہوگا اور باقی راہن پر ہوگا، کیونکہ مرتہن کا حق بقدر مضمون ہوتا ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے دوا کا ثمن اور اسے جنایت سے پاک کرنے کا فدیہ۔ اور اگر وہ غلام مدیون ہو اور مولیٰ ادا ینگئی دین پر راضی ہو تو اسی پر جعل ہوگا۔ اور اگر غلام کو فروخت کیا گیا تو پہلے جعل ادا کیا جائے گا اور باقی بچا ہوا ثمن قرض خواہوں کو ملے گا، اس لیے کہ جعل ملکیت کا صرف ہے اور اس غلام میں ملکیت موقوف ہے لہذا جس کے لیے ملکیت بچتے ہوگی اسی پر جعل بھی واجب ہوگا۔

اور اگر عبد آبق نے جنایت کی تو مولیٰ پر جعل ہوگا اگر وہ فدیہ دینے کو اختیار کرے کیونکہ منفعت رد اسی کی طرف لوٹے گی۔ اور اگر مولیٰ نے جنایت میں غلام دینا اختیار تو اولیائے مقتول پر جعل ہوگا، کیونکہ اب منفعت ان کی طرف عود کر رہی ہے۔ اور اگر عبد آبق ہبہ کر دیا گیا ہو تو موهوب لہ پر اس کا جعل ہوگا اگرچہ رد کے بعد واہب نے اپنا ہبہ واپس لے لیا ہو اس لیے کہ رد سے واہب کو کوئی فائدہ نہیں ملا بلکہ اسے فائدہ اس وقت ہوگا جب موهوب لہ واپسی کے بعد اس میں تصرف چھوڑ دے۔ اور اگر عبد آبق کسی بچے کا ہو تو اس

بچے کے مال میں جعل ہوگا، کیونکہ جعل اسی کی ملکیت کا صرفہ ہے اور اگر بچے کا وصی اسے واپس کرے تو وصی کو جعل نہیں ملے گا، کیونکہ غلام کو واپس لانا وصی ہی کی ذمہ داری ہے۔

## اللغات:

﴿ابق﴾ بھگوز غلام۔ ﴿جعل﴾ اجرت، معاوضہ۔ ﴿احیا﴾ زندہ کیا ہے۔ ﴿رد﴾ لوٹا کر، واپس کر کے۔ ﴿استيفاء﴾ وصول کرنا۔ ﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿تخلیص﴾ چھڑانا، چھٹکارا دلانا۔ ﴿جنایۃ﴾ جرم۔ ﴿فداء﴾ فدیہ، تادان۔ ﴿مؤنة﴾ مشقت، خرچ۔

## واپس لانے والے کی اجرت کس پر ہوگی:

عبارت میں کئی مسئلے بیان کئے گئے ہیں اور سب ترجمے سے واضح ہیں۔ مثلاً اگر عبد آبق مرہون ہو تو اسے واپس لانے والے کا جعل مرہن پر ہوگا، کیونکہ اسی غلام سے مرہن کا حق وابستہ ہے اور وہ اس کی مالیت کا حق ہے لہذا جعل بھی اسی پر ہوگا، خواہ غلام راہن کی زندگی میں واپس کیا جائے یا اس کے مرنے کے بعد واپس کیا جائے، بہر صورت اس کا جعل مرہن پر ہوگا۔ بشرطیکہ غلام کی قیمت مرہن کے دین کے برابر ہو یا اس سے کم ہو، لیکن اگر اس کی قیمت مرہن کے دین سے زائد ہو مثلاً دین میں دراہم ہو اور غلام کی قیمت چالیس دراہم یا اس سے زائد ہو تو دین کے اعتبار سے مرہن پر جعل ہوگا اور باقی جعل راہن پر ہوگا، کیونکہ مرہن کا حق مرہون میں اس کے حق اور حصے کے بقدر مضمون ہے لہذا ایسا ہو گیا جیسے اگر عبد مرہون مرہن کے پاس بیمار ہو گیا یا اس نے کوئی جنایت کی تو اس کی بیماری میں اور جنایت سے اسے چھڑانے میں جو صرفہ آئے گا وہ بھی مرہن کے دین اور اس کے حصے کے بقدر اس پر واجب ہوگا باقی راہن پر واجب ہوگا اسی طرح صورت مسئلہ میں جعل بھی مرہن کے حصے کے بقدر ہی اس پر واجب ہوگا۔

وإن كان مديونا الخ فرماتے ہیں کہ اگر عبد آبق مدیون ہو اور مولیٰ اس کا دین ادا کرنا چاہے تو مولیٰ پر جعل واجب ہوگا اور اگر مولیٰ ادائے دین سے انکار کر دے اور غلام کو فروخت کرنے کی نوبت آئے تو اس کے ثمن سے پہلے جعل ادا کیا جائے پھر باقی رقم غلام کو دیدی جائے اس لیے کہ جعل ملکیت کا صرفہ ہے اور اس غلام کی ملکیت ابھی موقوف ہے مولیٰ کی بھی ہو سکتی ہے اور اگر مولیٰ اس کا دین نہ دینا چاہے تو غلام کی بھی ہو سکتی ہے لہذا جس کو ملکیت ملے گی اسی پر جعل بھی ہوگا۔

اور اگر عبد آبق جنایت کرے اور مولیٰ اس کا فدیہ دینا چاہے تو مولیٰ پر جعل ہوگا اور اگر جنایت میں غلام دینا چاہے تو اولیائے مقتول پر جعل ہوگا، کیونکہ پہلی صورت میں اس کی منفعت مولیٰ کو ملے گی اور دوسری صورت میں اس کی منفعت اولیائے مقتول کو ملے گی۔ اسی طرح اگر عبد آبق کسی کو ہبہ کر دیا ہو تو اس کے راد کا جعل واہب پر نہیں ہوگا بلکہ موہوب لہ پر ہوگا اگر چہ رد اور واپسی کے بعد واہب اپنا ہبہ واپس لے لے، اس لیے کہ بوقت رد یہ غلام موہوب لہ کے قبضہ میں تھا اور رد سے واہب کا کوئی فائدہ نہیں ہوا ہے تو گویا یہ جعل موہوب لہ کی ملکیت کا صرفہ ہو افلذ اسبج علیہ۔

اگر عبد آبق کا مالک کوئی نابالغ بچہ ہو تو اسی بچے کے مال میں جعل ہوگا، کیونکہ یہ اسی کی ملکیت کا صرفہ ہے، ہاں اگر راد بچے کا وصی ہی ہو تو اس وصی کو کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ اس غلام کو ڈھونڈ کر بچے کے حوالے کرنا وصی کی ذمہ داری ہے، لہذا وصی نے اس غلام کو واپس کر کے اپنا فریضہ ادا کیا ہے کوئی تیر نہیں مارا ہے کہ اسے اس پر انعام دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

# کتابُ الْمَفْقُودِ

یہ کتاب احکام مفقود کے بیان میں ہے

مفقود وہ شخص کہلاتا ہے جس کی حیات اور موت کا کوئی پتہ نہ ہو۔

إِذَا غَابَ الرَّجُلُ فَلَمْ يُعْرَفْ لَهُ مَوْضِعٌ وَلَا يُعْلَمُ أَحْيٌ هُوَ أَمْ مَيِّتٌ نَصَبَ الْقَاضِي مَنْ يَحْفَظُ مَالَهُ وَيَقُومُ عَلَيْهِ وَيَسْتَوْفِي حَقَّهُ، لِأَنَّ الْقَاضِي نَصَبَ نَاطِرًا لِكُلِّ عَاجِزٍ عَنِ النَّظَرِ لِنَفْسِهِ، وَالْمَفْقُودُ بِهَذِهِ الصِّفَةِ وَصَارَ كَالصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ، وَفِي نَصَبِ الْحَافِظِ لِمَالِهِ وَالْقَائِمِ عَلَيْهِ نَظَرٌ لَهُ، وَقَوْلُهُ يَسْتَوْفِي حَقَّهُ لِإِخْفَاءِ أَنَّهُ يَقْبِضُ غَلَاتِهِ وَالذَّيْنَ الَّذِي أَقْرَبَ بِهِ غَرِيمٌ مِنْ غُرْمَانِهِ، لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ وَيُخَاصِمُ فِي دَيْنٍ وَجَبَ بِعَقْدِهِ لِأَنَّهُ أُصِيلَ فِي حُقُوقِهِ وَلَا يُخَاصِمُ فِي الَّذِي تَوَلَّاهُ الْمَفْقُودُ وَلَا فِي نَصَبٍ لَهُ فِي عَقَارٍ أَوْ عُرُوضٍ فِي يَدِ رَجُلٍ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالِكَ وَلَا نَائِبَ عَنْهُ إِنَّمَا هُوَ وَكِيلٌ بِالْقَبْضِ مِنْ جِهَةِ الْقَاضِي وَأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْخُصُومَةَ بِلَا خِلَافٍ، إِنَّمَا الْخِلَافُ فِي الْوَكِيلِ بِالْقَبْضِ مِنْ جِهَةِ الْمَالِكِ فِي الدَّيْنِ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ يَتَضَمَّنُ الْحُكْمُ بِهِ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ وَأَنَّهُ لَا يَجُوزُ إِذَا رَأَاهُ الْقَاضِي وَقَضَى بِهِ لِأَنَّهُ مُجْتَهِدٌ فِيهِ، ثُمَّ مَا كَانَ يُخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادَ يَبِيعُهُ الْقَاضِي لِأَنَّهُ تَعَدَّرَ عَلَيْهِ حِفْظُ صُورَتِهِ فَيَنْظُرُ لَهُ بِحِفْظِ الْمَعْنَى، وَلَا يَبِيعُ مَالًا يُخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادَ فِي نَفَقَةٍ وَلَا غَيْرَهَا، لِأَنَّهُ لَا وَلايَةَ لَهُ عَلَى الْغَائِبِ إِلَّا فِي حِفْظِ مَالِهِ فَلَا يَسُوعُ لَهُ تَرْكُ حِفْظِ الصُّورَةِ وَهُوَ مُمَكِّنٌ.

**ترجمہ:** اگر کوئی شخص غائب ہو جائے اور اس کا کوئی ٹھکانہ معلوم نہ ہو اور یہ بھی نہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے تو قاضی ایک شخص کو متعین کر دے جو اس کے مال کی حفاظت کرے، اس کی دیکھ ریکھ کرے اور اس کا حق وصول کرے، کیونکہ قاضی کو ہر اس شخص



کے لیے نگران بنایا گیا ہے جو اپنی ضروریات کی دیکھ بھال سے بے بس ہو اور مفقود میں یہ باتیں موجود ہیں اور مفقود بچے اور مجنون کی طرح ہو گیا۔ اور اس کے مال کے لیے محافظ اور متولی مقرر کرنے میں اس پر شفقت ہے۔ اور ماتن کا قول یستوفی حقہ اس بات کی وضاحت کے لیے ہے کہ وہ ناظر مفقود کے غلوں پر قبضہ کرے اور اس دین پر قبضہ کرے، جس کا مفقود کے قرض خواہوں میں سے کوئی اقرار کرے، اس لیے یہ بھی حفاظت میں داخل ہے۔ اور یہ ناظر ایسے دین کے متعلق بھی مخاصمت کرے گا جو خود اس کے عقد سے واجب ہوا ہو، کیونکہ ناظر اپنے حقوق اصل ذمہ دار ہوتا ہے اور اس دین میں مخاصمت نہیں کر سکتا جو مفقود کے ذریعے پیدا ہوا ہو اور ناظرین زمین میں مفقود کے حصے میں یا کسی شخص کے پاس موجود اس کے سامان کے متعلق بھی مخاصمت نہیں کر سکتا، کیونکہ ناظر نہ تو اس کا مالک ہے اور نہ ہی مفقود کی طرف سے نائب ہے وہ تو قاضی کی طرف سے وکیل بالقبض ہے اور قاضی کا وکیل بالقبض بلا اختلاف خصوصیت کا مالک نہیں ہوتا۔

اختلاف تو اس وکیل کے بارے میں ہے جو مالک کی طرف سے دین پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے۔ اور جب معاملہ ایسا ہے تو اس کا حکم قضاء علی الغائب کو شامل ہوگا حالانکہ قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے، لیکن اگر قاضی کی رائے میں یہ بات صحیح معلوم ہو اور قاضی اس کا حکم دیدے تو صحیح ہے، کیونکہ یہ مجتہد فیہ ہے۔

پھر وہ چیزیں جن کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو انھیں قاضی فروخت کر دے، کیونکہ صورتاً اس کی حفاظت محذور ہے لہذا معنا اس کی حفاظت کی جائے گی۔ اور جس چیز کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو اسے نفقہ وغیرہ میں فروخت نہیں کیا جائے گا، کیونکہ غائب پر اس کے مال کی حفاظت کے حوالے سے ہی قاضی کو ولایت حاصل ہے لہذا اس کے لیے حفاظت کا ترک جائز نہیں ہوگا، کیونکہ حفاظت کرنا ممکن ہے۔

## اللغات:

﴿حقی﴾ زندہ۔ ﴿یستوفی﴾ وصول کرے۔ ﴿ناظر﴾ مصلحت کی رعایت رکھنے والا۔ ﴿مفقود﴾ کم۔ ﴿صبی﴾ بچہ۔ ﴿غلات﴾ آمدنیاں۔ ﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿غریم﴾ قرضدار۔ ﴿بخاصم﴾ جھگڑا کرے گا۔ ﴿عقار﴾ جائیداد، زمین وغیرہ۔ ﴿عروض﴾ ساز و سامان۔ ﴿لا یسوغ﴾ جائز نہیں ہوگا۔

## مفقود الخمر کے احکام:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مفقود کا کوئی پتا ٹھکانہ معلوم نہ ہو اور اس کی حیات و موت کا کوئی علم نہ ہو تو قاضی اس مفقود کے اموال کی حفاظت اور نگہداشت کے لیے کوئی نگران مقرر کر دے جو اس کے حقوق کی وصولیابی بھی کیا کرے جیسے قاضی بچے اور مجنون کے مال میں اس طرح کا محافظ اور نگران متعین کرتا ہے۔ یہ نگران مفقود کی پیداوار اور دیگر حاصلات پر قبضہ کرتا ہے اور مفقود کے غرماء میں سے جو شخص اپنے اوپر اس کے دین کا اقرار کرتا ہے اس پر قبضہ کرتا ہے اور مفقود کے عین اور لین دین سے جو دین واجب ہو اس کے متعلق تو وہ مخاصمت کر سکتا ہے، لیکن مفقود کے لین دین اور معاملات سے جو دین واجب ہو اسی طرح مفقود کی زمین و جائیداد سے متعلق جو معاملہ ہو ان کے متعلق وہ مخاصمت نہیں کر سکتا، کیونکہ مخاصمت کے لیے ملکیت یا نیابت ضروری ہے اور ناظر و نگران میں یہ دونوں باتیں

معدوم ہیں اور ناظر تو صرف قاضی کی طرف سے وکیل بالقبض ہوتا ہے اس لیے اسے اس کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ وکیل بالقبض من جہۃ المالك مختصت کا مالک نہیں ہوتا اور اگر ہم اسے مختصت کا مالک قرار دیں گے تو یہ قضاء علی الغائب ہوگا اور قضا علی الغائب جائز نہیں ہے، ہاں اگر قاضی اس میں مصلحت سمجھے تو اسے نافذ کر سکتا ہے کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔

ثم ما كان الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مفقود کے اموال میں خراب ہونے والی چیزیں مثلاً پھل وغیرہ ہوں تو قاضی انہیں فروخت کر کے ان کا ثمن محفوظ کر لے، کیونکہ جب صورتاً ان کی حفاظت معذور ہے تو ثمن محفوظ کر کے معنا اس کی حفاظت کی جائے۔ لیکن جن چیزوں کے خراب ہونے کا خوف نہ ہو قاضی انہیں فروخت نہیں کر سکتا، کیونکہ اب باقی رکھنے میں شفقت ہے اور فروخت کرنے میں کوئی شفقت نہیں ہے۔

قَالَ وَيُنْفِقُ عَلَى زَوْجَتِهِ وَأَوْلَادِهِ مِنْ مَالِهِ وَلَيْسَ هَذَا الْحُكْمُ مَقْصُورًا عَلَى الْأَوْلَادِ بَلْ يَعُمُّ جَمِيعَ قَرَابَةِ الْأَوْلَادِ، وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَنْ يَسْتَحِقُّ النِّفْقَةَ فِي مَالِهِ حَالِ حَضْرَتِهِ بِغَيْرِ قَضَاءِ الْقَاضِي يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ عِنْدَ غَيْبَتِهِ، لِأَنَّ الْقَضَاءَ حِينَئِذٍ يَكُونُ إِعَانَةً، وَكُلُّ مَنْ لَا يَسْتَحِقُّهَا فِي حَضْرَتِهِ إِلَّا بِالْقَضَاءِ لَا يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ فِي غَيْبَتِهِ، لِأَنَّ النِّفْقَةَ حِينَئِذٍ تَجِبُ بِالْقَضَاءِ وَالْقَضَاءُ عَلَى الْغَائِبِ مُمْتَنِعٌ، فَمِنَ الْأَوَّلِ الْأَوْلَادُ الصِّغَارُ وَالْإِنَاثُ مِنَ الْكِبَارِ وَالزَّمَنِيُّ مِنَ الذُّكُورِ الْكِبَارِ، وَمِنَ الثَّانِي الْأَخُ وَالْأُخْتُ وَالْخَالَ وَالْخَالَةُ، وَقَوْلُهُ مِنْ مَالِهِ مُرَادُهُ الدَّرَاهِمُ وَالذَّنَانِيرُ، لِأَنَّ حَقَّهُمْ فِي الْمَطْعُومِ وَالْمَلْبُوسِ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ فِي مَالِهِ يَحْتَاجُ إِلَى الْقَضَاءِ بِالْقِيَمَةِ وَهِيَ النِّقْدَانُ، وَالتَّبَرُّ بِمَنْزِلَتَيْهِمَا فِي هَذَا الْحُكْمِ لِأَنَّهُ يَصْلَحُ قِيَمَةً كَالْمَضْرُوبِ وَهَذَا إِذَا كَانَتْ فِي يَدِ الْقَاضِي، فَإِنْ كَانَتْ وَدِيعَةً أَوْ دَيْنًا يُنْفِقُ عَلَيْهِمْ مِنْهُمْ إِذَا كَانَ الْمُودَعُ وَالْمَدْيُونُ مُقَرَّرَيْنِ بِالذَّيْنِ وَالْوَدِيعَةِ وَالنِّكَاحِ وَالنَّسَبِ، وَهَذَا إِذَا لَمْ يَكُونَا ظَاهِرَيْنِ عِنْدَ الْقَاضِي فَإِنْ كَانَ ظَاهِرَيْنِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى الْإِقْرَارِ، وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا ظَاهِرًا يُشْتَرَطُ الْإِقْرَارُ بِمَا لَيْسَ بِظَاهِرٍ هَذَا هُوَ الصَّحِيحُ، فَإِنْ دَفَعَ الْمُودَعُ بِنَفْسِهِ أَوْ مَنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بِغَيْرِ أَمْرِ الْقَاضِي يَضْمَنُ الْمُودَعُ وَلَا يَبْرَأُ الْمَدْيُونُ لِأَنَّهُ مَا أَدَّى إِلَى صَاحِبِ الْحَقِّ وَلَا إِلَى نَائِبِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا دَفَعَ بِأَمْرِ الْقَاضِي، لِأَنَّ الْقَاضِي نَائِبٌ عَنْهُ، وَإِنْ كَانَ الْمُودَعُ وَالْمَدْيُونُ جَا حِدَيْنِ أَصْلًا أَوْ كَانَا جَا حِدَيْنِ الزَّوْجِيَّةِ وَالنَّسَبِ لَمْ يَنْتَصِبْ أَحَدٌ مِنْ مُسْتَحِقِّي النِّفْقَةِ خَصْمًا فِي ذَلِكَ لِأَنَّهُ مَا يَدَّعِيهِ لِلْغَائِبِ لَمْ يَتَّعَيْنُ سَبَبًا لِثَبُوتِ حَقِّهِ وَهُوَ النِّفْقَةُ، لِأَنَّهُمَا كَمَا تَجِبُ فِي هَذَا الْمَالِ تَجِبُ فِي مَالٍ آخَرَ لِلْمَفْقُودِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ناظر مفقود کے مال سے اس کی بیوی اور بچوں کا نفقہ دے اور یہ حکم اولاد ہی پر منحصر نہیں ہے، بلکہ تمام

پیدائشی قرابت داروں کو عام ہے۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو مفقود کی موجودگی میں قضاے قاضی کے بغیر اس کے مال میں نفقہ کا مستحق ہے اس پر اس مفقود کی غیبت میں بھی مفقود کے مال سے خرچ کیا جائے گا، اس لیے کہ اس صورت میں قاضی کا فیصلہ صرف اعانت کے لیے ہوگا۔ اور جو لوگ مفقود کی موجودگی میں بدون قضاے قاضی مستحق نہیں ہیں یہ ناظر مفقود کی عدم موجودگی میں انھیں نفقہ نہیں دے گا، کیونکہ اس وقت نفقہ قضاے قاضی سے واجب ہوگا حالانکہ قضا علی الغائب ممنوع ہے۔

پہلی قسم میں سے نابالغ بچے ہیں، بالغ لڑکیاں ہیں اور بالغ اپانچ لڑکے ہیں۔ اور دوسری قسم میں سے بھائی، بہن، ماموں اور خالہ ہیں۔ اور امام قدوری کے قول من مالہ سے دراہم و دنانیر مراد ہیں، کیونکہ مستحقین کا حق کھانے اور کپڑے میں ہے اور جب مفقود کے مال میں مطعوم اور ملبوس نہ ہو تو قضا بالقیمت کی ضرورت ہوگی اور قیمت دراہم و دنانیر ہیں۔ اور بغیر ڈھلا ہوا سکھ اس حکم میں دراہم و دنانیر کے درجے میں ہے کیونکہ ڈھلے ہوئے سکے کی طرح وہ بھی قیمت بن سکتا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب یہ مال قاضی کے پاس ہو، لیکن اگر مفقود کا مال ودیعت ہو یا کسی کے پاس بطور قرض ہو تو اگر مودع اور مقروض ودیعت دین کے مقرر ہوں اور مفقود کی بیوی اور اس کے بچوں کے نکاح اور نسب کا اقرار کر رہے ہوں تو مذکورہ دونوں مالوں سے انھیں نفقہ دیا جائے گا، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب ودیعت اور نکاح وغیرہ قاضی کے پاس ظاہر نہ ہوں اور اگر ظاہر ہوں تو ان کے اقرار کی چنداں ضرورت نہیں ہے اور اگر ان میں سے ایک ظاہر ہو تو غیر ظاہر کے متعلق اقرار شرط ہوگا یہی صحیح ہے۔ چنانچہ اگر مودع یا مدیون نے حکم قاضی کے بغیر انھیں مال دیدیا تو مودع ضامن ہوگا اور مدیون دین سے بری نہیں ہوگا کیونکہ اس نے نہ تو صاحب حق کو دین ادا کیا ہے اور نہ ہی اس کے نائب کو۔ برخلاف اس صورت کے جب اس نے قاضی کے حکم سے دیا ہو کیونکہ قاضی مفقود کا نائب ہے۔

اور اگر مودع اور مدیون دین اور ودیعت کے منکر ہوں یا وہ زوجیت اور نسب کے منکر ہوں تو مستحقین نفقہ میں سے کوئی شخص اس سلسلے میں خصم نہیں ہو سکتا، کیونکہ خصم غائب کے لیے جس چیز کا دعویٰ کرے گا وہ اس کا یعنی نفقہ کا حق ثابت ہونے کے لیے سبب نہیں ہوگا، کیونکہ جس طرح اس مال میں (دین اور ودیعت میں) نفقہ واجب ہو سکتا ہے اس طرح دوسرے مال میں بھی واجب ہو سکتا ہے۔

## اللغات:

﴿ینفق﴾ خرچ کرے۔ ﴿مقصود﴾ منحصر، محدود۔ ﴿حضرۃ﴾ موجودگی۔ ﴿غیبة﴾ غیر موجودگی۔ ﴿اعانة﴾ مدد کرنا۔ ﴿ممنوع﴾ ممنوع / نامکن۔ ﴿زمن﴾ اپانچ، معذور۔ ﴿خال﴾ ماموں۔ ﴿مطعوم﴾ کھانے کا سامان۔ ﴿تبر﴾ خالص سونا چاندی، بے ڈھلا سونا، چاندی، ڈلی۔ ﴿ودیعة﴾ امانت۔ ﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿جاحدین﴾ انکار کرنے والے۔

## مفقود کے مستحق نفقہ متعلقین کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ جو لوگ مفقود کی موجودگی میں قضاے قاضی کے بغیر ولادی اور پیدائشی رشتے کی وجہ سے ان کے مال سے نفقہ پانے کا مستحق تھے مثلاً اس کے نابالغ بچے، بالغ لڑکیاں اور بالغ معذورین وہ اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کے مال سے مستحق نفقہ ہوں گے اور قاضی کی طرف سے مقرر کردہ ناظر انھیں مفقود کے مال سے نفقہ دے گا۔ اور جو لوگ اس کی موجودگی میں قضاے قاضی

کے بغیر مستحق نفقہ نہیں تھے جیسے بھائی، بہن اور خالہ ماموں وغیرہ وہ اس کی عدم موجودگی میں بھی مستحق نفقہ نہیں ہوں گے۔ کیونکہ اگر قاضی ان پر نفقہ کا حکم دے گا تو یہ قضاء علی الغائب ہوگا حالانکہ قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے۔

نفقہ میں کھانا اور کپڑا داخل ہے اگر مفقود کے مال میں مطعوم و ملبوس ہو تو ٹھیک ہے یعنی وہی دیا جائے اور اگر نہ ہو تو ان کی قیمت یعنی دراہم و دنانیر دیئے جائیں بشرطیکہ مفقود کے یہ اموال قاضی کے قبضے میں ہوں اور اگر یہ اموال کسی کے پاس ودیعت یا قرض کے طور پر ہوں اور قاضی کو یہ معلوم ہو کہ مفقود کے اموال فلاں فلاں کے پاس موجود ہیں تو انہی اموال سے مستحقین کو نفقہ دیا جائے اور اس صورت میں مودع اور مدیون میں سے کسی کے اقرار کی ضرورت نہیں ہوگی، ہاں اگر یہ بات قاضی کے علم میں نہ ہو تو مودع اور مدیون کے اقرار کی ضرورت ہوگی چنانچہ اگر یہ دونوں یہ اقرار کریں کہ ہمارے پاس مفقود کا مال ہے اور فلاں عورت اس کی بیوی ہے اور یہ اس کے بچے ہیں تو اس مال سے انھیں نفقہ دیا جائے گا اور اگر ان دونوں یعنی مال اور مستحقین میں سے کوئی چیز قاضی کے علم میں نہ ہو تو اس کے لیے بھی مودع اور مدیون کے اقرار کی ضرورت ہوگی اور ان کے اقرار کے بعد ہی اس پر فیصلہ کیا جائے گا۔

فان دفع المودع الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مودع یا مدیون نے قاضی کے حکم کے بغیر مدیون کی بیوی اور اس کے بچوں کو نفقہ دیدیا تو مودع اتنے مال کا ضامن ہوگا اور مدیون دین سے بری نہیں ہوگا، کیونکہ ان لوگوں نے نہ تو صاحب حق یعنی مفقود کو اس کا حق دیا ہے اور نہ ہی اس کے نائب کو دیا ہے اور ایک طرح سے دوسرے کے مال میں تصرف کیا ہے جو موجب ضمان ہے ہاں اگر قاضی کے حکم سے دیا ہو تو ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہے اور وہ مفقود کا نائب ہے۔

اگر مودع یا مدیون اصل یعنی ودیعت اور دین کے منکر ہوں یا مفقود کی بیوی اور بچوں کو اس کی بیوی بچے ماننے کے لیے تیار نہ ہوں تو ان لوگوں میں سے کوئی بھی مودع یا مدیون کا خصم نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر کوئی خصم بنے گا تو وہ غائب پر نفقہ ہی کا دعویٰ کرے گا حالانکہ یہ دعویٰ معتبر نہیں ہے، کیونکہ جس طرح ودیعت اور دین میں نفقہ واجب ہے اسی طرح دوسرے مال میں بھی واجب ہے اور یہ وجوب صرف ودیعت اور دین میں منحصر نہیں ہے، لہذا حج کا فیصلہ یہ ہوگا کہ جہاں انکار نہیں ہے وہاں جا کر نفقہ لو اور یہاں انکار اور جھنجھٹ ہے اس لیے یہاں نفقہ چھوڑ دو۔

قَالَ وَلَا يَفْرَقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ وَقَالَ مَالِكٌ إِذَا مَضَى أَرْبَعُ سِنِينَ يَفْرَقُ الْقَاضِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ وَتَعْتَدُ عِدَّةُ الْوَفَاةِ ثُمَّ تَزَوَّجَ مَنْ شَاءَتْ، لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ هَكَذَا قَضَى فِي الَّذِي اسْتَهْوَاهُ الْجَنُّ بِالْمَدِينَةِ وَكَفَى بِهِ إِمَامًا، وَلَآئِنَّهُ مَنَعَ حَقَّهَا بِالْغَيْبَةِ فَيَفْرَقُ الْقَاضِي بَيْنَهُمَا بَعْدَ مَا مَضَى مُدَّةُ اعْتِبَارٍ بِالْإِبْلَاءِ وَالْعِنَةِ، وَبَعْدَ هَذَا الْإِعْتِبَارِ أَخَذَ الْمِقْدَارَ مِنْهُمَا الْأَرْبَعُ مِنَ الْإِبْلَاءِ وَالسِّنِينَ مِنَ الْعِنَةِ عَمَلًا بِالشَّهْرَيْنِ، وَلَنَا قَوْلُهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي امْرَأَةِ الْمَفْقُودِ أَنَّهَا امْرَأَتُهُ حَتَّى يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ، وَقَوْلُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِيهَا هِيَ امْرَأَةٌ ابْتَلَيْتْ فَلْتَصْبِرْ حَتَّى يَسْتَبِينَ مَوْتَ أَوْ طَلَاقٍ، خَرَجَ بَيَانًا لِلْبَيَانِ الْمَذْكُورِ فِي الْمَرْفُوعِ، وَلَآئِنَّ النِّكَاحَ عُرِفَ ثُبُوتُهُ، وَالْغَيْبَةُ لَا تُوجِبُ الْفُرْقَةَ



وَالْمَوْتُ فِي حَيْزِ الْإِحْتِمَالِ فَلَا يَزَالُ النِّكَاحُ بِالشَّكِّ، وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَجَعَ إِلَى قَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَلَا مُعْتَبَرٌ بِالْإِيلَاءِ، لِأَنَّهُ كَانَ طَلَاقًا مُعْجَلًا فَاعْتَبِرَ فِي الشَّرْعِ مُوَجَّلًا فَكَانَ مُوجِبًا لِلْفُرْقَةِ، وَلَا بِالْعِنَةِ لِأَنَّ الْغَيْبَةَ تَعْقِبُ الْأَوْبَةَ، وَالْعِنَةُ وَقَلَّمَا تَحِلُّ بَعْدَ اسْتِمْرَارِهَا سَنَةً.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ مفقود کے اور اس کی بیوی کے مابین تفریق نہ کی جائے۔ امام مالک رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فرماتے ہیں کہ جب چار سال گزر جائیں تو قاضی ان میں تفریق کر دے اور وہ عورت عدت وقات گزار کر جس سے چاہے نکاح کر لے، اس لیے کہ مدینہ منورہ میں جس شخص کو جن اٹھالے گئے تھے اس کے متعلق حضرت فاروق اعظمؓ نے یہی فیصلہ کیا تھا اور ان کا پیشوا ہونا کافی ہے۔ اور اس لیے کہ مفقود نے غائب ہو کر بیوی کا حق روک دیا ہے لہذا ایک مدت گزرنے کے بعد قاضی قاضی ان کے مابین تفریق کر دے گا جیسے ایلاء اور عنین میں ہوتا ہے۔ اور اس قیاس کے بعد مولیٰ اور عنین سے یہ مقدار اخذ کی گئی چنانچہ ایلاء سے چار لیا گیا اور عنین سے سال اور یہ چار سال کی مدت ہوئی تاکہ دونوں مشابہتوں پر عمل ہو جائے۔

ہماری دلیل مفقود کی بیوی کے متعلق آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ جب تک کوئی تحقیق نہیں ہو جاتی اس وقت تک یہ عورت مفقود کی بیوی رہے گی۔ اور امرأۃ مفقود کے متعلق حضرت علی رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کا ارشاد یہ ہے کہ یہ ایک عورت ہے جو مصیبت میں مبتلا کر دی گئی ہے اسے چاہئے کہ صبر کرے یہاں تک کہ اس کے شوہر کی موت یا اس کی طرف سے طلاق واضح ہو جائے۔ حضرت علی کا یہ فرمان حدیث مرفوعہ میں جو حکم مذکور ہوا ہے اس کے لیے بیان صادر ہوا ہے۔ اور اس لیے کہ نکاح یقینی طور پر ثابت ہے اور غیبت موجب فرقت نہیں ہے اور مفقود کا مرنا محتمل ہے لہذا شک کی وجہ سے نکاح زائل نہیں ہوگا۔

اور حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نے حضرت علی کے قول کی طرف رجوع فرمایا تھا۔ اور ایلاء پر اسے قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ایلاء طلاق معجل تھا لیکن شریعت نے اسے مؤجل کر دیا لہذا ایلاء موجب فرقت ہوگا۔ اور اسے عنین پر بھی قیاس کیا جاسکتا اس لیے کہ غیبت میں رجعت اور واپسی کی امید رہتی ہے جب کہ عنین بیماری اگر سال بھر رہ گئی تو اس کے ٹھیک ہونے کی امید ختم ہو جاتی ہے۔

### اللغات:

﴿لا یفرق﴾ نہیں جدائی کرائی جائے گی۔ ﴿مضی﴾ گزر گئے۔ ﴿استہواہ﴾ اس کو اٹھا کے لے گئے تھے۔ ﴿عنة﴾ نامردی۔ ﴿اتبلیت﴾ آزمائش میں مبتلا کی گئی ہے۔ ﴿اوبہ﴾ واپسی۔

### تخریج:

① اخرجه دارقطنی فی سننہ ۳۱۲/۳.

### مفقود کی بیوی کے احکام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب تک مفقود کی موت واضح نہ ہو جائے یا یہ کلیئر نہ ہو جائے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا ہے

اس وقت ہمارے یہاں مفقود اور اس کی بیوی میں تفریق نہیں کی جائے گی۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مفقود کو غائب ہوئے چار سال کا عرصہ گزر جائے تو قاضی اس کے اور اس کی بیوی کے مابین تفریق کر دے اور بیوی عدت و فوات گزار کر جس مرد سے چاہے نکاح کر لے، اس لیے کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص کو جن اٹھالے گئے تھے اور اس کی بیوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ معاملہ لے کر آئی تب حضرت عمر نے اس سے کہا چار سال بعد آنا، چار سال بعد وہ پھر آئی حضرت فاروق اعظم رحمہ اللہ نے اس کی قوم سے معاملہ کی انکوائری کرائی اور ان کی تصدیق کے بعد اسے عدت و فوات گزار نے اور دوسری جگہ شادی کرنے کا حکم دیا (ہدایہ، ص: ۶۶۲، حاشیہ: ۲) پر اس کی مفصل وضاحت موجود ہے وہ کذا فی البیانہ: ۶/۸۱۲ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ حجت اور دلیل کے لیے کافی ہے۔ اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ مفقود نے غائب ہو کر اپنی بیوی کی حق تلفی کی ہے، لہذا جس طرح ایلا کرنے والے اور عنین اور ان کی بیوی کے مابین ایک مدت کے بعد تفریق کر دی جاتی ہے اسی طرح مفقود اور اس کی بیوی کے مابین بھی ایک مدت یعنی چار سال بعد تفریق کر دی جائے۔ اور چار سال کی مقدار مولیٰ اور عنین دونوں کے مجموعے سے لی جائے گی چنانچہ مولیٰ کے چار ماہ سے چار کولیا جائے گا اور عنین کے سہ سے سال کولیا جائے گا، اور اس طرح دونوں مشابہتوں پر عمل کرتے ہوئے چار سال کے بعد مفقود اور اس کی بیوی میں تفریق کر دی جائے گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مفقود کی بیوی کے متعلق حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ وہ مفقود کی بیوی ہے یہاں تک کہ اس کی تحقیق ہو جائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے کہ مفقود کی بیوی مصیبت میں مبتلی کی گئی ہے اور اسے صبر کرنا چاہئے حتیٰ کہ اس کی موت کا پتہ چل جائے یا اس کی طرف سے طلاق دینا ثابت ہو جائے۔ لہذا جب تک مفقود کا کوئی معاملہ واضح نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے اور اس کی بیوی میں تفریق نہیں کی جائے گی۔ اور اس لیے کہ نکاح یقینی طور پر ثابت ہے اور غیبت موجب فرقت نہیں ہے نیز مفقود کا مرنا بھی کوئی یقینی نہیں ہے، بلکہ احتمال ہے اور یقین سے ثابت شدہ چیز شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتی فقہ کا یہ مشہور ضابطہ ہے یقین لا یزول بالشک۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کا حضرت عمر کے فرمان گرامی سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کے قول کی طرف رجوع فرمایا تھا اور ایلاء اور عنین پر بھی اسے قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایلاء زمانہ جاہلیت میں طلاق معجل تھا تو شریعت نے اسے بھی طلاق ہی قرار دیا لیکن معجل کو چار مہینے کی تاویل سے مؤجل کر دیا اور طلاق موجب فرقت ہے جب کہ مفقود کی غیبت موجب فرقت نہیں ہے اور اس کی طرف سے طلاق بھی نہیں واقع کی گئی ہے۔

اور عنیت کا معاملہ ہے تو اگر ایک سال تک کوئی عنین اس مرض میں مبتلا رہے تو اس کے صحیح ہونے کا امکان معدوم ہو جاتا ہے جب کہ مفقود اور غائب کے واپس آنے کا امکان باقی رہتا ہے لہذا غیر متوقع کو امر متوقع پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا۔

قَالَ وَإِذَا تَمَّ لَهُ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ سَنَةً مِنْ يَوْمٍ وَلَدَ حَكَمْنَا بِمَوْتِهِ، قَالَ وَهَذِهِ رَوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَفِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ يُقَدَّرُ بِمَوْتِ الْأَقْرَانِ، وَفِي الْمَرْوِيِّ عَنْ أَبِي يُونُسَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ بِمِائَةِ سَنَةٍ، وَقَدَّرَهُ بَعْضُهُمْ بِتِسْعِينَ وَالْأَقْسَى أَنْ لَا يُقَدَّرُ بِشَيْءٍ وَالْأَرْفَقُ أَنْ يُقَدَّرَ بِتِسْعِينَ، وَإِذَا حَكَمَ بِمَوْتِهِ اعْتَدَتْ امْرَأَتُهُ

عِدَّةُ الْوَقَاتِ مِنْ ذَلِكَ الْوَقْتِ، وَقُسِمَ مَالُهُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ الْمَوْجُودِينَ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ كَأَنَّهُ مَاتَ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ مُعَايَنَةً، إِذَا الْحُكْمِيُّ مُعْتَبَرٌ بِالْحَقِيقِيِّ، وَمَنْ مَاتَ قَبْلَ ذَلِكَ لَمْ يَرِثْ مِنْهُ لِأَنَّهُ لَمْ يُحْكَمْ بِمَوْتِهِ فِيهَا فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَتْ حَيَاتُهُ مَعْلُومَةً، وَلَا يَرِثُ الْمَفْقُودُ أَحَدًا مَاتَ فِي حَالِ فَقْدِهِ، لِأَنَّ بَقَاءَهُ حَيًّا فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ بِاسْتِصْحَابِ الْحَالِ وَهُوَ لَا يَصْلَحُ حُجَّةً فِي الْإِسْتِحْقَاقِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر یوم پیدائش سے لے کر مفقود ۱۲۰ سال کا ہو جائے تو ہم اس کی موت کا فیصلہ کر دیں گے، فرماتے ہیں کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسن کی روایت ہے اور ظاہر مذہب میں اس کے ہم عمر لوگوں سے اس کی موت کا اندازہ لگایا جائے گا، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے سو سال کی تقدیر مروی ہے بعض لوگوں ۹۰ سال سے اندازہ لگایا ہے۔ بہتر قیاس یہ ہے کہ کسی بھی مدت سے اندازہ نہ لگایا جائے (اور اگر تقدیر ضروری ہو تو آسانی اس میں ہے کہ نوے برس سے اندازہ لگایا جائے)۔ اور جب مفقود کی موت کا فیصلہ کر دیا جائے تو اس کی بیوی اسی وقت سے عدت وفات گزارے اور اس کے وقت مفقود کے جو ورثاء موجود ہوں ان کے مابین اس کا مال تقسیم کر دیا جائے گویا کہ وہ مفقود اسی وقت ان کی آنکھوں کے سامنے مرا ہے، اس لیے کہ موت حکمی کو حقیقی موت پر قیاس کیا جاتا ہے۔ اور جو شخص اس وقت سے پہلے مر چکا ہو وہ مفقود کا وارث نہیں ہوگا، کیونکہ مدت فقدان میں مفقود کی موت کا فیصلہ نہیں کیا گیا تھا تو یہ ایسا ہو گیا جیسے اس کی زندگی معلوم ہو۔ اور مفقود بھی اپنے ایسے مورث کا وارث نہیں ہوگا جو اس کے گم ہونے کی حالت میں مرا ہو، اس لیے کہ اصحاب حال کی وجہ سے مفقود فی الحال زندہ ہے اور اصحاب استحقاق کے لیے حجت نہیں بن سکتا۔

## اللغات:

﴿تم﴾ پورے ہو جائیں۔ ﴿یقدر﴾ اندازہ لگایا جائے گا۔ ﴿اقران﴾ ہم عمر لوگ۔ ﴿اقیس﴾ قیاس کے زیادہ مطابق۔ ﴿ارفق﴾ زیادہ نرمی والا۔ ﴿قسم﴾ تقسیم کر دیا جائے۔ ﴿حجة﴾ دلیل۔

## مفقود کا انتظار کب تک کیا جائے گا:

سوال یہ ہے کہ اگر مفقود کا کوئی پتا ٹھکانہ معلوم نہ ہو تو کب تک اس کا انتظار کیا جائے اور اس کی حیات و موت کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلے میں تین روایات ہیں (۱) پہلی روایت جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت حسن بن زیاد کی ہے وہ یہ ہے کہ مفقود کی پیدائش سے لے کر جس دن اس کی عمر ایک سو بیس سال ہو جائے اس دن اس کی موت کا فیصلہ کر دیا جائے (۲) ظاہر المذہب یہ ہے کہ اس مفقود کے ہم عمروں اور ہم عمروں کی عمروں کا اندازہ کر کے اس کی موت کا فیصلہ کیا جائے (۳) تیسری روایت یہ ہے کہ نوے سال کی عمر پر اس کی موت کا فیصلہ کر دیا جائے یہی تیسری مقدار اصح اور ارفق للناس ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے (بنایہ: ۶/۸۱۷) اور جب مفقود کی موت کا فیصلہ کیا جائے اسی دن سے اس کی عورت عدت وفات گزارے اور اس وقت مفقود کے جو ورثاء موجود ہوں ان کے مابین اس کے اموال تقسیم کر دیئے جائیں جیسا کہ حقیقی موت میں بھی یہی صورت اختیار کی جاتی ہے۔

ومن مات الخ فرماتے ہیں کہ مفقود کی موت کا فیصلہ کئے جانے سے پہلے اس کے ورثاء میں سے جو مر چکے ہوں وہ اب اس کے وارث نہیں ہوں گے اور مفقود بھی ان کا وارث نہیں ہوگا، وہ لوگ اس لیے وارث نہیں ہوں گے کہ اس کی گم شدگی کے دوران اس کی موت کا فیصلہ نہیں ہوا تھا اور وہ زندہ تھا لیکن چوں کہ اس کی زندگی کا فیصلہ استصحاب حال کی وجہ سے ہے اور استصحاب حال ہمارے یہاں دفع کے لیے حجت بن سکتا ہے، لیکن استحقاق کے لیے حجت نہیں بن سکتا اور وہی ہم نے یہاں کیا کہ مفقود کی موت کے حکم سے پہلے مرنے والے اس کے ورثاء کا حق اس کی میراث سے دفع کر دیا اور ان لوگوں کی میراث سے اس کا استحقاق ختم کر دیا۔

وَكَذَلِكَ لَوْ أَوْصِيَ لِلْمَفْقُودِ وَمَاتَ الْمُوصِي، ثُمَّ الْأَصْلُ أَنَّهُ لَوْ كَانَ مَعَ الْمَفْقُودِ وَارِثٌ لَا يُحْجَبُ بِهِ وَلَكِنَّهُ يَنْتَقِصُ حَقُّهُ بِهِ يُعْطَى أَكْثَرُ النَّصِيبَيْنِ وَيُوقَفُ الْبَاقِي وَإِنْ كَانَ مَعَهُ وَارِثٌ يُحْجَبُ بِهِ لَا يُعْطَى أَصْلًا، بَيَانُهُ رَجُلٌ مَاتَ عَنِ ابْنَتَيْنِ وَابْنٍ مَفْقُودٍ وَابْنِ ابْنٍ وَبِنْتِ ابْنٍ وَالْمَالُ فِي يَدِ الْأَجْنَبِيِّ وَتَصَادَقُوا عَلَى فَقْدِ الْإِبْنِ وَطَلَبَتِ الْإِبْنَتَانِ الْمِيرَاثَ تَعْطِيَانِ النِّصْفَ، لِأَنَّهُ مُتَيَقَّنٌ بِهِ وَيَقِفُ النِّصْفُ الْآخَرُ، وَلَا يُعْطَى وَلَدُ الْإِبْنِ لِأَنَّهُمْ يُحْجَبُونَ بِالْمَفْقُودِ وَلَوْ كَانَ حَيًّا فَلَا يَسْتَحِقُّونَ الْمِيرَاثَ بِالشَّكِّ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ يَدِ الْأَجْنَبِيِّ إِلَّا إِذَا ظَهَرَتْ مِنْهُ خِيَانَةٌ، وَنَظِيرُ هَذَا الْحَمْلُ فَإِنَّهُ تَوَقَّفُ لَهُ مِيرَاثُ ابْنٍ وَاحِدٍ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفُتُوَى، وَلَوْ كَانَ مَعَهُ وَارِثٌ آخَرُ إِنْ كَانَ لَا يَسْقُطُ بِحَالٍ وَلَا يَتَغَيَّرُ بِالْحَمْلِ يُعْطَى كُلُّ نَصِيبِهِ، وَإِنْ كَانَ مِمَّنْ تَسْقُطُ بِالْحَمْلِ لَا يُعْطَى وَإِنْ كَانَ مِمَّنْ يَتَغَيَّرُ بِهِ يُعْطَى الْأَقْلُ لِلَّتِيْقَنَ بِهِ كَمَا فِي الْمَفْقُودِ، وَقَدْ شَرَحْنَاهُ فِي كِفَايَةِ الْمُنتَهَى بِأَتَمِّ مِنْ هَذَا.

**ترجمہ:** ایسے ہی اگر مفقود کے لیے کچھ وصیت کی گئی ہو اور موصی مر گیا ہو تو وصیت صحیح نہیں ہوگی۔ پھر ضابطہ یہ ہے کہ اگر مفقود کے ساتھ کوئی ایسا وارث ہو تو مفقود کی وجہ سے وراثت سے محروم نہ ہوتا ہو لیکن اس کی وجہ سے اس کا حصہ کم ہو جاتا ہو (جیسے اس کی بہن) تو اس وارث کو اقل النصیبین دیا جائے گا اور باقی رکھ لیا جائے گا اور اگر مفقود کے ساتھ ایسا وارث ہو جو اس کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہو (جیسے اس کا بیٹا اور اس کی بیٹی) تو اس وارث کو وراثت ہی نہیں دی جائے گی۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایک شخص دو بیٹیاں (۱) ابن مفقود (۲) پوتا اور ایک (۱) پوتی چھوڑ کر مرا اور اس کا مال کسی اجنبی کے پاس ہو اور ان لوگوں نے بھی میت کے لڑکے کی گم شدگی پر اتفاق کر لیا اور اس کی دونوں لڑکیوں نے میراث کا مطالبہ کیا تو انہیں پورے مال کا نصف دیا جائے گا، کیونکہ نصف متیقن ہے اور نصف آخر روک لیا جائے گا اور مفقود کے بچوں کو کچھ نہیں دیا جائے گا اس لیے کہ مفقود کی وجہ سے یہ محروم ہو جاتے ہیں، اگر مفقود زندہ ہوتا، لہذا شک کی وجہ سے یہ میراث کے مستحق نہیں ہوں گے۔ اور وہ مال اجنبی کے پاس سے نہیں لیا جائے گا الا یہ کہ اس کی طرف سے خیانت کا ظہور ہو۔ اور مفقود کی نظیر ”حمل“ ہے چنانچہ حمل کے لیے بھی ایک لڑکے کی میراث روک لی جاتی ہے جیسا کہ اسی پر فتویٰ ہے اور اگر حمل کے ساتھ دوسرا وارث بھی ہو جو کسی بھی حال میں ساقط نہ ہوتا ہو اور حمل کی وجہ سے اس کے حصے میں تغیر و تبدل نہ ہوتا ہو تو اسے اس کا پورا حصہ دیا جائے گا اور اگر حمل کے ساتھ دوسرا وارث بھی ہو تو



اسے اس کا پورا حصہ دیا جائے گا اور اگر حمل کے ساتھ کوئی ایسا وارث ہو جس کا حصہ حمل کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہو تو اسے کچھ نہیں دیا جائے گا اور اگر ایسا وارث ہو جس کا حصہ حمل کی وجہ سے کم زیادہ ہوتا ہو تو اسے اقل دیا جائے گا، کیونکہ اقل متیقن ہوتا ہے جیسے مفقود میں ایسا ہی ہوتا ہے اور کفایۃ المنتہی میں ہم نے اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ اسے بیان کر دیا ہے۔

## اللغات:

﴿اوصی﴾ وصیت کی گئی۔ ﴿لا یحجب﴾ نہیں روکا جائے گا۔ ﴿ینقص﴾ کم ہو جاتا ہے۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿تصادقوا﴾ ایک دوسرے کی تصدیق کی۔ ﴿حتی﴾ زندہ۔ ﴿لا ینزع﴾ نہیں کھینچا جائے گا۔

## مفقود کی وصیت کا موقوف ہونا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح مفقود کی حیات و موت کا فیصلہ ہونے سے پہلے اس کی وراثت کا حکم موقوف رہتا ہے اسی طرح اس کی وصیت کا حکم بھی موقوف رہتا ہے، کیونکہ وصیت میراث کی بہن ہے چنانچہ اگر کسی نے مفقود کے لیے کچھ وصیت کی تھی لیکن مفقود کا حال ظاہر ہونے سے پہلے وہ شخص مر گیا تو وصیت موقوف رہے گی اور جب اس کا حال ظاہر ہوگا اس وقت اس پر عمل درآمد ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مفقود کے وارث ہونے کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی قوی اور مضبوط وارث ہو جو اس مفقود کی وجہ سے محروم نہ ہوتا ہو جیسے اس کی بہنیں اس کے ساتھ باپ کی وراثت میں شریک ہوں اور مفقود کی حالت معلوم نہ ہو تو اس طرح کے وارث کو اقل النصیب یعنی دو حصوں میں سے ان کا جو کم مقدار والا حصہ بنتا ہو وہ دیا جائے گا اور اگر کوئی ایسا وارث ہو جو مفقود کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہو جیسے مفقود کے ساتھ اس کے باپ کی وراثت میں اس کا لڑکا اور لڑکی بھی ہو تو انھیں کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ بیٹے کی موجودگی میں پوتا پوتی کچھ نہیں پاتے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ زید کا انتقال ہوا اس نے دو بیٹیاں ایک مفقود لڑکا ایک پوتا ایک چھوڑی اور اس کا مال کسی اجنبی کے پاس تھا چنانچہ اس اجنبی نے اور میت کے دوسرے ورثاء نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ میت کا لڑکا مفقود ہے تو بیٹیوں کے مطالبہ میراث پر قاضی انھیں کل تر کے کا نصف دے گا کیونکہ نصف اقل ہے اور متعین ہے، اس لیے کہ اگر مفقود کو مردہ مان لیں تو ان بیٹیوں کا حصہ دو ٹکٹ ہوگا اور اگر اس کو زندہ مان لیں تو انھیں نصف ملے گا اور چوں کہ نصف دو ٹکٹ سے کم ہے، اس لیے متیقن ہونے کی وجہ سے یہی ملے گا اور باقی نصف محفوظ کر لیا جائے گا اور اس میں سے میت کے پوتے اور پوتی کو نہیں ملے گا کیونکہ اگر مفقود نہ ہوتا تو وہ اس نصف کا مستحق تھا اور اس کی وجہ سے یہ محروم ہو جاتے اور چوں کہ اس کا کوئی پتا ٹھکانہ معلوم نہیں ہے اور موت و حیات کا علم بھی نہیں ہے لہذا اس کے بچوں کے مستحق میراث ہونے میں شک ہے اور شک سے استحقاق ثابت نہیں ہوتا لہذا یہ لوگ اپنے باپ کی وجہ سے اپنے محروم دادا کی میراث سے محروم رہیں گے۔

اور جو نصف مال بچا ہے وہ اجنبی ہی کے پاس رہے گا، کیونکہ میت نے اسے امین سمجھ کر اس پر اعتماد کیا تھا لہذا جب تک اس کی طرف سے کوئی خیانت ظاہر نہ ہو وہ مال اس سے واپس نہ لیا جائے، مابقی والے مسئلے میں جو المال فی ید الأجنبی اور تصادقوا

علی فقد الابن کی قید لگائی گئی ہے، اس میں سے پہلی قید والعمال فی ید الأجنبی کا فائدہ یہ ہے کہ اگر مال اجنبی کے پاس نہ ہو بلکہ مرحوم کی لڑکیوں کے پاس ہو تو قاضی اس میں سے انہیں کا حصہ دینے کے بعد اور باقی مال انہی کے پاس چھوڑ دے اور ان سے لے کر خود نہ رکھے اور نہ ہی کسی کے پاس رکھوائے، اور تصادقوا کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر اجنبی اور ورثاء فقد ابن پر متفق نہ ہو بلکہ اجنبی یہ اقرار کرے کہ مفقود اپنے کے مرنے سے پہلے ہی مر چکا ہے تو اب مرحوم کی لڑکیوں کو نصف کے بجائے دو ثلث ملیں گے۔ (بیان: ۶/۸۲۰)

ونظیر هذا الحمل الخ فرماتے ہیں کہ جس طرح مفقود کی وجہ نصف ترکہ روک لیا جاتا ہے اسی طرح حمل کی وجہ سے بھی ایک لڑکے کی میراث روک لی جاتی ہے یعنی اگر کوئی شخص مرا اور اس کی بیوی حاملہ ہو تو حمل کی وجہ سے مفتی بہ قول کے مطابق ایک لڑکے کی میراث موقوف کر دی جائے گی۔ اور اگر حمل کے ساتھ کوئی وارث ہو اور وہ حمل کی وجہ سے محروم اور ساقط ہونے والا نہ ہو جیسے بیٹا اور دادا تو مفقود کی بہنوں کی طرح اسے بھی میراث سے اس کا حصہ دیا جائے گا۔ اور اگر وہ وارث حمل کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہو جیسے میت کا ابن الابن اور میت کا بھائی تو اسے کچھ نہیں ملے گا اور اگر اس کا حصہ حمل کی وجہ سے کم زیادہ ہوتا ہو جیسے ماں کے حمل کے مردہ ہونے کی صورت میں وہ مستحق ثلث ہے اور اس کے زندہ ہونے کی صورت میں وہ مستحق سدس ہے تو اسے اقل یعنی سدس دیا جائے گا، کیونکہ وہ متقین ہوتا ہے، اس کی مزید تشریح کفایۃ المنتہی میں مذکور ہے۔ فقط واللہ اعلم



# کِتَابُ الشِّرْكَهٖ

یہ کتاب احکام شرکت کے بیان میں ہے

اس سے پہلے کتاب المفقود کو بیان کیا ہے اور اب کتاب شرکت کو بیان کر رہے ہیں ان دونوں کو ایک ساتھ بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مفقود کا مال حاضرین کے پاس امانت ہوتا ہے ایسے ہی مالی شرکت بھی دونوں شریکوں اور پارٹنروں کے مابین امانت ہوتا ہے اور عام اموال کی طرح مالی مفقود میں بھی اشتراک ہوتا ہے۔

الشِّرْكَهٖ جَائِزَةٌ، لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ وَالنَّاسُ يَتَعَامَلُونَ بِهَا فَقَرَّرَهُمْ عَلَيْهِ.

ترجمہ: عقد شرکت جائز ہے کیونکہ جس وقت آپ ﷺ کی بعثت ہوئی اس وقت لوگ شرکت کا معاملہ کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے انھیں اسی پر باقی رکھا۔

قَالَ الشِّرْكَهٖ ضَرْبَانِ شِرْكَهٖ أَمْلَاكٍ وَشِرْكَهٖ عُقُودٍ فَشِرْكَهٖ الْأَمْلاَكِ الْعَيْنُ يَرِثُهَا رَجُلَانِ أَوْ يَشْتَرِيَانَهَا فَلَا يَجُوزُ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ إِلَّا بِإِذْنِهِ، وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ كَالْأَجْنَبِيِّ، وَهَذِهِ الشِّرْكَهٖ يَتَحَقَّقُ فِي غَيْرِ الْمَذْكُورِ فِي الْكِتَابِ كَمَا إِذَا اتَّهَبَ رَجُلَانِ عَيْنًا أَوْ مَلَكَاةً بِالِاسْتِئْذَانِ أَوْ اخْتَلَطَ مَالُهُمَا مِنْ غَيْرِ صُنْعٍ أَحَدِهِمَا أَوْ بِخَلْطِهِمَا خَلْطًا يَمْنَعُ التَّمْيِيزَ رَأْسًا أَوْ إِلَّا بِحَرْجٍ، وَيَجُوزُ بَيْعُ أَحَدِهِمَا نَصِيبَهُ مِنْ شَرِيكِهِ فِي جَمِيعِ الصُّوَرِ وَمِنْ غَيْرِ شَرِيكِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ إِلَّا فِي صُورَةِ الْخَلْطِ وَالْإِخْتِلَاطِ فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَقَدْ بَيَّنَّا الْفُرْقَ فِي كِفَايَةِ الْمُنتَهَى، وَالضَّرْبُ الْفَائِي شِرْكَهٖ الْعُقُودِ وَرُكْنُهَا الْإِجَابُ وَالْقَبُولُ وَهُوَ أَنْ يَقُولَ أَحَدُهُمَا شَارَكْتُكَ فِي كَذَا وَكَذَا وَيَقُولَ الْآخَرُ قَبِلْتُ، وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ التَّصَرُّفُ

الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ عَقْدَ الشَّرِكَةِ قَابِلًا لِلْوَكَالَةِ لِيَكُونَ مَا يُسْتَفَادُ بِالتَّصَرُّفِ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا فَيَتَحَقَّقُ حُكْمُهُ الْمَطْلُوبُ مِنْهُ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ شرکت کی دو قسمیں ہیں (۱) شرکت املاک (۲) شرکت عقود۔ چنانچہ شرکت املاک ایسے مال متعین میں ہوتی ہے جس کے دو لوگ وارث ہوں یا دونوں اسے خریدیں لہذا دونوں میں سے کسی ایک کے لیے دوسرے کے حصے میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے حصے میں اجنبی کی طرح ہے اور یہ شرکت قدوری میں بیان کردہ مال کے علاوہ میں بھی متحقق ہوتی ہے جیسے اگر دو لوگوں نے کسی عین کا ہبہ قبول کیا یا وہ دونوں بزور طاقت کسی عین کے مالک ہوئے یا ان میں سے کسی کے تصرف کے بغیر ان کا مال مل گیا یا ان دونوں نے اپنے مال کو اس طرح خلط ملط کر دیا کہ یا تو اسے علیحدہ کرنا ناممکن ہو یا ممکن تو ہو لیکن پریشانی کے بعد۔

اور تمام صورتوں میں شریکین میں سے ہر ایک کے لیے دوسرے شریک سے بھی اپنا حصہ فروخت کرنا جائز ہے اور شریک کی اجازت کے بغیر اس کے علاوہ سے بھی جائز ہے، لیکن خلط اور اختلاط والی صورت میں شریک کی اجازت ہی سے جائز ہے اور کفایتِ انتہی میں ہم نے فرق بیان کر دیا ہے۔

دوسری قسم شرکت عقود ہے جس کا رکن ایجاب و قبول ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک شخص کہے میں نے تم سے فلاں فلاں چیزیں شرکت کر لی اور دوسرا کہے میں نے قبول کیا اور اس کی شرط یہ ہے کہ جس چیز پر عقد شرکت منعقد ہوا ہو وہ وکالت کے قابل ہو، تاکہ تصرف سے حاصل کیا جانے والا مال ان کے مابین مشترک ہو اور عقد شرکت کا مقصد حاصل ہو جائے۔

## اللغات:

﴿ضرب﴾ قسم۔ ﴿نصب﴾ حصہ۔ ﴿اتھب﴾ ہبہ وصول کیا۔ ﴿استیلاء﴾ قبضہ، غلبہ۔ ﴿صنع﴾ کاری گری۔

## شرکت کی دو بنیادی قسمیں اور ان کی تعریفات:

مسئلہ یہ ہے کہ شرکت کی دو قسمیں ہیں (۱) شرکت املاک (۲) شرکت عقود۔ شرکت املاک کا حاصل یہ ہے کہ دو بھائی مثلاً کسی چیز کے مشترک طور پر وارث ہوئے یا دو لوگوں نے مل کر کوئی چیز خریدی یا کسی نے دو آدمیوں کو مشترک طور پر کوئی چیز ہدیہ اور ہبہ کیا یا قہراً کفار سے دو لوگوں نے کوئی چیز چھین لیا اور مشترک طور پر اس پر قابض ہو گئے یا دو لوگوں کا مال اس طرح آپس میں مل گیا کہ امتیاز مشکل ہو گیا، مثلاً ایک کا گیسو دوسرے کے گندم سے مل گیا یا ایک کا گندم دوسرے کے جو سے مل گیا اور بڑی مشکل سے دونوں کو الگ کیا گیا تو یہ تمام صورتیں شرکت املاک میں داخل اور شامل ہیں، ان کا حکم یہ ہے کہ ایک ساتھی دوسرے ساتھی کی اجازت اور مرضی کے بغیر مال مشترک میں تصرف نہیں کر سکتا البتہ ایک شریک دوسرے شریک سے اپنا حصہ فروخت کر سکتا ہے اور شریک کے علاوہ تیسرے آدمی سے بھی اپنا حصہ فروخت کر سکتا ہے خواہ اپنے شریک سے پوچھے یا نہ پوچھے، البتہ خلط خلط ہو جانے کی صورت میں ایک شریک اپنے شریک کی اجازت کے بغیر کسی تیسرے سے اپنا حصہ فروخت نہیں کر سکتا، کیونکہ اختلاط اور خلط والی صورت میں ہر شریک مال کے ہر ہر دانے کا مالک ہے اور ظاہر ہے کہ بالغ جب کسی تیسرے کے ہاتھ اپنا حصہ فروخت کرے گا تو وہ اپنے شریک کے حصے اور اس کی ملکیت



کو بھی مشتری کے حوالے کرنے والا ہوگا حالانکہ دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں تصرف جائز نہیں ہے، اسی لیے ہم خلط والی صورت میں شریک ثانی کی رضامندی کو ضروری قرار دیا ہے۔

اس کے برخلاف اگر شراء یا وراثت یا ہبہ وغیرہ سے کوئی مال مشترکہ طور پر انھیں ملا ہو تو وہ مال ابتداء سے ہی ان میں مشترک ہوگا اور بیچنے والا اپنا حصہ ہی بیچے گا، کیونکہ اس کا حصہ جس طرح بیچے ہوئے میں ہے اسی طرح بیچے ہوئے میں بھی ہے اور اگر بیچ کر وہ شریک ثانی کے مشترک حصے میں تصرف کر رہا ہے تو شریک ثانی کا حصہ چھوڑ کر اپنا مشترک مال اسے دے بھی رہا ہے لہذا دونوں حصے برابر ہیں اور کسی کو کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، یہی وہ فرق ہے جو کفایۃ السننی میں مذکور ہے۔ (شارح غنی عنہ)

(۲) شرکت کی دوسری قسم شرکت عقد ہے یعنی عقد اور معاملہ کر کے اس میں دو یا چند لوگوں کو شریک کرنا یہ قسم ایجاب اور قبول سے منعقد ہو جاتی ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ جس چیز پر عقد واقع ہوا ہے وہ وکالت کے لائق ہو، تاکہ عقد سے ہونے والا نفع ان کے مابین مشترک ہو سکے۔ صاحب کتاب نے قابل للوکالة کی شرط لگا کر لکڑیاں چننے اور شکار کرنے کے عقود سے احتراز کیا ہے، کیونکہ ان صورتوں میں فاعل اور مباشر ہی کی ملکیت ثابت ہوتی ہے اور اس میں اشتراک نہیں ہوتا۔ (بنایہ)

ثُمَّ هِيَ أَرْبَعَةٌ أَوْجُهُ مُفَاوَضَةٌ وَعِنَانٌ وَشِرْكَةُ الصَّنَاعِ وَشِرْكَةُ الْوُجُوهِ فَأَمَّا شِرْكَةُ الْمُفَاوَضَةِ فَهِيَ أَنْ يَشْتَرِكَ الرَّجُلَانِ فَيَتَسَاوَيَا فِي مَالِهِمَا وَتَصَرَّفَ فِيهِمَا لِأَنَّهَا شِرْكَةُ عَامَّةٌ فِي جَمِيعِ التَّجَارَاتِ يُفَوِّضُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَمْرَ الشِّرْكَةِ إِلَى صَاحِبِهِ عَلَى الْإِطْلَاقِ إِذْ هِيَ مِنَ الْمُسَاوَاتِ، قَالَ قَائِلُهُمْ شِعْرٌ: لَا يَصْلَحُ النَّاسُ فَوْضًا لَأَسْرَةٍ لَهُمْ: وَلَا سِرَّةً إِذْ جُهَاَلَهُمْ سَادُوا، أَيْ مُتَسَاوِينَ فَلَا بُدَّ مِنْ تَحْقِيقِ الْمُسَاوَاةِ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَذَلِكَ فِي الْمَالِ، وَالْمُرَادُ بِهِ مَا تَصَحَّحَ الشِّرْكَةُ فِيهِ، وَلَا يُعْتَبَرُ التَّفَاضُلُ فِيمَا لَا يَصْحَحُ الشِّرْكَةُ فِيهِ وَكَذَا فِي التَّصَرُّفِ، لِأَنَّهُ لَوْ مَلَكَ أَحَدُهُمَا تَصَرُّفًا لَا يَمْلِكُ الْآخَرُ لَفَاتَ التَّسَاوِي، وَكَذَلِكَ فِي الدِّينِ لِمَا نَبَّيْنُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى، وَهَذِهِ الشِّرْكَةُ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا اسْتِحْسَانًا، وَفِي الْقِيَاسِ لَا يَجُوزُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ مَالِكٌ لَا أَعْرِفُ مَا الْمُفَاوَضَةُ، وَجْهُ الْقِيَاسِ أَنَّهَا تَضَمَّنَتْ الْوُكَالَهَ بِمَجْهُولِ الْجِنْسِ وَالْكَفَالَةَ بِمَجْهُولٍ وَكُلُّ ذَلِكَ بِإِنْفِرَادِهِ فَاسِدٌ، وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((فَاوْضُوا فَإِنَّهُ أَكْثَرُ لِلْبَرَكَةِ)) وَكَذَا النَّاسُ يُعَامِلُونَهَا مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ وَبِهِ يُتْرَكُ الْقِيَاسُ، وَالْجَهَالَةُ مُتَحَمِّلَةٌ تَبَعًا كَمَا فِي الْمُضَارَبَةِ وَلَا تَنْعَقِدُ إِلَّا بِلَفْظَةِ الْمُفَاوَضَةِ لِبُعْدِ شَرَائِطِهَا عَنْ عِلْمِ الْعَوَامِ حَتَّى لَوْ بَيَّنَّا جَمِيعَ مَا يَقْتَضِيهِ يَجُوزُ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ هُوَ الْمَعْنَى.

**ترجمہ:** پھر شرکت عقود کی چار قسمیں ہیں (۱) شرکت مفاوضہ (۲) شرکت عنان (۳) شرکت صنائع (۴) شرکت وجوہ۔ شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دو لوگ آپس میں شرکت کو قبول کریں اور وہ دونوں مال میں تصرف میں اور دین میں برابر ہوں، کیونکہ یہ شرکت جملہ تجارت میں عام ہے اور ہر شریک علی الاطلاق شرکت کا معاملہ اپنے ساتھی شریک کے حوالے کر دیتا ہے اس لیے کہ مفاوضہ مساوات

کے معنی میں ہے، ایک شاعر کہتا ہے اگر لوگوں کا کوئی سردار نہ ہو اور وہ سب برابر اور مساوی رہیں اور اگر جاہل لوگ سردار ہو جائیں تو کوئی حقیقی سردار نہیں ہوگا فوضاً سے مساوی ہونا مراد ہے لہذا ابتداء اور انتہاء دونوں میں مساوات کا ہونا ضروری ہے اور یہ مساوات ایسے مال میں ہوگی جس میں شرکت صحیح ہوتی ہے اور جس مال میں شرکت صحیح نہ ہوتی ہو اس میں تفاضل کا اعتبار نہیں ہوتا، نیز تصرف میں بھی مساوات ضروری ہے، کیونکہ اگر کوئی شریک ایسے تصرف کا مالک ہوگا جس کا دوسرا مالک نہ ہو تو مساوات فوت ہو جائے گی۔ ایسے ہی قرض کے لین دین میں بھی مساوات ضروری ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ان شاء اللہ ہم بیان کریں گے، یہ شرکت استحساناً جائز ہے قیاساً جائز نہیں ہے یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں مفاوضہ کو جانتا ہی نہیں۔

قیاس کی دلیل یہ ہے کہ یہ عقد شرکت مجہول الجنس وکالت اور مجہول کفالت دونوں کو متضمن ہے حالانکہ اس طرح کی وکالت اور کفالت انفرادی طور پر فاسد ہے۔

استحسان کی دلیل آپ ﷺ کا یہ فرمان گرامی ہے عقد مفاوضہ کیا کرو، کیونکہ اس میں برکت ہے نیز بلا روک ٹوک کے لوگ عقد مفاوضہ کرتے رہے ہیں اور اس طرح کے تعامل سے قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے اور وکالت و کفالت والی جہالت تابع کر کے برداشت کر لی جاتی ہے جیسے مضاربت میں برداشت کی جاتی ہے اور شرکت مفاوضہ لفظ مفاوضہ ہی سے منعقد ہوتی ہے، اس لیے کہ اس کی شرطیں عوام کی فہم سے پرے ہوتی ہیں اور اگر ضروری شرطوں کی وضاحت کر دی جائے تو جائز ہے اس لیے کہ معنی ہی کا اعتبار ہے۔

## اللغات:

﴿اوجہ﴾ صورتیں۔ ﴿یتساویا﴾ دونوں برابر ہو جائیں۔ ﴿سواء﴾ واحد بصری؛ نواب، شریف، سردار۔ ﴿سادوا﴾ سرداری کرنے لگیں۔ ﴿تفاضل﴾ آپس میں بڑھوتری، ایک دوسرے سے زیادہ ہونا۔ ﴿بعد﴾ دور ہونا۔

## تخریج:

● أخرجه ابن ماجه في كتاب التجارات باب الشركة والمضاربة، حديث رقم: ۲۲۸۹.

## شرکت عقود کی اقسام اور شرکت مفاوضہ کی تعریف:

اس عبارت میں شرکت عقود کی اقسام اربعہ کا بیان ہے مفاوضہ، عنان، شرکت الصنائع اور شرکت وجوہ۔ ان میں سے پہلے شرکت مفاوضہ کو بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایجاب و قبول کے ذریعے دو لوگ آپس میں اس طرح عقد شرکت کریں کہ وہ دونوں مال میں بھی مساوی ہوں اور تصرف و دین میں بھی برابر ہوں، کیونکہ شرکت مفاوضہ عام ہے اور تجارت کی تمام صورتوں کو شامل اور داخل ہے اور دونوں شریکوں میں سے ہر شریک علی الاطلاق بدون قید اپنے ساتھی کو پورا اختیار دے دیتا ہے اس لیے کہ مفاوضہ کے معنی میں مساوات اور برابری کے اور برابری اسی متحقق ہوگی جب کسی پر کوئی قید اور پابندی نہ ہو اور ہر کوئی تصرف میں آزاد ہو، مفاوضہ کو مساوات کے معنی میں اقویٰ اودی شاعر نے بھی استعمال کیا ہے اور شرکت مفاوضہ کے وقوع اور تحقق کے لیے مال کا شرکت کے قابل ہونا ضروری ہے یعنی جس مال میں عقد مفاوضہ کیا جائے وہ دراہم و دنانیر ہوں اور عروض و عقار نہ ہوں، کیونکہ عروض و عقار میں شرکت صحیح نہیں ہوتی اس لیے کہ اس میں کبھی بیشی سے عقد فاسد ہو جاتا ہے۔

عقد مفاوضہ کی صحت کے لیے دونوں شریک میں تصرف کی اہلیت و لیاقت ہونا بھی ضروری ہے اور قرض وغیرہ کے لین دین

میں بھی برابری ضروری ہے اور اس شرکت کا جواز استحساناً ہے، قیاس اس کے جواز کا منکر ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ بھی قیاس کے ساتھ ہیں اور امام مالک نے تو شرکت مفاوضہ کے وجود ہی کا انکار کر دیا ہے، بہر حال قیاس کی دلیل یہ ہے کہ شرکت مفاوضہ مجہول الجنبس کی وکالت اور مجہول کی کفالت کو متضمن ہوتا ہے حالانکہ انفرادی طور پر مجہول کی وکالت بھی فاسد ہے اور کفالت بھی فاسد ہے، لہذا جب انفرادی طور پر یہ فاسد ہیں تو عقد مفاوضہ کے ضمن میں بھی فاسد ہوں گے اور ان کی وجہ سے عقد مفاوضہ بھی فاسد ہوگا، اس لیے کہ جو چیز فاسد کو متضمن ہوتی ہے وہ بھی فاسد ہوتی ہے۔

استحسان کی دلیل یہ حدیث ہے ”فَاَوْضُوا فَإِنَّهُ اعْظَمُ لِلْبُرْكَه“ یعنی تم لوگ عقد مفاوضہ کیا کرو، کیونکہ اس میں بڑی برکت ہے، اس سے صاف طور پر یہ واضح ہے کہ عقد مفاوضہ درست اور جائز ہے، فتح القدیر اور بنایہ میں ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس مضمون کے ساتھ نہیں ملی ہے البتہ ابن ماجہ میں صالح بن صہیب کے حوالے سے یہ حدیث مذکور ہے ”ثَلَاثٌ فِيْهِنَّ الْبُرْكَهُ الْبَيْعُ إِلَى أَجَلٍ وَالْمُفَاوَضَةُ وَالاِخْتِلَاطُ بِالْبُرِّ لِلشَّعِيرِ لِلْبَيْتِ لَا لِلْبَيْعِ“ تین چیزوں میں برکت ہے میعادی بیع میں۔ عقد مفاوضہ میں اور گھر کے لیے گندم کے ساتھ جو ملانے میں، لیکن فروخت کرنے کے لیے نہیں (بنایہ) اس کے جواز کی دوسری دلیل یہ ہے کہ لوگوں میں عقد مفاوضہ کا تعامل جاری تھا اگر اس سے ممانعت ہوتی تو امت کے اس جواز کو ہرگز برداشت نہ کرتی اور اس طرح کے تعامل سے قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ اور اس میں وکالت بالمجہول اور کفالت بالمجہول کے حوالے سے جو جہالت ہوتی ہے وہ تبعاً ہوتی ہے قصداً نہیں ہوتی اور ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک چیز قصداً صحیح نہ ہو لیکن تبعاً صحیح ہو جیسے عقد مضاربہ اگر چہ شی مجہول کی خریداری کے لیے وکیل بنانے پر متضمن ہوتا ہے لیکن یہ متضمن تبعاً ہوتا ہے اس لیے صحیح ہے حالانکہ قصداً اور اصلاً تو وکیل بشارء المجہول الفاسد ہے، اسی طرح عقد مفاوضہ بھی تبعاً وکالت بالمجہول کے متضمن ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔

ولا تنعقد الخ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگ چوں کہ مفاوضہ کے احکام و مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں اس لیے یہ عقد لفظ مفاوضہ سے ہی صحیح ہوگا، ہاں اگر متفاوضان اس کے معانی اور مفہوم کو لوگوں کے سامنے واضح کر دیں تو پھر دوسرے لفظ سے بھی یہ عقد منعقد ہو جائے گا۔

قَالَ فَيَجُوزُ بَيْنَ الْحُرَّيْنِ الْكَبِيرَيْنِ مُسْلِمَيْنِ أَوْ ذِمِّيَّيْنِ لِتَحْقِيقِ التَّسَاوِي وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا كِتَابِيًّا وَالْآخَرُ مَجُوسِيًّا يَجُوزُ أَيْضًا لِمَا قُلْنَا، وَلَا يَجُوزُ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْمَمْلُوكِ وَلَا بَيْنَ الصَّبِيِّ وَالْبَالِغِ لِانْعِدَامِ الْمُسَاوَاةِ لِأَنَّ الْحُرَّ وَالْبَالِغَ يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ وَالْكَفَالَةَ وَالْمَمْلُوكُ لَا يَمْلِكُ وَاحِدًا مِنْهُمَا إِلَّا بِإِذْنِ الْمَوْلَى وَالصَّبِيُّ لَا يَمْلِكُ الْكَفَالَةَ وَلَا يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ إِلَّا بِإِذْنِ الْمَوْلَى، قَالَ وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ وَمُحَمَّدٍ رحمہ اللہ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رحمہ اللہ يَجُوزُ لِلتَّسَاوِي بَيْنَهُمَا فِي الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ وَلَا مُعْتَبَرُ بِزِيَادَةِ تَصَرُّفٍ يَمْلِكُهُ أَحَدُهُمَا كَالْمُفَاوَضَةِ بَيْنَ الشُّفْعَوِيِّ وَالْحَنْفِيِّ فَإِنَّهَا جَائِزَةٌ وَيَتَفَاوَتَانِ فِي التَّصَرُّفِ فِي مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ، لِأَنَّ الدِّمِّيَّ لَا يَهْتَدِي إِلَى الْجَائِزِ مِنَ الْعُقُودِ، وَلَهُمَا أَنَّهُ لَا تَسَاوِي فِي التَّصَرُّفِ فَإِنَّ

الذمی لو اشترى برأس المال خموراً أو خنزيراً صحيح، ولو اشترىها مسلم لا يصح، ولا يجوز بين العبدین ولا بین الصبیین ولا بین المکاتبین لانعدام صحۃ الکفالة وفي کل موضع لم تصح المفاوضة لفقد شرطها ولا يشترط ذلك في العنان كان عناناً لاستجماع شرائط العنان اذ هو قد يكون خاصاً وقد يكون عاماً.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ عقد مفاوضہ دو بالغ، آزاد مسلمان یا ذمیوں میں جائز ہے، کیونکہ مساوات موجود ہے اور اگر ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی تو بھی جائز ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ آزاد اور غلام میں اور بچے اور بالغ میں عقد مفاوضہ جائز نہیں ہے، کیونکہ مساوات معدوم ہے اس لیے کہ آزاد اور بالغ تصرف اور کفالت کا مالک ہے اور مملوک اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر ان میں سے کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہے۔ اور بچہ بھی نہ تو کفالت کا مالک ہے اور ولی کی اجازت کے بغیر نہ تو تصرف کا مالک ہے۔ فرماتے ہیں کہ مسلمان اور کافر کے مابین بھی عقد مفاوضہ جائز نہیں ہے، یہ حضرات طرفین کا قول ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے، کیونکہ ان کے مابین وکالت اور کفالت میں مساوات ہوتی ہے اور اس زیادتی تصرف کا کوئی اعتبار نہیں ہے جس کا ان میں سے ایک مالک ہو جیسے حنفی اور شافعی کے مابین مفاوضہ جائز ہے اگرچہ تصرف فی متروک التسمیہ میں ان کا اختلاف ہے، لیکن یہ مکروہ ہے، کیونکہ ذمی کو جائز عقود کی راہ نہیں ملتی۔

حضرات طرفین رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ تصرف میں تساوی ضروری نہیں ہے چنانچہ اگر ذمی نے اصل مال سے شراب یا خنزیر خریدا تو صحیح ہے اور اگر کوئی مسلم خریدے تو صحیح نہیں ہے۔ دو غلاموں، دو بچوں اور دو مکاتبوں کے مابین عقد مفاوضہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان میں کفالت کی صحت معدوم ہے اور ہر وہ جگہ جہاں فقہان شرط کی وجہ سے مفاوضہ صحیح نہ ہو اور وہ شرط عنان میں مشروط نہ ہو تو عقد عنان بن جائے گا، اس لیے کہ اس میں عنان کی شرائط جمع ہیں، کیونکہ شرکت عنان کبھی خاص ہوتی ہے اور کبھی عام ہوتی ہے۔

### اللغات:

﴿التساوی﴾ آپس کی مساوات، ایک دوسرے کے برابر ہونا۔ ﴿حر﴾ آزاد۔ ﴿إذن﴾ اجازت۔ ﴿صبی﴾ بچہ۔ ﴿خمور﴾ واحد خمر؛ شرابیں۔

### شرکت مفاوضہ اور شرکین کا مذہب:

مسئلہ یہ ہے کہ دو آزاد، بالغ مسلمان اور ذمیوں کے مابین عقد مفاوضہ جائز ہے، کیونکہ ان سب میں مساوات موجود ہے اسی طرح اگر ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو ان میں بھی عقد مفاوضہ جائز ہے کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے اور مجوسی اور کتابی میں مساوات موجود ہے۔ ہاں آزاد اور مملوک میں اور نابالغ اور بالغ میں عقد مفاوضہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان میں مساوات معدوم ہے، کیونکہ آزاد اور بالغ تصرف اور کفالت دونوں کے مالک ہیں اور مملوک مولیٰ کی اجازت سے کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہے، لہذا ان حوالوں سے مساوات معدوم ہے اور جب مساوات معدوم ہے تو ظاہر ہے کہ مفاوضہ بھی معدوم ہوگا، کیونکہ مفاوضہ ہی مساوات ہے۔

حضرات طرفین رحمہم اللہ کے یہاں مسلمان اور کافر کے مابین عقد مفاوضہ صحیح نہیں ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں صحیح ہے، کیونکہ کفالت اور وکالت میں مسلمان اور کافر میں مساوات ہے اور تصرف میں اگرچہ شافعی حنفی سے فائق ہے، لیکن اس فوقیت کا کوئی اعتبار



نہیں ہے، مثلاً اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ذبیحہ پر تسمیہ نہ پڑھے تو شافعی کے یہاں وہ ذبیحہ حلال ہے، لیکن حنفی کے یہاں حلال نہیں ہے بہر حال جس طرح حنفی اور شافعی میں عقد مفاوضہ جائز ہے اسی طرح مسلم اور کافر کے مابین بھی جائز ہے لیکن مکروہ ہے، کیونکہ ذمی جائز عقد دئی کوشش نہیں کرتا اور اس کے مال میں حرام کی آمیزش ہوتی ہے۔

حضرات طرفین علیہ السلام کی دلیل یہ ہے کہ مسلم اور کافر کے تصرف میں مساوات نہیں ہے، کیونکہ اگر ذمی رأس المال اور اصل مال سے شراب اور خنزیر خرید لے تو صحیح ہے، لیکن مسلمان کے لیے ان کی خریداری صحیح نہیں ہے، الحاصل صحت مفاوضہ کے لیے مساوات فی التصرف ضروری ہے حالانکہ مسلم اور کافر میں تصرف کے حوالے سے مساوات معدوم ہے اس لیے یہ عقد جائز نہیں ہے۔

ولایجوز الخ فرماتے ہیں کہ دو غلاموں، دو بچوں اور دو مکاتبوں میں عقد مفاوضہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ عقد مفاوضہ کفالت کو متضمن ہوتا ہے حالانکہ غلام، بچے اور مکاتب سے کفالہ صحیح نہیں ہوتا اور اگر یہ لوگ شرط کفالہ کے بغیر عقد مفاوضہ کریں تو یہ عقد مفاوضہ سے عنان بن جائے گا، کیونکہ عقد عنان کبھی خاص ہوتا ہے اور کبھی عام ہوتا ہے جب کہ عقد مفاوضہ عام ہی عام ہوتا ہے۔

قَالَ وَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ أَمَّا الْوَكَالَةُ فَلِتَحَقِّقِ الْمَقْصُودَ وَهُوَ الشَّرَكَةُ فِي الْمَالِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَأَمَّا الْكَفَالَةُ فَلِتَحَقِّقِ الْمُسَاوَاتِ فِيمَا هُوَ مِنْ مَوَاجِبِ التِّجَارَاتِ وَهُوَ تَوَجُّهُ الْمَطَالِبَةِ نَحْوَهُمَا جَمِيعًا، قَالَ وَمَا يَشْتَرِيهِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَكُونُ عَلَى الشَّرَكَةِ إِلَّا طَعَامُ أَهْلِهِ وَكِسْوَتُهُمْ وَكَذَا كِسْوَتُهُ وَكَذَا الْإِدَامُ، لِأَنَّ مُقْتَضَى الْعَقْدِ الْمُسَاوَاتِ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا قَائِمٌ مَقَامَ صَاحِبِهِ فِي التَّصَرُّفِ وَكَانَ شِرَاءُ أَحَدِهِمَا كَشِرَائِهِمَا إِلَّا مَا اسْتَشْنَاهُ فِي الْكِتَابِ وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ، لِأَنَّهُ مُسْتَشْنَى عَنِ الْمُفَاوَضَةِ لِلضَّرُورَةِ، فَإِنَّ الْحَاجَةَ الرَّابِئَةَ مَعْلُومَةٌ الْوُقُوعُ وَلَا يُمْكِنُ إِنْجَابُهُ عَلَى صَاحِبِهِ وَلَا الصَّرْفُ مِنْ مَالِهِ وَلَا بَدْءٌ مِنَ الشِّرَاءِ فَيُخْتَصُّ بِهِ ضَرُورَةٌ، وَالْقِيَاسُ أَنْ يَكُونَ عَلَى الشَّرَكَةِ لِمَا بَيَّنَّا، وَلِلْبَائِعِ أَنْ يُطَالِبَ بِأَخِذِ الثَّمَنِ أَيُّهَا شَاءَ، الْمُشْتَرِي بِالْإِصَالَةِ وَصَاحِبُهُ بِالْكَفَالَةِ وَيَرْجِعُ الْكَفِيلُ عَلَى الْمُشْتَرِي بِحَصَّتِهِ بِمَا أَدَّى، لِأَنَّهُ قَضَى دَيْنًا عَلَيْهِ مِنْ مَالٍ مُشْتَرَكٍ بَيْنَهُمَا. قَالَ وَمَا يُلْزَمُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الدِّيُونِ بَدَلًا عَمَّا يَصِحُّ فِيهِ الْإِشْتِرَاكُ فَلَا خَرُضًا مِنْ لَهُ تَحْقِيقًا لِلْمُسَاوَاتِ فَمَا يَصِحُّ فِيهِ الْإِشْتِرَاكُ الشِّرَاءُ وَالْبَيْعُ وَالِاسْتِيجَارُ، وَمِنْ الْقِسْمِ الْآخِرِ الْجَنَابَةِ وَالنِّكَاحُ وَالْخُلْعُ وَالصَّلْحُ عَنِ دَمِ الْعَمَدِ وَعَنِ النِّفْقَةِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ وکالت اور کفالت پر عقد مفاوضہ منعقد ہو جاتا ہے، وکالت پر اس لیے منعقد ہوتا ہے کہ وکالت سے اس کا مقصد یعنی شرکت فی المال حاصل ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور کفالہ سے اس لیے یہ عقد منعقد ہوتا ہے تاکہ تجارت کے لوازمات میں مساوات ثابت ہو جائے اور ان دونوں سے یکساں طور پر مطالبہ ہو۔

فرماتے ہیں کہ شریکین میں سے ہر ایک جو بھی چیز خریدے گا وہ ان کے مابین مشترک ہوگی سوائے اس کے گھروالوں کے

کھانے، ان کے کپڑے اپنے کھانے اور سالن کے، کیونکہ عقد مساوات کا متقاضی ہے اور شریکین میں سے ہر ایک تصرف میں اپنے ساتھی کے قائم مقام ہے اور ایک کا شراء دونوں کے شراء کے قائم مقام ہے سوائے ان چیزوں کے جنہیں کتاب میں مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ استحسان ہے کیونکہ یہ چیزیں بنائے ضرورت مفاوضہ سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہیں، کیونکہ روزمرہ کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اور اسے ساتھی شریک پر لازم کرنا اور اس کے مال سے پوری کرنا ممکن نہیں ہے اور چوں کہ ان کا شراء ضروری ہے لہذا ضرورتاً وہ خاص ہوگی۔ اور قیاس یہ ہے کہ یہ بھی مشترک ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور بائع کو یہ حق ہے کہ ان میں سے جس سے چاہے ثمن کا مطالبہ کرے مشتری سے اسیل ہونے کی وجہ سے اور بائع سے کفیل ہونے کی وجہ سے اور کفیل مشتری کی طرف سے دی ہوئی قیمت اس کے حصے کے بقدر وصول کر لے، کیونکہ کفیل نے مال مشترک سے مشتری کا دین (ثمن) ادا کیا ہے فرماتے ہیں کہ جس مال میں شرکت صحیح ہو اس کے عوض ان میں سے ہر ایک پر جو قرض لازم ہوگا دوسرا ساتھی اس کا ضامن ہوگا تا کہ مساوات متحقق ہو جائے۔ وہ عقد جن میں شرکت صحیح ہے یہ ہیں شراء، بیع، استیجار اور دوسری قسم میں سے جنایت ہے، نکاح ہے خلع ہے دم عمد اور نفقہ سے صلح ہے۔

### اللغات:

﴿مواجب﴾ واحد موجب؛ سبب، وجہ لازم۔ ﴿کسوة﴾ کپڑے، ملبوسات۔ ﴿إدام﴾ سالن۔ ﴿راتبة﴾ روزمرہ کی، معمول کی۔ ﴿ایجاب﴾ واجب کرنا۔ ﴿استیجار﴾ اجرت پر لینا۔ ﴿جنایة﴾ جرم۔

### عقد مفاوضہ کے شرکاء کی شرعی حیثیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عقد مفاوضہ کے دونوں شریکوں میں سے ہر ہر شریک دوسرے کی طرف سے وکیل بھی ہوگا اور کفیل بھی ہوگا، وکیل ہونا اس لیے ضروری ہے تاکہ شرکت فی المال متحقق ہونے کے بعد شرکت فی الربح بھی متحقق ہو جائے اور کفیل ہونا اس لیے ضروری ہے تاکہ اگر اس تجارت میں نقصان یا دین ہو تو دونوں پر لازم ہو اور دونوں سے یکساں طور پر اس کا مطالبہ ہو سکے۔

قال وما يشترطه الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ شریکین میں سے ہر ہر شریک تجارت کی نیت سے جو چیز خریدے گا وہ ان کے مابین مشترک ہوگی، لیکن ضروریات زندگی اور روزمرہ کی چیزیں مشترک نہیں ہوں گی چنانچہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کھانے اور پہننے کی چیزیں جو شریک خریدے گا وہ مشترک نہیں ہوں گی، کیونکہ ضرورتاً انھیں مفاوضہ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور ان کی ضرورت روز پیش آتی ہے اور واضح ہوتی ہے لہذا مشتری ان کے ساتھ خاص ہوگا اور دوسرا اس میں شریک نہیں ہوگا یہ حکم بر بنائے استحسان ہے۔ ورنہ قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ یہ چیزیں بھی مشترک ہوں کیونکہ عقد مفاوضہ مساوات کا متقاضی ہوتا ہے اور مساوات اسی صورت میں متحقق ہوگی جب شرکت پائی جائے۔

وللبائع الخ فرماتے ہیں کہ اگرچہ استحساناً ضروریات زندگی کی چیزیں متقاضان میں مشترک نہیں ہوں گی لیکن دوسرا شریک مشتری کی طرف سے کفیل ہوگا اور بائع کو اختیار ہوگا چاہے تو مشتری یعنی اسیل سے ثمن وصول کرے اور چاہے تو شریک آخر یعنی کفیل سے وصول کرے اور اگر کفیل دے تو وہ مشتری سے اس کے حصے کے بقدر ادا کردہ ثمن وصول کر لے، کیونکہ اس کفیل نے مشتری کے دین (ثمن) کو مال مشترک سے ادا کیا ہے حالانکہ بیع مشترک نہیں ہے۔ یہی حال اس قرض کا بھی ہے جو ان میں سے کسی پر لازم ہو اور ایسے مال کے عوض میں لازم ہو جس اشتراک صحیح جیسے بیع و شراء اور استیجار وغیرہ تو یہ دین دونوں پر لازم ہوگا تا کہ مساوات ثابت ہو جائے۔ لیکن جن عقود

میں اشتراک صحیح نہیں ہے جیسے جنایت کا جرمانہ، نکاح کرنے کا مہر اور بدل خلع و صلح وغیرہ تو اس میں دوسرا شریک مباشر کا شریک نہیں ہوگا۔

قَالَ وَلَوْ كَفَّلَ أَحَدُهُمَا بِمَالٍ عَنْ أَجْنَبِيٍّ لَزِمَ صَاحِبَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَقَالَ لَا يُلْزَمُهُ، لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ وَلِهَذَا لَا يَصِحُّ مِنَ الصَّبِيِّ وَالْعَبْدِ الْمَازُونِ وَالْمُكَاتَبِ، وَلَوْ صَدَرَ مِنَ الْمَرِيضِ يَصِحُّ مِنَ الثَّلَاثِ وَصَارَ كَالْإِقْرَاضِ وَالْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ أَنَّهُ تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً وَمُعَاوَضَةٌ بَقَاءً لِأَنَّهُ يَسْتَوْجِبُ الضَّمَانَ بِمَا يُوَدَّى عَلَى الْمُكْفُولِ عَنْهُ إِذَا كَانَتِ الْكَفَالَةُ بِأَمْرِهِ فَبِالنَّظَرِ إِلَى الْبَقَاءِ يَتَضَمَّنُ الْمُفَاوَضَةَ، وَبِالنَّظَرِ إِلَى الْإِبْتِدَاءِ لَمْ تَصِحَّ مِنْ ذِكْرِهِ وَيَصِحُّ مِنَ الثَّلَاثِ مِنَ الْمَرِيضِ، بِخِلَافِ الْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ، لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً، وَأَمَّا الْإِقْرَاضُ فَقَدْ عَنِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ أَنَّهُ يُلْزَمُ صَاحِبَهُ وَلَوْ سَلِمَ فَهُوَ إِعَارَةٌ فَيَكُونُ لِمِثْلِهَا حُكْمٌ عَيْنِهَا لَا حُكْمُ الْبَدَلِ حَتَّى لَا يَصِحَّ فِيهِ إِلَّا جَلُّ فَلَا يَتَحَقَّقُ مُعَاوَضَةٌ وَلَوْ كَانَتْ بِغَيْرِ أَمْرِهِ لَمْ تُلْزَمْ صَاحِبَهُ فِي الصَّحِيحِ لِانْعِدَامِ مَعْنَى الْمُفَاوَضَةِ، وَمُطْلَقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ مَحْمُولٌ عَلَى الْمُقَيَّدِ، وَضَمَانُ الْغَصْبِ وَالِاسْتِهْلَاكِ بِمَنْزِلَةِ الْكَفَالَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ انْتِهَاءً.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر احد الشریکین نے کسی اجنبی کی طرف سے مال کی کفالت کر لی تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اس کے ساتھی پر بھی وہ بال لازم ہوگا حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ساتھی پر نہیں لازم ہوگا، کیونکہ یہ تبرع ہے اسی لیے اجنبی عبد مازون اور مکاتب کی طرف سے کفالہ صحیح نہیں ہے اور اگر مریض (مرض الموت) نے کفالہ کیا تو تہائی مال سے صحیح ہوگا اور یہ قرض دینے اور نفس کا کفالہ قبول کرنے کی طرح ہوگا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کفالت ابتداء تبرع ہے اور بقاء معاوضہ ہے، اس لیے کہ اگر کفالہ مکفول عنہ کے حکم سے ہو تو مکفول عنہ پر اس کی طرف سے ادا کردہ رقم کے ضمان کی موجب ہوگی، لہذا بقاء کی طرف نظر کرتے ہوئے اسے معاوضہ شامل ہوگا اور ابتداء (یعنی تبرع) کی طرف نظر کرتے ہوئے بچے اور غلام وغیرہ کی طرف سے یہ صحیح نہیں ہوگا اور مریض کے تہائی مال سے صحیح ہوگا۔ برخلاف کفالہ بالنفس کے، کیونکہ وہ ابتداء میں بھی تبرع ہے اور انتہاء میں بھی تبرع ہے۔

اور رہا قرض ادا کرنا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ بھی دوسرے ساتھی پر لازم ہوگا اور اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ دوسرے ساتھی پر لازم نہیں ہوگا تو یہ اعارہ ہوگا اور اس کے مثل کو عین کا حکم حاصل ہوگا نہ کہ بدل کا حتیٰ کہ اس میں مینعادی صحیح نہیں ہوگی اور معاوضہ متحقق نہیں ہوگا۔

اور اگر یہ کفالہ مکفول عنہ (اجنبی) کے حکم کے بغیر ہو تو صحیح قول کے مطابق کفیل کے ساتھ پر لازم نہیں ہوگا کیونکہ معاوضہ کا معنی معدوم ہے اور جامع صغیر کا مطلق حکم مقید پر محمول ہے اور غصب اور استہلاک کا ضمان امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں کفالہ کے درجے میں ہے، کیونکہ وہ انتہاء معاوضہ ہے۔

## اللغات:

﴿کفل﴾ ضمانت لے لی۔ ﴿ماذون﴾ جس کو (تجارت کی) اجازت دی گئی ہو۔ ﴿ثلث﴾ تہائی، تیسرا حصہ۔

﴿إعارة﴾ عاریت پر دینا۔

## مفاوضہ میں ایک شریک کا کفالہ قبول کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر عقد معاوضہ کے دونوں پارٹنروں میں سے کسی ایک پارٹنر نے کسی ایسے اجنبی کی طرف سے کفالہ بالمال قبول کر لیا جو ان کے ساتھ کاروبار میں شریک نہیں ہے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دوسرے شریک پر بھی یہ کفالہ لازم ہوگا، لیکن حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں لازم نہیں ہوگا، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ عقد تبرع ہے اور احسان ہے اسی لیے بچے غلام اور مکاتب کی طرف سے اس کی قبولیت صحیح نہیں ہے اور اگر کوئی مریض قبول کرے تو اس کے تہائی مال ہی سے معتبر ہوتا ہے اس لیے جو شریک اسے قبول کرے گا یہ کفالہ اسی کی ذات تک محدود رہے گا اور اس سے شریک ثانی کی طرف متعدی نہیں ہوگا، اور جیسے اگر کوئی شریک کسی اجنبی کا قرض ادا کر دے یا کفالہ بالنفس قبول کر لے تو دوسرا شریک اس میں شریک نہیں ہوتا اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی مذکورہ کفالہ شریک ثانی پر لازم نہیں ہوگا۔

ولابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الخ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اس کفالہ کی دو حیثیتیں ہیں (۱) یہ ابتداء تبرع ہے کیونکہ ایک ہی شریک اسے قبول کرتا ہے (۲) لیکن انتہاء یہ معاوضہ اور معاوضہ ہے اس لیے کہ جب ہم دوسرے شریک کو اس میں شریک کر دیں گے تو وہ اور کفیل شریک مکفول عنہ سے اتنی رقم واپس لے لیں گے جو انہوں نے مکفول کو دی ہے بشرطیکہ کفالہ مکفول عنہ کے حکم سے ہو۔ اب ابتداء کی طرف دیکھو تو یہ تبرع ہے اور انتہاء کی طرف دیکھو تو معاوضہ ہے اور معاوضہ ہے، لہذا الاعتبار بالخواتیم پر عمل کرتے ہوئے ہم نے اسے معاوضہ قرار دے کر شریک ثانی پر اسے لازم کر دیا ہے۔ اس کے برخلاف کفالہ بالنفس کا مسئلہ ہے تو وہ ابتداء اور انتہاء دونوں حالتوں میں تبرع ہے اور اس میں کفیل مکفول عنہ سے کوئی چیز واپس نہیں لے سکتا اس لیے یہ کفالہ شریک ثانی پر لازم نہیں ہوگا۔ اور رہا قرض کا مسئلہ تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے حسن بن زیاد کی روایت میں یہ بھی شریک ثانی پر لازم ہوگا، اس لیے کہ ان دونوں مسئلوں سے ان کے خلاف استشہاد کرنا درست نہیں ہے۔

اور اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ قرض کی ادائیگی دوسرے شریک پر لازم نہیں ہے تب بھی یہ معاوضہ نہیں ہوگا بلکہ اعارہ ہوگا اور مکفول عنہ کفیل کو جو رقم واپس کرے گا وہ عین ہوگی بدل نہیں ہوگی اور اس میں میعاد صحیح نہیں ہوگی، اسی لیے اس میں معاوضہ کے معنی متحقق نہیں ہوں گے اور ظاہر ہے کہ جب معاوضہ کے معنی نہیں ہوں گے تو شرکت بھی ثابت نہیں ہوگی۔

اور اگر یہ کفالہ مکفول عنہ کے حکم سے نہ ہو تب تو احسان ہی احسان ہوگا اور کسی کے یہاں بھی شریک ثانی پر لازم نہیں ہوگا کیونکہ اب دور دور تک اس میں معاوضہ کے معنی معدوم ہیں اور جامع صغیر کے متن میں جو لزوم صاحبہ کا حکم ہے وہ لزوم امر مکفول عنہ کے ساتھ مقید ہے۔

وضمان الغصب الخ اگر کسی نے دوسرے کا مال غصب کیا یا ہلاک کر دیا اور احد الشریکین نے اس کی ذمہ داری قبول کر کے اس کا ضمان دیدیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ بھی کفالت کے حکم میں ہوگی اور دوسرے شریک پر لازم ہوگی، کیونکہ اگرچہ یہ ابتداء



تبرع ہے، لیکن ابتداء معاوضہ ہے، اور ماقبل میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء کا اعتبار کیا ہے لہذا یہاں بھی ابتداء کا اعتبار ہوگا۔

قَالَ فَإِنْ وَرِثَ أَحَدُهُمَا مَالًا يَصِحُّ فِيهِ الشَّرَكَةُ أَوْ وَهَبَ لَهُ وَوَصَلَ إِلَى يَدِهِ بَطَلَتْ الْمُفَاوَضَةُ وَصَارَتْ عِنَانًا لِفُتُورِ الْمَسَاوَاتِ فِيمَا يَصْلَحُ رَأْسَ الْمَالِ إِذْ هِيَ شَرْطُ فِيهِ ابْتِدَاءٌ وَبَقَاءٌ وَهَذَا لِأَنَّ الْآخِرَ لَا يُشَارِكُهُ فِيمَا أَصَابَهُ لِانْعِدَامِ السَّبَبِ فِي حَقِّهِ إِلَّا أَنَّهَا تَنْقَلِبُ عِنَانًا لِإِمْكَانِ فَإِنَّ الْمَسَاوَاتِ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ فِيهِ وَلِدَوَامِهِ حُكْمُ الْإِبْتِدَاءِ لِكُونِهِ غَيْرَ لَازِمٍ، فَإِنْ وَرِثَ أَحَدُهُمَا عَرْضًا فَهُوَ لَهُ وَلَا تَفْسُدُ الْمُفَاوَضَةُ وَكَذَا الْعَقَارُ، لِأَنَّهُ لَا يَصِحُّ فِيهِ الشَّرَكَةُ فَلَا يَشْتَرَطُ الْمَسَاوَاةُ فِيهِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر مفاوضین میں سے کسی کو ایسا مال ملا جس میں شرکت صحیح ہوتی ہو یا کسی کو مال ہبہ کیا گیا اور اس کے پاس وہ مال پہنچ گیا تو مفاوضہ باطل ہو جائے گی اور یہ شرکت عنان بن جائے گی، کیونکہ اس المال میں مساوات فوت ہوگئی حالانکہ اس عقد میں ابتداء اور بقاء مساوات ضروری ہے۔ اور اس بطلان کی ایک وجہ یہ ہے بھی کہ جس شریک کو یہ مال ملا ہے اس میں دوسرا شریک، شریک نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے حق میں سبب شرکت معدوم ہے تاہم یہ شرکت شرکت عنان بن جائے گی، کیونکہ عنان میں مساوات شرط نہیں ہے اور اس کے دوام کو ابتداء کا حکم حاصل ہے کیونکہ عنان عقد غیر لازم ہے۔ اگر شریکین میں سے کوئی کسی سامان کا وارث ہوا تو وہ اسی کا ہوگا اور عقد مفاوضہ فاسد نہیں ہوگا یہی حکم عقار کا بھی ہے، کیونکہ اس میں شرکت صحیح نہیں ہے لہذا اس میں مساوات بھی شرط نہیں ہوگی۔

### اللغات:

﴿وصل﴾ پہنچ گیا۔ ﴿صارت﴾ ہوگئی۔ ﴿عقار﴾ غیر منقولہ املاک، زمین وغیرہ۔ ﴿عرض﴾ غیر نقد ساز و سامان۔

### مفاوضین میں سے ایک کے مال میں اضافہ ہونا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر عقد مفاوضہ کے دونوں شریکوں میں سے کسی ایک کو وراثت میں کوئی ایسا مال ملا جس میں شرکت صحیح ہو یا کوئی مال اسے ہدیہ کیا گیا اور وہ اس پر قابض بھی ہو گیا تو ان کے مابین جو عقد مفاوضہ تھا وہ باطل ہو جائے گا اور یہ شرکت شرکت عنان میں تبدیل ہو جائے گی، کیونکہ اس المال میں مساوات فوت ہوگئی ہے حالانکہ اس عقد میں ابتداء اور بقاء دونوں اعتبار سے مساوات ضروری تھی اور وہ معدوم ہو چکی ہے نیز جس شریک کو وراثت ملی ہے یا جسے ہبہ کیا گیا ہے وہ تنہا اس کا مالک ہے اور دوسرے شریک کا اس میں کوئی حق نہیں ہے، کیوں اس کے حق میں سبب شرکت مفقود ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی وارث یا موبہوب لہ ہی اس نئے حاصل شدہ مال کے ساتھ خاص ہوگا اور مساوات نہیں ہوگی اس لیے شرکت مفاوضہ باطل ہوگی لیکن یہ عنان بن جائے گی، کیونکہ عنان میں مساوات ضروری نہیں ہے اور عنان چوں کہ عقد غیر لازم ہے اور اس کی بقاء اور ابتداء کا حکم یکساں ہے اس لیے اس میں ابتداء مساوات ہو یا نہ ہو شرکت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اگر کوئی شریک کسی سامان کا یا غیر منقول جائیداد کا وارث ہوا اور اس میں شرکت صحیح نہ ہو تو وہ چیز اسی کی مملوک ہوگی اور اس کی وجہ سے عقد مفاوضہ فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ جب اس مال میں شرکت صحیح نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ مساوات بھی شرط نہیں ہوگی اور جب مساوات شرط نہیں ہوگی تو اس کے نہ ہونے سے صحت عقد پر کوئی اثر بھی نہیں ہوگا۔

فَصْلٌ

فصل ان اموال کے بیان میں ہے جو  
مالِ شرکت کا اس المال بن سکتے ہیں

وَلَا يَنْعَقِدُ الشَّرَكَةُ إِلَّا بِالذَّرْهِمِ وَالذَّنَانِيرِ وَالْفُلُوسِ النَّافِقَةِ، وَقَالَ مَالِكٌ يَجُوزُ بِالْعَرُوضِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ  
إِذَا كَانَ الْجِنْسُ وَاحِدًا، لِأَنَّهَا عَقَدَتْ عَلَى رَأْسِ مَالٍ مَعْلُومٍ فَأُشْبِهَ النُّقُودَ، بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ، لِأَنَّ الْقِيَاسَ  
يَأْتِيهَا لِمَا فِيهَا مِنْ رِبْحٍ مَا لَمْ يَضْمَنْ فَتَقْتَصِرُ عَلَى مَوْرِدِ الشَّرْعِ، وَلَنَا أَنَّهُ يُودِّي إِلَى رِبْحٍ مَا لَمْ يَضْمَنْ لِأَنَّهُ إِذَا  
بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رَأْسَ مَالِهِ وَتَفَاضَلَ الثَّمَانُ فَمَا يَسْتَحِقُّهُ أَحَدُهُمَا مِنَ الزِّيَادَةِ فِي مَالِ صَاحِبِهِ رِبْحٌ مَا لَمْ  
يَمْلِكْ وَمَا لَمْ يَضْمَنْ، بِخِلَافِ الذَّرَاهِمِ وَالذَّنَانِيرِ، لِأَنَّ ثَمَنَ مَا يَشْتَرِيهِ فِي ذِمَّتِهِ إِذْ هِيَ لَا يَتَعَيَّنُ فَكَانَ رِبْحٌ مَا  
ضَمِنَ، وَلِأَنَّ أَوَّلَ التَّصَرُّفِ فِي الْعَرُوضِ الْبَيْعُ وَفِي النُّقُودِ الشِّرَاءُ، وَبَيْعُ أَحَدِهِمَا مَالَهُ عَلَى أَنْ يَكُونَ الْآخَرُ  
شَرِيكًا فِي ثَمَنِهِ لَا يَجُوزُ، وَشِرَاءُ أَحَدِهِمَا شَيْئًا بِمَالِهِ عَلَى أَنْ يَكُونَ الْمَبِيعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ جَائِزٌ، وَأَمَّا  
الْفُلُوسُ النَّافِقَةُ تَرُوجُ رَوَاجَ الْأَثْمَانِ فَالْحَقُّ بِهَا، قَالُوا هَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ لِأَنَّهَا مُلْحَقَةٌ بِالنُّقُودِ عِنْدَهُ  
حَتَّى لَا تَتَعَيَّنَ بِالتَّعْيِينِ وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ اثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ بِأَعْيَانِهَا عَلَى مَا عُرِفَ، أَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَبِي  
يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ لَا يَجُوزُ الشَّرَكَةُ وَالْمُضَارَبَةُ بِهَا، لِأَنَّ ثَمَنِيَّتَهَا تَبْدُلُ سَاعَةً فَسَاعَةً وَتَصِيرُ سَلْعًا، وَيُرْوَى  
عَنْ أَبِي يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ مِثْلُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ، وَالْأَوَّلُ أَقْبَسُ وَأَظْهَرُ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ صِحَّةُ  
الْمُضَارَبَةِ بِهَا.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ شرکت مفادہ دراہم و دنانیر اور انج الوقت سکوں سے ہی منعقد ہوتی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سامان اور مکملی و موزونی اشیاء اگر ایک جنس کی ہوں تو ان سے بھی شرکت مفادہ منعقد ہو جاتی ہے، کیوں کہ یہ شرکت بھی معلوم اور متعین رأس المال پر منعقد ہوئی ہے لہذا یہ چیزیں بھی نقد کے مشابہ ہو گئیں۔ برخلاف مضاربہ کے کیونکہ قیاس اس کا منکر ہے،

اس لیے کہ اس میں ایسے مال سے نفع لیا جاتا ہے جو مضمون نہیں ہوتا لہذا مضارب بت کا جواز مورد شرع تک منحصر رہے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ سامان پر عقد شرکت کا جواز ایسے مال سے نفع حاصل کرنے کا سبب ہے جو مضمون نہیں ہے اس لیے کہ جب شریعت میں سے ہر شخص اپنا رأس المال فروخت کر دے اور دونوں کے ثمن میں کمی زیادتی ہو تو ان میں سے ایک شریک اپنے ساتھی شریک کے مال میں جس زیادتی کا مستحق ہوگا وہ ایسے مال کا نفع ہوگا جو نہ مملوک ہے اور نہ ہی مضمون ہے۔ برخلاف دراہم اور دنانیر کے، کیونکہ خریدی ہوئی چیز کا ثمن مشتری کے ذمہ ہوگا اس لیے کہ اثمان متعین نہیں ہوتے لہذا یہ ایسے مال کا نفع ہوگا جو مضمون ہے۔ اور اس لیے کہ سامان میں پہلا تصرف بیع ہے اور نقد میں پہلا تصرف ثراء ہے اور احد الشریکین کا اس شرط پر اپنا مال فروخت کرنا کہ دوسرا شریک ثمن میں اس کا شریک ہو جائز نہیں ہے جب کہ ان میں سے ایک شریک کا اپنے مال سے اس شرط پر کوئی چیز خریدنا کہ بیع اس کے اور اس کے ساتھ کے درمیان مشترک ہوگی جائز ہے۔ اور رائج سکے اثمان ہی کی طرح چلتے ہیں لہذا انھیں اثمان کے ساتھ لاحق کر دیا گیا۔

حضرات مشائخ نے فرمایا کہ یہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے، کیونکہ ان کے یہاں فلوس نقدی کے ساتھ لاحق کر دیئے گئے ہیں حتیٰ کہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اور ان میں سے دو معین کو ایک معین کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ لمحہ بہ لمحہ ان کی ثمنیت بدلتی رہتی ہے اور یہ سامان بن جاتے ہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت امام محمد رحمہ اللہ کے قول کی طرح مروی ہے مگر پہلا قول زیادہ ظاہر اور قیاس کے زیادہ موافق ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ فلوس کے عوض مضارب بت صحیح ہے۔

## اللغات:

﴿فلوس﴾ روپے پیسے۔ ﴿نافقہ﴾ رائج الوقت۔ ﴿عروض﴾ واحد عرض؛ غیر نقد ساز و سامان۔ ﴿بابا ہا﴾ اس کا انکار کرتا ہے۔ ﴿ربح﴾ منافع۔ ﴿بقتصر﴾ منحصر رہے گا۔ ﴿سلف﴾ ساز و سامان، عروض۔ ﴿اقیس﴾ قیاس کے زیادہ مطابق۔

## شرکت مفادضہ کے اموال:

مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں دراہم، دنانیر اور رائج سکوں کے عوض ہی شرکت مفادضہ صحیح ہے جب کہ امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں ان کے علاوہ سامان اور مکمل و موزونی چیزوں سے بھی شرکت مفادضہ منعقد ہو جائے گی، بشرطیکہ یہ سب ایک جنس کے ہوں، کیونکہ نقد کی طرح یہ بھی معلوم اور متعین رأس المال ہیں اور معلوم رأس المال پر شرکت مفادضہ صحیح ہوتی ہے لہذا عروض اور مکملی و موزونی اشیاء پر بھی صحیح ہوگی، لیکن عروض یا مکمل اور موزونی اشیاء پر عقد مضارب بت صحیح نہیں ہوگا، اس لیے کہ عقد مضارب بت کی صحت دراہم اور دنانیر کے ساتھ خاص ہے اور قیاس عروض وغیرہ سے جواز مضارب بت کا منکر ہے، کیونکہ مضارب بت میں جو مال ہوتا ہے وہ مضارب کے قبضہ میں امانت ہوتا ہے مضمون نہیں ہوتا اور اس سے حاصل ہونے والا نفع مال غیر مضمون کا نفع ہے لہذا رب المال کے لیے اس کا لینا درست نہیں ہے، لیکن شریعت نے نقد یعنی دراہم اور دنانیر کے عوض مضارب بت کو جائز قرار دیدیا ہے اس لیے یہ جواز دراہم و دنانیر کے ساتھ ہی خاص ہوگا اور عروض وغیرہ کی طرف متعدی نہیں ہوگا۔

ولنا انه يؤدي الخ ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر دراہم مروی اور مکمل و موزونی اشیاء پر عقد شرکت کو جائز قرار دیدیں تو یہ غیر مضمون

مال سے حصول نفع کو متضمن ہوگا بایں طور کہ جب دونوں شریک اپنا رأس المال زائد قیمت میں فروخت کریں اور ایک کا ثمن دوسرے کے ثمن سے زیادہ ہو تو زیادہ پانے والا شرکت کے مال سے ایسی زیادتی کا مستحق ہوگا جس کا نہ تو وہ مالک ہے اور نہ ہی وہ مال اس پر مضمون ہے اور ربح مالم یضمن جائز نہیں ہے، اسی لیے عروض پر عقد شرکت کا انعقاد بھی جائز نہیں ہے۔ ہاں درہم و دنانیر پر جائز ہے، کیونکہ اثمان متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، لہذا ان میں سے ہر ہر شریک کا ثمن اس کے ذمہ ہوگا اور ماوجب فی الذمہ مضمون ہوتا ہے، لہذا اس صورت میں حاصل ہونے والا مالم یضمن کے قبیل سے ہوگا اور صحیح ہوگا۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عروض اور سامان میں پہلا تصرف بیع کا ہوتا ہے جب کہ نقد میں پہلا تصرف شراء ہوتا ہے اور اگر احد الشریکین اس شرط پر اپنا مال فروخت کرے کہ دوسرا شریک ثمن میں اس کا شریک ہوگا تو جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ شرکت وکالت کی مقتضی ہے اور عروض میں اس طرح کی توکیل جائز نہیں ہے جو شرکت کو متضمن ہو اور جب عروض میں شرکت نہیں ہوگی تو ظاہر ہے کہ ثمن میں بھی شرکت نہیں ہوگی اور شرکت نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وکیل بالبیع امین ہوتا ہے، اب اگر یہ وکیل اپنے لیے کسی نفع کی شرط لگالے تو یہ ربح مالم یضمن ہوگا (کیونکہ بیع امین پر مضمون نہیں ہوتا) اور ربح مالم یضمن جائز نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شریک اپنے مال سے کوئی چیز خرید کر اپنے ساتھی کو بیع میں شریک کر لے تو درست ہے، کیونکہ وکیل بالشراء ثمن کا ضامن ہوتا ہے اور اس لیے کہ بیع سے نفع لینے کی شرط لگانا صحیح ہے کیونکہ یہ نفع ربح مالم یضمن کے قبیل سے ہوگا اور صحیح ہوگا۔

وأما الفلوس النافقة الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں درہم و دنانیر کی طرح فلوس راجحہ سے بھی عقد مفاوضہ اور مضاربہ درست ہے اور یہ فلوس ان کے یہاں نقد کے ساتھ ملحق ہیں، اسی لیے درہم و دنانیر کی طرح متعین کرنے سے یہ بھی متعین نہیں ہوتے اور ایک متعین فلوس کو دو متعین فلوس کے عوض فروخت کرنا صحیح نہیں ہے، لیکن حضرات شیخین کے یہاں فلوس کے عوض شرکت و مضاربہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان کی ثمنیت حتمی اور یقینی نہیں ہے اور وقتاً فوقتاً ان میں ترمیم ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ بعض اوقات ان کی ثمنیت بالکل ختم ہو جاتی ہے اور وہ سامان بن جاتے ہیں اور سامان پر مفاوضہ اور مضاربہ ہمارے یہاں صحیح نہیں ہے لہذا فلوس پر بھی یہ عقد صحیح نہیں ہوں گے۔

امام ابو یوسف سے ایک روایت امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مثل جواز کی مروی ہے، لیکن ان کا قول اول جو امام اعظم رحمہ اللہ کے ساتھ مذکور ہوا ہے وہی اصح اور اظہر ہے۔

قَالَ وَلَا يَجُوزُ الشَّرْكَةُ بِمَا سِوَى ذَلِكَ إِلَّا أَنْ يَتَعَامَلَ النَّاسُ بِالتَّبَرِّ وَالنَّقْرَةَ فَتَصِحَّ الشَّرْكَةُ بِهِمَا هَكَذَا ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَلَا يَكُونُ الْمُفَاوَضَةُ بِمَنَاقِيلَ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ، مُرَادُهُ التَّبَرُّ فَعَلَى هَذِهِ الرِّوَايَةِ التَّبَرُّ سَلْعَةٌ يَتَعَيَّنُ بِالتَّعَيَّنِ فَلَا يَصِحُّ رَأْسُ الْمَالِ فِي الْمُضَارَبَاتِ وَالشَّرِكَاتِ، وَذَكَرَ فِي كِتَابِ الصَّرْفِ أَنَّ النَّقْرَةَ لَا يَتَعَيَّنُ حَتَّى لَا يَنْفَسِحَ الْعَقْدُ بِهَلَاكِهِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ فَعَلَى تِلْكَ الرِّوَايَةِ يَصْلَحُ رَأْسُ الْمَالِ فِيهِمَا، وَهَذَا لِمَا عُرِفَ أَنَّهُمَا خُلِقَا ثَمَنَيْنِ فِي الْأَصْلِ إِلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ أَصَحُّ لِأَنَّهَا وَإِنْ خُلِقَتْ لِلتَّجَارَةِ فِي الْأَصْلِ لَكِنَّ



الْثَّمَنِیَّةُ تَخْتَصُّ بِالضَّرْبِ الْمَخْصُوصِ، لِأَنَّ عِنْدَ ذَلِكَ لَا يُصْرَفُ إِلَى شَيْءٍ آخَرَ ظَاهِرًا إِلَّا أَنْ يَجْرِيَ التَّعَامُلُ بِاسْتِعْمَالِهِمَا ثَمَنًا فَيَنْزِلُ التَّعَامُلُ بِمَنْزِلَةِ الضَّرْبِ فَيَكُونُ ثَمَنًا وَيَصْلَحُ رَأْسَ الْمَالِ، ثُمَّ قَوْلُهُ وَلَا يَجُوزُ بِمَا سِوَى ذَلِكَ يَتَنَاوَلُ الْمَكِيلَ وَالْمَوْزُونَ وَالْعَدَدِيَّ الْمُتَقَارِبَ، وَلَا خِلَافَ فِيهِ بَيْنَنَا قَبْلَ الْخَلْطِ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رِبْحٌ مَتَاعِهِ وَعَلَيْهِ وَضِيعَتُهُ، وَإِنْ خَلَطَا ثُمَّ اشْتَرَكَا فَكَذَلِكَ فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِمَا، وَالشِّرْكََةُ شِرْكََةُ مِلْكٍ لَا شِرْكََةُ عَقْدٍ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِمَا تَصِحُّ شِرْكََةُ الْعَقْدِ، وَثَمَرَةُ الْخِلَافِ تَظْهَرُ عِنْدَ التَّسَاوِي فِي الْمَالَيْنِ وَاشْتِرَاطِ التَّفَاضُلِ فِي الرِّبْحِ، فَظَاهِرُ الرِّوَايَةِ مَا قَالَهُ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِمَا لِأَنَّهُ تَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ بَعْدَ الْخَلْطِ كَمَا يَتَعَيَّنُ قَبْلَهُ، وَلِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِمَا أَنَّهَا ثَمَنٌ مِنْ وَجْهِ حَتَّى جَازَ الْبَيْعُ بِهَا دَيْنًا فِي الدِّمَةِ وَبَيْعٌ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ فَعَمِلْنَا بِالشُّبُهَيْنِ بِالْإِضَافَةِ إِلَى الْحَالَيْنِ، بِخِلَافِ الْعُرُوضِ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ ثَمَنًا بِحَالٍ، وَلَوْ اخْتَلَفَا جِنْسًا كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّيْتِ وَالسَّمَنِ فَخَلَطَ لَا يَنْعَقِدُ الشِّرْكََةُ بِهَا بِالِاتِّفَاقِ، وَالْفَرْقُ لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِمَا أَنَّ الْمَخْلُوطَ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ وَمِنْ جِنْسَيْنِ مِنْ ذَوَاتِ الْقِيَمِ فَتَمَكَّنَ الْجَهَالَةُ كَمَا فِي الْعُرُوضِ وَإِذَا لَمْ تَصِحَّ الشِّرْكََةُ فَحُكْمُ الْخَلْطِ قَدْ بَيَّنَّاهُ فِي كِتَابِ الْقَضَاءِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ ان اموال کے علاوہ سے شرکت مفادہ جائز نہیں ہے الا یہ کہ لوگ بغیر پکھلائے ہوئے سونے کے ڈلے اور اور پکھلائی ہوئی چاندی کے ٹکڑے سے (شرکت کا) معاملہ کرتے ہوں تو ان دونوں سے بھی شرکت صحیح ہوگی قدوری میں ایسا ہی مذکور ہے۔ جامع صغیر میں ہے کہ سونے اور چاندی کے مثقالوں سے شرکت مفادہ نہیں منعقد ہوتی اور امام محمد رحمہ اللہ کی مراد تیر ہے چنانچہ اس روایت کے مطابق تیر ایک سامان ہے جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے اور عقد شرکت و مضاربت میں رأس المال بننے کے لائق نہیں ہے۔ جامع صغیر کی کتاب الصرف میں یہ مذکور ہے کہ نقرہ متعین نہیں ہوتا حتیٰ سپردگی سے پہلے اس کے ہلاک ہونے سے عقد فسخ نہیں ہوتا تو اس روایت کے مطابق نقرہ اور تیر شرکت و مضاربت میں رأس المال بن سکتے ہیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ سونا اور چاندی اصل میں ثمن پیدا کئے گئے ہیں لیکن جامع صغیر کی پہلی روایت اصح ہے اس لیے کہ اگرچہ سونا اور چاندی اصل میں تجارت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں لیکن مخصوص طور پر ان کی ڈھلائی سے ان میں ثمنیت مخصوص ہو جاتی ہے، کیونکہ اس وقت بہ ظاہر کسی دوسری چیز کی طرف انہیں پھیرا جاسکتا لیکن اگر غیر مضروب ہونے کی حالت میں بطور ثمن ان کے استعمال کا تعامل ہو جائے تو تعامل کو ڈھلائی کے قائم مقام قرار دیا جائے گا لہذا یہ ثمن بن جائیں گے اور رأس المال بننے کے قابل ہو جائیں گے۔

پھر امام قدوری رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ان کے سواء سے شرکت مفادہ جائز نہیں ہے یہ قول مکملی، موزونی اور عددی متقارب کو شامل ہے اور ملانے سے پہلے اس میں ہمارے مابین اختلاف نہیں ہے اور شرکاء میں سے ہر ایک کے لیے اسی کے سامان کا نفع ہوگا اور اسی پر

نقصان بھی منحصر ہوگا۔ اور اگر دونوں نے مال کو خلط ملط کرنے کے بعد عقد شرکت کیا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں یہی حکم ہے اور یہ شرکت شرکت ملک ہوگی، شرکت عقد نہیں ہوگی اور امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں شرکت عقد صحیح ہوگی اور اختلاف کا ثمرہ دونوں مالوں میں برابری کے وقت اور نفع میں کمی زیادتی کی شرط لگانے کی صورت میں ظاہر ہوگا تو ظاہر الروایہ وہ ہے جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، کیونکہ ملانے کے بعد بھی یہ مال متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے جیسے ملانے سے پہلے متعین ہو جاتا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مکمل و موزون من وجہ ثمن ہیں حتیٰ کہ اس کے عوض دہانہ میں قرض رکھ کر بیع کرنا جائز ہے اور یہ چیزیں من وجہ بیع بھی ہیں اس حیثیت سے کہ تعین سے یہ متعین ہو جاتی ہیں لہذا دونوں حالتوں کی طرف اضافت کرتے ہوئے ہم نے دونوں مشابہتوں پر عمل کیا۔ برخلاف عروض کے اس لیے کہ وہ کسی بھی حالت میں اثمان نہیں ہیں۔

اور مکملی و موزونی چیزیں مختلف الجنس ہوں جیسے گندم اور جو، روغن زیتون اور گھی پھر دونوں نے انہیں ملا دیا تو ان سے بالاتفاق عقد شرکت منعقد نہیں ہوگی۔ امام محمد رحمہ اللہ کے لیے وجہ فرق یہ ہے کہ ایک ہی جنس کی ملی ہوئی چیزیں ذوات الامثال میں سے ہیں اور دو جنس کی مخلوط چیزیں ذوات القیم میں سے ہوتی ہیں لہذا سامان کی طرح اس میں بھی جہالت پیدا ہوگئی اور جب شرکت صحیح نہیں ہوئی تو خلط کا حکم کتاب القضاء میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

## اللغات:

﴿تبر﴾ بے ڈھلا سونا، ڈلی۔ ﴿نقرہ﴾ بے ڈھلی چاندی، ڈلی۔ ﴿سلعة﴾ ساز و سامان۔ ﴿ضروب﴾ ڈھال، نکال۔ ﴿ربح﴾ منافع۔ ﴿وضیعة﴾ نقصان۔ ﴿دین﴾ ادھار۔ ﴿حنطة﴾ گندم۔ ﴿شعیر﴾ جو۔ ﴿زیت﴾ زیتون کا تیل۔ ﴿سمن﴾ گھی۔

## مذکورہ بالا مسئلہ سے استثناء:

مسئلہ یہ ہے کہ دراہم و دنانیر کے علاوہ سونے کے غیر مضروب ڈلے یا چاندی کے پگھلائے ہوئے ڈلے سے عقد مفاوضہ جائز نہیں ہے لیکن اگر کسی شہر اور علاقے میں تبر اور نقرہ کو ثمن کی حیثیت حاصل ہو اور وہاں کے لوگ ان سے بھی لین دین کرتے ہوں تو اس جگہ ان چیزوں سے بھی عقد مفاوضہ جائز ہوگا یہ مختصر القدوری کا مضمون ہے۔ جامع صغیر کی روایت کے مطابق تبر اور نقرہ سامان ہوگی اور عروض کی طرح مضاربت اور مفاوضہ میں رأس المال بننے کے لائق نہیں ہوں گے۔ لیکن جامع صغیر کی کتاب الصرف میں یہ حکم مذکور ہے کہ نقرہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اور اگر اسے ثمن دیا جائے اور سپردگی بیع سے پہلے یہ ہلاک ہو جائے تو اس کے ہلاک ہونے سے عقد بھی فسخ نہیں ہوتا اس روایت کے پیش نظر تو نقرہ شرکت و مضاربت میں رأس المال بن سکتا ہے ان دونوں روایتوں میں پہلی روایت اصح اور مستند ہے، کیونکہ نقرہ اور تبر اگرچہ تجارت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں تاہم ان میں ثمنیت اسی وقت آتی ہے جب انہیں مخصوص طریقے پر ڈھالا جائے اور تراش خراش کر ثمن ہونے کے قابل بنایا جائے اور اگر یہ غیر مضروب ہوں تو پھر عروض کے حکم میں ہوں گے اور عروض کی طرح ان پر بھی عقد شرکت و مضاربت نہیں ہوگی۔ ہاں اگر کسی جگہ غیر مضروب تبر اور نقرہ کی ثمن بنانے کا رواج ہو تو اس رواج کی وجہ سے یہ مضروب کے قائم مقام ہو کر ثمن بن جائیں گے اور ان پر مفاوضہ اور مضاربت منعقد ہو جائے گی۔

ثم قوله ولا يجوز الخ فرماتے ہیں کہ متن میں امام قدوری نے جو ولا يجوز بما سوى ذلك فرمایا ہے اس میں تبر اور نقرہ کے ساتھ ساتھ مکملی اور موزنی اشیاء اور عددی متقارب اشیاء سب داخل ہیں اور اگر دو لوگوں کے یہ مال باہم ملے ہوئے نہ ہوں تو ہمارے یہاں بالاتفاق ان پر شرکت و مضاربہت جائز نہیں ہے اور ہر ہر شریک اپنے اپنے مال کے نفع نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ اور اگر دونوں شریکوں نے اپنا اپنا مال خلط ملط کر دیا اور پھر عقد شرکت کیا تو بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں یہ عقد مفاوضہ نہیں ہوگا اور ہر ہر شریک اپنے اپنے مال کے نفع اور نقصان کا ذمہ دار ہوگا اور یہ شرکت صرف شرکت ملک کہلائے گی کہ ان کی ملکیت مخلوط ہے لیکن ان کا نفع مخلوط نہیں ہوگا۔ جب کہ امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں یہ شرکت شرکت عقد ہوگی اور اگر احد الشریکین کے لیے زیادہ نفع کی شرط لگائی گئی تو امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں جائز ہوگی لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں جائز نہیں ہے، اس لیے کہ مکملی اور موزنی چیز جس طرح قبل الخلط متعین ہو جاتی ہے اسی طرح بعد الخلط بھی متعین ہو جاتی ہے اور متعین ہونے والی چیز شرکت و مضاربہت کا رأس المال نہیں ہو سکتی۔

امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مکملی و موزنی اشیاء کی دو حیثیتیں ہیں (۱) یہ من وجہ من ہیں اور اگر کسی شخص نے مرغی کے انڈے یا گیسوں یا لوہے یعنی عدد متقارب مکملی اور موزنی چیزوں میں سے کسی چیز کو اپنے ذمہ قرض بتا کر کوئی چیز خریدی یہ ان اشیاء ثلاثہ میں سے ہر ہر چیز ذمے میں دین بن کر من بن جائے گی۔ (۲) اور یہ چیزیں من وجہ بیع ہیں، کیونکہ بیع میں متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہیں، لہذا ہم نے قبل الخلط و بعد الخلط دونوں حالتوں کا اعتبار کیا اور قبل الخلط انھیں عروض کے مشابہ قرار دے کر ان کے عوض عقد شرکت کو باطل قرار دیا اور بعد الخلط والی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے انھیں ائمان کے مشابہ قرار دے کر ان کے عوض شرکت و مضاربہت کو درست قرار دیدیا۔

ولو اختلفا الخ فرماتے ہیں کہ اگر مکملی و موزنی چیزیں مختلف الجنس ہوں مثلاً ایک شریک کا گندم ہو اور دوسرے کا جو ہو یا ایک کا روغن زیتون ہوں اور دوسرے کا گھی ہو اور پھر دونوں اپنا اپنا سامان ایک دوسرے کے سامان سے مخلوط کر دیں تو ان سے بالاتفاق شرکت منعقد اور متحقق نہیں ہوگی۔ یہ عدم انعقاد امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں تو ظاہر ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں اس میں اور مخلوط من جنس واحد میں فرق یہ ہے کہ مخلوط من جنس واحد ذوات الامثال میں سے ہوتی ہے اور اگر کوئی اسے ضائع اور ہلاک کر دے تو اس پر اس کا مثل واجب ہوتا ہے اور مخلوط من جنسین ذوات القیم میں سے ہوتی ہے اور شریکین میں سے ہر ایک کو بوقت تقسیم رأس المال سے اس کا حصہ نہیں مل پاتا ہے اور اس میں جہالت آ جاتی ہے اور مساوات ختم ہو جاتی ہے اسی لیے مخلوط من جنسین سے عقد شرکت و مضاربہت کا تحقق نہیں ہوتا اور یہ صورت خلط کہلاتی ہے اور خلط و مخلوط کا حکم ہم نے کتاب القضاء میں بیان کر دیا ہے اور اس کتاب القضاء سے جامع صغیر یا کفایۃ المنتہی کی کتاب القضاء مراد ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ (بنایہ: ۶/۸۵۲)

قَالَ وَإِذَا أَرَادَ الشَّرِكَةُ بِالْعُرُوضِ بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفَ مَالِهِ بِنِصْفِ مَالِ الْآخَرِ ثُمَّ عَقَدَ الشَّرِكَةُ، قَالَ وَهَذِهِ شَرْكَةُ مِلْكٍ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْعُرُوضَ لَا تَصِحُّ رَأْسَ مَالِ الشَّرِكَةِ وَتَأْوِيلُهُ إِذَا كَانَتْ قِيَمَةُ مَتَاعِهِمَا عَلَى السَّوَاءِ، وَلَوْ كَانَتْ بَيْنَهُمَا تَفَاوُتٌ بَاعَ صَاحِبُ الْأَقَلِّ بِقَدْرِ مَا يَثْبُتُ بِهِ الشَّرِكَةُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شرکت بالعروض کا معاملہ کرنا چاہے تو ہر شخص اپنا نصف مال دوسرے کے نصف مال سے

فروخت کر دے پھر عقد شرکت کرے، فرماتے ہیں کہ یہ شرکت ملک ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ عروض شرکت کا راس المال نہیں ہو سکتے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب ان کے سامان کی قیمت برابر ہو اور اگر قیمت میں کمی بیشی ہو تو کم والا اس مقدار میں اپنا سامان فروخت کرے جس سے شرکت ثابت ہو جائے۔

## اللغات:

﴿عروض﴾ ساز و سامان - ﴿متاع﴾ سامان - ﴿تفاوت﴾ فرق۔

## سامان و عروض میں شرکت مفروضہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اسباب اور سامان میں عقد شرکت درست نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص کرنا چاہے تو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ہر شریک اپنا نصف سامان دوسرے کے نصف سامان کے عوض فروخت کر دے تاکہ ہر ایک کا نصف سامان دوسرے پر مضمون ہو جائے اور دونوں کو ربح ماضی حاصل ہو، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب دونوں کے سامان کی قیمت برابر ہو اور اگر دونوں کے سامان کی قیمت برابر نہ ہو اور اس میں کمی بیشی ہو مثلاً ایک کے سامان کی قیمت ۴۰۰/ چار سو روپے ہو اور دوسرے کے سامان کی قیمت صرف ۱۰۰/ روپے ہو تو سو روپے والا شخص اپنے سامان کے پانچ حصے کر کے ۴۰۰/ روپے والے کے ایک حصے کے عوض اپنے چار حصے فروخت کر دے، تاکہ کل مال کے پانچ حصے ہو جائیں اور اسی تناسب سے انہیں نفع ملتا رہے۔

قَالَ وَأَمَّا شِرْكَةُ الْعِنَانِ فَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ دُونَ الْكِفَالَةِ وَهِيَ أَنْ يَشْتَرِكَ اثْنَانِ فِي نَوْعٍ بَزٍّ أَوْ طَعَامٍ أَوْ يَشْتَرِكَ فِي عُمُومِ التَّجَارَاتِ، وَلَا يَذْكُرَانِ الْكِفَالَةَ، وَأَنْعِقَادُهُ عَلَى الْوَكَالَةِ لِتَحْقِيقِ مَقْصُودِهِ كَمَا بَيَّنَّاهُ، وَلَا يَنْعَقِدُ عَلَى الْكِفَالَةِ، لِأَنَّ اللَّفْظَ مُشْتَقٌّ مِنَ الْإِعْرَاضِ، يُقَالُ عَنْ لَهٍ أَيْ أَعْرَضَ وَهَذَا لَا يُبْنَى عَنِ الْكِفَالَةِ وَحُكْمُ التَّصَرُّفِ لَا يَثْبُتُ، بِخِلَافِ مُقْتَضَى اللَّفْظِ، وَيَصِحُّ التَّفَاضُلُ فِي الْمَالِ لِحَاجَةِ إِلَيْهِ وَلَيْسَ مِنْ قَضِيَّةِ اللَّفْظِ الْمُسَاوَاةُ.

**ترجمہ:** رہی شرکت عنان تو وہ وکالت پر منعقد ہوتی ہے، کفالت پر منعقد نہیں ہوتی اس کی صورت یہ ہے کہ دو لوگ کسی قسم کے کپڑے یا غلے میں شرکت کریں یا عموم تجارت میں شرکت کریں اور کفالہ کا ذکر نہ کریں اور یہ قسم وکالت پر اس لیے منعقد ہوتی ہے تاکہ اس کا مقصود حاصل ہو جائے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ شرکت کفالہ پر منعقد نہیں ہوتی، کیونکہ لفظ عنان اعراض سے مشتق ہے چنانچہ کہا جاتا ہے عنن لہ اس نے اعراض کر لیا اور یہ معنی کفالت سے ظاہر نہیں ہوں گے اور مقتضائے لفظ کے خلاف حکم ثابت نہیں ہوتا۔ اور کسی شریک کے مال میں کمی زیادتی ہونا صحیح ہے، کیونکہ اس کی ضرورت ہے اور مساوات لفظ عنان کا تقاضہ نہیں ہے۔

## اللغات:

﴿بز﴾ کپڑا - ﴿اعراض﴾ منہ پھیرنا، توجہ نہ کرنا - ﴿لا یبنی﴾ خبر نہیں دیتا - ﴿قضیۃ﴾ مقتضی، تقاضا۔



## شرکت عنان کی تعریف:

یہاں سے شرکت عقود کی دوسری قسم یعنی شرکت عنان کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شرکت عنان وکالت پر منعقد ہوتی ہے کفالت پر نہیں یعنی دونوں شریک ایک دوسرے کے وکیل تو ہوتے ہیں کیونکہ اس میں مال غیر میں تصرف کرنا ہوتا ہے جو بدون وکالت متحقق نہیں ہوگا، لیکن دونوں ایک دوسرے کے وکیل نہیں ہوتے اس لیے کہ شرکت عنان اعراض سے مشتق ہے اور کفالت میں اعراض کا معنی نہیں پایا جاتا اور یہ ضابطہ مقرر ہے کہ مقتضائے لفظ کے خلاف اس کا حکم ثابت نہیں ہوتا، لہذا اس حوالے سے بھی شرکت عنان کفالت سے خالی اور عاری ہوگی۔ اور اگر شرکت عنان کے شریکین میں سے کسی شریک کا مال دوسرے سے زیادہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور اس تفاضل سے صحت عنان پر آج نہیں آئے گی، کیونکہ عنان میں رأس المال میں مساوات شرط نہیں ہے۔

وَيَصِحُّ أَنْ يَتَسَاوَيَا فِي الْمَالِ وَيَتَفَاضَلَا فِي الرَّبْحِ، وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّ التَّفَاضُلَ فِيهِ يُؤَدِّي إِلَى رِبْحٍ مَا لَمْ يَضْمَنْ فَإِنَّ الْمَالَ إِذَا كَانَ يَصْفَيْنِ وَالرَّبْحُ أَثْلَاثًا فَصَاحِبُ الزِّيَادَةِ يَسْتَحِقُّهَا بِلاَ ضَمَانٍ، إِذَا الضَّمَانُ بِقَدْرِ رَأْسِ الْمَالِ، وَلِأَنَّ الشَّرْكَةَ عِنْدَهُمَا فِي الرَّبْحِ لِشَرَكَةٍ فِي الْأَصْلِ وَلِهَذَا يَشْتَرِطَانِ الْخُلُوطَ فَصَارَ رِبْحُ الْمَالِ بِمَنْزِلَةِ نِمَاءِ الْأَعْيَانِ فَيَسْتَحِقُّ بِقَدْرِ الْمِلْكِ فِي الْأَصْلِ، وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((الرَّبْحُ عَلَى مَا شَرَطَا وَالْوَضِيعَةُ عَلَى قَدْرِ الْمَالَيْنِ وَلَمْ يَقْصِلْ))، وَلِأَنَّ الرَّبْحَ كَمَا يَسْتَحِقُّ بِالْمَالِ يَسْتَحِقُّ بِالْعَمَلِ كَمَا فِي الْمُضَارَبَةِ وَقَدْ يَكُونُ أَحَدُهُمَا أَحْذَقُ وَأَهْدَى أَوْ أَكْثَرُ عَمَلًا وَأَقْوَى فَلَا يَرْضَى بِالْمُسَاوَاتِ لَمَسَّتِ الْحَاجَةُ إِلَى التَّفَاضُلِ، بِخِلَافِ اشْتِرَاطِ جَمِيعِ الرَّبْحِ لِأَحَدِهِمَا، لِأَنَّهُ يَخْرُجُ الْعَقْدُ بِهِ مِنَ الشَّرَكَةِ وَمِنَ الْمُضَارَبَةِ أَيْضًا إِلَى قَرْضٍ بِاشْتِرَاطِهِ لِلْعَامِلِ أَوْ إِلَى بَضَاعَةٍ بِاشْتِرَاطِ لِرَبِّ الْمَالِ، وَهَذَا الْعَقْدُ يَشْبَهُ الْمُضَارَبَةَ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ يَعْمَلُ فِي مَالِ الشَّرِيكِ وَيَشْبَهُ الشَّرْكَةَ اسْمًا وَعَمَلًا فَإِنَّهُمَا يَعْمَلَانِ فَعَمَلُنَا بِشِبْهِ الْمُضَارَبَةِ وَقُلْنَا يَصِحُّ اشْتِرَاطُ الرَّبْحِ مِنْ غَيْرِ ضَمَانٍ، وَبِشِبْهِ الشَّرَكَةِ حَتَّى لَا يَبْطُلَ بِاشْتِرَاطِ الْعَمَلِ عَلَيْهِمَا.

**ترجمہ:** یہ بھی صحیح ہے کہ دونوں شریک مال میں برابر ہوں اور نفع میں ان میں کمی بیشی ہو، امام زفر اور امام شافعی رحمہما فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے، کیونکہ نفع میں تفاضل مفہمی الی ربح مالم یضمن ہے چنانچہ اگر مال آدھا آدھا ہو اور نفع دو ٹکٹ اور ایک ٹکٹ ہو تو زیادہ والا بغیر ضمان کے اس زیادتی کا مستحق ہے حالانکہ رأس المال کے بقدر ہی ضمان واجب ہوتا ہے۔ اور اس لیے کہ امام زفر اور امام شافعی رحمہما کے نفع کی شرکت اصل (رأس المال) کی شرکت سے ہوتی ہے، اسی لیے وہ دونوں حضرات خلط کی شرکت لگاتے ہیں تو مال کا نفع اصل کی زیادتی کی طرح ہو گیا لہذا ہر شریک اصل مال میں ملکیت کے بقدر مستحق نفع ہوگا۔

ہماری دلیل آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ نفع دونوں شریکوں کی شرط کے مطابق ہوگا اور نقصان بقدر مالین ہوگا، اور آپ ﷺ نے تساوی اور تفاضل میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ اور اس لیے کہ شریک جس طرح مال کی وجہ سے مستحق نفع ہوتا ہے اسی طرح کام سے بھی مستحق نفع ہوتا ہے جیسے مضاربت میں ہوتا ہے اور کبھی احد الشریکین کاروبار میں زیادہ ماہر اور ہوشیار ہوتا ہے اور کام میں زیادہ محنتی ہوتا ہے اس لیے وہ برابر نفع لینے پر راضی نہیں ہوتا، لہذا تفاضل کی ضرورت پڑتی ہے۔ برخلاف ایک کے لیے پورے نفع کی شرط لگانے میں، کیونکہ اس شرط کی وجہ سے عقد شرکت اور مضاربت ہونے سے خارج ہو جائے گا۔ اور اگر عامل کے لیے نفع کی شرط ہو تو یہ قرض ہو جائے گا اور اگر رب المال کے لیے پورے نفع کی شرط ہو تو یہ عقد پونجی اور سرمایہ ہو جائے گا۔

اور یہ عقد مضاربت کے مشابہ ہے اس حیثیت سے کہ ایک شریک دوسرے شریک کے مال میں کام کرتا ہے اور نام اور کام کے حوالے سے شرکت کے مشابہ ہے، کیونکہ دونوں کام آتے ہیں لہذا ہم نے مضاربت کی مشابہت پر عمل کرتے ہوئے کہا بغیر ضمان کے نفع کی شرط لگانا صحیح ہے اور شرکت کی مشابہت پر عمل کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ دونوں شریک پر عمل کی شرط لگانے سے یہ عقد باطل نہیں ہوگا۔

### اللغات:

﴿ربح﴾ منافع۔ ﴿خلط﴾ ملانا، مخلوط کر لینا۔ ﴿نماء﴾ اضافہ، افزائش، بڑھوتری۔ ﴿وضیعة﴾ نقصان۔ ﴿احذق﴾ زیادہ ماہر۔ ﴿اھدی﴾ راستوں سے زیادہ واقف۔ ﴿اقوی﴾ زیادہ طاقت ور۔

### حنان میں ایک شریک کے لیے زیادہ نفع کی شرط لگانا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر دونوں شریک مال میں برابر ہوں لیکن نفع میں برابری نہ ہو بلکہ ان میں سے ایک کے لیے زیادہ نفع کی شرط ہو تو ہمارے یہاں صحیح ہے، لیکن امام زفر اور امام شافعی رحمہما کے یہاں صحیح نہیں ہے، کیونکہ نفع کی زیادتی ربح مالم یضمن کو متضمن ہے اور ربح مالم یضمن جائز نہیں ہے، ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ امام شافعی رحمہما اور امام زفر کے یہاں اصل رأس المال کی شرکت کے تناسب سے نفع میں شرکت ہوتی ہے، اسی لیے ان کے یہاں دونوں شریکوں کے مال کا مخلوط ہونا شرط ہے اور مال کا نفع درحقیقت اعیان اور رأس المال کے اضافے کی طرح ہے، لہذا اصل میں جس کی جتنی ملکیت ہوگی اسی حساب سے اسے نفع بھی ملے گا۔

ہماری دلیل آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے الربح علی ما شرط الخ کہ دونوں شریکوں کو نفع اسی اعتبار سے ملے گا جو انہوں نے شرط کیا ہوگا، البتہ ان کا نقصان ان کے رأس المال کے بقدر ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ نفع میں زیادتی کی شرط لگانا درست ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے مطلق علی ما شرط کا حکم بیان کیا ہے اور تساوی اور تفاضل کی کوئی شرط نہیں لگائی ہے۔

ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ نفع کا استحقاق جس طرح مال سے ہوتا ہے اسی طرح عمل اور کام سے بھی ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شریکین میں سے کوئی ایک زیادہ ہوشیار اور تجارت میں زیادہ ماہر ہوتا ہے اور وہ برابر نفع لینے پر راضی نہیں ہوتا اور شرکت کو باقی رکھنے کے لیے تفاضل کے علاوہ کوئی دوسری راہ نہیں ہوتی لہذا اس حوالے سے بھی تفاضل جائز ہوگا۔ لیکن اگر کسی شریک کے لیے پورے نفع کی شرط لگا دی گئی تو جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے عقد نہ تو شرکت ہوگا اور نہ ہی مضاربت، کیونکہ ان میں سے کسی بھی میں

ایک ہی فرد کو پورا نفع نہیں ملتا بلکہ یہ نفع مشترک ہوتا ہے اب اگر ہم عامل کے لیے پورے نفع کی شرط لگادیں تو یہ عقد قرض بن جائے گا گویا کہ عامل شریک آخر سے قرض لے کر کام کرے گا اور پورا نفع خود لے گا اور اگر رب المال کے لیے پورے نفع کی شرط لگادی جائے تو یہ پونجی اور سرمایہ کاری ہوگی اور عقد شرکت کا قرض اور بضاعت میں تبدیل ہونا صحیح نہیں ہے، لہذا کسی ایک کے پورے نفع کی شرط لگانا بھی صحیح نہیں ہے۔ اب شرکت عنان کی دو حیثیتیں ہوں گی (۱) یہ مضاربت کے مشابہ ہے، کیونکہ اس میں احد الشریک دوسرے شریک کے مال میں کام کرتا ہے جیسا کہ مضارب رب المال کے مال میں کام کرتا ہے (۲) یہ شرکت مفاوضہ کے بھی مشابہ ہے کیونکہ اس کا نام شرکت عنان ہے اور مفاوضہ کی طرح اس کے دونوں شریک بھی کام کرتے ہیں۔ اور ہم نے ان دونوں مشابہتوں پر عمل کیا چنانچہ مضاربت کی مشابہت پر عمل کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ جس طرح مضارب ربح مالم یضمن کا مستحق ہوتا ہے اسی طرح عنان کا ایک شریک بھی تفاضل کی شرط سے ربح مالم یضمن کا مستحق ہو سکتا ہے اور شرکت مفاوضہ کی مشابہت پر عمل کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ جس طرح مفاوضہ میں دونوں شریک کام کرتے ہیں اسی طرح عنان کے دونوں شریک بھی کام کریں گے۔ اور دونوں کے کام کرنے کی شرط سے یہ شرکت باطل نہیں ہوگی۔

قَالَ وَيَجُوزُ أَنْ يَعْقِدَهَا كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِبَعْضِ مَالِهِ دُونَ الْبَعْضِ، لِأَنَّ الْمَسَاوَاتِ فِي الْمَالِ لَيْسَ بِشَرْطٍ فِيهِ إِذَا اللَّفْظُ لَا يَقْتَضِيهِ، وَلَا يَصِحُّ إِلَّا بِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْمَفَاوِضَةَ تَصِحُّ بِهِ لِلْوَجْهِ الَّذِي ذَكَرْنَا، وَيَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِكََا مِنْ جِهَةٍ أَحَدِهِمَا دَنَائِرُ وَمِنْ الْآخِرِ دَرَاهِمُ وَكَذَا مِنْ أَحَدِهِمَا دَرَاهِمُ بَيْضُ وَمِنْ الْآخِرِ سُودُ، وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ لَا يَجُوزُ، وَهَذَا بِنَاءً عَلَى اشْتِرَاطِ الْخَلْطِ وَعَدَمِهِ فَإِنَّ عِنْدَهُمَا شَرْطٌ وَلَا يَتَحَقَّقُ ذَلِكَ فِي مُخْتَلَفِي الْجِنْسِ، وَسَنَبِّهْ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى، قَالَ وَمَا اشْتَرَاهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِشُرْكَائِهِ طُولَ بِشْمِهِ دُونَ الْآخِرِ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ يَتَضَمَّنُ لِلْوَكَالَةِ دُونَ الْكِفَالَةِ وَالْوَكِيلُ هُوَ الْأَصْلُ فِي الْحُقُوقِ، قَالَ ثُمَّ يَرْجِعُ عَلَى شَرِيكِهِ بِحِصَّتِهِ مِنْهُ مَعْنَاهُ إِذَا أَدَّى مِنْ مَالِ نَفْسِهِ، لِأَنَّهُ وَكِيلٌ مِنْ جِهَتِهِ فِي حِصَّتِهِ فَإِذَا نَقَدَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ رَجَعَ عَلَيْهِ فَإِنْ كَانَ لَا يَعْرِفُ ذَلِكَ إِلَّا بِقَوْلِهِ فَعَلَيْهِ الْحُجَّةُ، لِأَنَّهُ يَدَّعِي وَجُوبَ الْمَالِ فِي ذِمَّةِ الْآخِرِ وَهُوَ يُنْكِرُ وَالْقَوْلُ لِلْمُنْكَرِ مَعَ يَمِينِهِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ ہر شریک کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنا کچھ مال شرکت میں لگائے اور کچھ نہ لگائے کیونکہ عنان میں مساوات فی المال شرط نہیں ہے، اس لیے کہ لفظ عنان مساوات کا تقاضہ نہیں کرتا اور شرکت عنان انہی چیزوں سے صحیح ہوگی جن سے مفاوضہ صحیح ہوتی ہے اس دلیل سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ شرکت عنان میں یہ بھی جائز ہے کہ ایک شریک کی طرف سے دنائیر ہوں اور دوسرے کی طرف سے دراہم ہوں نیز یہ بھی صحیح ہے کہ ان میں سے ایک کی طرف سے مفید دراہم ہوں اور دوسرے کی طرف سے سیاہ دراہم ہوں۔ امام زفر اور امام شافعی رحمہما فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے یہ اختلاف مال ملانے کے شروط ہونے یا نہ ہونے پر ہے

چنانچہ ان حضرات کے یہاں خلط شرط ہے جب کہ مختلف الجنس میں خلط متحقق نہیں ہوتا۔ اور بعد میں ان شاء اللہ ہم اسے بیان کریں گے۔

شریکین میں سے ہر ایک شرکت کے لیے جو چیز خریدے گا اسی سے اس کے ثمن کا مطالبہ کیا جائے گا، دوسرے سے مطالبہ نہیں ہوگا، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ عقد صرف وکالت کو متضمن ہے کفالت کو نہیں اور حقوق مطالبہ میں وکیل ہی اصل ہوتا ہے۔ پھر مشتری دوسری شریک سے اس کے حصے کے بقدر ثمن واپس لے گا یعنی جب اس نے اپنا مال ادا کیا ہو کیونکہ شریک ثانی کے حصے میں اس کی طرف سے وہ وکیل ہے لہذا جب اس نے اپنے مال سے (اس کی طرف سے) ادا کیا ہے تو اس سے واپس لے گا۔ اور اگر خریداری ایسی ہو کہ صرف مشتری ہی کی بات سے اس کا علم ہوتا ہو تو اس پر بینہ پیش کرنا لازم ہے، کیونکہ یہ مشتری دوسرے کے ذمے وجوب مال کا دعویٰ کر رہا ہے حالانکہ وہ انکار کر رہا ہے اور منکر کی قسم کے ساتھ اس کی بات معتبر ہوتی ہے۔

### اللغات:

﴿لا یقتضیہ﴾ اس کا تقاضا نہیں کرتا۔ ﴿بیض﴾ سفید۔ ﴿سود﴾ سیاہ۔ ﴿یتضمن﴾ ضمناً شامل ہوتی ہے۔ ﴿حجة﴾ دلیل۔

### سرمایہ کاری کے لیے شرکت عنان میں پائی جانے والی گنجائشیں:

عبارت میں تین مسئلے بیان کئے گئے ہیں:

(۱) مسئلہ یہ ہے کہ شرکت عنان کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر شریک اپنی پوری پونجی اس میں لگا دے، بلکہ اگر کچھ مال لگایا جائے اور کچھ رکھ لیا جائے تو یہ بھی درست اور جائز ہے اور ہر ہر شریک کے مال کا دوسرے کے مال کے برابر ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ شرکت عنان میں مساوات شرط نہیں ہے اور لفظ عنان مساوات کا تقاضہ بھی نہیں کرتا۔ اور جس طرح دراہم و دنانیر اور فلوس سے عقد مفاوضہ صحیح ہے اسی طرح دراہم و دنانیر سے شرکت عنان بھی صحیح ہے۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر شریکین میں سے ایک کا مال دنانیر ہوں اور دوسرے کا مال دراہم ہوں یا ایک نے سفید دراہم لگائے ہوں اور دوسرے نے سیاہ لگائے ہوں تو بھی درست اور جائز ہے لیکن شوافع اور امام زفر رحمہ اللہ کے یہاں جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کے یہاں صحت شرکت کے لیے مال کا مخلوط ہونا شرط ہے اور مختلف الجنس میں خلط ممکن نہیں ہے اس لیے ان کے یہاں دونوں شریکوں کے مال کا یکساں ہونا شرط ہے۔

(۳) اگر احد الشریکین میں سے کسی نے مشترکہ طور پر کوئی چیز خریدی تو بائع مشتری ہی سے ثمن کا مطالبہ کرے گا دوسرے عاقد سے نہیں کر سکتا، کیونکہ شرکت عنان صرف وکالت پر مشتمل ہوتا ہے کفالت پر مشتمل نہیں ہوتا لہذا ایک شریک وکیل بن کر دوسرے کی طرف سے خرید تو سکتا ہے، لیکن مشتری ہی سے ثمن کا مطالبہ ہوگا ہاں پھر یہ مشتری اپنے شریک سے اس کے حصے کا ثمن واپس لے لے گا۔ کیونکہ یہ اس کے حصے کی خریداری میں وکیل ہے اور وکیل کو موکل سے ثمن واپس لینے کا حق ہے۔

فان کان لا یعرف الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر خریداری صرف مشتری کے قول سے معلوم ہو مثلاً وہ یہ کہے کہ میں نے ایک ہزار میں ایک غلام خریدا تھا اور اپنے مال سے اس کا ثمن دیا تھا اور غلام مرچکا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ خریداری صرف مشتری



کی بات سے واضح ہو رہی ہے تو شریک ثانی سے ثمن لینے کے لیے مشتری پر حجت اور بینہ پیش کرنا لازم ہے اور اگر وہ بینہ نہ پیش کر سکے تو قسم کے ساتھ دوسرے ساتھی کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ وہ مشتری کے دعوے کا منکر ہے اور منکر کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوتا ہے جیسا کہ البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر۔

قَالَ وَإِذَا هَلَكَ مَالُ الشَّرِكَةِ أَوْ أَحَدُ الْمَالِكِينَ قَبْلَ أَنْ يَشْتَرِيَ شَيْئًا بِطَلَبِ الشَّرِكَةِ، لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ فِي عَقْدِ الشَّرِكَةِ الْمَالُ فَإِنَّهُ يَتَعَيَّنُ فِيهِ كَمَا فِي الْهَبَةِ وَالْوَصِيَّةِ، وَبِهَلَاكِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ يَبْطُلُ الْعَقْدُ كَمَا فِي الْبَيْعِ، بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ وَالْوَكَالَةِ الْمُفْرَدَةِ، لِأَنَّهُ لَا يَتَعَيَّنُ الثَّمَانُ فِيهِمَا بِالتَّعْيِينِ وَإِنَّمَا يَتَعَيَّنَانِ بِالْقَبْضِ عَلَى مَا عُرِفَ، وَهَذَا ظَاهِرٌ فِيمَا إِذَا هَلَكَ الْمَالَانِ وَكَذَا إِذَا هَلَكَ أَحَدُهُمَا لِأَنَّهُ مَا رَضِيَ بِشَرِكَةِ صَاحِبِهِ فِي مَالِهِ إِلَّا لِشَرِكَةٍ فِي مَالِهِ فَإِذَا مَاتَ لَمْ يَكُنْ رَاضِيًا بِشَرِكَتِهِ فَيَبْطُلُ الْعَقْدُ لِعَدَمِ فَائِدَتِهِ، وَأَيُّهُمَا هَلَكَ مِنْ مَالِ صَاحِبِهِ إِنْ هَلَكَ فِي يَدِهِ فَظَاهِرٌ وَكَذَا إِذَا كَانَ هَلَكَ فِي يَدِ الْآخَرِ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ فِي يَدَيْهِ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْخَلْطِ حَيْثُ يَهْلِكُ عَلَى الشَّرِكَةِ لِأَنَّهُ لَا يَتَمَيَّزُ فَيُجْعَلُ الْهَلَاكُ مِنَ الْمَالِكِينَ، وَإِنْ اشْتَرَى أَحَدُهُمَا بِمَالِهِ وَهَلَكَ مَالُ الْآخَرِ قَبْلَ الشِّرَاءِ فَالْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا عَلَى مَا شَرَطَا، لِأَنَّ الْمِلْكَ حِينَ وَقَعَ وَقَعَ مُشْتَرِكًا بَيْنَهُمَا لِقِيَامِ الشَّرِكَةِ وَقَدْ الشِّرَاءِ فَلَا يَتَغَيَّرُ الْحُكْمُ بِهَلَاكِ مَالِ الْآخَرِ بَعْدَ ذَلِكَ، ثُمَّ الشَّرِكَةُ شَرِكَةُ عَقْدٍ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ خِلَافًا لِلْحَسَنِ بْنِ زَيْدٍ حَتَّى أَنْ أَيُّهُمَا بَاعَ جَازَ بَيْعُهُ، لِأَنَّ الشَّرِكَةَ قَدْ تَمَّتْ فِي الْمُشْتَرَى فَلَا يَنْتَقِضُ بِهَلَاكِ الْمَالِ بَعْدَ تَمَامِهَا.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر مال شرکت سے کوئی چیز خریدنے سے پہلے شرکت کا پورا مال ہلاک ہو جائے یا ایک شریک کا مال ہلاک ہو جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی، کیونکہ عقد شرکت میں مال معقود علیہ ہوتا ہے اور وہ مال اس عقد میں متعین ہوتا ہے جیسے ہبہ اور وصیت میں متعین ہوتا ہے اور معقود علیہ کے ہلاک ہونے سے عقد باطل ہو جاتا ہے جیسے بیع میں ہوتا ہے۔ برخلاف مضاربت کے اور وکالت منفردہ کے، کیونکہ ان دونوں میں متعین کرنے سے ثمن متعین نہیں ہوتے بلکہ قبضہ سے ثمن متعین ہوتے ہیں جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ اور دونوں مال ہلاک ہونے کی صورت میں شرکت کا بطلان ظاہر ہے نیز ایک مال ہلاک ہونے سے بھی شرکت باطل ہو جائے گی، کیونکہ جس شریک کا مال ہلاک نہیں ہوا ہے وہ اپنے ساتھ شریک کو اسی اپنے مال میں شریک کرنے پر راضی ہوا ہے کہ وہ شریک اسے اپنے مال میں شریک کر لے، لیکن جب اس شریک کا مال فوت ہو گیا تو یہ شریک (اپنے مال میں) اس کی شرکت پر راضی نہیں ہوگا اس لیے عقد باطل ہو جائے گا، کیونکہ اس کی صحت میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اور دونوں میں سے جو بھی مال ہلاک ہوگا اگر مالک کے قبضہ میں ہلاک ہوا تو ظاہر ہے کہ مضمون نہیں ہوگا ایسے ہی اگر دوسرے

کے قبضے میں ہلاک ہوا تو بھی مضمون نہیں ہوگا، کیونکہ یہ مال اس کے پاس امانت ہے برخلاف خلط کے بعد کے، کیونکہ اس صورت میں ہلاک شرکت پر ہوگی، کیونکہ مخلوط ہونے کے بعد امتیاز ممکن نہیں رہتا لہذا ہلاکت دونوں مالوں سے معتبر ہوگی۔

اگر احد الشریکین نے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی اور دوسرے کے خریدنے سے پہلے اس کا مال ہلاک ہو گیا تو خریدی ہوئی چیز ان کے مابین ان کی شرطوں کے مطابق مشترک ہوگی، کیونکہ جس وقت مشتری میں ملکیت واقع ہوئی ہے شرکت باقی رہنے کی وجہ سے وہ مشترک واقع ہوئی ہے لہذا شراء کے بعد دوسرے کا مال ہلاک ہونے سے حکم نہیں بدلے گا۔ پھر امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں یہ شرکت شرکت عقد ہوگی، حسن بن زیاد رحمہ اللہ کا اختلاف ہے حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے مشتری کو فروخت کر دیا تو جائز ہے، کیونکہ مشتری میں شرکت مکمل ہو چکی تھی لہذا تمامیت شرکت کے بعد مال ہلاک ہونے سے شرکت ختم نہیں ہوگی۔

### اللغات:

﴿معمود علیہ﴾ جس پر معاملہ کیا گیا ہے۔ ﴿ایہما﴾ ان دونوں میں سے جو بھی۔ ﴿لا یتمیز﴾ علیحدہ نہیں ہوتا۔ ﴿لا ینتقص﴾ نہیں ٹوٹے گی۔ ﴿تمام﴾ پورا ہو جانا۔

### شریکین کے اموال کا ہلاک ہونا:

مسئلہ یہ ہے کہ شرکت کے مال سے کوئی چیز خریدنے سے پہلے اگر دونوں شریکوں کے مال یا احد الشریکین کا مال ہلاک ہو جائے تو عقد شرکت باطل ہو جائے گا، کیونکہ عقد شرکت میں معمود علیہ مال ہوتا ہے اور مال متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے، اس لیے اس کے ہلاک ہونے سے عقد بھی باطل ہو جائے گا جیسے مال ہلاک ہونے سے بیع باطل ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف مضاربہ اور وکالت مفردہ کے یعنی وہ وکالت جو مستقل ہو اور عقد مفاوضہ وغیرہ کے ضمن میں ثابت نہ ہو ان میں مال کی ہلاکت سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ باطل نہیں ہوتیں، کیونکہ ان میں متعین کرنے سے ثمن متعین نہیں ہوتا بلکہ قبضہ کرنے سے متعین ہوتا ہے۔

وهذا ظاهر الخ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں شریکوں کا مال ہلاک ہوا ہو تو شرکت کا بطلان ظاہر و باہر ہے اور اگر ایک شریک کا مال ہلاک ہوا ہو تو بھی شرکت باطل ہو جائے گی، کیونکہ ہر شریک اپنے مال میں دوسرے کو اسی لیے شریک کرتا ہے کہ دوسرے کے مال میں اس کی شرکت ہو، اب ظاہر ہے کہ جس کا مال ضائع اور ہلاک ہو گیا ہے اسے دوسرا شریک اپنے مال میں شریک نہیں کرے گا، کیونکہ یہ دوسرا اس کے مال میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے اسے اپنے مال میں شریک کرنے پر راضی نہیں ہوگا اور شرکت باطل ہو جائے گی۔ اور ہلاک ہونے والا مال اگر صاحب مال کے پاس ہلاک ہوگا تو ظاہر ہے کہ مضمون نہیں ہوگا، کیونکہ ہر شریک کے پاس دوسرے کا مال امانت ہوتا ہے اور مال امانت مضمون نہیں ہوتا، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب دونوں کے مال ملے ہوئے نہ ہوں اور اگر دونوں کے مال مخلوط ہوں تو مال کی ہلاکت مشترک ہوگی کیونکہ مخلوط ہونے کے بعد امتیاز پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے۔

وان اشترى الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر احد الشریکین میں سے کسی نے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی اور دوسرے کے خریدنے سے پہلے اس کا مال ہلاک ہو گیا تو بھی خریدی ہوئی چیز ان کے مابین مشترک ہوگی، کیونکہ بوقت شراء خریدی ہوئی چیز مشترک تھی لہذا بعد میں دوسرے کا مال ہلاک ہونے سے ثابت شدہ شرکت اور اس کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے

یہاں یہ شرکت شرکت عقد ہوگی لیکن حسن بن زیاد کے یہاں یہ شرکت ملک ہوگی اور احد الشریکین کے لیے اسے فروخت کرنا جائز ہوگا۔

قَالَ وَيَرْجِعُ عَلَى شَرِيكِهِ بِحَصَّتِهِ مِنْ ثَمَنِ لِأَنَّهُ اشْتَرَى نِصْفَهُ بِوَكَالَتِهِ وَنَقَدَ الثَّمَنَ مِنْ مَالٍ نَفْسِهِ وَقَدْ بَيَّنَّا هَذَا إِذَا اشْتَرَى أَحَدُهُمَا بِأَحَدِ الْمَالَيْنِ أَوَّلًا ثُمَّ هَلَكَ مَالُ الْآخَرِ، أَمَّا إِذَا هَلَكَ مَالُ أَحَدِهِمَا ثُمَّ اشْتَرَى الْآخَرُ بِمَالِ الْآخَرِ إِنْ صَرَاحًا بِالْوَكَالَةِ فِي عَقْدِ الشَّرِكَةِ فَالْمُشْتَرَى مُشْتَرِكٌ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا شَرَطَا، لِأَنَّ الشَّرِكَةَ إِنْ بَطَلَتْ فَالْوَكَالَةُ الْمَصْرُوحُ بِهَا قَائِمَةٌ فَكَانَ مُشْتَرِكًا بِحُكْمِ الْوَكَالَةِ وَيَكُونُ شَرِكَةً مِلْكٍ وَيَرْجِعُ عَلَى شَرِيكِهِ بِحَصَّتِهِ مِنَ الثَّمَنِ لِمَا بَيَّنَّا، وَإِنْ ذَكَرَا مُجَرَّدَ الشَّرِكَةِ وَلَمْ يَنْصَا عَلَى الْوَكَالَةِ فِيهَا كَانَ الْمُشْتَرَى لِلَّذِي اشْتَرَاهُ خَاصَّةً، لِأَنَّ الْوُقُوعَ عَلَى الشَّرِكَةِ حُكْمُ الْوَكَالَةِ الَّتِي تَضَمَّنَتْهَا الشَّرِكَةُ فَإِذَا بَطَلَتْ يَبْطُلُ مَا فِي ضَمْنِهَا، بِخِلَافِ مَا إِذَا صَرَاحًا بِالْوَكَالَةِ لِأَنَّهَا مَقْصُودَةٌ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ مشتری اپنے شریک سے اس کے حصے کے بقدر ثمن واپس لے گا، کیونکہ اس نے شریک کی طرف سے وکیل ہو کر نصف مشتری کو خریدا ہے اور اپنے مال سے نقد ثمن ادا کیا ہے۔ اور ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب احد الشریکین نے ایک مال سے پہلے کوئی چیز خریدی پھر دوسرے کا مال ہلاک ہوا ہو۔ لیکن اگر پہلے ان میں سے کسی کا مال ہلاک ہو گیا ہو پھر دوسرے شریک نے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی تو اگر ان دونوں نے عقد شرکت میں وکالت کی صراحت کر دی تو خریدی ہوئی چیز ان کے مابین ان کی شرط کے مطابق ہوگی، کیونکہ اگر چہ شرکت باطل ہوگئی ہے لیکن ذکر کردہ وکالت تو موجود ہے اور یہ شرکت شرکت ملک ہوگی اور مشتری اپنے شریک سے اس کے حصے کا ثمن واپس لے گا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور اگر دونوں نے صرف شرکت کا ذکر کیا اور اس میں وکالت کی صراحت نہیں کی تو خریدی ہوئی چیز صرف مشتری کی ہوگی، کیونکہ مشتری اسی صورت میں شرکت پر ہوتی ہے جب عقد شرکت وکالت کو متضمن ہو لیکن جب شرکت ہی باطل ہے تو جو چیز اس کے ضمن میں وہ بھی باطل ہوگی۔ برخلاف اس صورت کے جب وکالت کی صراحت کر دی گئی ہو، کیونکہ یہ وکالت مقصود ہوتی ہے۔

### اللغات:

﴿صرحاً﴾ دونوں نے واضح لفظوں میں بیان کر دیا ہو۔ ﴿تضمنت﴾ ضمناً مشتمل ہوتی ہے۔ ﴿مجرد﴾ محض، خالی۔

### ما قبل والے مسئلے میں خریدے ہوئے سامان کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ ما قبل والے مسئلے میں جب ایک شریک نے اپنے مال سے مشترکہ طور پر کوئی چیز خریدی اور پھر دوسرے کے خریدنے سے پہلے اس کا مال ہلاک ہو گیا تو مشتری دونوں کے مابین مشترک ہوگی اور مشتری اپنے ساتھی شریک سے اس کے حصے کا ثمن واپس لے گا، لیکن اگر دونوں میں سے کسی کے ثراء سے پہلے ہی احد الشریکین کا مال ہلاک ہو گیا اور پھر دوسرے نے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی تو یہ چیز اسی وقت ان کے مابین مشترک ہوگی جب ان لوگوں نے عقد شرکت میں وکالت کی صراحت کی ہو، کیونکہ

قبل الشراء احد الشریکین کا مال ہلاک ہونے سے شرکت تو باطل ہوگئی اور وکالت سے ہی مشتری ان کے مابین مشترک ہوگی اور اس صورت میں بھی مشتری دوسرے ساتھی سے اس کے حصے کے بقدر ثمن واپس لے گا۔ اور اگر دونوں نے عقد میں وکالت کی صراحت نہ کی ہو اور محض شرکت کا تذکرہ کیا ہو تو خریدی ہوئی چیز صرف مشتری کی ہوگی اور اس میں دوسرے شریک کی شرکت نہیں ہوگی، کیونکہ دوسرے کی شرکت اس صورت میں ہوتی جب عقد شرکت میں وکالت شامل ہوتی حالانکہ ان کے مابین پہلے ہی شرکت باطل ہو چکی ہے، لہذا وکالت بھی ثابت نہیں ہوگی اور مشتری مشتری کے لیے خاص ہوگی۔

قَالَ وَيَجُوزُ الشَّرَكَةُ وَإِنْ لَمْ يَخْلُطَا الْمَالَ، وَقَالَ زُقَرُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِمَا لَآيَجُوزُ، لِأَنَّ الرِّبْحَ فَرْعُ الْمَالِ وَلَا يَتَّبَعُ الْفَرْعُ عَلَى الشَّرَكَةِ إِلَّا بَعْدَ الشَّرَكَةِ فِي الْأَصْلِ وَأَنَّهُ بِالْخَلْطِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَحَلَّ هُوَ الْمَالُ وَلِهَذَا يُضَافُ إِلَيْهِ، وَيُشْتَرَطُ تَعْيِينُ رَأْسِ الْمَالِ، بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِشَّرَكَةٍ وَإِنَّمَا هُوَ يَعْمَلُ لِرَبِّ الْمَالِ فَيَتَسَحَّقُ الرِّبْحُ عَلَى عَمَلِهِ، أَمَّا هَهُنَا فَبِخِلَافِهِ، وَهَذَا أَصْلٌ كَبِيرٌ لَهُمَا حَتَّى يُعْتَبَرَ اتِّحَادُ الْجِنْسِ وَيُشْتَرَطُ الْخَلْطُ وَلَا يَجُوزُ التَّفَاضُلُ فِي الرِّبْحِ مَعَ التَّسَاوِي فِي الْمَالِ، وَلَا يَجُوزُ شَرَكَةُ التَّقْبُلِ وَالْأَعْمَالِ لِإِنْعَادَامِ الْمَالِ، وَلَنَا أَنَّ الشَّرَكَةَ فِي الرِّبْحِ مُسْتِنْدَةٌ إِلَى الْعَقْدِ دُونَ الْمَالِ، لِأَنَّ الْعَقْدَ يُسَمَّى شَرَكَةً فَلَا بُدَّ مِنْ تَحْقِيقِ مَعْنَى هَذَا الْإِسْمِ فِيهِ فَلَمْ يَكُنِ الْخَلْطُ شَرْطًا، وَلِأَنَّ الدَّرَاهِمَ وَالْدَّنَانِيرَ لَا يَتَعَيَّنَانِ فَلَا يُسْتَفَادُ الرِّبْحُ بِرَأْسِ الْمَالِ وَإِنَّمَا يُسْتَفَادُ بِالتَّصَرُّفِ، لِأَنَّهُ فِي النِّصْفِ أَصِيلٌ وَفِي النِّصْفِ وَكِيلٌ، وَإِذَا تَحَقَّقَتِ الشَّرَكَةُ فِي التَّصَرُّفِ بِدُونِ الْخَلْطِ تَحَقَّقَتْ فِي الْمُسْتَفَادِ بِهِ وَهُوَ الرِّبْحُ بِدُونِهِ، وَصَارَ كَالْمُضَارَبَةِ فَلَا يُشْتَرَطُ اتِّحَادُ الْجِنْسِ وَالتَّسَاوِي فِي الرِّبْحِ وَتَصَحُّ شَرَكَةُ التَّقْبُلِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ شرکت جائز ہے اگرچہ شریکین نے مال کو مخلوط نہ کیا ہو لیکن امام زقر اور امام شافعی رحمہما علیہ کے یہاں (بدون خلط) جائز نہیں ہے، کیونکہ نفع مال کی فرع ہے اور اصل میں شرکت کے بغیر فرع مشترک نہیں ہوتی اور اصل میں شرکت خلط سے ہوتی ہے یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ مال ہی محل شرکت ہے، اسی لیے عقد کو مال کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور رأس المال کی تعین شرط ہے، برخلاف مضاربت کے کیونکہ اس میں شرکت نہیں ہوتی اور مضارب رب المال کے لیے کام کرتا ہے پھر اپنے کام کی مزدوری پاتا ہے اور یہاں صورت حال اس کے برخلاف ہے۔ یہ ان حضرات کی مضبوط اصل ہے حتیٰ کہ اتحاد جنس ضروری ہے اور خلط شرط ہے اور مال میں برابری ہوتے ہوئے نفع میں کمی بیشی جائز نہیں ہے اور مال معدوم ہونے کی وجہ سے شرکت تقبل اور اعمال جائز نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نفع کی شرکت عقد کی طرف منسوب ہے، مال کی طرف نہیں کیونکہ عقد ہی کو شرکت کہا جاتا ہے، لہذا عقد میں اس نام کا پایا جانا ضروری ہے اس لیے ملانا شرط نہیں ہوگا۔ اور اس لیے کہ دراہم و دنانیر متعین نہیں ہوتے لہذا رأس المال سے نفع نہیں حاصل کیا جاسکتا، نفع تو تصرف سے حاصل ہوتا ہے، کیونکہ ہر شریک نصف مال میں اصیل ہوتا ہے اور نصف میں وکیل ہوتا



ہے۔ اور جب خلط کے بغیر تصرف میں شرکت پائی گئی تو خلط کے بغیر مستفاد بہ یعنی نفع میں بھی شرکت متحقق ہوگی اور یہ مضاربیت کی طرح ہوگیا لہذا اتحاد جنس اور تساوی فی الرنح شرط نہیں ہوگا اور شرکت تقبل صحیح ہوگی۔

### اللغات:

﴿ربح﴾ منافع۔ ﴿فرع﴾ شاخ، بنی۔ ﴿خلط﴾ ملا لینا۔ ﴿تساوی﴾ باہمی مساوات۔ ﴿مستندہ﴾ منسوب۔ ﴿لا یتستفاد﴾ نہیں حاصل ہوگا۔

### شرکت کے لیے خلط مال کی شرط:

مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں مال مخلوط کئے بغیر بھی عقد شرکت درست اور جائز ہے، لیکن امام زفر اور امام شافعی رحمہما کے یہاں بدون خلط شرکت جائز نہیں ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مشترکہ طور پر تجارت کرنے سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ مال کی فرع ہے اور یہ طے شدہ امر ہے کہ اگر اصل اور مال میں شرکت نہیں ہوگی تو فرع بھی مشترکہ نہیں ہوگی اور اصل میں اشتراک خلط ملانے سے ہوگا اسی لیے بدون خلط ہمارے (شوافع) یہاں شرکت صحیح نہیں ہے۔ اور نفع کے مال کی فرع ہونے کی دلیل یہ ہے کہ شرکت اور نفع کا محل مال ہے اسی لیے اس عقد کو مال کی طرف منسوب کر کے عقد شرکت المال کہا جاتا ہے، اس لیے حصول نفع اور جواز عقد کا مدار مال پر ہوگا اور صحت عقد کے لیے مال کا مشترک ہونا ضروری ہوگا۔ اس کے برخلاف مضاربیت کا معاملہ تو مضاربیت میں خلط شرط نہیں ہے اور بدون اختلاط بھی مضاربیت جائز ہے، کیونکہ اس میں سرے سے شرکت ہی نہیں ہوتی اور مضارب رب المال کے لیے کام کر کے اپنی مزدوری لیتا ہے۔

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نفع کا مال کی فرع ہونا امام زفر اور امام شافعی رحمہما کی قوی اصل ہے اسی لیے ان حضرات کے یہاں مال کا مخلوط ہونا اور ایک جنس کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ مختلف الجنس ہونے کی صورت میں خلط ممکن نہیں ہوگا اور ان حضرات کے یہاں اگر دونوں شریک کا مال برابر ہے تو نفع میں بھی مساوات شرط ہوگی۔ اور شرکت تقبل اور اعمال میں چوں کہ مال نہیں ہوتا، اس لیے ان کے یہاں شرکت کی یہ دونوں قسمیں صحیح نہیں ہیں۔

ولنا ان الشرکۃ الخ اس سلسلے میں ہماری دلیل یہ ہے کہ شرکت نفع کا تعلق عقد سے ہے مال سے نہیں ہے، کیونکہ اس عقد کا نام ہی شرکت ہے، دوسری بات یہ ہے کہ دراہم ودنانیر عقود میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے لہذا ان سے تجارت کر کے حاصل ہونے والا نفع عقد سے متعلق ہوگا اور مال سے متعلق نہیں ہوگا اور عقد شرکت ہے اس لیے عقد کی وجہ سے نفع میں بھی شرکت ہوگی اور چوں کہ عقد شرکت میں بدون مال ملائے بذریعہ تصرف دونوں فریق کی شرکت درست ہے لہذا نفع میں بھی دونوں کی شرکت صحیح ہوگی اور جب اصل یعنی عقد میں خلط کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی تو اس سے حاصل ہونے والے نفع میں بھی خلط کی چنداں ضرورت نہیں ہوگی اور بدون خلط شرکت میں بھی شرکت متحقق ہوگی اور نفع میں بھی۔

قَالَ وَلَا يَجُوزُ الشَّرْكَةُ إِذَا شُرْطَ لِأَحَدِهِمَا دَرَاهِمُ مُسَمَّاهُ مِنَ الرَّبْحِ، لِأَنَّهُ شَرْطُ يَوْجِبُ انْقِطَاعَ الشَّرْكَةِ فَعَسَاهُ لَا يَخْرُجُ إِلَّا قَدَرُ الْمُسَمَّى لِأَحَدِهِمَا، وَنَظِيرُهُ فِي الْمُزَارَعَةِ، قَالَ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُقَاوَضِينَ

وَشَرِیْکِی الْعِیَانِ اَنْ یُبْذَرَ الْمَالِ، لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ فِی عَقْدِ الشَّرِکَةِ، وَلَآنَ لَهُ اَنْ یُسْتَأْجَرَ عَلَی الْعَمَلِ وَالتَّحْصِیْلِ بِغَیْرِ عَوَضٍ دُونَهُ فِیْمِلْکُهُ، وَكَذَا لَهُ اَنْ یُودِعَهُ لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ وَلَا یَجِدُ التَّأْجِرُ مِنْهُ بُدْءًا، قَالَ وَیَدْفَعُهُ مُضَارَبَةً لِأَنَّهَا دُونَ الشَّرِکَةِ فِیْتَضَمَّنُهَا، وَعَنْ أَبِي حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَیْهِ أَنَّهُ لَیْسَ لَهُ ذَلِكَ لِأَنَّهُ نَوْعُ شَرِکَةٍ، وَالْأَصَحُّ هُوَ الْأَوَّلُ وَهُوَ رِوَايَةُ الْأَصْلِ، لِأَنَّ الشَّرِکَةَ غَیْرُ مَقْصُودٍ وَإِنَّمَا الْمَقْصُودُ تَحْصِیْلُ الرِّبْحِ کَمَا إِذَا اسْتَأْجَرَ بِأَجْرٍ بَلْ أَوْلَى، لِأَنَّهُ تَحْصِیْلٌ بِدُونِ ضَمَانٍ فِی ذِمَّتِهِ، بِخِلَافِ الشَّرِکَةِ حَيْثُ لَا یَمْلِکُهَا، لِأَنَّ الشَّيْءَ لَا یُسْتَبْعُ مِثْلُهُ، قَالَ وَیُؤْتِی مَنْ یَتَصَرَّفُ فِیهِ، لِأَنَّ التَّوْکِیْلَ بِالْبَیْعِ وَالشِّرَاءِ مِنْ تَوَابِعِ التِّجَارَةِ وَالشَّرِکَةُ انْعَقَدَتْ لِلتِّجَارَةِ، بِخِلَافِ التَّوْکِیْلِ بِالشِّرَاءِ حَيْثُ لَا یَمْلِکُ اَنْ یُؤْتِیَ غَیْرَهُ لِأَنَّهُ عَقْدٌ خَاصٌّ طَلِبَ مِنْهُ تَحْصِیْلُ الْعَیْنِ فَلَا یُسْتَبْعُ مِثْلُهُ، قَالَ وَیَدُهُ فِی الْمَالِ یَدُ أَمَانَةٍ لِأَنَّهُ قَبْضُ الْمَالِ بِإِذْنِ الْمَالِکِ لَا عَلَی وَجْهِ الْبَدْلِ وَالْوَثِیْقَةُ فَصَارَ کَالْوَدِیْعَةِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر احد الشریکین کے لیے نفع سے کچھ متعین اور مخصوص دراہم کی شرط لگا دی جائے تو عقد شرکت صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو شرکت کو ختم کر دیتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ کبھی اتنے ہی دراہم کا نفع ہو جو ایک شریک کے لیے متعین کئے گئے ہوں۔ اور اس کی نظیر مزارعت میں موجود ہے۔ فرماتے ہیں کہ مفاوضہ اور شرکت عنان کرنے والے دونوں شریکوں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنا مال بضاعت پر دیدے، اس لیے کہ عقد شرکت میں بضاعت پر مال دینا معتاد ہے اور اس لیے کہ شریک کو یہ بھی اختیار ہے کہ کام کرنے کے لیے اجرت پر کوئی مزدور رکھ لے اور بغیر عوض کے عامل مل جانا اس سے بھی کم ہے لہذا شریک اس کا تو مالک ہوگا ہی نیز شریک کے مال امانت پر دینا بھی جائز ہے، کیونکہ یہ بھی معتاد ہے اور تاجر کو اس سے چھٹکارا نہیں حاصل ہے۔ اور شریک کو مضاربت پر مال دینے کا بھی حق ہے، کیونکہ مضاربت شرکت سے کم درجے کی ہے اور شرکت مضاربت کو شامل ہے۔ امام ابو حنیفہ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَیْهِ سے مروی ہے کہ مضاربت پر دینے کا حق نہیں ہے، کیونکہ مضاربت بھی ایک طرح کی شرکت ہے اور قول اول اصح ہے یہ مبسوط کی روایت ہے، اس لیے کہ مضاربت سے شرکت مقصود نہیں ہوتی، بلکہ نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے اجرت پر مزدور رکھنا بلکہ مضاربت تو بدرجہ اولیٰ جائز ہے، کیونکہ یہ اپنے ذمہ کوئی چیز لازم کئے بغیر نفع حاصل کرنا ہے۔ برخلاف شرکت کے چنانچہ شریک اس کا مالک نہیں ہے، اس لیے کہ کوئی چیز اپنی جیسی چیز کے تابع ہو کر ثابت نہیں ہوتی۔

فرماتے ہیں کہ ہر شریک اپنے مال میں تصرف کرنے کے لیے وکیل بنا سکتا ہے، کیونکہ بیع و شراء کے لیے وکیل بنانا تجارت کے لوازمات سے ہے اور عقد شرکت تجارت ہی کے لیے منعقد ہوتا ہے۔ برخلاف وکیل بالشراء کے چنانچہ وہ دوسرے کو وکیل بنانے کا مالک نہیں ہے اس لیے کہ یہ عقد خاص ہے جس سے عین کی تحصیل مقصود ہے، لہذا اپنی جیسی چیز کے تابع ہو کر کوئی چیز ثابت نہیں ہوگی۔ فرماتے ہیں کہ ہر شریک کے قبضے میں دوسرے کا مال امانت ہوتا ہے، کیونکہ ایک شریک مالک کی اجازت سے بدون بدل اور بدون وثیقہ کے اس مال پر قبضہ کرتا ہے تو یہ ودیعت کی طرح ہو گیا۔

## اللغات:

﴿مستأمة﴾ مقرر، طے شدہ، متعین۔ ﴿انقطاع﴾ ٹوٹنا، کٹنا۔ ﴿نظیر﴾ مثل، مشابہہ۔ ﴿یضع﴾ کسی کو تجارت کے لیے دے دے۔ ﴿ربح﴾ منافع۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔

## کسی شریک کے لیے متعین دراہم کی شرط لگانا:

عبارت میں کئی مسئلے بیان کئے گئے ہیں (۱) اگر احد الشریکین کے لیے نفع سے کچھ مخصوص دراہم کی شرط لگا دی گئی تو شرکت باطل ہو جائے گی، کیونکہ ہو سکتا ہے کبھی صرف مخصوص کردہ دراہم ہی بطور نفع نکلیں اور دوسرا شریک بالکل محروم ہو جائے جیسا کہ مزارعت اور بٹائی پر بھی کرتے کی صورت میں مالک کے لیے اس طرح کی شرط لگانے سے مزارعت باطل ہو جاتی ہے۔

(۲) مفاوضہ اور عنان کے ہر ہر شریک کو بضاعت پر مال دینا جائز ہے، یعنی کسی کو کچھ مال دے کر کاروبار کرایا جائے پھر نفع اور جمع دونوں لے لیا جائے۔ کیونکہ عقد شرکت میں بضاعت کا رواج اور چلن ہے اور جب مالک اور شریک کے لیے کسی کو اجرت پر رکھ کر کام کرانے اور نفع حاصل کرنے کا حق ہے تو بدون عوض بضاعت کرانے کا بدرجہ اولیٰ حق ہوگا اور بضاعت کی طرح ودیعت پر بھی مال دینے کا حق اور اختیار ہے، کیونکہ تجارت میں ان سب چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

(۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہر ہر شریک کو اپنا مال مضاربت پر بھی دینے کا حق ہے، کیونکہ مضاربت شرکت سے کم تر ہوتی ہے کیونکہ شرکت میں جو نقصان ہوتا ہے وہ ہر شریک پر لازم ہوتا ہے جب کہ مضاربت کا نقصان مضارب پر لازم نہیں ہوتا اور صرف رب المال ہی اسے برداشت کرتا ہے اور جب شرکت پر مال دینا جائز ہے تو مضاربت پر دینا بھی جائز ہوگا۔ یہ مبسوط کی روایت ہے اور یہی اصح ہے کیونکہ مضاربت پر مال دینے سے شرکت مقصود نہیں ہوتی بلکہ نفع کا حصول مقصود ہوتا ہے اور چوں کہ مضاربت کی صورت میں اگر مضارب نفع نہ حاصل کر سکے تو رب المال پر اس کی مزدوری لازم نہیں ہوتی جب کہ اجرت پر مزدور رکھنے کی صورت میں نفع ہو یا نہ ہو بہر صورت مالک کو مزدوری کی مزدوری دینی ہے اس لیے اس حوالے سے مضاربت استیجار سے آسان اور سہل ہے اور استیجار جائز ہے تو مضاربت بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ البتہ ایک شریک کو اپنے شریک کے علاوہ کسی دوسرے کے ساتھ عقد شرکت کرنے کا حق اور اختیار نہیں ہے، کیونکہ ایک چیز اپنے ہی مثل دوسری چیز کے تابع ہو کر ثابت نہیں ہوتی یعنی شرکت چھوڑ کر شرکت ہی کو اختیار کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۴) چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ ہر ہر شریک کو عقد شرکت میں تجارت کرنے کے لیے وکیل بنانے کا حق ہے، کیونکہ بیع و شراء کے لیے وکیل بنانا تجارت کے لوازمات سے ہے اور شرکت کا مقصد بھی تجارت ہی ہے اس لیے تو وکیل درست ہے، لیکن اگر کوئی شخص وکیل بالشراء ہو تو موکل کی اجازت کے بغیر وہ کسی دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا، کیونکہ تو وکیل بالشراء عقد خاص ہے اور اس سے متعین چیز کی تحصیل مقصود ہوتی ہے اور وکیل کا وکیل بنانا استتباع بمثلہ ہے حالانکہ الشی لا یتبع بمثلہ کا حکم وارد ہے۔

(۵) پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ ہر ہر شریک کے پاس دوسرے کا جو مال ہوتا ہے وہ بطور امانت ہوتا ہے یعنی ہلاک ہونے کی صورت میں مضمون نہیں ہوتا جیسے مودع کے پاس مال ودیعت مضمون نہیں ہوتا۔

قَالَ وَأَمَّا شِرْكَةُ الصَّنَاعِ وَيُسَمَّى شِرْكَةُ التَّقْبُلِ كَالْخِيَّاطِينَ وَالصَّبَّاعِينَ يَشْتَرِكَانِ عَلَى أَنْ تَقْبَلَا الْأَعْمَالَ وَيَكُونُ الْكَسْبُ بَيْنَهُمَا فَيَجُوزُ ذَلِكَ وَهَذَا عِنْدَنَا، وَقَالَ زُفَرٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِمَا السَّلَامُ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّ هَذِهِ شِرْكَةُ لَا يُفِيدُ مَقْصُودَهَا وَهُوَ التَّشْمِيرُ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ، وَهَذَا لِأَنَّ الشِّرْكََةَ فِي الرِّبْحِ تَبْتَنِي عَلَى الشِّرْكََةِ فِي الْمَالِ عَلَى أَصْلِهِمَا عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ، وَلَنَا أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ التَّحْصِيلُ وَهُوَ مُمَكِّنٌ بِالتَّوَكُّلِ لِأَنَّهُ لَمَّا كَانَ وَكِيلًا فِي التَّصْفِ أَصِيلًا فِي التَّصْفِ تَحَقَّقَتِ الشِّرْكََةُ فِي الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ، وَلَا يَشْتَرَطُ فِيهِ اتِّحَادُ الْعَمَلِ وَالْمَكَانِ، خِلَافًا لِمَالِكٍ وَزُفَرٍ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فِيهِمَا، لِأَنَّ الْمَعْنَى الْمُجَوِّزَ لِلشِّرْكََةِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ لَا يَتَفَاوَتُ، وَلَوْ شَرِطَ الْعَمَلُ نِصْفَيْنِ وَالْمَالُ أَثَلَاثًا جَازَ، وَفِي الْقِيَاسِ لَا يَجُوزُ لِأَنَّ الضَّمَانَ بِقَدْرِ الْعَمَلِ فَالزِّيَادَةُ عَلَيْهِ رِبْحٌ مَالٌ يَضْمَنُ فَلَمْ يَجْزِ الْعَقْدُ لِتَادِيَتِهِ إِلَيْهِ وَصَارَ كَشِرْكََةِ الْوُجُوهِ، لَكِنَّا نَقُولُ مَا يَأْخُذُهُ لَا يَأْخُذُهُ رِبْحًا، لِأَنَّ الرِّبْحَ عِنْدَ اتِّحَادِ الْمَجْلِسِ وَقَدْ اخْتَلَفَ، لِأَنَّ رَأْسَ الْمَالِ عَمَلٌ وَالرِّبْحُ مَالٌ فَكَانَ بَدَلُ الْعَمَلِ، وَالْعَمَلُ يَتَقَوَّمُ بِالتَّقْوِيمِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ مَا قَوْمٌ بِهِ فَلَا يَحْرُمُ، بِخِلَافِ شِرْكََةِ الْوُجُوهِ، لِأَنَّ جِنْسَ الْمَالِ مُتَّفَقٌ وَالرِّبْحُ يَتَحَقَّقُ فِي الْجِنْسِ الْمُتَّفَقِ، وَرِبْحٌ مَالٌ يَضْمَنُ لَا يَجُوزُ إِلَّا فِي الْمُضَارَبَةِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ شرکت صنائع جسے شرکت تقبل کہا جاتا ہے جیسے دو درزیوں اور دو رنگ ریزوں نے اس بات پر شرکت کی کہ دونوں کام کریں گے اور کمائی ان کے مابین مشترک ہوگی تو یہ جائز ہے۔ یہ حکم ہمارے یہاں ہے۔ امام زفر اور امام شافعی رحمہما علیہما فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ایسی شرکت ہے جس سے اس کا مقصود حاصل نہیں ہوتا یعنی مال بڑھانا، کیونکہ رأس المال کا ہونا ضروری ہے یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ ان حضرات کی اصل پر شرکت فی الریح شرکت فی المال پر مبنی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد شرکت سے مال حاصل کرنا مقصود ہے اور یہ مقصود توکیل سے ممکن ہے، اس لیے کہ جب ہر ایک شریک نصف میں وکیل ہے اور نصف میں اصیل ہے تو مال مستفاد میں شرکت متحقق ہو جائے گی اور اس کام اور مقام کا ایک ہونا شرط نہیں ہے۔ ان دونوں میں امام مالک اور امام زفر رحمہما علیہما کا اختلاف ہے، کیونکہ شرکت کو جائز قرار دینے والا معنی یعنی تحصیل ریح متفاوت نہیں ہوتا۔

اور اگر دونوں نے آدھا آدھا کام کرنے کی شرط لگائی اور نفع میں دو حصہ ایک کی شرط لگائی تو بھی جائز ہے لیکن قیاساً جائز نہیں ہے، کیونکہ ضمان کام کے اعتبار سے ہوتا ہے لہذا کام سے زیادہ کا ضمان ریح مالم یضمن ہوگا اس لیے عقد جائز نہیں ہوگا، کیونکہ عقد ہی مفطی الی الریح ہے اور یہ شرکت وجوہ کی طرح ہو گیا، لیکن ہم کہتے ہیں کہ جو وہ زیادہ لیتا ہے اسے نفع کے طور پر نہیں لیتا، کیونکہ نفع اتحاد جنس کی صورت میں ہوتا ہے حالانکہ یہاں اصل اور ریح مختلف ہیں، کیونکہ رأس المال کام ہے اور ریح مال ہے، لہذا اس نے جو لیا ہے وہ کام کا بدل ہے اور تقویم سے عمل بھی مقوم ہو جاتا ہے، لہذا جس مقدار سے اس کی قیمت لگائی گئی ہوگی وہی مقدار ثابت ہوگی، اور زیادتی حرام نہیں ہوگی۔



برخلاف شرکت وجوہ کے، کیونکہ اس میں مال کی جنس متفق ہوتی ہے اور جنس متفق میں ربح تحقق ہوتا ہے اور ربح مالم یضمن صرف مضاربہ میں جائز ہے۔

### اللغات:

﴿خیاط﴾ درزی۔ ﴿صباغ﴾ رنگ ساز۔ ﴿کسب﴾ کمائی۔ ﴿تعمیر﴾ اضافہ کرنا، بڑھانا۔ ﴿تبتنی﴾ مٹی ہوگا۔ ﴿ربح﴾ منافع۔ ﴿تقویم﴾ قیمت لگانا۔

### شرکت صنائع کا بیان:

اس عبارت میں شرکت کی تیسری قسم یعنی شرکت صنائع کا بیان ہے۔ شرکت صنائع یہ ہے کہ دو کارگیر اس بات پر شرکت کریں کہ وہ دونوں مل کر کام کریں اور جو نفع ہو وہ ان کے درمیان مشترک ہو تو ہمارے یہاں یہ شرکت جائز ہے، لیکن امام زفر اور امام شافعی رحمہما علیہما کے یہاں جائز نہیں ہے، کیونکہ اس شرکت سے شرکت کا مقصود یعنی نفع کا حصول حاصل نہیں ہوگا، اس لیے کہ حصول ربح کے لیے رأس المال کا ہونا ضروری ہے اور یہاں رأس المال معدوم ہے اور ان حضرات کے یہاں شرکت فی الربح شرکت فی المال پر مبنی ہے اور چوں کہ شرکت فی المال معدوم ہے، اس لیے شرکت فی الربح بھی معدوم ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد شرکت کا مقصد نفع کا حصول ہے اور یہ حصول ایک شریک کے دوسرے کو وکیل بنانے سے متحقق ہو جاتا ہے، کیونکہ ہر شریک نصف میں وکیل ہوتا ہے اور نصف میں اکیل ہوتا ہے اور وکالت کے حوالے سے شرکت متحقق ہو جاتی ہے اور تحقق شرکت کے لیے کام اور مقام کے ایک ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ شرکت کو جائز قرار دینے والی چیز یعنی تحصیل ربح کام اور مقام کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتی اور اصل مقصود جب حاصل ہو جاتا ہے تو پھر رأس المال کے ہونے اور نہ ہونے سے صحت شرکت پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

ولو شرط الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دونوں شریک نے یہ شرط لگائی کہ ہم دونوں کام برابر کریں گے لیکن نفع میں سے ایک شریک دو تہائی لے گا اور ایک شریک ایک تہائی لے گا تو استحساناً یہ جائز ہے، لیکن قیاساً جائز نہیں ہے، کیونکہ ضمان اور نفع بقدر عمل ملتا ہے اور چوں کہ عمل نصف ہے لہذا ربح بھی نصف ملنا چاہئے اور نصف سے زائد لینا ربح مالم یضمن ہے اور ربح مالم یضمن جائز نہیں ہے، جیسا کہ شرکت فی الوجوہ میں تفاضل فی الربح جائز نہیں ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی تفاضل فی الربح جائز نہیں ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں دونوں فریق جو لے رہے ہیں وہ نفع نہیں ہے، بلکہ ان کے کام کی اجرت ہے اور کام کی اجرت طے کردہ حساب سے کم یا زیادہ لی جاسکتی ہے، کیونکہ یہاں عمل رأس المال ہے اور اجرت مال ہے اور ان دونوں میں اختلاف ہے جب کہ شرکت وجوہ میں مال کی جنس متفق اور ایک ہوتی ہے اور متفق الجنس میں نفع متحقق ہوتا ہے اور متفق الجنس میں زیادتی ربح کی شرط لگانا جائز ہے، لیکن شرکت صنائع میں چوں کہ اختلاف جنس ہوتا ہے اور اختلاف جنس میں تفاضل جائز ہے، جیسا کہ مضاربہ کی صورت میں ربح مالم یضمن بھی جائز ہے۔

وَيُطَالَبُ الْأَجْرُ وَيَبْرَأُ الدَّافِعُ بِالْذَّفْعِ إِلَيْهِ، وَهَذَا ظَاهِرٌ فِي الْمُفَاوَضَةِ وَفِي غَيْرِهَا اسْتِحْسَانٌ، وَالْقِيَاسُ خِلَافٌ ذَلِكَ، لِأَنَّ الشَّرْكَةَ وَقَعَتْ مُطْلَقَةً وَالْكَفَالَةَ مُقْتَضَى الْمُفَاوَضَةِ، وَجَهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ هَذِهِ الشَّرْكَةَ مُقْتَضِيَةٌ لِلضَّمَانِ، أَلَا تَرَى أَنَّ مَا تَقْبَلُهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ مَضْمُونٌ عَلَى الْآخَرِ، وَلِهَذَا يَسْتَحِقُّ الْأَجْرَ بِسَبَبِ نِفَادِ تَقْبَلُهُ عَلَيْهِ فَجَرَى مَجْرَى الْمُفَاوَضَةِ فِي ضَمَانِ الْعَمَلِ وَاقْتِضَاءِ الْبَدَلِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ شریکین میں سے ہر شریک جو بھی عمل قبول کرے گا وہ اس پر اور اس کے شریک پر لازم ہوگا حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک سے عمل کا مطالبہ کیا جائے گا ہر شریک اجرت کا مطالبہ کرے گا اور اجرت دینے والا ایک شریک کو دینے سے بری ہو جائے گا، مفاوضہ میں تو یہ ظاہر ہے اور مفاوضہ کے علاوہ میں استحساناً جائز ہے، لیکن قیاس اس کے مخالف ہے، کیونکہ شرکت مطلق واقع ہوئی تھی اور کفالت مفاوضہ کا مقتضی ہے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ یہ شرکت ضمان کی مقتضی ہے کیا دکھتا نہیں کہ ان میں سے ہر شریک جو کام قبول کرتا ہے وہ دوسرے پر مضمون ہوتا ہے اور ایک شریک کے کام قبول کرنے کے دوسرے پر نافذ ہونے کی وجہ سے دوسرا مستحق اجرت ہوتا ہے لہذا کام کے ضمان اور اجرت کے مطالبہ میں یہ عقد مفاوضہ کے قائم مقام ہوگا۔

### شرکت صنائع کا نتیجہ:

مسئلہ یہ ہے کہ جب ہمارے شرکت صنائع درست اور جائز ہے تو شریکین میں سے ایک شریک جو بھی کام قبول کرے گا وہ دوسرے پر بھی لازم ہوگا اور دونوں سے اس کام کا مطالبہ کیا جائے گا نیز دونوں میں سے ہر ایک کے لیے اس کام کی اجرت کا مطالبہ کرنا صحیح ہوگا، یہ ساری چیزیں عقد مفاوضہ میں تو ظاہر و باہر ہیں یعنی اگر تقبل کی شرکت مفاوضہ اور مساوات کے طور پر ہو تب تو ظاہر ہے کہ ہر ہر شریک ہر ہر چیز میں شریک ہوگا، لیکن اگر مطلق شرکت ہو اور اس میں مفاوضہ کی شرط نہ ہو تو اس صورت میں استحساناً مساوات ثابت ہوگی، قیاساً ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ مطلق شرکت میں کفالہ نہیں ہوتا اور بدون کفالہ مساوات متحقق نہیں ہوتی۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ مفاوضہ کی صراحت کے بغیر بھی اس شرکت میں ضمان اور مساوات ثابت ہوتے ہیں، اسی لیے تو ایک کا قبول کردہ کام دوسرے پر لازم ہوتا ہے اور ایک کے قبول کرنے سے دوسرا مستحق اجرت ہوتا ہے لہذا مفاوضہ کی صراحت کے بغیر بھی کام کے ضمان اور اجرت کے مطالبے کے حوالے سے یہ شرکت شرکت مفاوضہ کے درجے میں ہوگی اور دونوں میں مساوات ثابت ہوگی۔

قَالَ وَأَمَّا شَرْكَةُ الْوُجُوهِ فَالرَّجُلَانِ يَشْتَرِيَانِ وَلَا مَالَ لِهَمَا عَلَى أَنْ يَشْتَرِيَا بِوُجُوهِمَا وَيَبِيعَا فَتَصِحُّ الشَّرْكَةُ عَلَى هَذَا، سُمِّيَتْ بِهِ لِأَنَّهُ لَا يَشْتَرِي بِالنِّسْبَةِ إِلَّا مَنْ كَانَ لَهُ وَجَاهَةٌ عِنْدَ النَّاسِ، وَإِنَّمَا تَصِحُّ مُفَاوَضَةً لِأَنَّهُ يُمَكِّنُ تَحْقِيقَ الْكَفَالَةِ وَالْوَكَالَةِ فِي الْأَبْدَالِ وَإِذَا أُطْلِقَتْ تَكُونُ عِنَانًا، لِأَنَّ مُطْلَقَهُ يَنْصَرِفُ إِلَيْهِ وَهِيَ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَالْوَجْهُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ مَا قَدَّمْنَاهُ فِي شَرْكَةِ التَّقْبُلِ. قَالَ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَكِيلُ الْآخَرِ فِيمَا يَشْتَرِيهِ، لِأَنَّ التَّصَرُّفَ عَلَى الْغَيْرِ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِوَكَالَةٍ أَوْ بِلَايَةٍ وَلَا وَلَايَةً فَتَعَيَّنَ الْوَكَالَةُ،

فَإِنْ شَرَطَا أَنَّ الْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَالرِّبْحُ كَذَلِكَ يَجُوزُ، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَفَضَّلَا فِيهِ، وَإِنْ شَرَطَا أَنْ يَكُونَ الْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا أَثْلَانِ فَالرِّبْحُ كَذَلِكَ، وَهَذَا لِأَنَّ الرِّبْحَ لَا يَسْتَحِقُّ إِلَّا بِالْمَالِ أَوْ بِالْعَمَلِ أَوْ بِالضَّمَانِ قَرَبُ الْمَالِ يَسْتَحِقُّهُ بِالْمَالِ، وَالْمُضَارِبُ يَسْتَحِقُّهُ بِالْعَمَلِ، وَالْأُسْتَاذُ الَّذِي يُلْقِي الْعَمَلَ عَلَى التَّلْمِيزِ بِالنِّصْفِ بِالضَّمَانِ، وَلَا يَسْتَحِقُّ بِمَا سِوَاهَا إِلَّا تَرَى أَنْ مَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ تَصَرَّفْ فِي مَالِكَ عَلَى أَنْ لِي رِبْحَةٌ لَمْ يَجْزُ لِعَدَمِ هَذِهِ الْمَعَانِي، وَاسْتِحْقَاقُ الرِّبْحِ فِي شِرْكَةِ الْوُجُوهِ بِالضَّمَانِ عَلَى مَا بَيْنَنَا وَالضَّمَانُ عَلَى قَدْرِ الْمِلْكِ فِي الْمُشْتَرَى وَكَانَ الرِّبْحُ الزَّائِدُ عَلَيْهِ رِبْحُ مَا لَمْ يَضْمَنْ فَلَا يَصِحُّ اشْتِرَاؤُهُ إِلَّا فِي الْمُضَارَبَةِ، وَالْوُجُوهُ لَيْسَتْ فِي مَعْنَاهَا، بِخِلَافِ الْعِنَانِ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَاهَا مِنْ حَيْثُ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَعْمَلُ فِي مَالِ صَاحِبِهِ فَيَلْحَقُ بِهَا. وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ شرکت وجوہ یہ ہے کہ ایسے دو لوگ جن کے پاس مال نہ ہو اس بات پر شرکت کریں کہ وہ دونوں اپنے اثر و رسوخ اور ذاتی تعلقات کی بنا پر خرید و فروخت کریں گے تو اس حوالے سے شرکت صحیح ہے اور اس کو شرکت وجوہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہی شخص ادھار خرید سکتا ہے جس کا لوگوں میں اثر و رسوخ ہوتا ہے۔ اور یہ شرکت مفاوضہ کے طور پر اس لیے صحیح ہے کہ ابدال یعنی اثمان میں کفالت اور وکالت ثابت کرنا ممکن ہے اور اگر اس شرکت کو مطلق رکھا گیا تو یہ شرکت عنان ہو جائے گی کیونکہ مطلق شرکت عنان کی طرف راجع ہے اور ہمارے یہاں یہ شرکت جائز ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ اور دونوں فریق کی دلیلیں شرکت تقبل میں ہم نے بیان کر دی ہیں۔

فرماتے ہیں کہ شریکین میں سے ہر ایک جو بھی خریدے گا اس میں دوسرے کا وکیل ہوگا، کیونکہ وکالت یا ولایت کے بغیر دوسرے پر تصرف جائز نہیں ہے، اور یہاں ولایت معدوم ہے اس لیے وکالت متعین ہے۔ پھر اگر دونوں نے یہ شرط لگائی کہ مشتری ان کے مابین نصف نصف ہوگی اور نفع بھی آدھا آدھا ہوگا تو جائز ہے لیکن نفع میں کمی بیشی لینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر یہ شرط لگائی کہ خرید ہوئی چیز ان کے مابین ایک بڑے دو کے حساب سے ہوگی تو نفع بھی ایسا ہی ہوگا اس لیے کہ نفع کا استحقاق یا تو مال سے ہوتا ہے یا کام سے ہوتا ہے یا ضمان سے ہوتا ہے چنانچہ رب المال مال کی وجہ سے مستحق ربح ہوتا ہے، مضارب کام کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے اور وہ استاذ جو نصف وغیرہ دینے کی شرط پر اپنے شاگرد پر کام ڈال دیتا ہے وہ ضمان کی وجہ سے مستحق نفع ہوتا ہے اور ان صورتوں کے علاوہ کسی اور صورت سے نفع کا استحقاق نہیں ہوتا۔ کیا دکھتا نہیں کہ اگر کسی نے دوسرے سے کہا تم اپنے مال میں تجارت کرو اس شرط پر کہ اس کا نفع میرے لیے ہوگا تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اسباب معدوم ہیں اور شرکت وجوہ میں نفع کا استحقاق ضمان سے ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور ضمان مشتری میں بقدر ملک ثابت ہوتا ہے اور اس سے زائد نفع ربح مالم یضمن ہوتا ہے، لہذا مضاربیت کے علاوہ میں رب مالم یضمن کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے۔ اور شرکت وجوہ مضاربیت کے معنی میں نہیں ہے۔ برخلاف عنان کے، کیونکہ وہ مضاربیت کے معنی میں ہے اس حیثیت سے کہ ان میں سے ہر شریک اپنے ساتھی کے مال میں کام کرتا ہے لہذا عنان کو مضاربیت کے ساتھ لاحق

کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

### اللغات:

﴿وجوہہما﴾ اپنی وجاہت، اپنی جان پہچان۔ ﴿سمیت بہ﴾ اس کو یہ نام دیا گیا ہے۔ ﴿نسیئۃ﴾ ادھار، قرض۔

﴿یلقی﴾ ڈالتا ہے۔ ﴿ربح﴾ منافع۔

### شرکت وجوہ کے احکام:

اس عبارت میں شرکت وجوہ کا بیان ہے۔ شرکت وجوہ کی تعریف یہ ہے کہ دو لوگ جن کے پاس مال نہ ہو اس شرط پر شرکت کریں کہ ہم دونوں اپنی ذاتی وجاہت اور اپنے ذاتی تعلقات کی بنا پر خرید و فروخت کریں گے اور جو نفع ہوگا اسے آدھا آدھا یا بحسب الشراء لے لیں گے تو ہمارے یہاں یہ شرکت صحیح ہے، لیکن شوافع کے یہاں صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کے یہاں نفع کی شرکت مال کی شرکت پر مبنی ہے اور یہاں مال معدوم ہے، اس لیے شرکت صحیح نہیں ہے جب کہ ہمارے یہاں شرکت کی صحت عقد پر مبنی ہے اور یہاں عقد موجود ہے۔ والوجه من الجانبین سے صاحب کتاب نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

والمفاوضة الخ فرماتے ہیں کہ یہ شرکت مفاوضہ کے طور پر اس وجہ سے درست ہے کہ مفاوضہ میں کفالت اور وکالت ہوتی ہے اور اس میں اگرچہ ابتداء کفالت نہیں ہوتی تاہم بقاء یعنی ائمان اور بیع میں کفالت ہوتی ہے۔

قال وکل واحد الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں شریک میں سے کوئی بھی شریک جو چیز خریدے گا اس میں وہ دوسرے کا وکیل ہوگا اور شراء اور نفع ان کی آپسی شرط کے موافق ان میں تقسیم ہوگا کسی بھی شریک کے لیے زیادہ نفع لینے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس شرکت میں نفع کا استحقاق ضمان کی وجہ سے اور ضمان کے اعتبار سے ملتا ہے اور ضمان خریدی ہوئی چیز میں حصہ اور ملیت کے تناسب سے واجب ہوتا ہے اس لیے زیادہ نفع لینے کی شرط ربح مالم یضمن کو متضمن ہوگی اور ربح مالم یضمن جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا جواز مضاربیت میں ہے اور شرکت وجوہ مضاربیت کے معنی میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔





## فَصْلٌ فِي الشَّرَكَةِ الْفَاسِدَةِ

### یہ فصل شرکت فاسدہ کے احکام کے بیان میں ہے

وَلَا يَجُوزُ الشَّرَكَةُ فِي الْإِحْتِطَابِ وَالْإِصْطِيَادِ، وَمَا اصْطَادَهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَوْ احْتَطَبَهُ فَهُوَ لَهُ دُونَ صَاحِبِهِ، وَعَلَى هَذَا الْإِشْتِرَاكِ فِي اخْتِذِ كُلِّ شَيْءٍ مُبَاحٍ، لِأَنَّ الشَّرَكَةَ مَتَضَمِّنَةٌ مَعْنَى الْوَكَالَةِ، وَالتَّوَكُّلُ فِي اخْتِذِ الْمَالِ الْمُبَاحِ بَاطِلٌ، لِأَنَّ أَمْرَ الْمُؤَيَّنِّ بِهِ غَيْرُ صَحِيحٍ، وَالتَّوَكُّلُ يَمْلِكُهُ بِدُونِ أَمْرِهِ فَلَا يَصْلَحُ نَائِبًا عَنْهُ، وَإِنَّمَا يَثْبُتُ الْمِلْكُ لَهُمَا بِالْأَخْذِ وَإِحْرَازِ الْمُبَاحِ فَإِنْ أَخَذَاهُ مَعًا فَهُوَ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ لَا سِتَوَانِيَهُمَا فِي سَبَبِ الْإِسْتِحْقَاقِ، وَإِنْ أَخَذَهُ أَحَدُهُمَا وَلَمْ يَعْمَلِ الْآخَرُ شَيْئًا فَهُوَ لِلْعَامِلِ، وَإِنْ عَمِلَ أَحَدُهُمَا وَأَعَانَهُ الْآخَرُ فِي عَمَلِهِ بَأَنْ قَلَعَهُ أَحَدُهُمَا وَجَمَعَهُ الْآخَرُ أَوْ قَلَعَهُ وَجَمَعَهُ وَحَمَلَهُ الْآخَرُ فَلِمُعِينِ أَجْرُ الْمِثْلِ بِالْغَا مَا بَلَغَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ لَا يُجَاوِزُ بِهِ نِصْفَ ثَمَنِ ذَلِكَ وَقَدْ عُرِفَ فِي مَوْضِعِهِ.

**ترجمہ:** ایندھن جمع کرنے اور شکار کرنے میں شرکت جائز نہیں ہے اور دونوں میں سے ہر ایک جو شکار کرے گا یا جتنی لکڑیاں جمع کرے گا وہ اس کا ہوگا اس کے ساتھی کا نہیں ہوگا اور ہر مباح چیز لینے کے اشتراک کا یہی حکم ہے، کیونکہ شرکت وکالت کے معنی کو متضمن ہوتی ہے اور مال مباح لینے کے لیے وکیل بنانا باطل ہے، کیونکہ موکل بہ کا حکم دنیا ہی صحیح نہیں ہے اور وکیل موکل کے حکم کے بغیر بھی اسے لے سکتا ہے لہذا اور موکل کا نائب بننے کے لائق نہیں رہا اور مباح چیز کو لینے اور جمع کرنے سے ان کے لیے ملکیت ثابت ہو جائے گی اور اگر دونوں نے ساتھ اسے لیا تو وہ ان کے مابین نصف نصف ہوگی، کیونکہ وہ دونوں سبب استحقاق میں برابر ہیں، اور اگر ان میں سے ایک نے کوئی چیز اور دوسرے نے کوئی کام نہیں کیا تو وہ چیز عامل کی ہوگی، اور اگر ان میں سے ایک نے کام کیا اور دوسرے نے کام میں اس کا تعاون کیا مثلاً ایک نے (کوئی درخت) اکھاڑا اور دوسرے نے اسے جمع کیا یا ایک نے اکھاڑ کر جمع کیا اور دوسرے نے اسے لا دیا تو امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں اعانت کرنے والے کو اجرت مثلی ملے گی جو بھی ہوگی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں اسے اس چیز کے نصف ثمن سے زیادہ اجرت نہیں ملے گی اور یہ اختلاف اپنی جگہ واضح کر دیا گیا ہے۔

## اللغات:

﴿احتطاب﴾ لکڑیاں اکٹھی کرنا۔ ﴿اصطیاد﴾ شکار کرنا۔ ﴿متضمنہ﴾ ضمناً مشتمل ہوتی ہے۔ ﴿احراز﴾ محفوظ کرنا، بچانا، محفوظ مقام پر منتقل کرنا۔ ﴿استواء﴾ برابری۔ ﴿اعان﴾ مدد کی۔

## مباح مال لینے میں شرکت کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ ایندھن جمع کرنے اور شکار وغیرہ کرنے میں شرکت جائز نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص ایندھن جمع کرے یا شکار کرے اور کوئی دوسرا محض شرکت زبانی کی بنا پر اس میں شریک ہو یہ درست نہیں ہے بلکہ ایندھن صرف جمع کرنے والے کا ہوگا اور شکار صرف شکاری کا ہوگا۔ ہر مباح چیز کو لینے اور اٹھانے کا یہی حکم ہے، کیونکہ شرکت وکالت کے معنی کو متضمن ہوتی ہے حالانکہ مال مباح کو لینے کے لیے وکیل بنانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ بدون وکالت بھی مال مباح کو لینا جائز ہے۔

اب اگر دو لوگوں نے مل کر کوئی چیز یعنی ایندھن جمع کیا یا شکار کو پکڑا تو وہ چیز ان کے مابین آدمی آدمی ہوگی، کیونکہ ان دونوں نے مل کر اسے حاصل کیا ہے، لیکن اگر ایک ہی شخص نے اسے حاصل کیا اور دوسرے نے اس میں ہاتھ نہیں لگایا تو جس نے حاصل کیا وہی صرف اس چیز کا مالک اور مستحق ہوگا۔ ہاں اگر دوسرے نے اس میں تعاون کیا ہو مثلاً ایک نے شکار پر وار کیا اور دوسرے نے اسے پکڑ لیا یا ایک نے کوئی درخت اکھاڑ پھاڑا اور دوسرے نے اسے جمع کر لیا تو اعانت کرنے والے کو اجرت مثل ملے گی یعنی اس طرح کے تعاون کی جو اجرت ملتی ہے وہ اسے ملے گی۔ یہ حکم امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں اس معاون کو اجرت تو ضرور ملے گی، لیکن جس چیز میں تعاون کیا گیا ہے اس کی نصف قیمت سے زیادہ نہیں ملے گی۔

قَالَ وَإِذَا اشْتَرَكَا وَلَا أَحَدَهُمَا بَغْلٌ وَلِلْآخِرِ رَاوِيَةٌ يَسْتَقِي عَلَيْهِمَا الْمَاءُ فَالْكَسْبُ بَيْنَهُمَا لَمْ تَصِحَّ الشِّرْكََةُ، وَالْكَسْبُ كُلُّهُ لِلَّذِي اسْتَقَى وَعَلَيْهِ أَجْرٌ مِثْلُ الرَّاوِيَةِ إِنْ كَانَ الْعَامِلُ صَاحِبَ الْبَغْلِ، وَإِنْ كَانَ صَاحِبَ الرَّاوِيَةِ فَعَلَيْهِ أَجْرٌ مِثْلُ الْبَغْلِ، أَمَّا فَسَادُ الشِّرْكََةِ فَلِإِنْعِقَادِهَا عَلَى إِحْرَازِ الْمُبَاحِ وَهُوَ الْمَاءُ، وَأَمَّا وَجُوبُ الْأَجْرِ فَلِأَنَّ الْمُبَاحَ إِذَا صَارَ مِلْكًا لِلْمُحَرِّزِ وَهُوَ الْمُسْتَقِي فَقَدْ اسْتَوْفَى مَنَافِعَ مِلْكٍ الْغَيْرِ وَهُوَ الْبَغْلُ أَوِ الرَّاوِيَةُ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ فَيَلْزَمُهُ أَجْرُهُ، وَكُلُّ شِرْكََةٍ فَاسِدَةٍ فَالرِّبْحُ فِيهَا عَلَى قَدْرِ الْمَارِ وَيَبْطُلُ شَرْطُ التَّفَاضُلِ، لِأَنَّ الرِّبْحَ فِيهَا تَابِعٌ لِلْمَالِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهِ كَمَا أَنَّ الرِّبْحَ تَابِعٌ لِلْبَدْرِ فِي الْمُزَارَعَةِ وَالزِّيَادَةُ إِنَّمَا تَسْتَحِقُّ بِالتَّسْمِيَةِ وَقَدْ فَسَدَتْ فَبَقِيَ الْإِسْتِحْقَاقُ عَلَى قَدْرِ رَأْسِ الْمَالِ، وَإِذَا مَاتَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ أَوَارَتْهُ لِحَقِّ بَدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتِ الشِّرْكََةُ، لِأَنَّهَا تَتَضَمَّنُ الْوَكَالَهَ وَلَا بُدَّ مِنْهَا لِتَحَقُّقِ الشِّرْكََةِ عَلَى مَا مَرَّ، وَالْوَكَالَهَ تَبْطُلُ بِالْمَوْتِ وَكَذَا بِالْإِلْتِحَاقِ مُرْتَدًّا إِذَا قُضِيَ الْقَاضِي بِلِحَاقِهِ، لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ.

وَلَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا إِذَا عَلِمَ الشَّرِيكُ بِمَوْتِ صَاحِبِهِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ لِأَنَّهُ عَزْلٌ حُكْمِي فَإِذَا بَطَلَتِ الْوَكَالَةُ بَطَلَتِ الشَّرِكَةُ، بِخِلَافِ مَا إِذَا فُسَخَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ الشَّرِكَةَ حَيْثُ يَتَوَقَّفُ عَلَى عِلْمِ الْآخَرِ، لِأَنَّهُ عَزْلٌ قَصْدِي، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر دو آدمیوں نے اس طرح شرکت کی کہ ان میں سے ایک کا خچر ہو اور دوسرے کے پاس پکھال ہو اس میں پانی بھر کر خچر پر لاد جائے اور لوگوں کو بیچا جائے اور جو آمدنی ہو وہ دونوں میں مشترک ہو تو شرکت صحیح نہیں ہے اور پوری آمدنی پانی بھرنے والے کی ہوگی، اور اس پر پکھال کی اجرت مثلی واجب ہوگی اگر خچر والے نے پانی بھرا ہو اور اگر پکھال والے نے پانی بھرا ہو تو اس پر خچر کی اجرت مثلی واجب ہوگی۔ رہا شرکت کا فاسد ہونا تو وہ اس وجہ سے ہے کہ شرکت مال مباح یعنی پانی کے احراز پر منعقد ہوئی ہے اور اجرت اس لیے واجب ہے کہ مال مباح جب محرز یعنی بھرنے والے کا مملوک ہو گیا تو وہ عقد فاسد دوسرے کی ملکیت منافع حاصل کرنے والا ہو گیا اور وہ خچر یا پکھال ہے، اس لیے اس پر اس کی اجرت لازم ہوگی۔

اور ہر شرکت فاسدہ میں نفع بقدر مال ہوتا ہے اور تفاضل کی شرط باطل ہوتی ہے کیونکہ شرکت فاسدہ میں نفع مال کے تابع ہوتا ہے لہذا نفع مال ہی کے بقدر مقدر ہوگا جیسے کھیتی میں پیداوار بیج کے تابع ہوتی ہے اور نفع کی زیادہ متعین کرنے سے ثابت ہوتی ہے حالانکہ شرکت ہی فاسد ہو چکی ہے لہذا راس المال کے بقدر استحقاق باقی رہے گا۔

اور اگر حد الشریکین مرجائے یا مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی، کیونکہ شرکت وکالت کو متضمن ہوتی ہے اور شرکت کے لیے وکالت ناگزیر ہے تاکہ شرکت متحقق ہو جائے جیسا کہ گذر چکا ہے اور موت سے نیز مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے وکالت باطل ہو جاتی ہے بشرطیکہ قاضی نے اس کے دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دیا ہو، کیونکہ دار الحرب جانا موت کے درجے میں ہے جیسا کہ اس سے پہلے ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ شریک اپنے ساتھی کی موت سے واقف ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ عزل حکمی ہے پھر جب وکالت باطل ہوگی تو شرکت بھی باطل ہو جائے گی۔ برخلاف اس صورت کے جب احد الشریکین نے شرکت کو فسخ کر دیا تو یہ دوسرے کی واقفیت پر موقوف ہوگا، کیونکہ یہ عزل قصدی ہے۔ واللہ اعلم

### اللغات:

﴿بغل﴾ خچر۔ ﴿راویۃ﴾ بڑا مشکیزہ۔ ﴿کسب﴾ کمائی۔ ﴿استقٰی﴾ پانی بھرا۔ ﴿احراز﴾ اکٹھا کرنا، محفوظ کرنا۔ ﴿استوفی﴾ پورا وصول کر لیا۔ ﴿ربیع﴾ کھیتی، فصل۔ ﴿بذر﴾ بیج۔

### شرکت فاسدہ کی ایک مثال اور شرکت کے باطل ہونے کی صورتیں:

حل عبارت سے پہلے یہ ذہن میں رکھئے کہ راویۃ سے یہاں چمڑے کی وہ بڑی مشک مراد ہے جس میں پانی بھر کر اونٹ اور خچر وغیرہ پر لاد کر فروخت کیا جاتا ہے جسے پکھال کہتے ہیں۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر دو لوگوں نے اس طرح شرکت کا معاملہ طے کیا کہ ایک کا خچر ہوگا دوسرے کی پکھال ہوگی اور دونوں مل کر پانی بھریں گے بیچیں گے اور جو نفع ہوگا وہ ان میں مشترک ہوگا تو یہ شرکت

صحیح نہیں ہے، کیونکہ مال مباح یعنی احرار ماء پر یہ شرکت منعقد ہوئی ہے اور مباحات میں شرکت باطل ہے اور پوری آمدنی پانی بھرنے والے کو ملے گی چنانچہ اگر خچر والے نے پانی بھرا ہے تو وہ پوری آمدنی لے کر صاحب پکھال کو اس کے پکھال کی مثلی اجرت دے گا اور اگر پکھال والے نے پانی بھرا ہو تو وہ خچر والے کو خچر کی اجرت مثلی دے گا، کیونکہ عامل نے عقد فاسد کے ذریعے دوسرے کی ملکیت کے منافع حاصل کیا ہے اس لیے اس پر اجرت تو واجب ہی ہوگی۔

وکل شركة الخ فرماتے ہیں کہ ہر شرکت فاسدہ میں شریکین کو ملنے والا نفع ان کے رأس المال کے مطابق ملے گا چنانچہ اگر کسی کے دو ہزار ہوں اور ایک کے ایک ہزار روپے رأس المال ہوں تو نفع کی تقسیم اٹھلاٹا ہوگی اور کمی بیشی کی شرط باطل ہوگی، کیونکہ شرکت فاسدہ میں نفع مال کے تابع ہوتا ہے جیسا کہ کھیتی کی پیداوار اس کی بیج کے تابع ہوتی ہے اور تفاضل کا استحقاق شرط اور تعین سے ہوتا ہے اور شرط کی صحت صحت شرکت پر موقوف ہوتی ہے حالانکہ شرکت فاسدہ میں شرکت کے فاسد ہونے سے شرط بھی فاسد اور باطل ہو جاتی ہے اس لیے نفع کی تقسیم کا سارا دار و مدار رأس المال پر ہوگا۔

واذا مات الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر احد الشریکین مرجائے یا مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے اور قاضی اس کے دار الحرب جانے کا فیصلہ بھی کر دے تو شرکت باطل ہو جائے گی، کیونکہ شرکت وکالت کو متضمن ہوتی ہے اور موت یا التحاق بدار الحرب سے وکالت باطل ہو جاتی ہے اس لیے ان وجوہ سے شرکت بھی باطل ہو جائے گی خواہ دوسرے شریک کو اپنے شریک کی موت اور التحاق کا علم ہو یا نہ ہو بہر صورت شرکت باطل ہوگی اس لیے کہ یہ عزل حکمی ہے اور عزل حکمی معزولی کے علم پر موقوف نہیں ہوتا، ہاں اگر عزل قصدی ہو مثلاً احد الشریکین نے شرکت کو فسخ کر دیا تو جب تک تشریک ثانی کو فسخ کا علم نہیں ہوگا اس وقت تک فسخ ثابت اور مکمل نہیں ہوگا، کیونکہ اگر اس صورت میں ہم شریک ثانی کے علم اور اس کی واقفیت کے بغیر فسخ کو صادر کر دیں گے تو اسے ضرور لاحق ہوگا حالانکہ لا ضرر ولا ضرار کا ضابطہ معروف ہے۔





## فصل

وَلَيْسَ لِأَحَدٍ الشَّرِيكِينَ أَنْ يُؤَدِّيَ زَكَاةَ مَالٍ الْآخِرِ إِلَّا بِإِذْنِهِ، لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ التَّجَارَةِ، فَإِنْ أُذِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِصَاحِبِهِ أَنْ يُؤَدِّيَ زَكَاةَ قَادِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَالْقَائِي ضَامِنٌ عِلْمَ بِأَدَاءِ الْأَوَّلِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ لَا يَضْمَنُ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ، وَهَذَا إِذَا أُدِّيَا عَلَى التَّعَاقُبِ، أَمَّا إِذَا أُدِّيَا مَعًا ضَمِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نَصِيبَ صَاحِبِهِ، وَعَلَى هَذَا الْإِخْتِلَافِ الْمَأْمُورُ بِأَدَاءِ الزَّكَاةِ إِذَا تَصَدَّقَ عَلَى الْفَقِيرِ بَعْدَ مَا أُدِيَ الْأَمْرُ بِنَفْسِهِ، لَهُمَا أَنَّهُ مَأْمُورٌ بِالتَّمْلِيكِ مِنَ الْفَقِيرِ وَقَدْ أَتَى بِهِ فَلَا يَضْمَنُ لِلْمُؤَكَّلِ، وَهَذَا لِأَنَّ فِي وَسْعِهِ التَّمْلِيكَ لَا وَقُوعَهُ زَكَاةً لَتَعَلُّقِهِ بِنِيَّةِ الْمُؤَكَّلِ، وَإِنَّمَا يُطْلَبُ مِنْهُ مَا فِي وَسْعِهِ وَصَارَ كَالْمَأْمُورِ بِذَبْحِ دَمِ الْإِحْصَارِ إِذَا ذَبَحَ بَعْدَ مَا زَالَ الْإِحْصَارُ وَحُجَّ الْأَمْرُ لَمْ يَضْمِنِ الْمَأْمُورُ عِلْمَ أَوَّلًا، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ مَأْمُورٌ بِأَدَاءِ الزَّكَاةِ وَالْمُؤَدِّي لَمْ يَقَعْ زَكَاةً فَصَارَ مُخَالِفًا، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنَ الْأَمْرِ إِخْرَاجَ نَفْسِهِ عَنْ عَهْدَةِ الْوَاجِبِ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ لَا يَلْتَزِمُ الضَّرَرَ إِلَّا لِدَفْعِ الضَّرَرِ وَهَذَا الْمَقْصُودُ حَصَلَ بِأَدَائِهِ وَعَرَى أَدَاءُ الْمَأْمُورِ عَنْهُ فَصَارَ مَعْرُوفًا عِلْمَ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ لِأَنَّهُ عَزُلَ حُكْمِي، وَأَمَّا دَمُ الْإِحْصَارِ فَقَدْ قِيلَ هُوَ عَلَى هَذَا الْإِخْتِلَافِ، وَقِيلَ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ وَوَجْهُهُ أَنَّ الدَّمَ لَيْسَ بِوَاجِبٍ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يَصْبِرَ حَتَّى يَزُولَ الْإِحْصَارُ، وَفِي مَسْأَلَتِنَا الْأَدَاءُ وَاجِبٌ فَاعْتَبَرَ الْإِسْقَاطُ مَقْصُودًا فِيهِ دُونَ دَمِ الْإِحْصَارِ.

**ترجمہ:** احد الشریکین کو یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے کی اجازت کے بغیر وہ اس کے مال کی زکوۃ ادا کرے، کیونکہ یہ تجارت کی جنس سے نہیں ہے، ہاں اگر ہر شریک نے اپنے ساتھی کو اپنی زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دے رکھی ہو پھر ان میں سے ہر ایک نے زکوۃ دے دی تو دوسرا (یعنی بعد میں ادا کرنے والا) ضامن ہوگا خواہ وہ پہلے کی ادائیگی سے واقف ہو یا نہ ہو۔ یہ حکم امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں

ہے۔ حضرات صاحبین رحمہم فرماتے ہیں کہ اگر دوسرے کو معلوم نہ ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا، یہ حکم اس صورت میں ہے جب انہوں نے یکے بعد دیگرے ادا کیا ہو۔ اور اگر ایک ساتھ ادا کیا ہو تو ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے حصے کا ضامن ہوگا۔

اسی اختلاف پر وہ شخص بھی ہے جسے ادائیگی زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہو، اگر آمر کے بذات خود ادا کرنے کے بعد اس نے فقیر کو صدقہ کر دیا تو امام اعظم رحمہم کے یہاں وہ ضامن ہوگا اور حضرات صاحبین کے یہاں ضامن نہیں ہوگا۔ حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص فقیر کو مالک بنا دینے پر مامور ہے اور اس نے وہ کام کر دیا ہے اس لیے وہ موکل کے لیے ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے بس میں صرف مالک بنانا تھا، زکوٰۃ واقع کرنا نہیں تھا کیونکہ اس کا تعلق موکل کی نیت سے ہے اور انسان سے اسی چیز کا مطالبہ ہوتا ہے جو اس کے بس میں ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہو گیا جیسے وہ شخص جسے دم احصار ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہو اور اس نے احصار ختم ہونے سے اور آمر کے حج کرنے کے بعد ذبح کیا تو بھی وہ ضامن نہیں ہوگا خواہ اسے انقطاع احصار کا علم ہو یا نہ ہو۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہم کی دلیل یہ ہے کہ وکیل ادائے زکوٰۃ پر مامور ہے اور جو اس نے ادا کیا ہے وہ زکوٰۃ نہیں واقع ہوئی لہذا وکیل امر موکل کی مخالفت کرنے والا ہوا یہ اس وجہ سے ہے کہ وکیل بنانے سے موکل کا مقصد اپنے آپ کو ادائے واجب سے بری کرنا تھا اس لیے کہ ظاہری یہی ہے کہ وہ دفع ضرر ہی کے لیے ضرر برداشت کرے گا اور یہ مقصود خود موکل کی ادائیگی سے حاصل ہو گیا اور مامور عنہ کی ادائیگی اس مقصود سے خالی ہو گئی لہذا وہ معزول ہو جائے گا خواہ اسے موکل کے ادا کرنے کا علم ہو یا نہ ہو، اس لیے یہ عزل حکمی ہے۔ رہا دم احصار تو ایک قول یہ ہے کہ وہ بھی اسی اختلاف پر ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ان میں فرق ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ محصر پر قربانی واجب نہیں ہے اور اس لیے کہ صبر کرنا ممکن ہے یہاں تک کہ احصار ختم ہو جائے۔ اور صورت مسئلہ میں زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے لہذا اس میں اسقاط مقصود بن کر معتبر ہوگا اور دم احصار اسقاط مقصود نہیں ہوگا۔

### اللغات:

﴿اذن﴾ اجازت دے دی۔ ﴿تعاقب﴾ آگے پیچھے۔ ﴿تصدق﴾ صدقہ کر دیا۔ ﴿تملیک﴾ مالک بنانا۔ ﴿احصار﴾ حج سے روکنا۔ ﴿اخراج﴾ نکالنا۔ ﴿عہدہ﴾ ذمہ داری۔ ﴿اسقاط﴾ ساقط کرنا۔

### شریک کی طرف سے زکوٰۃ دینا:

مسئلہ یہ ہے کہ شرکت مفاوضہ اور عنان کے دونوں شریکوں میں سے کسی بھی شریک کے لیے دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کے مال کی زکوٰۃ دینا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ زکوٰۃ ادا کرنا تجارت سے متعلق نہیں ہے اور احد الشریکین کو دوسرے کے مال میں صرف تجارتی تصرف کا حق ہوتا ہے اور زکوٰۃ وغیرہ ادا کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ہر شریک نے دوسرے اپنی زکوٰۃ دینے کی اجازت دے رکھی ہو اور ہوا یوں کہ ایک مرتبہ خود مالک نے دی اور دوسرے مرتبہ اس کے شریک نے اس کی طرف سے دیدی تو جس نے دوبارہ دیا ہے وہ دہندہ رقم کا ضامن ہوگا خواہ اسے یہ معلوم ہو کہ میں جس مال کی زکوٰۃ دے رہا ہوں اس کی زکوٰۃ دی جا چکی ہے یا یہ معلوم نہ ہو۔ یہ حکم امام اعظم رحمہم کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہم کا مسلک یہ ہے کہ اگر دوسرے کو معلوم نہ ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا، فتح القدیر میں ہے کہ اگر معلوم ہو تو بھی ان حضرات کے یہاں دوسرا ضامن نہیں ہوگا، خواہ یکے بعد دیگرے دونوں نے ادا کیا ہو یا ایک ساتھ ادا کیا ہو، لیکن امام اعظم رحمہم کے یہاں ایک ساتھ ادا کرنے کی صورت میں ہر شریک اپنے ساتھی کے حصے کا ضامن ہوگا، اسی

طرح اگر کسی نے دوسرے کو اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے وکیل بنایا اور دوسرے نے آمر اور موکل کے بذات خود زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد مال زکوٰۃ کسی فقیر کو صدقہ دیدیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہاں وکیل ضامن ہوگا اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں ضامن نہیں ہوگا۔

حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل یہ ہے کہ وکیل اور مامور صرف فقیر کو مالک بنانے پر مامور ہے اور اس نے اپنا کام کر دیا ہے اس لیے موکل کے از خود ادا کرنے کی وجہ سے وہ ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ یہ اس میں موکل کی غلطی ہے نہ کہ وکیل کی۔ اور پھر وکیل کے بس میں صرف فقیر کو مال دے کر اسے مالک بنایا ہے نہ کہ زکوٰۃ واقع کرنا اور لایکلف اللہ نفسا کے پیش نظر انسان سے اسی چیز کا مطالبہ کیا جاتا ہے جو اس کے بس میں ہوتا ہے اور چوں کہ صورت مسئلہ میں وکیل اور مامور کے بس میں جو تھا وہ کر گزرا ہے لہذا اس پر ضمان نہیں ہوگا۔ جیسے اگر کوئی شخص محض ہو گیا اور اس نے دم احصار ذبح کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنایا پھر احصار ختم ہونے اور موکل کے حج سے فارغ ہونے کے بعد وکیل نے دم احصار ذبح کیا تو بھی وکیل اس کا ضامن نہیں ہوگا خواہ اسے موکل کے حج کرنے اور احصار ختم ہونے کے علم ہو یا نہ ہو اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی وکیل ضامن نہیں ہوگا خواہ اسے موکل کے فعل کا علم ہو یا نہ ہو۔

ولابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الخ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں آمر نے مامور کو مال برباد کرنے کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ زکوٰۃ ادا کرنے اور اپنا ذمہ فارغ کرنے کا حکم دیا ہے حالانکہ خود موکل کے ادا کرنے کی وجہ سے اس کا مقصود (یعنی فراغ ذمہ) حاصل ہو چکا ہے اور وکیل اور مامور کا فعل اور اس کا اداء کرنا مقصود سے خالی ہے لہذا وہ وکیل معزول شمار ہوگا اور یہ عزل حکمی ہوگا اور عزل حکمی کے لیے وکیل کا عزل سے واقف ہونا ضروری نہیں ہے۔ بہر حال جب وکیل کا فعل موکل کے مقصود سے عاری اور خالی ہے اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور اس پر ضمان واجب ہوگا۔

واقامہ الخ فرماتے ہیں کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کا اس مسئلے کو دم احصار پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ایک قول کے مطابق دم احصار کا مسئلہ بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں مختلف فیہ ہے لہذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اس سے استشہاد کرنا درست نہیں ہے، اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے یعنی دم احصار والے مسئلے میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی مامور پر ضمان نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ محصر پر قربانی واجب نہیں ہے اور اس کے لیے احصار ختم ہونے تک صبر کرنا ممکن اور متوقع ہے جب کہ زکوٰۃ والے مسئلے میں زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے اور زکوٰۃ میں اسقاط ذمہ معتبر ہے اور دم احصار میں اسقاط کا اعتبار نہیں ہے اور اس حوالے سے دونوں میں فرق ہے، لہذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

قَالَ وَإِذَا أَدَّنَ أَحَدُ الْمُتَفَاوِضِينَ لِصَاحِبِهِ أَنْ يَشْتَرِيَ جَارِيَةً فَيَطَّأَهَا ففَعَلَ ففِي لَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ، وَقَالَ لَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ بِنَصْفِ الثَّمَنِ، لِأَنَّهُ أَذَى عَلَيْهِ خَاصَّةً مِنْ مَالٍ مُشْتَرَكٍ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ صَاحِبَةُ بِنَصِيبِهِ كَمَا فِي شِرَاءِ الطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمِلْكَ وَقَعَ لَهُ خَاصَّةً، وَالثَّمَنُ بِمُقَابَلَةِ الْمِلْكِ، وَلَهُ أَنَّ الْجَارِيَةَ دَخَلَتْ فِي الشِّرْكِ عَلَى الْبَتَةِ جَرِيًّا عَلَى مُقْتَضَى الشِّرْكِ إِذْهُمَا لَا يَمْلِكَانِ تَغْيِيرَهُ فَأُشْبِهَ حَالَ عَدَمِ الْإِذْنِ غَيْرَ أَنَّ الْإِذْنَ يَتَضَمَّنُ هَبَةً نَصِيبَهُ مِنْهُ، لِأَنَّ الْوُطَى لَا يَحِلُّ إِلَّا بِالْمِلْكِ، وَلَا وَجْهَ إِلَى إِبْتَائِهِ بِالْبَيْعِ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ

يَخَالَفُ مُقْتَضَى الشَّرَكَةِ فَأُثْبِتْنَاهُ بِالْهَبَةِ الثَّابِتَةِ فِي ضَمَنِ الْإِذْنِ، بِخِلَافِ الطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ، لِأَنَّ ذَلِكَ مُسْتَشْنَى عَنْهَا لِلضَّرُورَةِ فَيَقَعُ الْمِلْكُ لَهُ خَاصَّةً بِنَفْسِ الْعَقْدِ وَكَانَ مُوَدَّيَا دَيْنًا عَلَيْهِ مِنْ مَالِ الشَّرَكَةِ، وَفِي مَسْأَلَتِنَا قَضَى دَيْنًا عَلَيْهِمَا لِمَا بَيَّنَّا، وَلِلْبَائِعِ أَنْ يَأْخُذَ بِالثَّمَنِ أَيُّهُمَا شَاءَ بِالِاتِّفَاقِ، لِأَنَّهُ دَيْنٌ وَجَبَ بِسَبَبِ التِّجَارَةِ، وَالْمُفَاوَضَةُ تَضَمَّنَتْ الْكَفَالَةَ فَصَارَ كَالطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر احد المعفوضین نے اپنے ساتھی کو یہ اجازت دی کہ وہ ایک باندی خرید کر اس سے وٹلی کر لے چنانچہ اس نے کر لیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ باندی بغیر ضمان اور عوض کے اسی کی ہوگی، حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اجازت دینے والا اس سے نصف ثمن لے گا اس لیے کہ مشتری نے مال مشترک سے ایسا دین ادا کیا ہے جو صرف اسی پر واجب تھا لہذا اس کا ساتھی اس سے اپنا حصہ واپس لے گا جیسے اپنے اہل و عیال کے لیے غلہ اور کپڑا خریدنے میں ہوتا ہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ ملکیت تو صرف مشتری کو حاصل ہوئی ہے اور ثمن ملکیت ہی کے مقابلے میں واجب ہوتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مقتضائے شرکت پر عمل کرتے ہوئے یہ باندی یقیناً مشترک طور پر مملوک ہوئی ہے، اس لیے کہ دونوں شریک مقتضائے شرکت کو نہیں بدل سکتے تو یہ اجازت نہ دینے کے مشابہ ہو گیا تاہم اجازت دینا ماذون لہ کو اپنا حصہ بہہ کرنے کو متضمن ہوتا ہے، کیونکہ ملکیت کے بغیر وٹلی حلال نہیں ہوتی۔ اور بیع کے ذریعے اثبات ملکیت کی کوئی صورت نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ مقتضائے شرکت کے خلاف ہے لہذا ہم نے اجازت کے ضمن میں ثابت ہونے والے بہہ کے ذریعے ملکیت ثابت کر دی۔ برخلاف طعام اور کسوة کے، اس لیے کہ بر بنائے ضرورت یہ شرکت سے مستثنیٰ ہیں لہذا ان میں نفس عقد ہی سے مشتری کو ملکیت حاصل ہو جائے گی اور مشتری مالِ شرکت سے اپنا دین ادا کرنے والا ہوگا اور زیر بحث مسئلے میں مشتری نے ایسا دین (ثمن) ادا کیا ہے جو دونوں پر لازم تھا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور بائع کو یہ حق ہے کہ دونوں میں سے جس سے چاہے ثمن کا مطالبہ کرے، اس لیے کہ یہ ثمن ایسا دین ہے جو تجارت کے سبب واجب ہوا ہے اور مفاوضہ کفالہ کو متضمن ہوتی ہے تو یہ طعام اور کسوة کی طرح ہو گیا۔

### اللغات:

﴿جارية﴾ باندی۔ ﴿شراء﴾ خریدنا۔ ﴿کسوة﴾ کپڑے، ملبوسات۔ ﴿البتة﴾ لازمی طور پر۔

### مفاوضہ کے ایک شریک کا وٹلی کے لیے باندی خریدنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر شرکت مفاوضہ کے شریکین میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ وہ ایک باندی خرید کر اس سے وٹلی کر لے چنانچہ مامور نے ایک باندی خریدی، مال مشترک سے اس کا ثمن دیا اور اس سے ہم بستری کر لی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ باندی مشتری اور واطی کی مملوک ہوگی اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس پر شریک ثانی کے لیے کوئی ضمان وغیرہ نہیں ہوگا، جب کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں شریک ثانی یعنی جس نے حکم دیا ہے وہ مشتری سے نصف ثمن واپس لے گا، کیونکہ مشتری نے مالِ مشترک سے



اپنے اوپر واجب شدہ قرضہ ادا کیا ہے اور اس قرضے یعنی ثمن کا پورا عوض اور نفع بھی اسی کو ملا ہے اس لیے دوسرا شریک اسے اپنے حصے کا ثمن واپس لے گا جیسے اگر کوئی شریک اپنے اہل و عیال کے لیے مال مشترک سے غلہ یا کپڑا خریدے تو اس کا ساتھی اس سے نصف ثمن کی رقم واپس لیتا ہے۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب دونوں شریک شرکت مفادضہ کے طور پر مشترک ہیں تو ظاہر ہے کہ خریدی ہوئی یہ باندی بھی مشترک طور پر ان کی ملکیت میں داخل ہوئی ہے، اس لیے کہ شرکت مفادضہ مساوات کی مقتضی ہے اور شریکین اس مساوات کو ختم کرنے کے مالک نہیں ہیں اور یہ معاملہ عدم رجوع کے متعلق اجازت نہ دینے کے مشابہ ہو گیا لیکن چوں کہ اجازت ہی سے مشتری کے لیے وطی حلال ہے اس لیے اس کی طرف سے اجازت بہہ کرنے کو متضمن ہوگی اور یہ کہا جائے گا کہ شریک ثانی نے مشتری کو ثراء اور وطی کی اجازت دے کر اپنا حصہ بہہ کر دیا ہے اور بہہ میں رجوع نہیں ہوتا، اس لیے شریک ثانی مشتری سے کچھ واپس نہیں لے گا اور وہ باندی اسے فری میں ملے گی۔ اور صورت مسئلہ میں مشتری کے لیے حلیہ وطی کا واحد راستہ یہی ہے، کیونکہ ہم بذریعہ بیع مشتری کے لیے ملکیت نہیں ثابت کر سکتے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے پوری باندی صرف اپنے لیے خریدی ہے اس لیے کہ یہ عقد شرکت کے خلاف ہے۔

اور اسے طعام اور کسوة پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ طعام اور کسوة ضرورتاً عقد شرکت اور اشتراک سے مستثنیٰ ہیں اور طعام و کسوة میں صرف مشتری ہی کے لیے ملکیت ثابت ہوگی اور مشتری مال مشترک سے اس کا ثمن ادا کرنے والا ہوگا، اس لیے اس کا ساتھی اس سے واپس لے لے گا جب کہ صورت مسئلہ میں مشتری دونوں شریک پر لازم شدہ دین ادا کرتا ہے اس لیے اسے اپنے ساتھی سے واپس لینے کا حق نہیں ہوگا۔ اور بائع دونوں شریکین میں جس سے چاہے گا ثمن لینے کا حق دار ہوگا، کیونکہ یہ ثمن تجارت کی وجہ سے واجب ہوا ہے اور شرکت شرکت مفادضہ ہے اس لیے یہ شرکت کفالہ کو متضمن ہوگی اور ثمن بھی دونوں پر واجب ہوگا اور جب ثمن دونوں پر واجب ہوگا تو اس کا مطالبہ بھی دونوں سے ہوگا۔ فقط واللہ اعلم و علمہ اتم۔



# کِتَابُ الْوَقْفِ

یہ کتاب احکام وقف کے بیان میں ہے

کتاب الشریعہ کے بعد کتاب الوقف کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے دونوں میں اصل اور رأس المال کو باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع حاصل کئے جاتے ہیں لیکن شرکت میں اصل ملکیت انسان کی ملکیت میں باقی رہتی ہے جب کہ وقف میں اکثر حضرات کے یہاں یہ ملکیت واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے، اسی لیے شرکت کو وقف پر مقدم کیا گیا ہے۔  
وقف کے لغوی معنی ہیں روکنا۔ اور اصطلاح شرع میں وقف کی تعریف یہ ہے کہ مالک عین کو اپنی ملکیت پر باقی رکھے اور اس کے منافع صدقہ کر دے۔

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَزُولُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنِ الْوَقْفِ إِلَّا أَنْ يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ أَوْ يُعْلِقَهُ بِمَوْتِهِ فَيَقُولُ إِذَا مِتُّ فَقَدْ وَقَفْتُ دَارِي عَلَى كَذَا، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَزُولُ مِلْكُهُ بِمَجَرَّدِ الْقَوْلِ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَزُولُ حَتَّى يَجْعَلَ لِلْوَاقِفِ وَلِيًّا وَيُسَلِّمَهُ إِلَيْهِ، قَالَ الْوَاقِفُ لَعَنَ هُوَ الْحَبْسُ يَقُولُ وَقَفْتُ الدَّابَّةُ وَأَوْقَفْتُهَا بِمَعْنَى وَهُوَ فِي الشَّرْعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ حَبْسُ الْعَيْنِ عَلَى مِلْكِ الْوَاقِفِ، وَالتَّصَدُّقُ بِالْمَنْفَعَةِ بِمَنْزِلَةِ الْعَارِيَةِ ثُمَّ قِيلَ الْمَنْفَعَةُ مَعْدُومَةٌ فَالتَّصَدُّقُ بِالْمَعْدُومِ لَا يَصِحُّ فَلَا يَجُوزُ الْوَاقِفُ أَصْلًا عِنْدَهُ وَهُوَ الْمَلْفُوظُ فِي الْأَصْلِ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ جَائِزٌ عِنْدَهُ إِلَّا أَنَّهُ غَيْرُ لَازِمٍ بِمَنْزِلَةِ الْعَارِيَةِ، وَعِنْدَهُمَا حَبْسُ الْعَيْنِ عَلَى حُكْمِ مِلْكِ اللَّهِ تَعَالَى فَيَزُولُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنْهُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى عَلَى وَجْهِ تَعَوُّدِ مَنْفَعَتِهِ إِلَى الْعِبَادِ فَيُلْزَمُ وَلَا يَبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ وَاللَّفْظُ يَنْتَظِمُهُمَا وَالتَّرْجِيحُ بِالذَّلِيلِ، لَهَمَّا قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ ((لَعَمْرَ اللَّهِ حِينَ أَرَادَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِأَرْضٍ لَهُ تَدْعَى تَمَعٌ تَصَدَّقُ بِأَصْلِهَا لَا يَبَاعُ وَلَا يُورَثُ وَلَا يُوهَبُ))، وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ مَاسَّةً إِلَى أَنْ

يَلْزَمُ الْوَقْفُ مِنْهُ لِيَصِلَ ثَوَابُهُ إِلَيْهِ عَلَى الدَّوَامِ وَقَدْ أُمِّنَ دَفْعُ حَاجَتِهِ بِإِسْقَاطِ الْمِلْكِ وَجَعَلَهُ لِلَّهِ تَعَالَى، إِذْ لَهُ نَظِيرٌ فِي الشَّرْعِ وَهُوَ الْمَسْجِدُ فَيُجْعَلُ كَذَلِكَ، وَلَأَبَى حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَوْلُهُ ② <sup>الْعَلِيَّةُ</sup> لَا حَبْسَ عَنْ فَرَائِضِ اللَّهِ تَعَالَى، وَعَنْ شُرَيْحٍ جَاءَ مُحَمَّدٌ <sup>الْعَلِيَّةُ</sup> بِبَيْعِ الْحَبْسِ، وَلَآنَ الْمِلْكُ بَاقٍ فِيهِ بِدَلِيلٍ أَنَّهُ يَجُوزُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ زَرَاعَةً وَسُكْنَى وَغَيْرَ ذَلِكَ، وَالْمِلْكُ فِيهِ لِلْوَاقِفِ أَلَا تَرَى لَهُ وَلَايَةَ التَّصَرُّفِ فِيهِ بِصَرْفِ غَلَاظِهِ إِلَى مَصَارِفِهَا وَنَصَبِ الْقَوَامِ فِيهَا إِلَّا أَنَّهُ يَتَصَدَّقُ بِمَنَافِعِهِ فَصَارَ شَبِيهُ الْعَارِيَةِ، وَلَآئِنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى التَّصَدَّقِ بِالْغَلَّةِ دَائِمًا وَلَا تَصَدَّقُ عَنْهُ إِلَّا بِالْبَقَاءِ عَلَى مِلْكِهِ، وَلَآئِنَّهُ لَا يُمْكِنُ أَنْ يُزَالَ مِلْكُهُ لَا إِلَى مَالِكٍ، لَآئِنَّهُ غَيْرُ مَشْرُوعٍ مَعَ بَقَائِهِ كَالسَّائِبَةِ، بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ، لَآئِنَّهُ إِتْلَافٌ، وَبِخِلَافِ الْمَسْجِدِ لَآئِنَّهُ جُعِلَ خَالِصًا لِلَّهِ تَعَالَى وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ وَهَهُنَا لَمْ يَنْقَطِعْ حَقُّ الْعَبْدِ عَنْهُ فَلَمْ يَصِرْ خَالِصًا لِلَّهِ تَعَالَى، قَالَ فِي الْكِتَابِ لَا يَزُولُ مِلْكُ الْوَاقِفِ إِلَّا أَنْ يَحْكُمَ بِهِ الْبَحَاكِمُ أَوْ يَعْقِلَهُ بِمَوْتِهِ، وَهَذَا فِي حُكْمِ الْحَاكِمِ صَحِيحٌ، لَآئِنَّهُ قَضَاءٌ فِي مُجْتَهِدٍ فِيهِ، أَمَّا فِي تَعْلِيلِهِ بِالْمَوْتِ فَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَزُولُ مِلْكُهُ إِلَّا أَنَّهُ تَصَدَّقَ بِمَنَافِعِهِ مُؤَبَّدًا فَيَصِيرُ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ بِالْمَنَافِعِ مُؤَبَّدًا فَيَلْزَمُ، وَالْمُرَادُ بِالْحَاكِمِ الْمَوْلَى فَأَمَّا الْمُحْكَمُ فَفِيهِ اخْتِلَافُ الْمَشَائِخِ، وَلَوْ وَقَفَ فِي مَرَضٍ مَوْتِهِ، قَالَ الطَّحَاوِيُّ هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعِنْدَهُمَا يَلْزَمُهُ إِلَّا أَنَّهُ يُعْتَبَرُ مِنَ الثَّلَاثِ وَالْوَقْفُ فِي الصَّحَّةِ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ، وَإِذَا كَانَ الْمِلْكُ يَزُولُ عِنْدَهُمَا يَزُولُ بِالْقَوْلِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْإِعْتَاقِ لَآئِنَّهُ إِسْقَاطُ الْمِلْكِ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا بُدَّ مِنَ التَّسْلِيمِ إِلَى الْمُتَوَلَّى، لَآئِنَّهُ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى وَإِنَّمَا يَثْبُتُ فِيهِ فِي ضَمَنِ التَّسْلِيمِ إِلَى الْعَبْدِ لَآنَ التَّمْلِيكَ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ مَالِكُ الْأَشْيَاءِ لَا يَتَحَقَّقُ مَقْصُودًا وَقَدْ يَكُونُ تَبَعًا لِغَيْرِهِ فَيَأْخُذُ حُكْمَهُ فَيَنْزِلُ مَنْزِلَةَ الزَّكَاةِ وَالصَّدَقَةِ.

**ترجمہ:** امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شئی موقوف سے واقف کی ملکیت ختم نہیں ہوتی الا یہ کہ حاکم اس کے خروج کا فیصلہ کر دے یا واقف اسے اپنی موت پر معلق کرتے ہوئے یوں کہے کہ جب میں مر جاؤں تو میرا گھر فلاں کے لیے وقف ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وقف کرتے ہی اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تک واقف کسی کو متولی بنا کر شئی موقوف اس کے حوالے نہیں کرے گا اس وقت تک اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔

فرماتے ہیں کہ وقف کے لغوی معنی ہیں روکنا چنانچہ وقف الدابة اور اوقفها دونوں ایک ہی معنی میں ہیں اور امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں وقف کے شرعی معنی یہ ہیں عین کو واقف کی ملکیت پر روک کر اس کے منافع کو صدقہ کرنا جیسے عاریت میں ہوتا ہے۔ پھر

کہا گیا کہ منفعت معدوم ہوتی ہے اور معدوم کو صدقہ کرنا صحیح نہیں ہے لہذا امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں وقف ہی صحیح نہیں ہے یہی مبسوط میں مذکور ہے حالانکہ اصح یہ ہے کہ وقف امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں بھی جائز ہے لیکن لازم نہیں ہے جیسے عاریت جائز ہے مگر لازم نہیں ہے۔ اور حضرات صاحبین کے یہاں وقف کے شرعی معنی یہ ہیں مال عین کو اللہ کی ملکیت پر روکنا چنانچہ شیء موقوف سے واقف کی ملکیت زائل ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے بایں طور کہ اس کی منفعت بندوں کی طرف لوٹتی ہے، لہذا ان حضرات کے یہاں وقف لازم ہوگا جیسے فروخت کرنا، ہبہ کرنا اور وراثت میں دینا صحیح نہیں ہوگا اور لفظ وقف ان دونوں معنوں کو (زوال ملک اور عدم زوال کو) شامل ہے اور ترجیح دلیل سے ہوگی۔

حضرات صاحبین رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقام خیبر میں واقع ثمنغ نامی اپنی زمین کو صدقہ کرنا چاہا تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اس زمین کی اصل صدقہ کر دو تا کہ دوبارہ نہ فروخت کی جاسکے نہ وراثت میں جاسکے اور نہ ہی ہبہ کی جاسکے۔ اور اس لیے کہ کبھی واقف کو بھی لزوم وقف کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ ہمیشہ اسے ثواب ملتا رہے۔ اور اس کی ملکیت کو اس کی ذات سے ساقط کر کے اللہ کے لیے ملکیت ثابت کر دینے سے واقف کی یہ ضروری پوری کرنا ممکن بھی ہے، کیونکہ شریعت میں اس کی نظیر بہ شکل مسجد موجود ہے، لہذا ایسا ہی کیا جائے گا۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ اللہ کے فرائض میں سے کسی بھی چیز میں جس نہیں ہے، حضرت شریع سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر جس کو فروخت فرما دیا ہے۔ اور اس لیے کہ موقوف چیز میں واقف کی ملکیت باقی رہتی ہے اس دلیل سے کہ کاشت کاری اور رہائش وغیرہ کے اعتبار سے واقف کے لیے ارض موقوفہ سے نفع اٹھانا جائز ہے اور اس کی ملکیت واقف ہی کی ہوتی ہے کیا دکھتا نہیں کہ واقف کو ارض موقوف کی آمدنی کو ان کے مصارف میں صرف کرنے کا حق ہے اور اوقاف کے مصارف کے لیے نگران متعین کرنے کا اختیار اسی کو ہے، لیکن واقف وقف کے منافع کو صدقہ کر دیتا ہے لہذا یہ عاریت کے مشابہ ہو گیا۔

اور اس لیے کہ واقف وقف کی آمدنی کو ہمیشہ صدقہ کرنے کا ضرورت مند ہے اور وقف کے اس کی ملکیت میں نہ ہونے سے اس کی طرف سے صدقہ ممکن نہیں ہوگا نیز بغیر کسی مالک کی طرف اس کی ملکیت کا زائل ہونا بھی ممکن نہیں ہے، کیونکہ کوئی چیز باقی ہو اور اس کا مالک نہ ہو یہ مشروع نہیں ہے جیسے سائڈ وغیرہ کو چھوڑنا صحیح نہیں ہے۔ برخلاف اعتاق کے، کیونکہ وہ اطلاق ہے اور برخلاف مسجد کے کیونکہ مسجد خالص اللہ کے لیے ہی بنائی جاتی ہے اسی لیے اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے جب کہ وقف میں شیء موقوف سے واقف کا حق منقطع نہیں ہوتا، لہذا وقف خالص اللہ کے لیے نہیں ہوا۔

قدوری میں جو لایزول ملک الوقف الخ کہا ہے یہ حاکم کے حکم میں صحیح ہے، کیونکہ یہ اختلافی مسئلے کا قضاء ہوگا لیکن موت پر معلق کرنے کی صورت میں صحیح یہ ہے کہ واقف کی ملکیت زائل نہیں ہوگی، لیکن اس نے ہمیشہ کے لیے اس کے منافع صدقہ کر دیا لہذا یہ ہمیشہ کے لیے کسی منافع کی وصیت کے درجے میں ہو جائے گا لہذا امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں بھی اس صورت میں لازم ہوگا۔

اور حاکم سے وہ شخص مراد ہے جسے بادشاہ وقت کی طرف سے قضاء کی ولایت دی گئی ہو رہا وہ حاکم جسے لوگوں نے منتخب کر لیا ہو تو اس کے حکم میں مشائخ کا اختلاف ہے۔



اگر کسی شخص نے اپنے مرض الموت میں وقف کیا تو امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ موت کے بعد وصیت کرنے کی طرح ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں یہ وقف لازم نہیں ہے جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں لازم ہے، لیکن تہائی مال سے اس کا اعتبار ہوگا اور حالت صحت کا وقف پورے مال سے معتبر (نافذ) ہوتا ہے۔ اور جب حضرات صاحبین کے یہاں ملکیت زائل ہو جاتی ہے تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں محض وقف کھنہ سے بھی زائل ہو جائے گی یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے، کیونکہ اعتاق کی طرح یہ بھی اسقاط ملک ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں زوال ملک کے لیے متولی کو سپرد کرنا ضروری ہے، کیونکہ وقف اللہ پاک کا حق ہے اور بندے کی طرف سپرد کرنے سے ضمان اس میں اللہ کی ملکیت ثابت ہو جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر ایک چیز کے مالک ہیں، لہذا انھیں بالقصد مالک بنانا درست نہیں ہے ہاں بندے کے واسطے سے اللہ کے لیے ملکیت ثابت کی جائے گی اور وہ تملیک کا حکم لے لے گی اور صدقہ اور زکوٰۃ کی طرح ہو جائے گی۔

### اللغات:

﴿یسلمہ﴾ اس کے سپرد کر دے۔ ﴿حبس﴾ روکنا۔ ﴿دابة﴾ سواری۔ ﴿تصدق﴾ صدقہ کرنا۔ ﴿تعود﴾ لوٹے گی، دوبارہ آئے گی۔ ﴿یتظمها﴾ اس پر مشتمل ہوگا۔ ﴿غلة﴾ آمدن۔ ﴿اتلاف﴾ ہلاک کرنا۔ ﴿لم یصر﴾ نہیں ہو گیا۔ ﴿مؤبد﴾ ہمیشہ کا، دوامی۔

### تخریج:

① اخرجہ بخاری فی کتاب الوصایا باب وما للوصی، حدیث رقم: ۲۷۶۴۔

② اخرجہ دارقطنی فی سننہ، باب فی الفرائض (۶۸/۴)۔

### وقف کی شرعی حیثیت اور اس میں اختلاف:

عبارت کا مطلب ترجمہ سے واضح ہے اور آسان بھی ہے وقف کے سلسلے میں امام اعظم رحمہ اللہ کا اصح اور معتمد قول یہ ہے کہ وقف جائز تو ہے، لیکن لازم نہیں ہے یعنی وقف کرنے کے بعد شئی موقوف سے واقف کا حق اور تعلق منقطع نہیں ہوتا بلکہ باقی رہتا ہے اور واقف کے لیے عند الإمام اس کو بیچنا، ہبہ کرنا اور وراثت میں دینا درست ہے، جب کہ حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں وقف صحیح بھی ہوتا ہے اور لازم بھی ہوتا ہے یعنی ان کے یہاں واقف سے واقف کی ملکیت بالکلیہ منقطع ہو جاتی ہے اور واقف کے لیے شئی موقوف کو بیچنا اور ہبہ وغیرہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ دونوں فریق کی دلیلیں کتاب میں موجود ہیں۔

امام اعظم رحمہ اللہ نے لا حبس عن فرائض اللہ سے جو استدلال کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا کوئی بھی مال میراث ہونے سے روکا نہیں جاسکتا اور ہر مال کو میراث میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور وقف بھی اس کا مال ہوتا ہے لہذا اسے بھی میراث میں تقسیم کیا جائے گا، لیکن حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اپنی مبسوط میں اس حدیث سے امام اعظم رحمہ اللہ کے استدلال کو صحیح نہیں قرار دیا ہے، کیونکہ اولاً تو یہ وقف سے متعلق نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ جب وقف کرنے سے وہ مال واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ میراث بھی نہیں بنے گا اور اگر ہم اس سے استدلال صحیح مان لیں تو یہ امام اعظم رحمہ اللہ کے قول سے

ہی متعلق ہوگا اور اس کا حکم عام نہیں ہوگا۔ اسی طرح حدیث شریعہ کا پس منظر یہ ہے کہ کفار سائبہ وسیلہ اور حام وغیرہ کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کی خرید و فروخت سے اعراض کرتے تھے اسے حضرت نبی اکرم ﷺ نے بالکل ختم فرما دیا اور جس کردہ جانور کو فروخت کر کے یہ بتلادیا کہ اسلام میں سائبہ اور حام وغیرہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ لہذا آپ ﷺ یہ عمل زمانہ جاہلیت کی رسم کے لیے نسخ کے طور پر نہ تھا نہ کہ فروخت کی وقف کے لیے تھا لہذا اس سے بھی امام اعظم رحمہ اللہ کا استدلال درست نہیں ہے۔ اسی لیے بیشتر فقہاء و مشائخ نے حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے اور شیخ الاسلام خوہر زادہ وغیرہ کے یہاں بھی حضرات صاحبین رحمہم اللہ ہی کا قول محقق، مختار اور مفتی بہ ہے۔ (ملاحظہ ہو، بتایہ: ۶/ص ۸۹۰، ص ۸۹۵ تک)

قال فی الكتاب لا یزول ملک الواقف إلا أن یحکم الخ اس عبارت کے تحت صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے ہذا فی حکم الحاکم صحیح اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی چیز وقف کر دی اور اسے متولی کے سپرد کر یا پھر واقف نے متولی سے وقف واپس لینا چاہا اور اس نے منع کر دیا اور دونوں جھگڑتے ہوئے حاکم کے پاس آئے تو حاکم اس وقف کے لازم ہونے کا فیصلہ کر دے گا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں بھی یہ وقف لازم ہو جائے گا لیکن حاکم کا بادشاہ وقت کی طرف سے متعین ہونا شرط ہے لیکن تعلیق بالموت والا وقف امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں لازم نہیں ہوگا تاہم اس سے جو بھی آمدنی ہوگی وہ ہمیشہ صدقہ کی جائے گی۔

مرض الموت کا وقف بھی امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں لازم نہیں ہوگا جب کہ حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں لازم تو ہوگا مگر تہائی مال سے ہی معتبر اور نافذ ہوگا۔ رہا مسئلہ لزوم وقف کا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں واقف کے وقفیت کہنے سے وقف لازم ہو جائے گا اور امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں لزوم وقف کے لیے شئی موقوف کو متولی کو سونپنا اور اس کے سپرد کرنا ضروری ہے، کیونکہ وقف کی مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اللہ پاک سارے جہاں کے خالق اور مالک ہیں لہذا انھیں براہ راست کسی چیز کا مالک بنانا صحیح نہیں ہے اس لیے جس طرح صدقہ اور زکوٰۃ میں فقیر کے واسطے سے اللہ کے لیے ملکیت ثابت کی جاتی ہے اسی طرح وقف میں موقوف علیہ کے واسطے سے اللہ کے لیے ملکیت ثابت کی جائے گی۔

قَالَ وَإِذَا صَحَّ الْوَقْفُ عَلَى اخْتِلَافِهِمْ وَفِي بَعْضِ النُّسخ وَإِذَا اسْتَحَقَّ مَكَانَ قَوْلِهِ وَإِذَا صَحَّ خَرَجَ مِنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ وَلَمْ يَدْخُلْ فِي مِلْكِ الْمُوقُوفِ عَلَيْهِ، لِأَنَّهُ لَوْ دَخَلَ فِي مِلْكِ الْمُوقُوفِ عَلَيْهِ لَإِتَّوَقَّفَ عَلَيْهِ بَلْ يَنْفَذُ بَيْعُهُ كَسَائِرِ أَمْلاكِهِ، وَلَئِنَّهُ لَوْ مَلَكَهُ لِمَا انْتَقَلَ عَنْهُ بِشَرَطِ الْمَالِكِ الْأَوَّلِ كَسَائِرِ أَمْلاكِهِ، قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَوْلُهُ خَرَجَ عَنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ عَلَى قَوْلِهِمَا.

**ترجمہ:** جب حضرات فقہاء کے اختلاف کے باوجود وقف صحیح ہے تو شئی موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی، لیکن موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی، کیونکہ اگر وہ موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل ہوئی تو اس پر موقوف نہیں رہے گی بلکہ اس میں اس کی بیع نافذ ہوگی جیسے اس کی دوسری املاک میں نافذ ہوتی ہے۔ اور اس لیے کہ اگر موقوف علیہ وقف کا مالک ہوتا تو مالک اول (واقف) کی شرط سے وہ موقوف علیہ سے منتقل نہ ہوتی جیسے اس کی دوسری املاک منتقل نہیں ہوتیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام قدوری کا

خرج عن ملك الواقف کہنا صاحبین ہی کے قول پر درست معلوم ہوتا ہے اس اختلاف کی وجہ سے جو پہلے گذرا ہے۔  
اللغات:

﴿لا یتوقف﴾ موقوف نہیں ہوگی۔ ﴿سائر﴾ سب کی سب۔

### موقوف چیز کا واقف کی ملکیت سے نکل جانا:

مسئلہ یہ ہے کہ جب لزوم اور عدم لزوم کے اختلاف کے باوجود وقف صحیح ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ شی موقوف واقف کی ملکیت سے تو خارج ہو جائے گی، لیکن موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی، کیونکہ اگر موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل ہوتی تو وہ اس کو بیچنے پر قادر ہوتا جیسے اپنی دوسری مملوکہ چیزوں کے بیچنے پر قادر ہے حالانکہ اسے شی موقوف کو بیچنے کا حق نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر واقف نے یہ کہا ہو کہ فلاں موقوف علیہ کے لیے یہ چیز سال بھر کے لیے وقف ہے اس کے بعد فلاں شخص کے لیے ہے تو سال بھر بعد خود بخود وہ چیز موقوف علیہ کے قبضے سے خارج ہو جائے گی حالانکہ اگر وہ اس کا مالک ہوتا تو شی موقوف اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ موقوف علیہ وقف کا مالک نہیں ہوتا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام قدوری کا خروج عن ملك الواقف کہنا حضرات صاحبین کے قول پر تو صحیح ہے لیکن امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر یا تو صحیح نہیں ہے یا اگر صحیح ہے تو حکم حاکم کی قید کے ساتھ صحیح ہے۔

قَالَ وَوَقَفَ الْمُشَاعَ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ الْقِسْمَةَ مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ، وَالْقَبْضُ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ فَكَذَا تَتِمَّتْ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّ أَصْلَ الْقَبْضِ عِنْدَهُ شَرْطٌ فَكَذَا مَا يَتِمُّ بِهِ، وَهَذَا فِيمَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ فَأَمَّا فِيمَا لَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ فَيَجُوزُ مَعَ الشُّيُوعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ عَلَيْهِ أَيْضًا، لِأَنَّهُ يَعْتَبَرُ بِالْهَبَةِ وَالصَّدَقَةِ الْمُنْفَذَةِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ وَالْمَقْبَرَةِ فَإِنَّهُ لَا يَتِمُّ مَعَ الشُّيُوعِ فِيمَا لَا يَحْتَمِلُ أَيْضًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ بَقَاءَ الشَّرَكَةِ يَمْنَعُ الْخُلُوصَ لِلَّهِ تَعَالَى، وَلِأَنَّ الْمُهَابَاةَ فِيهِمَا فِي غَايَةِ الْقُبْحِ بَأَن يُقْبَرَ الْمَوْتَى فِيهِ سَنَةٌ وَيُزْرَعُ سَنَةٌ وَيُصَلَّى فِيهِ فِي وَقْتٍ وَيَتَّخَذَ اصْطَبْلًا فِي وَقْتٍ، بِخِلَافِ الْوَقْفِ لِإِمْكَانِ الْإِسْتِغْلَالِ وَقِسْمَةِ الْغَلَّةِ، وَلَوْ وَقَفَ الْكُلُّ ثُمَّ اسْتَحَقَّ جُزْءٌ مِنْهُ بَطَلَ فِي الْبَاقِي عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ الشُّيُوعَ مُقَارِنٌ كَمَا فِي الْهَبَةِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا رَجَعَ الْوَاهِبُ فِي الْبَعْضِ أَوْ رَجَعَ الْوَارِثُ فِي الثَّلَاثِينَ بَعْدَ مَوْتِ الْمَرِيضِ وَقَدْ وَهَبَ أَوْ وَقَفَ فِي مَرَضِهِ وَفِي الْمَالِ ضَيْقٌ، لِأَنَّ الشُّيُوعَ فِي ذَلِكَ طَارِئٌ، وَلَوْ اسْتَحَقَّ جُزْءٌ مُمَيَّزٌ بَعَيْنِهِ لَمْ يَبْطُلْ فِي الْبَاقِي لِعَدَمِ الشُّيُوعِ وَلِهَذَا جَائِزٌ فِي الْإِبْتِدَاءِ، وَعَلَى هَذَا الْهَبَةُ وَالصَّدَقَةُ الْمَمْلُوكَةُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مشترک چیز کا وقف امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں جائز ہے، اس لیے کہ تقسیم کرنا تمامیت قبضہ میں سے

ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں مشاع پر قبضہ شرط نہیں ہے لہذا اس کے لوازمات بھی شرط نہیں ہوں گے۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وقف مشاع جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کے یہاں اصل پر قبضہ شرط ہے لہذا اس کے متمم پر بھی قبضہ شرط ہوگا، یہ اختلاف اس چیز میں ہے جو تقسیم کے قابل ہو لیکن جو چیز تقسیم کے لائق نہ ہو تو امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں بھی شیوع کے ساتھ اس کا وقف جائز ہے، کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ اسے سپرد کردہ ہبہ اور صدقہ پر قیاس کرتے ہیں، لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے مسجد اور قبرستان کا استثناء کیا ہے چنانچہ جو تقسیم کے قابل نہ ہو اس میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں شیوع ہوتے ہوئے وقف جائز نہیں ہے۔ کیونکہ شرکت کی بقاء اللہ کے لیے خالص ہونے سے مانع ہے۔

اور اس لیے کہ مسجد اور مقبرہ میں مہایات متعین کرنا انتہائی قبیح ہے بایں طور کہ ایک سال اس زمین مردے دفن کئے جائیں اور ایک سال کھیتی کی جائے ایک وقت اس میں نماز پڑھی جائے اور دوسرے وقت میں اس اصطل بل بنا دیا جائے، برخلاف وقف کے، کیونکہ کرایہ اور غلہ کی تقسیم ممکن ہے۔ اگر کسی نے کوئی چیز وقف کی پھر اس کا ایک حصہ مستحق نکل گیا تو امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں باقی میں وقف باطل ہو جائے گا کیونکہ شیوع مقارن تھا۔ جیسے ہبہ میں ہوتا ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب واہب کچھ حصہ واپس لے لے یا مریض کی موت کے بعد ورثاء نے دو ٹکٹ واپس لے لیا حالانکہ مریض نے اپنے مرض الموت میں پوری زمین ہبہ یا وقف کی تھی اور مال میں تنگی ہوگئی، کیونکہ اس کا شیوع طاری ہے اور اگر کوئی ایسا حصہ مستحق ہوا ہو جو معین ہو اور الگ ہو تو باقی میں وقف باطل نہیں ہوگا، کیونکہ شیوع معدوم ہے، اسی لیے ابتداء بھی اس کا وقف جائز ہے۔ ہبہ اور صدقہ مملوکہ کا بھی یہی حکم ہے۔

## اللغات:

﴿مشاع﴾ پھیلا ہوا، مشترک۔ ﴿تمام﴾ پورا ہونا۔ ﴿منفذہ﴾ سپرد کیا گیا۔ ﴿مہایاۃ﴾ مہیا کرنا، باری باری کوئی کام کرنا۔ ﴿غایۃ﴾ انتہاء۔ ﴿قبح﴾ برائی، گندگی۔ ﴿یزرع﴾ کھیتی کی جائے گی۔ ﴿استغلال﴾ کمانا، کمائی حاصل کرنا۔ ﴿مقارن﴾ ساتھ ملا ہوا۔ ﴿ضیق﴾ تنگی۔

## مشاع کا وقف:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں مشاع یعنی مشترک اور قابل تقسیم چیز کا ہبہ درست اور جائز ہے، کیونکہ ان کے یہاں محض وقف کہنے سے وقف درست ہو جاتا ہے اور صحت وقف کے لیے اسے متولی کے سپرد کرنا شرط نہیں ہے، اسی لیے ان کے یہاں اصل یعنی وقف کردہ چیز پر قبضہ کرنا بھی شرط نہیں ہے، اس لیے مشاع کی تقسیم بھی شرط نہیں ہے، جب کہ امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں مشاع اور مشترک چیز کا وقف صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ان کے یہاں شیء موقوف کو موقوف علیہ کے سپرد کرنے سے وقف تام ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ قبضہ کو شرط قرار دیتے ہیں اور چوں کہ تقسیم قبضہ کے مکملات میں سے ہے لہذا صحت وقف کے لیے تقسیم بھی شرط ہوگی۔ لیکن یہ اختلاف ان چیزوں میں ہے جو تقسیم کے قابل ہوں۔ اور وہ چیزیں جو تقسیم کے قابل نہ ہوں ان میں امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں اشتراک اور شیوع کے ہوتے ہوئے بھی وقف جائز ہے، کیونکہ جب ان میں تقسیم ممکن ہی نہیں ہے تو وہ شرط کیا خاک ہوگی۔ اور جس طرح اگر کسی نے غیر قابل تقسیم مشاع چیز کو ہبہ یا صدقہ کر کے سپرد کر دیا تو درست ہے اسی طرح غیر قابل تقسیم مشاع کا وقف



بھی درست اور جائز ہے۔

الآ في المسجد والمقبرة الخ یہ استثناء شروع متن یعنی ووقف المشاع جائز الخ سے متعلق ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے مسجد اور قبرستان کے لیے مشاع اور مشترکہ زمین وقف کیا تو یہ وقف امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں بھی درست نہیں ہے اگرچہ وہ زمین قابل تقسیم نہ ہو، کیونکہ مسجد اور قبرستان کا وقف اللہ کے لیے خالص ہوتا ہے اور شرکت خلوص کے منافی ہے، کیونکہ اس مشاع کے وقف کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک سال وقف اس میں مردے دفن کرائے اور نماز پڑھوائے تو دوسرے سال دوسرا شریک اس میں کھیتی کرے اور اصطبل بجائے اور ظاہر ہے کہ یہ مسجد اور مقبرہ کے احترام اور ان کی عظمت و تقدس کے خلاف ہے، اس لیے ان چیزوں کے لیے وقف جائز نہیں ہے، ہاں ان کے علاوہ دوسرے کار خیر میں وقف جائز ہے، کیونکہ اس کی آمدنی کو تقسیم کر کے وقف کا حصہ مصارف وقف میں صرف کیا جاسکتا ہے اور دوسرے شریک کو اس کا حصہ دیا جاسکتا ہے۔

ولو وقف الكل الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک زمین وقف کی پھر اس کا کوئی حصہ مستحق نکل گیا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پورا وقف باطل ہو جائے گا، کیونکہ اس میں شیوع پہلے سے تھا اور مستحق کا حق بوقت وقف بھی موجود تھا لہذا ارض موقوفہ پر واقعہ کا قبضہ تام نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہو گیا، اس لیے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ارض موقوفہ اور شیعی موقوفہ پر قبضہ شرط ہے۔ لہذا جیسے اگر بوقت ہبہ وہ مشترک ہو تو ہبہ باطل ہے اسی طرح بوقت وقف اگر وہ مشاع ہو تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں باطل ہے۔ ہاں اگر ہبہ میں شیوع طاری ہو یعنی بوقت ہبہ شیوع نہ ہو، بلکہ کچھ حصہ واپس لے لے یا کسی نے مرض الموت میں اپنا سارا مال ہبہ یا وقف کیا تھا اور اس کے ورثاء نے دو ٹکٹ لے کر صرف ایک ٹکٹ میں اس کی اجازت دی اور اس کے پاس اس مال کے علاوہ کوئی دوسرا مال نہ ہو تو یہ شیوع طاری کہلائے گا اور مبطل ہبہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر ارض موہوبہ یا موقوفہ کے کسی معین حصے میں استحقاق ثابت ہو تو بھی باقی میں وقف اور ہبہ باطل نہیں ہوگا، اس لیے کہ مستحق کے معین اور متمیز ہونے کی وجہ سے شیوع معدوم ہے۔ اسی لیے تو اگر ابتداء ہی میں ایک فریق اپنا حصہ وقف یا ہبہ کرنے اور دوسرا فریق نہ کرے اور دونوں کے حصے ایک دوسرے سے ممتاز ہوں تو وقف اور ہبہ درست ہے۔ صدقہ مملوکہ کا بھی یہی حکم ہے اور مملوکہ سے مسلمۃ الی الفقیر مراد ہے۔

قَالَ وَلَا تَيْتُمُ الْوَقْفُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَمُحَمَّدٍ حَتَّى يُجْعَلَ آخِرُهُ بِجِهَةٍ لَا تَنْقَطِعُ أَبَدًا، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ إِذَا سُمِّيَ فِيهِ جِهَةٌ تَنْقَطِعُ جَارَ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَإِنْ لَمْ يَسْمَهُمْ، لَهُمَا أَنْ مُوجِبَ الْوَقْفِ زَوَالُ الْمَلِكِ بِدُونِ التَّمْلِكِ وَأَنَّهُ يَتَأَبَّدُ كَالْعِتْقِ فَإِذَا كَانَتِ الْجِهَةُ يَتَوَهَّمُ انْقِطَاعُهَا لَا يَتَوَقَّرُ عَلَيْهِ مُقْتَضَاهُ فَلِهَذَا كَانَتِ التَّوَقُّيْتُ مُبْطِلَالَهُ كَالْتَّوَقُّيْتُ فِي الْبَيْعِ، وَلَأَبِي يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ التَّقَرُّبُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ مُؤَقَّرٌ عَلَيْهِ، لِأَنَّ التَّقَرُّبَ تَارَةً يَكُونُ فِي الصَّرْفِ إِلَى جِهَةٍ تَنْقَطِعُ وَمَرَّةً بِالصَّرْفِ إِلَى جِهَةٍ تَتَأَبَّدُ فَيَصِحُّ فِي الْوَجْهَيْنِ، وَقِيلَ إِنَّ التَّابِئَ شَرْطٌ بِالْإِجْمَاعِ إِلَّا أَنَّ عِنْدَ أَبِي يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَشْتَرُطُ ذِكْرُ التَّابِئِ، لِأَنَّ لَفْظَةَ الْوَقْفِ وَالصَّدَقَةِ مَبْنِيَّةٌ عَنْهُ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ إِزَالَةُ الْمَلِكِ بِدُونِ التَّمْلِكِ كَالْعِتْقِ، وَلِهَذَا قَالَ فِي الْكِتَابِ فِي

بَيَانِ قَوْلِهِ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِمْ وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ ذِكْرُ التَّابِيدِ شَرْطٌ، لِأَنَّ هَذَا صَدَقَةٌ بِالْمَنْفَعَةِ أَوْ بِالْغَلَّةِ وَذَلِكَ قَدْ يَكُونُ مُوقَّتًا وَقَدْ يَكُونُ مُؤَبَّدًا فَمُطْلَقَةٌ لَا يَنْصَرِفُ إِلَى التَّابِيدِ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّنْصِصِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ حضرات طرفین رحمہ اللہ کے یہاں اسی صورت میں وقف تام ہوگا جب اس کے آخر میں یہ بتا دیا جائے کہ اس کا مصرف یہ ہوگا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسا مصرف متعین کیا گیا جو ختم ہو سکتا ہو تو بھی جائز ہے اور اس کے بعد وقف فقراء کے لیے ہوگا اگرچہ واقف ان کی تعیین نہ کرے۔ حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا موجب ملکیت کا زوال ہے چاہے واقف کی ملکیت ختم ہو یا نہ ہو اور زوال ملک میں تابید ہوتی ہے جیسے عتق میں تابید ہوتی ہے پھر اگر وقف کا مصرف ایسا ہو جس کا ختم ہونا موہوم ہو تو اس سے وقف کا مقصد کا حقہ پورا نہیں ہوگا لہذا توقیت اسے باطل کر دے گی جیسے بیع کی توقیت اسے باطل کر دیتی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا مقصد اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہے اور وقف سے یہ مقصد مکمل طور پر حاصل ہوتا ہے، کیونکہ کبھی تقرب ختم ہونے والے مصرف میں وقف کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور کبھی دائمی مصرف میں وقف کرنے سے تقرب حاصل ہوتا ہے لہذا دونوں صورتوں میں وقف صحیح ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ تابید بالاتفاق شرط ہے لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں تابید کو ذکر کرنا شرط نہیں ہے، کیونکہ لفظ وقف اور لفظ صدقہ تابید کی خبر دیتے ہیں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ وقف بدون تملیک ازالہ ملک ہے جیسے عتق، اسی لیے قدوری میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول بیان کرنے کے بعد امام قدوری نے وصار بعدها للفقراء وإن لم یسمہم کہا ہے یہی صحیح ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں تابید کا ذکر شرط ہے، اس لیے کہ یہ منفعت یا آمدنی کا صدقہ ہے اور یہ کبھی موقت ہوتا ہے اور کبھی مؤبد ہوتا ہے، لہذا مطلق وقف تابید کی طرف راجع نہیں ہوگا لہذا تابید کی صراحت کرنا ضروری ہے۔

## اللغات:

﴿جهة﴾ سمت، طرف۔ ﴿لم یسمہم﴾ ان کا ذکر نہ کیا ہو۔ ﴿لا یتوفر﴾ بھرپور طریقے سے نہیں ہوگا۔ ﴿یتابد﴾ ابدی ہوگا۔ ﴿توقیت﴾ وقت مقرر کرنا۔ ﴿تقرب﴾ قرب حاصل کرنا۔

## وقف کے تام ہونے کے لیے فقراء پر ہونے کی شرط:

مسئلہ یہ ہے کہ حضرات طرفین رحمہ اللہ کے یہاں وقف اسی صورت میں تام ہوگا جب اس کا مصرف دائمی اور ابدی ہو مثلاً فقراء و مساکین اور مساجد و مقابر کے لیے وقف کیا گیا ہو۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں وقف ہر حال میں صحیح ہے خواہ اس کا مصرف دائمی ہو یا وقتی ہو اور وقتی ہونے کی صورت میں وقت ختم ہونے کے بعد وہ فقراء کا ہو جائے گا۔ حضرات طرفین رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا موجب یہ ہے کہ شیء موقوف سے واقف کی ملکیت ختم ہو جائے خواہ وہ دوسرے کی ملکیت میں جائے یا ناسخ ہو جائے اور ملکیت کا

زوال دائمی اور ابدی ہوتا ہے لہذا وقف بھی دائمی اور ابدی ہوگا اور اگر غیر ابدی اور ختم ہونے والے مصرف میں وقف کیا جائے گا تو کما حقہ اس کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، اسی لیے ہم نے موقت یعنی دو چار دس برس کے لیے وقف کرنے کو باطل قرار دے دیا ہے جیسے کہ بیع میں توقیت باطل ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا مقصد قربت الہی اور تقرب خداوندی کا حصول ہے اور یہ مقصد موبد اور موقت دونوں میں حاصل ہوتا ہے اس لیے وقتی اور ابدی دونوں وقف صحیح ہے۔ بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ تابید تو سب کے یہاں شرط ہے لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں تابید کی صراحت اور وضاحت شرط نہیں ہے، کیونکہ جب وقف کا موجب از لہ ملک ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں خود بخود تابید ہوگی جیسے عتق میں بدون صراحت تابید پائی جاتی ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تابید کی وضاحت کو ضروری قرار دیتے ہیں، کیونکہ وقف میں منفعت اور آمدنی کا صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ موقت اور موبد دونوں طرح ہوتا ہے لہذا جب تک تابید کی صراحت نہیں کی جائے گی اس وقت تک تابید ثابت نہیں ہوگی۔

قَالَ وَيَجُوزُ وَقْفُ الْعَقَارِ لِأَنَّ جَمَاعَةً مِنَ الصَّحَابَةِ رَضَوْنَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَقْفُوهُ، وَلَا يَجُوزُ وَقْفُ مَا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ، قَالَ وَهَذَا عَلَى الْإِسْلَامِ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رحمہ اللہ إِذَا وَقَفَ ضَيْعَةً بِبَقَرِهَا وَأَكْرَهَئِهَا وَهُمْ عَبِيدُهُ جَازَ وَكَذَا سَائِرُ الْأَلِ الْحَرَائِثِ، لِأَنَّهُ تَبَعَ لِلْأَرْضِ فِي تَحْصِيلِ مَا هُوَ الْمَقْصُودُ، وَقَدْ يَثْبُتُ مِنَ الْحُكْمِ تَبَعًا مَا لَا يَثْبُتُ مَقْصُودًا كَالشَّرْبِ فِي الْبَيْعِ وَالْبِنَاءِ فِي الْوَقْفِ، وَمُحَمَّدٌ رحمہ اللہ مَعَهُ فِيهِ، لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَ إِفْرَادُ بَعْضِ الْمَنْقُولِ بِالْوَقْفِ عِنْدَهُ فَلِأَنَّ يَجُوزُ الْوَقْفُ فِيهِ تَبَعًا أَوْلَى.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ غیر منقول جائیداد کا وقف جائز ہے، کیونکہ حضرات صحابہ کی ایک جماعت نے عقار کو وقف کیا ہے اور منتقل ہونے والی چیزوں کا وقف جائز نہیں ہے، صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلقاً ناجائز ہونے کا قول امام اعظم رحمہ اللہ کا ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جو تنے والے نیل اور کاشت کار سمیت اپنا کھیت وقف کرے اور وہ کاشت کار واقف کے غلام ہوں تو جائز ہے اور دیگر کاشت کاری کے آلات کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ مقصود (غلہ) حاصل کرنے میں یہ زمین کے تابع ہیں اور کبھی کوئی چیز تابع ہو کر ثابت ہوتی ہے لیکن مقصود بن کر ثابت نہیں ہوتی جیسے زمین کی فروختگی میں اس کی مالی داخل ہو جاتی ہے اور زمین کے وقف میں عمارت داخل ہو جاتی ہے اور امام محمد رحمہ اللہ اس سلسلے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، کیونکہ جب امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں تنہا کچھ منقولات کا وقف جائز ہے تو غیر منقول کے تابع ہو کر بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

### اللغات:

﴿عقار﴾ غیر منقول املاک، زمین، جائیداد۔ ﴿یحول﴾ پھیرا جاتا ہو، تبدیل کیا جاتا ہو۔ ﴿ضیعة﴾ اراضی، جائیداد۔ ﴿بقر﴾ گائے، نیل۔ ﴿اکرء﴾ کاشت کار، کارندے۔ ﴿حرائث﴾ کاشت کاری۔

### منقولہ اموال کا وقف:

غیر منقولہ جائیداد کا وقف بالاتفاق جائز ہے، لیکن امام اعظم کے یہاں منقول کا وقف مطلقاً جائز نہیں خواہ مقصود بن کر ہو یا تابع بن کر، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے جو تنے والے بیلوں اور کاشت کاروں سمیت کوئی زمین وقف کی تو صحیح ہے اور کاشت کے آلات و اوزار کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ اصل مقصود یعنی غلہ کی آمدنی اور پیداوار زمین سے ہوتی ہے اور آلات وغیرہ تحصیل مقصود میں تابع ہیں لہذا اصل کے تابع قرار دے کر منقول کا وقف بھی صحیح ہوگا اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک چیز قصداً ثابت نہ ہو مگر جمعاً ثابت اور جائز ہو جیسے زمین سیراب کرنے والی نالی کو تنہا فروخت کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اصل یعنی زمین کے ساتھ اس کی فروخت درست ہے، اسی طرح صرف عمارت کو بدون زمین فروخت کرنا جائز نہیں ہے، مگر زمین کے تابع کر کے اس کے ساتھ فروخت کرنا درست ہے اسی طرح غیر منقول کے تابع کر کے منقول کو وقف کرنا بھی درست ہے امام محمد رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ کیونکہ جب تنہا منقول کے وقف میں انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو غیر منقول کے تابع کر کے منقول کو وقف کرنے میں بدرجہ اولیٰ کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رحمہ اللہ يَجُوزُ حَبْسُ الْكِرَاعِ وَالسَّلَاحِ، مَعْنَاهُ وَقْفُهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَبُو يُونُسَ رحمہ اللہ مَعَهُ فِيهِ عَلَى مَا قَالُوا وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجُوزَ لِمَا بَيْنَا مِنْ قَبْلُ، وَجَهُ الْإِسْتِحْسَانِ الْأَقَارُ الْمَشْهُورَةُ فِيهِ مِنْهَا قَوْلُهُ رحمہ اللہ ((وَأَمَّا خَالِدٌ فَقَدْ حَبَسَ أَذْرُعًا وَأَفْرَاسًا لَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى وَطَلْحَةُ رحمہ اللہ حَبَسَ دُرُوعَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَيُرْوَى وَأَكْرَاعَهُ))، وَالْكِرَاعُ الْخَيْلُ، وَيَدْخُلُ فِي حُكْمِ الْإِبِلِ، لِأَنَّ الْعَرَبَ يُجَاهِدُونَ عَلَيْهَا وَكَذَا السَّلَاحُ يُحْمَلُ عَلَيْهَا، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رحمہ اللہ أَنَّهُ يَجُوزُ وَقْفُ مَا فِيهِ تَعَامُلٌ مِنَ الْمَنْقُولَاتِ كَالْفَاسِ وَالْمَرْ وَالْقُدُومِ وَالْمُنْشَارِ وَالْجَنَازَةِ وَالْقُدُورِ وَالْمَرَاجِلِ وَالْمُصَاحِفِ وَعِنْدَ أَبِي يُونُسَ رحمہ اللہ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّ الْقِيَاسَ إِنَّمَا يُتْرَكُ بِالنَّصِّ، وَالنَّصُّ وَرَدَ فِي الْكِرَاعِ وَالسَّلَاحِ فَيَقْتَصِرُ عَلَيْهِ، وَمُحَمَّدٌ يَقُولُ الْقِيَاسُ قَدْ يُتْرَكُ بِالتَّعَامُلِ كَمَا فِي الْإِسْتِصْنَاعِ وَقَدْ وَجَدَ التَّعَامُلُ فِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ، وَعَنْ نَصِيرِ بْنِ يَحْيَى أَنَّهُ وَقَفَ كُتُبَهُ بِالْحَقَاقِ بِالْمُصَحِّفِ، وَهَذَا صَحِيحٌ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ يُمْسِكُ لِلدِّينِ تَعْلِيمًا وَتَعَلُّمًا وَقِرَاءَةً، وَأَكْثَرُ فَقَهَاءِ الْأُمُصَارِ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ رحمہ اللہ، وَمَا لَا تَعَامُلَ فِيهِ لَا يَجُوزُ عِنْدَنَا وَقْفُهُ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رحمہ اللہ كُلُّ مَا يُمْكِنُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ مَعَ بَقَاءِ أَصْلِهِ وَيَجُوزُ بَيْعُهُ وَقْفُهُ، لِأَنَّهُ يُمْكِنُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ فَاشْبَهَ الْعِقَارَ وَالْكِرَاعَ وَالسَّلَاحَ، وَلَنَا أَنَّ الْوَقْفَ فِيهِ لَا يَتَأَبَّدُ مِنْهُ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فَصَارَ كَالدَّرَاهِمِ وَالْدَّنَانِيرِ، بِخِلَافِ الْعِقَارِ، وَلَا مُعَارِضَ مِنْ حَيْثُ السَّمْعُ وَلَا مِنْ حَيْثُ التَّعَامُلُ فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْقِيَاسِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْعِقَارَ يَتَأَبَّدُ، وَالْجِهَادُ سَنَامُ الدِّينِ



فَكَانَ مَعْنَىٰ فِيهِمَا أَقْوَىٰ فَلَا يَكُونُ غَيْرُهُمَا فِي مَعْنَاهُمَا.

**ترجمہ:** امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گھوڑے اور ہتھیار کو اللہ کے راستے میں وقف کرنا جائز ہے اس سلسلے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ بھی ان کے ساتھ ہیں جیسا کہ حضرات مشائخ نے فرمایا ہے اور یہ امتحان ہے قیاس یہ ہے کہ ان کا وقف جائز نہ ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

امتحان کی دلیل وہ آثار ہیں جو اس کے جواز میں منقول ہیں اور مشہور ہیں انہی میں سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ خالد نے اپنی زر ہیں اور اپنے گھوڑے اللہ کے راستے میں وقف کر دیا اور طلحہ نے اپنی زر ہیں راو خدا میں وقف کر دی ہیں اور ایک روایت میں واکرا عہ مروی ہے اور کرا ع سے گھوڑے مراد ہیں اور اونٹ بھی خیل کے حکم میں داخل ہے اس لیے کہ عرب اونٹوں سے بھی جہاد کرتے ہیں اور ان پر سامان لاتے ہیں۔

امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جن منقولات کے لین دین کا رواج ہے ان میں وقف جائز ہے جیسے کلباڑی، پھاوڑا، بسولا، آری، تابوت اور اس کے کپڑے ہانڈیاں اور پتیل کی پتیلیاں اور کلام پاک۔ لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں جائز نہیں ہے، کیونکہ قیاس کو نص کی وجہ سے ترک کیا جاتا ہے اور نص صرف الکراع اور السلاح کے متعلق وارد ہے، لہذا اسی پر منحصر رہے گی۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کبھی تعامل کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا جاتا ہے جیسے استحصاء میں ہوتا ہے اور ان چیزوں کے وقف میں تعامل جاری ہے۔ نصیر بن یحییٰ سے مروی ہے کہ قرآن شریف پر قیاس کرتے ہوئے انہوں نے اپنی کتابیں وقف کر دی تھیں یہ صحیح ہے، اس لیے کہ مصحف اور کتب دیدہ تعلیم و تعلم اور پڑھنے کے لیے وقف کی جاتی ہیں اور شہروں کے اکثر فقہاء امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ اور جن منقولات کے لین دین کا تعامل نہیں ہے ہمارے یہاں ان کا وقف جائز نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس کی اصل باقی رکھ کر اس سے نفع اٹھانا ممکن ہو اور اس کی بیع جائز ہو تو اس کا وقف بھی جائز ہے اس لیے کہ اس سے نفع اٹھانا ممکن ہے تو یہ عقار، کرا ع اور سلاح کے مشابہ ہو گیا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کا وقف ابدی نہیں ہوتا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں تو یہ دراہم اور دنانیر کے مشابہ ہو گیا۔ برخلاف عقار کے۔

اور یہاں کوئی معارض نہیں ہے، نہ حدیث اور اثر کے اعتبار سے اور نہ ہی تعامل کے اعتبار سے، لہذا حکم اصل قیاس پر باقی رہا۔ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ عقار ہمیشہ باقی رہتی ہے اور جہاد دین کا اعلیٰ رکن ہے، لہذا کرا ع اور سلاح میں قرابت کے معنی اقویٰ ہوں گے اور ان کے علاوہ دوسری چیز ان کے معنی میں نہیں ہے۔

### اللغات:

﴿حبس﴾ روکنا، مراد: وقف کرنا۔ ﴿کرا ع﴾ جنگی سواریاں، اونٹ گھوڑے وغیرہ۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار۔ ﴿اذرع﴾ زر ہیں۔ ﴿افراس﴾ گھوڑے۔ ﴿دروع﴾ زر ہیں۔ ﴿فاس﴾ کلباڑا۔ ﴿مرو﴾ پھاوڑا۔ ﴿قدوم﴾ رندہ۔ ﴿منشار﴾ آرا۔ ﴿جنازة﴾ تابوت۔ ﴿قدور﴾ ہانڈیاں۔ ﴿مراجل﴾ پتلی۔ ﴿امصار﴾ واحد مصر: شہر۔ ﴿سنام﴾ چوٹی، عروج۔

### گھوڑے اور ہتھیار کو وقف کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ گھوڑے اور ہتھیار کو اللہ کے راستے میں وقف کرنا حضرات صاحبین رضی اللہ عنہم کے یہاں استحساناً جائز ہے، لیکن قیاساً جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کے وقف میں تابید معدوم ہوتی ہے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت خالد بن الولید اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے زرہیں اور گھوڑوں کا وقف ثابت ہے ولم ینکر علیہ النبی ﷺ اور آپ ﷺ کا انکار نہ کرنا ان میں جواز وقف کی بین دلیل ہے۔ اونٹ کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ اہل عرب اونٹوں سے بھی جہاد کرتے ہیں اور ان پر جہاد کا سامان لاتے ہیں۔

وعن محمد بن یحییٰ الخ مسئلہ یہ ہے کہ جن منقول چیزوں کے لین دین کا رواج جاری ہے جیسے کلباڑی اور پھاوڑا وغیرہ ہے ان کا وقف امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں جائز ہے، لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں جائز نہیں ہے، کیونکہ قیاس ان میں جواز وقف کا منکر ہے اور نص کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے اور چوں کہ کراہ اور سلاح ہی کے متعلق نص وارد ہوئی ہے لہذا انص انھی پر منحصر رہے گی اور ان کے علاوہ میں قیاس علی اصلہ باقی رہے گا۔ امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ تعامل کی وجہ سے سے بھی کبھی قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے جیسے آرڈر دے کر کوئی چیز بنوانے کا تعامل ہے تو اس میں وقف صحیح ہوگا اور ان چیزوں کا تعامل جاری ہے، لہذا ان میں وقف صحیح ہوگا، حضرت حسن بن زیاد کے شاگرد نصیر بن یحییٰ نے قرآن شریف کے وقف پر قیاس کرتے ہوئے اپنی دینی کتابوں کو بھی وقف کر دیا تھا اور مشائخ نے ان کے فعل کو سراہا تھا اور اسی پر فتویٰ دیا تھا، کیونکہ قرآن شریف کی طرح دینی کتابیں بھی پڑھنے پڑھانے کے لیے وقف کی جاتی ہیں اور قرآن کریم کا وقف جائز ہے لہذا دینی کتابوں کا وقف بھی جائز ہوگا اور جن چیزوں کے لین دین کا تعامل نہ ہو ان میں ہمارے یہاں وقف جائز نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس چیز کی اصل باقی رکھتے ہوئے اس سے انتفاع ممکن ہو اور اس کو فروخت کرنا جائز ہو تو اس کا وقف بھی جائز ہوگا جیسے کراہ اور سلاح وغیرہ کا وقف جائز ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ صحت وقف کے لیے تابید شرط ہے اور منقولات میں عموماً تابید نہیں ہوتی لہذا ان کا وقف بھی جائز نہیں ہوگا جیسے دراہم و دنانیر کا وقف صحیح نہیں ہے۔ اس کے برخلاف عقار میں تابید پائی جاتی ہے، لہذا منقولات کو عقار پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، نیز کراہ وغیرہ پر بھی دیگر منقولات کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ان میں خلاف قیاس نص سے وقف کا جواز ثابت ہے لہذا اس میں دوسری چیز کو قیاس نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ ماثبت علی خلاف القیاس فیغیرہ لایقاس علیہ۔ اور جن چیزوں میں وقف کا جواز تعامل سے ثابت ہے ان پر بھی ان چیزوں کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے جن میں تعامل معدوم ہے اور پھر ہتھیار اور گھوڑے سے جہاد کیا جاتا ہے اور جہاد دین کا اعلیٰ رکن ہے اس لیے کراہ وغیرہ میں جس درجہ قربت کا معنی ہوگا وہ معنی دوسری منقولات میں معدوم ہوگا لہذا کراہ اور سلاح کا وقف جائز ہے اور ان کے علاوہ دیگر منقولات کا (جن میں تعامل نہ ہو) وقف صحیح نہیں ہے۔

قَالَ وَإِذَا صَحَّ الْوَقْفُ لَمْ يَجْزُ بَيْعُهُ وَلَا تَمْلِكُكَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مُشَاعًا عِنْدَ أَبِي يُونُسَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ فَيَطْلُبُ الشَّرِيكَ الْقِسْمَةَ فَيَصِحُّ مَقَاسَمَتُهُ، أَمَّا امْتِنَاعُ التَّمْلِكِ فَلِمَا بَيَّنَّا، وَأَمَّا جَوَازُ الْقِسْمَةِ فَلِأَنَّهَا تَمَيِّزٌ وَإِفْرَازٌ، غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّ الْغَالِبَ فِي غَيْرِ الْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ مَعْنَى الْمُبَادَلَةِ إِلَّا أَنْ فِي الْوَقْفِ جَعَلْنَا الْغَالِبَ مَعْنَى الْإِفْرَازِ نَظَرًا

لِلْوَقْفِ فَلَمْ يَكُنْ بَيْعًا وَتَمْلِيكًا، ثُمَّ إِنَّ وَقْفَ نَصِيْبَةٍ مِنْ عَقَارٍ مُشْتَرَكٍ فَهُوَ الَّذِي يُقَاسِمُ شَرِيكَهٗ، لِأَنَّ الْوَلَايَةَ إِلَى الْوَاقِفِ وَبَعْدَ الْمَوْتِ إِلَى وَصِيِّهِ، وَإِنْ وَقَفَ بِنِصْفِ عَقَارٍ خَالِصٍ لَهُ فَالَّذِي يُقَاسِمُهُ الْقَاضِي أَوْ يَبِيعُ نَصِيْبَهُ الْبَاقِي مِنْ رَجُلٍ ثُمَّ يُقَاسِمُهُ الْمُشْتَرِي ثُمَّ يَشْتَرِي ذَلِكَ مِنْهُ، لِأَنَّ الْوَاحِدَ لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُقَاسِمًا وَمُقَاسَمًا، وَلَوْ كَانَ فِي الْقِسْمَةِ فَضْلٌ دَرَاهِمَ إِنْ أُعْطِيَ الْوَاقِفَ لَا يَجُوزُ لَامْتِنَاعِ بَيْعِ الْوَقْفِ، وَإِنْ أُعْطِيَ الْوَاقِفُ جَازًا وَيَكُونُ بِقَدْرِ الدَّرَاهِمِ شَرَاءً.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ جب وقف لازم ہو جائے تو اسے فروخت کرنا اور کسی کی ملکیت میں دینا جائز نہیں ہے الا یہ کہ وہ وقف مشاع ہو تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں شریک ثانی کے بٹوارے کے مطالبے پر اس کی تقسیم درست ہے، اس دلیل کی وجہ سے ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور جواز تقسیم کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم سے علاحدگی اور امتیاز ہو جاتا ہے زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ ملکيات و موزونات کے علاوہ میں مبادلہ کے معنی غالب ہوتے ہیں لیکن واقف پر شفقت کرتے ہوئے ہم نے وقف میں افراز کا معنی غالب کر دیا لہذا یہ بیع اور تملیک نہیں ہوگی۔ پھر اگر کسی شخص نے عمار مشترک سے اپنا حصہ وقف کر دیا تو واقف ہی اپنے شریک سے اپنا حصہ ممتاز کرا لے، کیونکہ وقف پر واقف ہی کی ولایت ہوتی ہے اور اس کی موت کے بعد اس کے ولی کو ولایت ملتی ہے۔

اگر کسی نے اپنی خالص زمین کا نصف حصہ وقف کیا تو قاضی اس سے بٹوارے کرے گا یا وہ اپنا باقی حصہ کسی سے فروخت کر دے پھر مشتری اس سے بٹوارہ کر لے اور اس کے بعد واقف مشتری سے خرید لے اس لیے کہ ایک ہی شخص کا مقاسم اور مقاسم ہونا جائز نہیں ہے۔ اور اگر تقسیم میں کچھ دراہم زائد ہو اگر مشتری واقف کو وہ دراہم دے تو جائز نہیں ہے، اس لیے کہ وقف کردہ چیز کو فروخت کرنا ممنوع ہے اور اگر واقف نے مشتری کو دیدیا تو جائز ہے اور دراہم کے بقدر شراء ہوگا۔

## اللغات:

﴿تملیک﴾ مالک بنانا۔ ﴿مشاع﴾ پھیلا ہوا۔ ﴿مقاسمہ﴾ تقسیم کرنا، بٹوارا۔ ﴿افراز﴾ علیحدہ کرنا۔ ﴿غایہ﴾ انتہاء۔ ﴿نصب﴾ حصہ۔ ﴿عقار﴾ زمین، جائیداد۔ ﴿فضل﴾ اضافی۔

## وقف مکمل ہو جانے کے بعد بیع وغیرہ کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وقف کے صحیح اور لازم ہونے کے بعد اسے فروخت کرنا یا کسی اور طرح سے اسے کسی کی ملکیت میں دینا جائز نہیں ہے، لیکن اگر مشاع اور مشترک چیز کا وقف ہو تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں غیر واقف کے مطالبہ پر اس کی تقسیم درست اور جائز ہے، کیونکہ وقف کردہ چیز میں اس کا بھی حق اور حصہ ہے اور تقسیم ہی سے اس کے حصے کو دینا ممکن ہے اس لیے وقف مشاع کی تقسیم جائز ہے، لیکن کسی دوسرے کو اس کا مالک بنانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ماقبل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صدقہ کرنے سے متعلق تصدیق باصلہا لایباع ولا یوہب الخ وارد ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وقف کرنے کے بعد اس کی تملیک ممنوع ہے۔

وقف کی تقسیم سے زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گی کہ اگر غیر ملکیتی اور غیر موزونی چیز کا وقف ہو تو اس کی تقسیم مبادلہ کے معنی میں

ہوگی اور مبادلہ بیع میں ہوتا ہے لہذا یہ تقسیم من وجہ بیع ہوگی حالانکہ وقف کی بیع درست نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ تقسیم مبادلہ کے معنی میں ہے لیکن وقف میں واقف پر رحم و کرم کے پیش نظر اس کے تصرف کو درست کرنے کے لیے ہم نے اس میں افراز اور علاحدہ کرنے کے معنی کو غالب قرار دیا ہے اور افراز میں تقسیم کے معنی نہیں ہیں لہذا یہ تقسیم بیع اور تملیک نہیں ہوگی اس لیے درست ہے۔

ثم إن وقف الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مشترک عقار (غیر منقولہ جائیداد) سے اپنا حصہ وقف کر دیا تو واقف ہی اپنے شریک سے اپنا حصہ تقسیم کرے گا، قاضی نہیں کرے گا، کیونکہ فی موقوف پر اسی واقف کو ولایت حاصل ہے اور واقف کے بعد اس کے وصی کو یہ ولایت ملے گی اور قاضی کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر کسی نے غیر مشترک عقار کا نصف حصہ وقف کیا تو اب اس نصف حصے کو واقف سے قاضی تقسیم کرے گا یا اس کی صورت یہ ہوگی کہ واقف اپنا باقی حصہ کسی آدمی سے فروخت کر دے پھر وہ آدمی اس سے تقسیم کر لے، کیونکہ اگر واقف پر تقسیم لازم کی گئی تو شخص واحد کا مقام اور مقام یعنی تقسیم کرنے والا اور تقسیم کرانے والا دونوں ہونا لازم آئے گا حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔

ولو كان في القسمة الخ فرماتے ہیں کہ اگر تقسیم اور بٹوارے میں کسی طرف دراہم بھی ہوں مثلاً دونوں شرکاء میں سے کسی کا حصہ عمدہ ہو اور دوسرے کے حصے میں کچھ کمی ہو اور اس کی طرف سے دراہم لگائے جائیں تو واقف کے لیے ان دراہم کا لینا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ واقف دراہم لے گا تو وہ اس کے مقابلے میں وقف کا کچھ حصہ دے گا حالانکہ وقف کی بیع ممنوع ہے لہذا واقف ان دراہم کو نہیں لے سکتا ہاں واقف ان دراہم کو مشتری کے حوالے کر دے اور پھر مشتری ان دراہم کے عوض کچھ عقار وقف کو دے دے اور واقف انھیں لے کر وقف کر دے تو یہ درست اور جائز ہے۔

قَالَ وَالْوَاجِبُ أَنْ يَتَدَيَّ مِنْ إِرْتِفَاعِ الْوَقْفِ بِعِمَارَتِهِ، شَرَطَ ذَلِكَ الْوَاقِفُ أَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ، لِأَنَّ قَصْدَ الْوَاقِفِ صَرْفُ الْعَلَّةِ مُؤَبَّدًا وَلَا يَبْقَى دَائِمَةً إِلَّا بِالْعِمَارَةِ لَيْسَتْ شَرَطُ الْعِمَارَةِ اقْتِضَاءً، وَلِأَنَّ الْخِرَاجَ بِالضَّمَانِ وَصَارَ كَنَفَقَةِ الْعَبْدِ الْمُؤَصَّى بِخِدْمَتِهِ فَإِنَّهَا عَلَى الْمُؤَصَّى لَهُ بِهَا، ثُمَّ إِنْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى الْفُقَرَاءِ وَلَا يَنْظَرُ لَهُمْ وَأَقْرَبُ أَمْوَالِهِمْ هَذِهِ الْعَلَّةُ فَيَجِبُ فِيهَا، وَلَوْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى رَجُلٍ بِعَيْنِهِ وَآخِرُهُ لِلْفُقَرَاءِ فَهُوَ فِي مَالِهِ أَيْ مَالِهِ شَاءَ فِي حَالِ حَيَاتِهِ، وَلَا يُؤْخَذُ مِنَ الْعَلَّةِ لِأَنَّهُ مُعَيَّنٌ يُمَكِّنُ مُطَابَقَتَهُ وَإِنَّمَا يَسْتَحِقُّ الْعِمَارَةَ عَلَيْهِ بِقَدْرِ مَا يَبْقَى الْمُؤَصَّوْفُ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي وَفَّقَهُ، وَإِنْ خَرَبَ يَبْنِي عَلَى ذَلِكَ الْوَصْفِ، لِأَنَّهَا بِصِفَتِهَا صَارَتْ غَلَّتْهَا مَضْرُوفَةٌ إِلَى الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ فَأَمَّا الزِّيَادَةُ عَلَى ذَلِكَ فَلَيْسَتْ بِمُسْتَحِقَّةٍ عَلَيْهِ، وَالْعَلَّةُ مُسْتَحِقَّةٌ لَهُ فَلَا يَجُوزُ صَرْفُهَا إِلَى شَيْءٍ آخَرَ إِلَّا بِرِضَا، وَلَوْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى الْفُقَرَاءِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ الْبَعْضِ، وَعِنْدَ الْآخَرِينَ يَجُوزُ ذَلِكَ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ، لِأَنَّ الصَّرْفَ إِلَى الْعِمَارَةِ إِبْقَاءُ الْوَقْفِ وَلَا ضَرُورَةَ فِي الزِّيَادَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ وقف کی آمدنی کو سب سے پہلے اس کی تعمیر میں صرف کیا جائے خواہ واقف نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ



لگائی ہو، کیوں کہ واقف کا مقصد یہ ہے کہ اس کی آمدنی ہمیشہ باقی رہے اور عمارت ہی سے آمدنی کما بقاء میں دوام ہوگا لہذا اقتضاء تعمیر کرنا شرط ہوگا۔ اور اس لیے بھی کہ نفع کے اعتبار سے خرچ واجب ہوتا ہے اور یہ ایسا ہو گیا جیسے خدمت کے لیے وصیت کردہ غلام کا نفقہ موسیٰ لہ بالخدمت پر واجب ہوتا ہے۔ پھر اگر وقف فقراء پر ہو اور ان پر قابو نہ پایا جاسکتا ہو اور ان کے اموال میں وقف کی آمدنی زیادہ سہل الحصول ہو تو اس میں تعمیر واجب ہوگی۔

اور اگر کسی معین شخص کے لیے وقف ہو لیکن بعد میں وہ فقراء کا ہونے والا ہو تو وقف کی تعمیر اسی شخص کے مال میں واجب ہوگی خواہ وہ جس مال سے چاہے اپنی زندگی میں تعمیر کرے اور صرف وقف کی آمدنی سے تعمیر کا صرفہ نہ لیا جائے، کیونکہ یہ وقف ایک معین شخص پر ہے اور اس سے تعمیر کا مطالبہ کرنا ممکن ہے اور وقف میں اسی قدر تعمیر ہوگی جس تعمیر سے وقف اسی حالت پر باقی رہے جس حالت پر واقف نے اسے وقف کیا تھا۔ اور اگر وہ خراب ہو جائے تو اسی پر طریقے پر اسے بنا دیا جائے اس لیے کہ اسی صفت کی ساتھ اس کی آمدنی موقوف علیہ پر خرچ کئے جانے کے لیے وقف کی گئی تھی لہذا اس سے زیادہ تعمیر موقوف علیہ پر واجب نہیں ہوگی اور موقوف علیہ ہی اس آمدنی کا مستحق ہے لہذا اس کی رضامندی کے بغیر اس آمدنی کو دوسرے کے حوالے کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر وقف فقراء پر ہو تو بعض مشائخ کے یہاں یہی حکم ہے اور دوسرے بعض مشائخ کے یہاں تعمیر کی زیادتی جائز ہے، لیکن قول اول اصح ہے، کیونکہ تعمیر میں آمدنی خرچ کرنا وقف کو باقی رکھنے کی ضرورت ہے اور زیادتی میں صرف کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

### اللغات:

﴿ارتفاع﴾ آمدن۔ ﴿عمارة﴾ تعمیر کرنا، بسانا، آباد کرنا۔ ﴿غلة﴾ آمدن۔ ﴿مؤبد﴾ ہمیشہ کے لیے۔ ﴿لا یظفر﴾ کامیاب نہ ہو۔ ﴿عرب﴾ کنڈر بن گیا۔ ﴿مبنی﴾ تعمیر کیا جائے گا۔ ﴿ابقاء﴾ باقی رکھنا۔

### وقف کی آمدنی خرچ کرنے میں ترجیحات کی ترتیب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وقف کی آمدنی سے سب سے پہلے اس کے تعمیراتی کام شروع کئے جائیں خواہ واقف نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو، کیونکہ واقف کا مقصد یہ ہے کہ اس کا وقف ہمیشہ برقرار رہے اور اس کی یہی صورت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب وقف کی آمدنی موقوف علیہ کو ملے گی تو ظاہر ہے کہ اس کی تعمیر کا خرچ بھی اسی پر ہوگا جو وقف کی آمدنی سے پورا کیا جائے گا۔ جیسے اگر کسی شخص کے لیے کسی غلام کے متعلق وصیت کی گئی کہ یہ فلاں کی خدمت کرے گا تو ظاہر ہے کہ اس غلام کا خرچہ بھی مخدوم صاحب پر واجب ہوگا اسی طرح یہاں بھی وقف کی تعمیر کا خرچہ موقوف علیہ پر واجب ہوگا۔

ثم إن كان الخ فرماتے ہیں کہ اگر فقراء پر وقف کیا گیا ہو اور ان سب کو جمع کر کے ان سے تعمیر کے لیے رقم لینا ممکن نہ ہو تو وقف کی آمدنی ہی سے تعمیر کرائی جائے گی ہاں اگر کسی معین شخص پر وقف ہو تو پھر وقف ہی کی آمدنی سے تعمیر ضروری نہیں ہے، بلکہ وہ شخص اپنے دوسرے مال سے بھی تعمیر کر سکتا ہے اور جب آمدنی ہوگی تو اس کا حساب کتاب کر لے گا، کیونکہ اس کا مال بھی اسی کا ہے اور آمدنی بھی خالص اسی کو ملے گی تو دونوں اسی کے مال ہوئے لہذا اسے اختیار ہے جس مال سے چاہے تعمیر کرائے۔ اور تعمیر میں بہت زیادہ خرچ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ جس تعمیر اور جس حالت میں واقف نے وقف کیا ہو اسی کے مطابق موقوف علیہ تعمیر کرائے

اور اسراف بے جا سے کلی اجتناب کرے۔

ولو كان الوقف على الفقراء الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر معین شخص پر وقف نہ ہو، بلکہ فقراء پر ہو تو بعض مشائخ کے یہاں حکم یہ ہے کہ اس صورت میں بھی بقدر ضرورت تعمیر ہوگی اور زیادہ تعمیر جائز نہیں ہوگی جب کہ بعض حضرات کے یہاں اس صورت میں زیادہ تعمیر کرنا درست اور جائز ہے، لیکن عدم جواز والا قول اصح ہے، کیونکہ تعمیر میں آمدنی خرچ کرنا وقف باقی رکھنے کی ضرورت کے لیے ہے اور ظاہر ہے کہ زیادہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لیے ضرورت سے زیادہ صرفہ درست نہیں ہے۔

قَالَ فَإِنْ وَقَفَ دَارًا عَلَى سُكْنَى وَلَدِهِ فَأَلْعِمَارَةُ عَلَى مَنْ لَهُ السُّكْنَى، لِأَنَّ الْخِرَاجَ بِالضَّمَانِ عَلَى مَا مَرَّ فَصَارَ كَنَفَقَةِ الْعَبْدِ الْمُوصَى بِخِدْمَتِهِ فَإِنْ امْتَنَعَ ذَلِكَ أَوْ كَانَ فَقِيرًا أَجَرَهَا الْحَاكِمُ وَعَمَّرَهَا بِأَجْرَتِهَا، وَإِذَا عَمَّرَهَا رَدَّهَا إِلَى مَنْ لَهُ السُّكْنَى، لِأَنَّ فِي ذَلِكَ رِعَايَةَ الْحَقِّينِ، حَقَّ الْوَاقِفِ وَحَقَّ صَاحِبِ السُّكْنَى، لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يُعَمِّرْهَا تَفَوَّتَ السُّكْنَى أَصْلًا، وَالْأَوَّلُ أَوْلَى وَلَا يُجْبَرُ الْمُتَمَتِّعُ عَلَى الْعِمَارَةِ لِمَا فِيهِ مِنْ إِتْلَافٍ مَالِهِ فَأُشْبِهَ امْتِنَاعَ صَاحِبِ الْبَذْرِ فِي الْمَزَارَعَةِ فَلَا يَكُونُ امْتِنَاعُهُ رِضًا مِنْهُ بِطُلَانِ حَقِّهِ، لِأَنَّهُ فِي حَيْزِ التَّرَدُّدِ، وَلَا يَصِحُّ إِجَارَةُ مَنْ لَهُ السُّكْنَى، لِأَنَّهُ غَيْرُ مَالِكٍ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنا گھر اپنی اولاد کی رہائش کے لیے وقف کیا تو اس گھر کی تعمیر اسی شخص پر لازم ہوگی جو اس میں رہے گا کیونکہ آمدنی ضمان کے مقابلے میں ہوتی ہے جیسا کہ گذر چکا ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے موصی بالخدمت غلام کا نفقہ۔ پھر اگر موقوف علیہ تعمیر سے رک جائے یا وہ فقیر ہو تو حاکم اسے اجرت پر دے کر اس کی اجرت سے تعمیر کرائے اور تعمیر کرانے کے بعد وہ دار من لہ السکنی کو واپس کر دے، کیونکہ ایسا کرنے میں واقف اور صاحب سکنی دونوں کے حق کی رعایت ہے، کیونکہ اگر حاکم اسے تعمیر نہیں کرائے گا تو رہائش بالکل فوت ہو جائے گی لہذا تعمیر کرانا بہتر ہے۔ اور انکار کرنے والے کو تعمیر پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ایسا کرنے میں اس کے مال کو برباد کرنا لازم آتا ہے تو یہ کاشت کاری کرنے میں صاحب بذر کے امتناع کے مشابہ ہو گیا، لہذا اس کا انکار کرنا اپنے حق کے بطلان پر رضامندی نہیں ہوگی، اس لیے کہ وہ ابھی شک کے دائرے میں ہے۔ اور من لہ السکنی کے لیے اجارہ پر دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہے۔

### اللغات:

﴿سکنی﴾ رہائش۔ ﴿عمارة﴾ تعمیر کرنا۔ ﴿اجرها﴾ اس کو کرائے پر دے دے۔ ﴿ردھا﴾ اس کو واپس کر دے۔ ﴿بذر﴾ بیج۔ ﴿حیز﴾ مقام۔ ﴿تردد﴾ شک، غیر یقینی کیفیت۔ ﴿اجارة﴾ کرائے پر دینا۔

**اپنی اولاد پر وقف کیے گئے گھر کی تعمیر کس کے ذمے ہوگی:**

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنا گھر اپنی اولاد کی رہائش کے لیے وقف کیا تو جو اس میں رہے گا اسی پر اس گھر کی تعمیر لازم

ہوگی، اس لیے کہ وہی اس سے نفع اندوز بھی ہوگا لہذا الخراج بالضمان پر عمل کرتے ہوئے اسی پر تعمیر لازم ہوگی۔ اور اگر وہ شخص تعمیر سے انکار کر دے یا فقیر ہو اور اس کے پاس تعمیر کا صرف نہ ہو تو قاضی اس گھر کو کرایے پر دے کر اس کے کرائے سے تعمیر کرائے گا اور تعمیر کر اگر من لہ السکنی کے حوالے کر دے گا، کیونکہ تعمیر نہ کرانے سے رہائش بالک فوت ہو جائے گی اور واقف کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، لہذا امتناع وغیرہ کی صورت میں حاکم کے لیے تعمیر کرانا ضروری ہے۔

وَلَا يُجْبَرُ الْمَمْتَنِعُ الْخِ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر من لہ السکنی تعمیر کرانے سے انکار کر دے تو اسے تعمیر پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ جبر کرنے میں اس کے مال کو برباد کرنا لازم آئے گا لہذا جس طرح صاحب بذر اگر کھیتی میں بیج ڈالنے سے انکار کر دے تو اس پر جبر نہیں کیا جاتا اسی طرح اس منکر پر بھی جبر نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کا انکار اپنے حق کے بطلان پر رضامندی کی دلیل بھی نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا انکار شک کے دائرے میں ہے ہو سکتا ہے وہ نفقہ نہ ہونے کی وجہ سے انکار کر رہا ہو اور ہو سکتا ہے قاضی کے تعمیر کرانے کی امید میں انکار کر رہا ہو لہذا شک کی وجہ سے اس کا حق باطل نہیں ہوگا۔ اور اگر من لہ السکنی وہ گھر کرایے پر دینا چاہے تو نہیں دے سکتا کیونکہ وہ اس گھر کا مالک نہیں ہے۔

قَالَ وَمَا انْهَدَمَ مِنْ بِنَاءِ الْوَقْفِ وَالَّتِي صَرَفَهُ الْحَاكِمُ فِي عِمَارَةِ الْوَقْفِ إِنْ اِحْتَاَجَ اِلَيْهِ وَإِنْ اسْتَفْنٰى عَنْهُ اَمْسَكَهُ حَتَّى يَحْتَاجَ اِلَى عِمَارَتِهِ فَيَصْرِفُهُ فِيهَا، لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْعِمَارَةِ لِيَقْبٰى عَلَى التَّابِيْدِ فَيَحْصُلُ مَقْصُوْدُ الْوَاقِفِ، فَإِنْ مَسَّتْ الْحَاجَةُ اِلَيْهِ فِي الْحَالِ صَرَفَهَا فِيهَا وَإِلَّا اَمْسَكَهَا حَتَّى لَا يَتَعَذَّرَ عَلَيْهِ ذَلِكَ أَوْ اِنْ الْحَاجَةُ فَيَبْطُلُ الْمَقْصُوْدُ، وَإِنْ تَعَذَّرَ اِعَادَةُ عَيْنِهِ اِلَى مَوْضِعِهِ بَيْعَ وَصَرَفَ ثَمَنَهُ اِلَى الْمَرْمَةِ صَرَفًا لِلْبَدَلِ اِلَى مَصْرِفِ الْمُبْدَلِ، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقْسِمَهُ يَعْنِي النَقْضَ بَيْنَ مُسْتَحَقِّي الْوَقْفِ، لِأَنَّهُ جُزْءٌ مِنَ الْعَيْنِ وَلَا حَقَّ لِلْمَوْقُوفِ عَلَيْهِمْ فِيهِ، وَإِنَّمَا حَقُّهُمْ فِي الْمَنَافِعِ، وَالْعَيْنُ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلَا يَصْرِفُ اِلَيْهِمْ غَيْرُ حَقِّهِمْ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر وقف کی عمارت منہدم ہوگئی اور اس کے اسباب کا کچھ حصہ ٹوٹ پھوٹ گیا ہو تو اگر اس کی ضرورت ہو تو حاکم وہ سامان وقف کی تعمیر میں لگا دے اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو حاکم اسے روک لے یہاں تک کہ اس کے تعمیر کی ضرورت ہو پھر تعمیر میں اسے صرف کر دے، کیونکہ دائمی طور پر وقف برقرار رہنے کے لیے عمارت ضروری ہے تاکہ واقف کا مقصود حاصل ہو جائے۔ پھر اگر اس کی فوری ضرورت ہو تو اسے تعمیر میں لگا دے ورنہ اسے روک رکھے تاکہ بوقت ضرورت اسے دشواری نہ ہو اور مقصود باطل ہو جائے۔ اور اگر بعینہ اسے اس کی جگہ لگانا ممکن ہو تو اسے فروخت کر کے اس کا ثمن مرمت میں لگا دیا جائے تاکہ مبدل کی جگہ بدل لگ جائے۔

اور نوٹ سامان کو مستحقین وقف میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ سامان عین وقف کا حصہ ہے اور اس میں موقوف علیہم کا کوئی حق نہیں ہے ان کا حق تو منافع میں ہے اور عین اللہ تعالیٰ کا حق ہے، لہذا انھیں دوسرے کا حق نہیں دیا جائے گا۔

## اللغات:

﴿انہدم﴾ گر گیا۔ ﴿بناء﴾ عمارت۔ ﴿صرفہ﴾ اس کو لگا دے، اس کو خرچ کر دے۔ ﴿امسک﴾ سنبال لے، روک کے رکھے۔ ﴿لا یتعذر﴾ ناممکن نہ ہو جائے۔ ﴿إعارة﴾ واپس کرنا۔ ﴿نقص﴾ توڑنا۔

## وقف کے ٹوٹے ہوئے سامان کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر وقف کی عمارت منہدم ہو جائے یا وقف کے ساز و سامان میں سے کوئی سامان ٹوٹ پھوٹ جائے اور تعمیر میں اس کی ضرورت ہو تو حاکم اور قاضی کو چاہئے کہ دوبارہ مرمت کراتے ہوئے اسے عمارت میں لگوا دے اور اگر ضرورت نہ ہو تو بحفاظت اسے رکھ لے تاکہ بعد میں ضرورت پڑنے پر اسے استعمال کر سکے، کیونکہ واقف کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے ایک نہ ایک دن عمارت کی ضرورت تو پڑے گی ہی اس لیے بہتر یہی ہے کہ اسے رکھ لیا جائے تاکہ بعد میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔

اور اگر بعینہ اس سامان کو اس کی جگہ لگانا اور فٹ کرنا ممکن نہ ہو تو اسے فروخت کر کے اسے ثمن مرمت میں لگا دیا جائے تاکہ مبدل کی جگہ بدل کو کام میں لگایا جاسکے۔ لیکن اسے کہیں نہ کہیں ضرور لگا دیا جائے اور موقوف علیہم میں تقسیم نہ کیا جائے، کیونکہ وہ سامان عین کا حصہ ہے اور عین اللہ کا حق ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے حق کو بندوں میں کس طرح تقسیم کیا جاسکتا ہے؟۔

قَالَ وَإِذَا جَعَلَ الْوَاقِفُ غَلَّةَ الْوَقْفِ لِنَفْسِهِ أَوْ جَعَلَ الْوِلَايَةَ إِلَيْهِ جَارَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رحمۃ اللہ علیہ، قَالَ ذَكَرَ فَضْلَيْنِ، شَرْطُ الْغَلَّةِ لِنَفْسِهِ، وَجَعْلُ الْوِلَايَةِ إِلَيْهِ، أَمَّا الْأَوَّلُ فَهُوَ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رحمۃ اللہ علیہ وَلَا يَجُوزُ عَلَى قِيَاسِ قَوْلِ مُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ وَهُوَ قَوْلُ هَلَالِ الرَّازِيِّ وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ رحمۃ اللہ علیہ، وَقِيلَ إِنَّ الْإِخْتِلَافَ بَيْنَهُمَا بِنَاءً عَلَى الْإِخْتِلَافِ فِي اشْتِرَاطِ الْقَبْضِ وَالْإِفْرَازِ، وَقِيلَ هِيَ مَسْأَلَةٌ مُبْتَدَأَةٌ، وَالْإِخْلَافُ فِيمَا إِذَا شَرَطَ الْبَعْضُ لِنَفْسِهِ فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَوْتِهِ لِلْفُقَرَاءِ وَفِيمَا إِذَا شَرَطَ الْكُلَّ لِنَفْسِهِ فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَوْتِهِ لِلْفُقَرَاءِ سَوَاءً، وَلَوْ وَقَفَ وَشَرَطَ الْبَعْضَ أَوِ الْكُلَّ لِأَمْهَاتٍ أَوْ لِأَدِهِ وَمُدَبِّرِيهِ مَا دَامُوا حَيًّا فَإِذَا مَاتُوا فَهُوَ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ فَقَدْ قِيلَ يَجُوزُ بِالِاتِّفَاقِ وَقَدْ قِيلَ هُوَ عَلَى الْإِخْلَافِ أَيْضًا وَهُوَ الصَّحِيحُ، لِأَنَّ اشْتِرَاطَهُ لَهُمْ فِي حَيَاتِهِ كَاشْتِرَاطِهِ لِنَفْسِهِ. وَجِهَ قَوْلِ مُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ أَنَّ الْوَقْفَ تَبَرُّعٌ عَلَى وَجْهِ التَّمْلِيكِ بِالطَّرِيقِ الَّذِي قَدَّمَ نَاهُ فَاشْتِرَاطُ الْبَعْضِ أَوِ الْكُلِّ لِنَفْسِهِ يَبْطُلُ، لِأَنَّ التَّمْلِيكَ مِنْ نَفْسِهِ لَا يَتَحَقَّقُ فَصَارَ كَالصَّدَقَةِ الْمُنْفَقَةِ وَشَرَطَ بَعْضُ بُقْعَةِ الْمَسْجِدِ لِنَفْسِهِ، وَلَا بِي يُوسُفَ رحمۃ اللہ علیہ مَا رَوَى أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَأْكُلُ مِنْ صَدَقَتِهِ، وَالْمُرَادُ مِنْهَا صَدَقَةُ الْمَوْقُوفَةِ وَلَا يَحِلُّ الْأَكْلُ مِنْهَا إِلَّا بِالشَّرْطِ قَدْ لَ عَلَى صِحَّتِهِ، وَلِأَنَّ الْوَقْفَ إِزَالَةُ الْمِلْكِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى عَلَى وَجْهِ الْقُرْبَةِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فَإِذَا شَرَطَ الْبَعْضَ أَوِ الْكُلَّ لِنَفْسِهِ فَقَدْ جَعَلَ مَا صَارَ مَمْلُوكًا لِلَّهِ تَعَالَى لِنَفْسِهِ لَا أَنْ



يَجْعَلُ مِلْكَ نَفْسِهِ لِنَفْسِهِ وَهَذَا جَائِزٌ كَمَا إِذَا بَنَى خَانًا أَوْ سِقَايَةً أَوْ جَعَلَ أَرْضَهُ مَقْبَرَةً وَشَرَطَ أَنْ يُنْزِلَهُ أَوْ يَشْرَبَ مِنْهُ أَوْ يُدْفَنَ فِيهِ، وَلَآنَ مَقْصُودُهُ الْقُرْبَةَ وَفِي التَّصَرُّفِ إِلَى نَفْسِهِ ذَلِكَ، قَالَ العلامة تَفَقَّهَ الرَّجُلُ عَلَى نَفْسِهِ صَدَقَةً، وَلَوْ شَرَطَ الْوَاقِفُ أَنْ يَسْتَدِلَّ بِهِ أَرْضًا أُخْرَى إِذَا شَاءَ ذَلِكَ فَهُوَ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رحمہ اللہ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رحمہ اللہ الْوَاقِفُ جَائِزٌ، وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ، وَلَوْ شَرَطَ الْخِيَارَ لِنَفْسِهِ فِي الْوَاقِفِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ جَازَ الْوَاقِفِ وَالشَّرْطُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رحمہ اللہ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رحمہ اللہ الْوَاقِفُ بَاطِلٌ، وَهَذَا بِنَاءً عَلَى مَا ذَكَرْنَا. وَأَمَّا فَضْلُ الْوِلَايَةِ فَقَدْ نَصَّ فِيهِ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ رحمہ اللہ وَهُوَ قَوْلُ هِلَالٍ أَيْضًا وَهُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ وَذَكَرَ هِلَالٌ فِي وَاقِفِهِ وَقَالَ أَقْوَامٌ إِنَّ شَرْطَ الْوَاقِفِ الْوِلَايَةَ لِنَفْسِهِ كَانَتْ لَهُ وَإِنْ لَمْ يَشْرُطْ لَمْ تَكُنْ لَهُ وَِلَايَةً، قَالَ مَسَالِحُنَا الْأَشْبَهُ أَنْ يَكُونَ هَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ رحمہ اللہ لِأَنَّ مِنْ أَصْلِهِ أَنَّ التَّسْلِيمَ إِلَى الْقِيمِ شَرْطٌ لِصِحَّةِ الْوَاقِفِ فَإِذَا سَلَّمَ لَمْ يَبْقَ لَهُ وَِلَايَةٌ فِيهِ، وَلَنَا أَنَّ الْمُتَوَلَّى إِنَّمَا يَسْتَفِيدُ الْوِلَايَةَ مِنْ جِهَتِهِ بِشَرْطِهِ فَيَسْتَحِيلُ أَنْ لَا يَكُونَ لَهُ الْوِلَايَةُ، وَغَيْرُهُ يَسْتَفِيدُ الْوِلَايَةَ مِنْهُ، وَلِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلَى هَذَا الْوَاقِفِ فَيَكُونُ أَوْلَى لِوِلَايَتِهِ، كَمَنْ اتَّخَذَ مَسْجِدًا يَكُونُ أَوْلَى بِعِمَارَتِهِ وَنَصَبَ الْمُؤَذِّنِ فِيهِ، وَكَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا كَانَ الْوِلَاءُ لَهُ، لِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلَيْهِ، وَلَوْ أَنَّ الْوَاقِفَ شَرَطَ وَِلَايَتَهُ لِنَفْسِهِ وَكَانَ الْوَاقِفُ غَيْرَ مَأْمُونٍ عَلَى الْوَاقِفِ فَلِلْقَاضِي أَنْ يَنْزِعَهَا مِنْ يَدِهِ نَظَرًا لِلْفُقَرَاءِ كَمَا لَهُ أَنْ يُخْرِجَ الْوَصِيَّ نَظَرًا لِلصِّغَارِ وَكَذَا إِذَا شَرَطَ أَنْ لَيْسَ لِسُلْطَانٍ وَلَا لِقَاضٍ أَنْ يُخْرِجَهَا مِنْ يَدِهِ وَيُوَلِّيَهَا غَيْرَهُ، لِأَنَّهُ شَرْطٌ مُخَالِفٌ لِحُكْمِ الشَّرْعِ قَبْطَلٌ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر واقف نے وقف کی آمدنی اپنے لیے مقرر کر لی یا وقف کی ولایت اپنے لیے مخصوص کر لی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں جائز ہے، صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام قدوری رحمہ اللہ نے دو مسئلے بیان کئے ہیں (۱) اپنے لیے پیداوار کی شرط لگانا اور (۲) ولایت کو اپنے لیے مخصوص کرنا۔ پہلی چیز تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں جائز ہے، لیکن امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے قیاس پر جائز نہیں ہے، یہی ہلال رازی کا قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان حضرات کے مابین جو اختلاف ہے یہ اس اختلاف پر مبنی ہے جو متولی کا قبضہ شرط ہونے اور افراز کرنے کے متعلق ان کا اختلاف ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نیا اور مستقل مسئلہ ہے۔ اور خواہ اپنی زندگی میں کچھ آمدنی اپنے لیے مخصوص کر کے اپنی موت کے بعد فقراء کے لیے وقف کر دے بہر دو صورت یہ مسئلہ حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے مابین مختلف فیہ ہے۔

اگر کسی نے وقف کر کے یہ شرط لگادی کہ کچھ یا پوری آمدنی اس کی امہات اولاد اور اس کے مدبرین کے لیے ہے جب تک وہ

لوگ زندہ رہیں اور ان کے مرنے کے بعد وہ فقراء و مساکین کے لیے وقف ہے تو ایک قول یہ ہے کہ بالاتفاق جائز ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بھی مختلف فیہ ہے اور یہی صحیح ہے، کیونکہ واقف کا اپنی زندگی میں امہات اولاد وغیرہ کے لیے شرط لگانا اپنی ذات کے لیے شرط لگانے کی طرح ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ وقف کرنا درحقیقت بیعت تقرب مالک بنانے کے طور پر احسان کرنا ہے لہذا بعض یا کل آمدنی کی اپنی ذات کے لیے شرط لگانا وقف کو باطل کر دے گا، کیونکہ اپنی ذات کو (اپنے ہی مال سے) مال بنانا متحقق نہیں ہوتا تو یہ صدقہ منفذہ کی طرح اور مسجد کے کچھ حصے کو اپنے لیے لینے کی شرط لگانے کی طرح ہو گیا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو یوں مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ اپنے صدقہ کے مال سے کھاتے تھے۔ اور اس سے وقف مراد ہے حالانکہ بدون شرط مال وقف سے کھانا حلال نہیں ہے، لہذا یہ حدیث شرط کے صحیح ہونے پر دلیل ہے۔ اور اس لیے کہ بیعت قربت اللہ کے لیے ملکیت زائل کرنے کا نام وقف ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اب اگر واقف کچھ آمدنی کی یا پوری آمدنی کی اپنے لیے شرط لگائے گا تو جو چیز اللہ کی مملوک ہو چکی تھی اسے اس نے اپنے لیے مخصوص کر لیا (اور اس نے اپنی ذاتی ملکیت کو اپنے لیے مخصوص نہیں کیا ہے) اور یہ جائز ہے جیسے اگر کسی نے سرائے خانہ یا سبیل بنایا یا اپنی زمین کو قبرستان بنادیا اور سرائے خانہ میں ٹھہرنے یا سبیل سے پانی پینے یا قبرستان میں دفن ہونے کی شرط لگا دیا تو جائز ہے۔ اور اس لیے کہ واقف کا مقصود قربت خداوندی ہے اور اپنی ذات میں صرف کرنے سے بھی یہ مقصود حاصل ہوگا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے انسان کا اپنی ذات پر خرچ کرنا صدقہ ہے۔

اور اگر واقف نے یہ شرط لگا دی کہ جب چاہے گا ارض موقوفہ کو دوسری زمین سے بدل دے گا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں یہ جائز ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں وقف جائز ہے شرط باطل ہے۔ اور اگر واقف نے وقف میں اپنے لیے تین دن کی شرط لگائی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں وقف اور شرط دونوں جائز ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں وقف باطل ہے۔ یہ اختلاف اسی اختلاف پر مبنی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور ولایت کی تفصیل یہ ہے کہ امام قدوری نے اس میں یہ صراحت کر دی ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں جائز ہے یہی ہلال رازی کا بھی قول ہے اور یہی ظاہر المذہب بھی ہے۔ ہلال رازی نے اپنی کتاب الوقف میں لکھا ہے کہ بعض مشائخ کا قول ہے اگر واقف نے اپنے لیے ولایت کی شرط لگائی تو ولایت اسی کی ہوگی اور اگر شرط نہ لگائی ہو تو اسے ولایت نہیں ملے گی۔ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ زیادہ بہتر یہ لگتا ہے کہ یہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہو، کیونکہ ان کی اصل یہ ہے کہ شیء موقوف کو منتظم کے حوالے کرنا (ان کے یہاں) صحت وقف کی شرط ہے اور جب واقف نے شیء موقوف متولی کے سپرد کر دیا تو اس میں اس کی ولایت ختم ہو گئی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ واقف ہی کی طرف سے متولی ولایت حاصل کرتا ہے اور یہ محال ہے کہ واقف کو ولایت نہ ہو اور دوسرا شخص اس سے ولایت حاصل کرے۔ اور اس لیے کہ واقف ہی اس وقف سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے لہذا وہی اس کی ولایت کا زیادہ مستحق ہوگا جیسے اگر کسی نے مسجد بنائی تو وہی شخص اس کی تعمیر کرنے اور اس میں موزن مقرر کرنے کا زیادہ حق دار ہوگا اور جیسے اگر کسی نے کوئی غلام آزاد کیا تو معق ہی کو ولاء ملے گی، کیونکہ معق ہی معق کا سب سے اقرب ہے۔

اور اگر واقف نے اپنے لیے ولایت کی شرط لگا دی اور وقف کے سلسلے میں وہ قابل اعتماد نہ ہو تو قاضی کو یہ حق ہے کہ فقراء پر

شفقت کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ولایت چھین لے جیسے قاضی کو یہ حق ہے کہ وہ بچوں پر شفقت کے پیش نظر وصی کو وصایت سے برطرف کر دے۔ ایسے ہی اگر واقف نے یہ شرط لگادی کہ بادشاہ اور قاضی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ وقف کو واقف کے قبضہ سے نکال کر دوسرے کو اس کا والی بنا دے، کیونکہ یہ شرط حکم شرع کے مخالف ہے لہذا شرط خود ہی باطل ہو جائے گی۔

### اللغات:

﴿غلة﴾ آمدن۔ ﴿ولایة﴾ متولی ہونا، دیکھ بھال کا ذمہ دار ہونا۔ ﴿افراز﴾ علیحدہ کرنا۔ ﴿ماداموا﴾ جب تک وہ رہیں۔ ﴿منفذه﴾ سپرد کر دیا گیا۔ ﴿خان﴾ سرائے، ڈاک بنگلہ۔ ﴿سقایہ﴾ سبیل، پانی پینے کی جگہ۔ ﴿عمارة﴾ تعمیر و آبادی۔ ﴿ینزعها﴾ اس کو لے لے۔

### وقف میں اپنے لیے شرط لگانا:

عبارت میں کئی مسئلے بیان کئے گئے ہیں (۱) مسئلہ یہ ہے کہ اگر واقف نے وقف کی آمدنی خود لینے کی شرط لگادی کہ وقف کی ولایت اسی کی ہوگی تو ان میں سے پہلی صورت یعنی آمدنی لینے کی شرط امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں جائز ہے، لیکن امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں جائز نہیں ہے یہی ہلال رازی اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کا یہ اختلاف درحقیقت اس اختلاف پر مبنی ہے کہ امام محمد کے یہاں موقوف کو متولی کے قبضے میں دینا اور اسے علاحدہ کرنا شرط ہے اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ مستقل اور نیا مسئلہ ہے اور خواہ واقف پوری آمدنی کی شرط لگائے یا کچھ آمدنی لینے کی شرط لگائے بہر صورت یہ صورت مختلف فیہ ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وقف میں درحقیقت تقرب اور ثواب کی نیت سے اپنی مملوکہ چیز کے منافع کا دوسرے کو مالک بنانا ہوتا ہے اب ظاہر ہے کہ بعض یا کل آمدنی لینے کی شرط لگانا اس تملیک کے منافی ہے اس لیے یہ شرط وقف کو باطل کر دے گی، کیونکہ اس میں اپنی مملوکہ چیز کا اپنی ذات کے لیے مالک بنانا لازم آتا ہے اور تملیک لنفسہ درست نہیں ہے، جیسے اگر کسی نے کسی فقیر کو کوئی چیز صدقہ کر کے اس کے سپرد کر دیا یا مسجد کے لیے زمین وقف کر کے اسے متولی اور منتظم کے حوالے کر دیا اب اگر وہ صدقہ مسلمہ یا وقف کردہ زمین میں سے اپنے لیے کچھ لینے کی شرط لگاتا ہے تو اس کا وقف باطل ہو جائے گا، اسی طرح صورت مسئلہ میں آمدنی کی شرط لگانے سے بھی وقف باطل ہو جاتا ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث پاک میں ہے کہ آپ ﷺ اپنے صدقہ سے کھاتے تھے اور صدقہ سے مراد وقف کردہ چیز ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ کھانے کی شرط لگائے بغیر مال موقوف سے کھانا حلال نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ واقف کے لیے وقف میں سے کچھ لینے کی شرط لگانا درست اور جائز ہے اور یہ شرط مبطل وقف نہیں ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ قربت کی نیت سے اللہ کے لیے ملکیت ختم کرنے کا نام وقف ہے۔ اب اگر واقف اس میں لینے کی شرط لگاتا ہے تو وہ اللہ کی مملوکہ چیز کو لینے کی شرط لگا رہا ہے نہ کہ اپنی مملوکہ چیز کو لے رہا ہے۔ اس لیے یہ شرط صحیح ہے کیوں کہ اللہ کی مملوکہ چیز لینا درست ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ٹھہرنے کے لیے سرائے خانہ یا پانی کی سبیل بنوائی یا اپنی زمین کو قبرستان بنوا دیا پھر خود سرائے خانہ میں ٹھہرنے یا سبیل سے پانی پینے یا اسی بنوائے ہوئے قبرستان میں دفن ہونے کی شرط لگادی

زیہ درست ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں وقف کردہ شئی سے کچھ منافع لینے کی شرط لگانا بھی جائز ہے۔  
تیسری دلیل یہ ہے کہ واقف کا مقصود قربت ہے اور اپنے نفس پر وقف کی آمدنی خرچ کرنے سے بھی یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے، کیونکہ حدیث پاک میں ہے نفقة الرجل علی نفسه صدقة۔

ولو شرط الخ فرماتے ہیں کہ اگر واقف نے یہ شرط لگادی کہ جب میں چاہوں گا ارض موقوفہ کے عوض دوسری زمین لے اس کا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں استحساناً یہ جائز ہے، لیکن امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں شرط جائز نہیں ہے، وقف جائز ہے، یہی قیاس ہے۔ اور اگر واقف نے وقف کرنے نہ کرنے کے متعلق اپنے لیے تین دنوں کی خیار شرط لگائی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں شرط اور وقف دونوں جائز ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں وقف باطل ہے اور یہ اختلاف درحقیقت اس اختلاف پر مبنی ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں واقف کے لیے وقف کی آمدنی اپنے لیے مخصوص کرنا جائز ہے، اسی لیے خیار شرط بھی جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں چوں کہ واقف کے لیے وقف کی آمدنی لینا درست نہیں ہے لہذا خیار شرط لگانا بھی جائز نہیں ہے۔

واقفا فصل الولاية الخ ابھی تک غلہ اور آمدنی لینے کی شرط لگانے کا بیان تھا اور اب یہاں سے ولایت لینے کے متعلق شرط لگانے کا بیان ہے۔ اس کے متعلق امام قدوری کی وضاحت یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور ہلال رازی کی کتاب الوقف میں یہ صراحت ہے کہ اگر واقف نے اپنے لیے ولایت لینے کی شرط لگادی تو اسی کو ولایت ملے گی اور بدون شرط نہیں ملے گی۔ حضرات مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ امام رازی رحمہ اللہ کی یہ ولایت امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے زیادہ مشابہ ہے، کیونکہ ان کے یہاں صحیح وقف کے لیے متولی کو سپرد کرنا شرط ہے اور جب واقف وقف کو متولی کے سپرد کر دے گا تو اس کی ولایت ختم ہو جائے گی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں تسلیم الی المتولی شرط نہیں ہے، اس لیے ان کے یہاں بدون شرط بھی ولایت اسی کی ہوگی، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص سے کوئی ولایت حاصل کرے اور وہ خود ولایت کا مالک نہ ہو، فقہ کا مشہور ضابطہ ہے من لا یملک شیئاً لا یملککۃ غیرہ یعنی جو شخص کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا وہ دوسرے کو اس چیز کا مالک بھی نہیں بنا سکتا۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ واقف ہی وقف سے سب سے زیادہ قریب اور اس کے متعلق سب سے بڑا واقف اور باخبر ہوتا ہے، لہذا وقف کی ولایت کا وہی سب سے زیادہ مستحق بھی ہوگا جیسے اگر کسی شخص نے مسجد بنوائی تو وہی اس کی تعمیر و ترقی اور موزن وغیرہ مقرر کرنے کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔

ولو ان الواقف الخ مسئلہ یہ ہے کہ واقف نے کوئی چیز وقف کر کے اپنے لیے ولایت کی شرط لگادی حالانکہ وہ قابل اعتماد نہیں ہے اور اس کی طرف سے وقف میں خرد برد کرنے کا اندیشہ ہے تو قاضی کو یہ حق ہے کہ اس سے ولایت چھین کر کسی امین کے حوالے کر دے جیسے اگر بچوں کے وصی کے متعلق ان کے مال میں خیانت کا اندیشہ ہو تو قاضی اسے بھی برطرف کر سکتا ہے۔

اگر واقف نے یہ شرط لگائی کہ بادشاہ یا قاضی کوئی بھی اسے ولایت سے برطرف نہیں کر سکتا تو بھی قاضی اسے باہر کا راستہ دکھلا دے گا، کیونکہ یہ شرط حکم شرع کے مخالف ہے، اس لیے کہ قاضی کی ولایت عام ہوتی ہے اور وہ مسلمانوں کے امور و معاملات کی اصلاح کے لیے مقرر کیا جاتا ہے اور یہاں واقف صاحب اپنے مفاد کی خاطر اس کی ولایت ساقط کرنے پر آمادہ ہیں لہذا شریعت اسے برداشت نہیں کرے گی۔ فقط واللہ اعلم۔



## فَصْلٌ

وَإِذَا بَنَى مَسْجِدًا لَمْ يَزَلْ مِلْكُهُ عَنْهُ حَتَّى يُفَرِّزَهُ عَنْ مِلْكِهِ بِطَرِيقِهِ وَيَأْذُنُ لِلنَّاسِ بِالصَّلَاةِ فِيهِ فَإِذَا صَلَّى فِيهِ وَاحِدٌ زَالَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ عَنْ مِلْكِهِ، أَمَّا الْإِفْرَازُ فَلِأَنَّهُ لَا يَخْلُصُ لِلَّهِ تَعَالَى إِلَّا بِهِ، وَأَمَّا الصَّلَاةُ فِيهِ فَلِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ التَّسْلِيمِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَيُشْتَرَطُ تَسْلِيمُ نَوْعِهِ وَذَلِكَ فِي الْمَسْجِدِ بِالصَّلَاةِ فِيهِ أَوْ لِأَنَّهُ لَمَّا تَعَدَّرَ الْقَبْضُ يَقَامُ تَحَقُّقُ الْمَقْصُودِ مَقَامَهُ ثُمَّ يَكْتَفِي بِصَلَاةِ الْوَاحِدِ فِيهِ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَكَذَا عَنْ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ، لِأَنَّ فِعْلَ الْجَنَسِ مُتَعَدِّرٌ فَيُشْتَرَطُ أَذْنَاهُ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ أَنَّهُ يُشْتَرَطُ الصَّلَاةُ بِالْجَمَاعَةِ، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ بُنِيَ لِذَلِكَ فِي الْغَالِبِ، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ يَزُولُ مِلْكُهُ بِقَوْلِهِ جَعَلْتُهُ مَسْجِدًا، لِأَنَّ التَّسْلِيمَ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ لِمِلْكِ الْعَبْدِ فَيَصِيرُ خَالِصًا لِلَّهِ تَعَالَى بِسُقُوطِ حَقِّ الْعَبْدِ وَصَارَ كَالْإِعْتَاقِ، وَقَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ.

**ترجمہ:** اگر کسی نے مسجد بنائی تو اس مسجد سے اس کی ملکیت اس وقت ختم ہوگی جب وہ مسجد کا راستہ نکال کر اسے اپنی ملکیت سے الگ کر دے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدے، اگر ایک آدمی نے اس میں نماز پڑھ لیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ مسجد اس کی ملکیت سے ختم ہو جائے گی۔ افراس اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر وہ خالص اللہ کے لیے نہیں ہو سکتی اور اس میں نماز پڑھنا اس لیے ضروری ہے کہ حضرات طرفین کے یہاں وقف کی صحت کے لیے اسے سپرد کرنا ضروری ہے اور وقف میں جس طرح سپرد کیا جاتا ہے اسی طرح کی تسلیم شرط ہے اور مسجد کی تسلیم اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے کر نماز پڑھواتا ہے۔ یا اسے یوں کہا جائے کہ جب مسجد پر حقیقی قبضہ معذور ہے تو اس کے مقصد کی برآوری قبضہ کے قائم مقام ہوگی۔

پھر حضرات طرفین رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں ایک ہی آدمی کا نماز پڑھنا تسلیم کے لیے کافی ہے، کیونکہ پوری جنس کا فعل معذور ہے لہذا جنس کا ادنیٰ شرط ہوگا۔ امام محمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ نماز باجماعت شرط ہے، کیونکہ مسجد عموماً نماز باجماعت ہی کے

لیے بنائی جاتی ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنانے والے کے جعلتہ مسجد کہنے سے ہی اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی اس لیے کہ ان کے یہاں تسلیم شرط نہیں ہے، کیونکہ وقف بندے کی ملکیت کا اسقاط ہے لہذا حق عبد کے سقوط ہی سے وہ خالص للہ ہو جائے گا جیسے اعتاق میں ہوتا ہے اور ہم پہلے بھی اسے بیان کر چکے ہیں۔

### اللغات:

﴿بنی﴾ تعمیر کی، بنائی۔ ﴿بفرزہ﴾ اس کو علیحدہ کر دے۔ ﴿طریق﴾ راستہ۔ ﴿باذن﴾ اجازت دے دے۔ ﴿لا یخلص﴾ خالص نہیں ہوگی۔ ﴿تسلیم﴾ سپرد کرنا۔ ﴿اعتاق﴾ آزاد کرنا۔

### مسجد کا وقف کب ملکیت سے نکلے گا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مسجد بنائی تو جب تک وہ مسجد کا راستہ نکال کر اسے اپنی ملکیت سے جدا نہیں کرے گا اور اس میں نماز پڑھنے کی عام اجازت نہیں دے گا اس وقت تک حضرات طرفین کے یہاں وہ مسجد اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوگی، کیونکہ اسے خالص اللہ کے لیے بنانے میں افراز ضروری ہے اور اسے سپرد کرنے کا راستہ نماز ہے لہذا یہ دونوں چیزیں زوال ملک کے لیے ضروری ہوں گی۔

پھر حضرات طرفین رحمہم اللہ کے یہاں ایک روایت یہ ہے کہ اگر ایک آدمی بھی اس مسجد میں نماز پڑھ لے گا تو وہ مسجد بانی کی ملکیت سے خارج ہو جائے گی، کیونکہ ہر ہر فرد مسلم کا اس میں نماز پڑھنا حذر ہے اس لیے جنس کے ادنیٰ یعنی فرد واحد کے نماز پڑھنے سے تسلیم متحقق ہو جائے گی۔

امام محمد رحمہ اللہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ تسلیم کے لیے باجماعت نماز پڑھنا شرط ہے، کیونکہ عموماً مسجدوں میں باجماعت نماز ہوتی ہے اور مساجد اسی لیے تعمیر بھی کی جاتی ہیں لہذا تنہا ایک آدمی کے نماز پڑھنے سے تسلیم متحقق نہیں ہوگی۔

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں صحت وقف کے لیے چوں کہ تسلیم شرط نہیں ہے، اس لیے اگر بانی جعلتہ مسجد کہہ دے تو وہ مسجد اس کی ملکیت سے نکل کر اللہ کے لیے مختص ہو جائے گی جیسے اعتاق میں محض اعتقت کہنے سے اعتاق متحقق ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ اسقاط ملک عبد ہے اور اسقاط کے لیے تسلیم وغیرہ شرط نہیں ہے۔

قَالَ وَمَنْ جَعَلَ مَسْجِدًا تَحْتَهُ سِرْدَابٌ أَوْ فَوْقَهُ بَيْتٌ وَجَعَلَ بَابَ الْمَسْجِدِ إِلَى الطَّرِيقِ وَعَزَلَهُ عَنْ مِلْكِهِ فَلَهُ أَنْ يَبِيعَهُ، وَإِنْ مَاتَ يُوْرَثُ عَنْهُ لِأَنَّهُ لَمْ يَخْلُصْ لِلَّهِ تَعَالَى لِبَقَاءِ حَقِّ الْعَبْدِ مُتَعَلِّقًا بِهِ، وَلَوْ كَانَ السِّرْدَابُ لِمَصَالِحِ الْمَسْجِدِ جَازًا كَمَا فِي مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدَسِ، وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ إِذَا جَعَلَ السِّفْلَ مَسْجِدًا وَعَلَى ظَهْرِهِ مَسْكَنٌ فَهُوَ مَسْجِدٌ، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مِمَّا يَتَأَبَّدُ وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ فِي السِّفْلِ دُونَ الْعُلُوِّ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى عَكْسِ هَذَا، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مُعْظَمٌ وَإِذَا كَانَ فَوْقَهُ مَسْكَنٌ أَوْ مُسْتَعْلٌ يَتَعَدَّرُ تَعْظِيمُهُ، وَعَنْ أَبِي

يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ جَوَّزَ فِي الْوُجْهِينِ حِينَ قَدِمَ بَغْدَادَ وَرَأَى ضَيْقَ الْمَنَازِلِ فَكَأَنَّهُ اعْتَبَرَ الضَّرُورَةَ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ حِينَ دَخَلَ الرَّيَّ أَجَازَ ذَلِكَ كُلَّهُ لِمَا قُلْنَا، قَالَ وَكَذَلِكَ إِنْ اتَّخَذَ وَسَطَ دَارِهِ مَسْجِدًا وَأَذِنَ لِلنَّاسِ بِالْدُّخُولِ فِيهِ يَعْنِي لَهُ أَنْ يَبِيعَهُ وَيُورِثَ عَنْهُ، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مَا لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ فِيهِ حَقُّ الْمَنْعِ، وَإِذَا كَانَ مِلْكُهُ مُحِيطًا بِجَوَانِبِهِ كَانَ لَهُ حَقُّ الْمَنْعِ فَلَمْ يَصِرْ مَسْجِدًا، لِأَنَّهُ أَبْقَى الطَّرِيقَ لِنَفْسِهِ فَلَمْ يَخْلُصْ لِلَّهِ تَعَالَى، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَبَاعُ وَلَا يُورِثُ وَلَا يُوهَبُ اعْتَبَرَهُ مَسْجِدًا وَهَكَذَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَصِيرُ مَسْجِدًا، لِأَنَّهُ لِمَا رَضِيَ بِكَوْنِهِ مَسْجِدًا وَلَا يَصِيرُ مَسْجِدًا إِلَّا بِالطَّرِيقِ دَخَلَ فِيهِ الطَّرِيقُ وَصَارَ مُسْتَحَقًّا كَمَا يَدْخُلُ فِي الْإِجَارَةِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے ایسی جگہ مسجد بنائی جس کے نیچے تہہ خانہ ہو یا اور اوپر بالا خانہ ہو اور مسجد کا دروازہ بڑے راستے کی طرف نکالا اور اسے اپنی ملکیت سے الگ کر دیا تو (وہ مسجد نہیں ہوگی) اسے اس کے فروخت کرنے کا حق ہوگا اور اگر مر جائے تو اس کی طرف سے وہ میراث بن جائے گی، کیونکہ یہ جگہ خالص اللہ کے لیے نہیں ہوئی اس لیے اس سے بندے کا حق وابستہ ہے، اور اگر تہہ خانہ مصالح مسجد کے لیے ہو تو وقف جائز ہے جیسے بیت المقدس کی مسجد میں۔

حسن بن زیاد رحمہ اللہ نے امام اعظم رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کسی نے نیچے والے حصے کو مسجد بنا دیا اور مسجد کے اوپر رہائشی مکان ہو تو وہ مسجد ہے، کیونکہ مسجد ہمیشہ کے لیے مسجد رہتی ہے اور یہ بات نیچے والے حصے میں پائی جاتی ہے، اوپر والے میں نہیں پائی جاتی۔ امام محمد رحمہ اللہ سے اس کے برعکس مروی ہے، کیونکہ مسجد قابل تعظیم ہے اور جب اس کے اوپر رہائشی مکان ہوگا یا کرایہ لینے جیسی کوئی چیز ہوگی تو اس کی تعظیم معذور ہوگی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے دونوں صورتوں میں جائز قرار دیا ہے، اس لیے کہ جب وہ بغداد گئے اور وہاں مکانات کی تنگی دیکھی تو ضرورت کا اعتبار کر کے جائز قرار دیا۔

امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب وہ شہر رے گئے تو ضرورت کی وجہ سے ان سب کو جائز قرار دیدیا، فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنے گھر کے بیچ میں مسجد بنائی اور لوگوں کو اس میں آنے کی اجازت دیدی تو بھی یہی حکم ہے یعنی اسے وہ جگہ فروخت کرنے کا حق ہے اور اس کی موت کے بعد وہ ورثاء کی ہو جائے گی، کیونکہ مسجد وہ جگہ کہلاتی ہے جس میں کسی کو حق منع حاصل نہ ہو حالانکہ جب اس مسجد کے چاروں طرف مالک کی ملکیت باقی ہے تو اسے حق منع حاصل ہے اس لیے وہ مسجد نہیں ہوئی، کیونکہ مالک نے راستے اپنے لیے باقی رکھ لیا اور وہ مسجد خالص اللہ کے لیے نہیں ہوئی۔ امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نہ تو اسے فروخت کیا جاسکتا ہے، نہ وراثت میں دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے ہبہ کیا جاسکتا ہے گویا انھوں اسے مسجد مان لیا ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے کہ وہ مسجد ہو جائے گی، کیونکہ جب واقف اس کے مسجد ہونے پر راضی ہو گیا ہے تو راستہ بھی اس میں داخل ہو جائے گا، کیونکہ راستہ کے بغیر وہ مسجد نہیں ہوگی اور وہ راستہ مسجد کا ہو جائے گا جیسے کرایہ پر دینے سے وضاحت کے بغیر بھی راستہ اس میں داخل ہو جاتا ہے۔

## اللغات:

﴿سرداب﴾ تہ خانہ۔ ﴿عزلہ﴾ اس کو علیحدہ کر دیا۔ ﴿سفل﴾ نچلی منزل۔ ﴿مسکن﴾ رہائش گاہ۔ ﴿مستقل﴾ آمدنی کا ذریعہ۔ ﴿لم یصر﴾ نہیں ہوئی۔

## مسجد کی عمارت میں تہ خانہ یا بالا خانہ بنانے کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ایسی جگہ مسجد بنائی جس کے نیچے تہ خانہ ہو یا اس کے اوپر کوئی مکان ہو اور مسجد کا دروازہ بڑے راستے کی طرف نکالا تو شرعاً اور ظاہراً وہ مسجد نہیں ہوگی اور بنانے والے کو اسے فروخت کرنے کا حق ہوگا اسی طرح اگر وہ مرجائے تو اس کے ورثاء اس میں مستحق میراث ہوں گے، کیونکہ اس سے مالک کا حق وابستہ ہے اور وہ جگہ خالص اللہ کے لیے متعین نہیں ہو سکی ہے۔ ہاں اگر وہ تہ خانہ یا بالا خانہ مسجد کی مصالح اور ضروریات کے لیے بنایا گیا ہو تو وہ مسجد ہوگی جیسے بیت المقدس کی مسجد کا تہ خانہ وقف ہے اور کسی کا مملوک نہیں ہے۔

حسن بن زیاد نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہوئے ان کا ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے مکان کے نچلے حصے اور گراؤنڈ فلور کو مسجد بنادیا اور اس کے اوپر والے حصوں پر رہائشی مکانات اور فلیٹ ہوں تو وہ نچلا حصہ مسجد کا ہوگا کیونکہ مسجد کے لیے تابید ضروری ہے اور نچلے حصے میں تابید اور دوام متحقق ہے اس کے برخلاف اگر بالائی حصے کو مسجد بنا کر نیچے حصوں میں رہائشی مکانات بنائے گئے تو وہ مسجد شرعی مسجد نہیں ہوگی۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے برخلاف مروی ہے یعنی ان کے یہاں بالائی حصے کو مسجد بنانا صحیح ہے اور نچلے حصے کو مسجد بنانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ مسجد محترم اور معظم ہوتی ہے اور اس کے اوپر رہائشی مکانات ہونے سے اس کی تعظیم فوت ہو جائے گی اس لیے نچلے حصے کو مسجد بنانا درست نہیں ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مروی ہے کہ جب وہ شہر بغداد تشریف لے گئے اور وہاں مکانات کی تنگی کا مشاہدہ کیا تو دونوں صورتوں کی مسجد کو شرعی مسجد قرار دیدیا یعنی خواہ اس کے نیچے تہ خانہ ہو یا اوپر بالا خانہ ہو بہر صورت وہ مسجد شرعی مسجد ہوگی ورنہ لوگوں کو باجماعت نماز پڑھنے کے لیے جگہ نہیں ملے گی اور جب امام محمد علیہ الرحمہ شہر رے میں گئے تو برہنائے ضرورت انھوں نے بھی دونوں صورتوں میں بنائی گئی مسجد کو شرعی مسجد کا حکم دیدیا اور آج کل بمبئی اور اس طرح کے بڑے اور مہنگی زمینوں والے شہروں اور علاقوں میں اس طرح کی مساجد کثرت سے آباد ہیں اور ان میں بیچ وقتہ نمازیں ہوتی ہیں۔

قال و كذلك الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے دار اور حویلی کے بیچ و بیچ کوئی مسجد بنوائی اور اس میں نماز پڑھنے کی عام اجازت دیدی، لیکن اسے اپنی ملکیت سے علاحدہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی بڑے راستے کی طرف اس کا دروازہ نکالا تو وہ بھی شرعی مسجد نہیں کہلائے گی اور بنوانے والے کو اسے فروخت کرنے اور ہبہ کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ مسجد وہ جگہ کہلاتی ہے جس میں کسی کو حق منع حاصل نہ ہو حالانکہ صورت مسئلہ میں حویلی کے بیچ و بیچ مسجد ہونے کی وجہ سے چاروں طرف سے وہ مالک کی ملکیت میں گھری ہے اور اسے حق منع حاصل ہے جب چاہے اپنی حویلی کا گیٹ بند کر کے اذن عام کو ختم کر سکتا ہے اس لیے یہ مسجد خالص اللہ کے لیے نہیں ہوگی اور اس کی بیع و تملیک درست ہوگی۔



اس سلسلے میں حضرات صاحبین رحمہم سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ جگہ مسجد ہو جائے گی کیونکہ واقف نے اسے بنا کر جب مسجد کا نام دیدیا اور عام لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت مل گئی تو ظاہر ہے کہ اب وہ اس کی ملکیت سے خارج ہوگئی۔ رہا مسئلہ راستے کا تو راستہ بغیر وضاحت اور صراحت کے اس کو مل جائے گا کیونکہ بدون راستہ مسجد مسجد ہی نہیں کہلائے گی اور جو شخص مسجد کے لیے لمبی چوڑی جگہ دے سکتا ہے وہ معمولی سی جگہ دینے میں کنجوسی نہیں کرے گا اور جیسے کرایہ پر مکان دینے کی صورت میں راستہ دینے کی وضاحت کے بغیر اس میں راستہ داخل ہو جاتا ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی مسجد بنوانے میں اس کا راستہ بھی بن جائے گا۔

قَالَ وَمَنِ اتَّخَذَ أَرْضَهُ مَسْجِدًا لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِيهِ وَلَا يَبِيعَهُ وَلَا يُوْرَثُ عَنْهُ، لِأَنَّهُ يُحْرَزُ عَنْ حَقِّ الْعِبَادَةِ وَصَارَ خَالِصًا لِلَّهِ تَعَالَى، وَهَذَا لِأَنَّ الْأَشْيَاءَ كُلَّهَا لِلَّهِ تَعَالَى، وَإِذَا سَقَطَ الْعَبْدُ مَا ثَبَتَ مِنَ الْحَقِّ رَجَعَ إِلَى أَصْلِهِ فَانْقَطَعَ تَصَرُّفُهُ عَنْهُ كَمَا فِي الْإِعْتِقَادِ، وَلَوْ خَرِبَ مَا حَوْلَ الْمَسْجِدِ وَاسْتَفْنَى عَنْهُ يَتَّقَى الْمَسْجِدَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ مِنْهُ فَلَا يَعُودُ إِلَى مِلْكِهِ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ عَلَيْهِ عَادَ إِلَى مِلْكِ الْبَانِي أَوْ إِلَى وَارِثِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ، لِأَنَّهُ عَيْنُهُ لِنَوْعِ قُرْبَةٍ وَقَدْ انْقَطَعَتْ فَصَارَ كَحَصِيرِ الْمَسْجِدِ أَوْ حَشِيشِهِ إِذَا اسْتَفْنَى عَنْهُ إِلَّا أَنَّ أَبَا يُوسُفَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ يَقُولُ فِي الْحَصِيرِ وَالْحَشِيشِ أَنَّهُ يُنْقَلُ إِلَى مَسْجِدٍ آخَرَ.

**ترجمہ:** اگر کسی شخص نے اپنی زمین میں مسجد بنائی تو اسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ جگہ واپس لے لے یا اسے فروخت کر دے اور وہ جگہ اس کی طرف سے میراث نہیں ہوگی، اس لیے کہ وہ جگہ حق العباد سے نکل کر اللہ کے لیے خالص ہو چکی ہے، یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ تمام چیزیں اللہ کی ہیں اور جب بندے نے وہ حق ساقط کر دیا جو اسے ملا تھا تو وہ حق اپنی اصلیت کی طرف عود کر آئے گا اور اس سے بندے کا تصرف منقطع ہو جائے گا جیسے اعتاق میں ہوتا ہے۔

اور اگر مسجد کے آس پاس کی جگہ ویران ہو جائے اور وہاں کی ضرورت ختم ہوگئی ہو تو بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں وہ مسجد رہے گی، کیونکہ وہ جگہ بندے کی طرف سے اسقاط ہے لہذا اس کی ملکیت میں دوبارہ نہیں جائے گی۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں بانی کی یا اس کی موت کے بعد اس کے وارث کی ملکیت میں عود کر جائے گی، اس لیے کہ بانی نے ایک طرح کی عبادت کے لیے اسے متعین کیا تھا اور اب وہ عبادت ختم ہوگئی ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے مسجد کی چٹائی اور گھاس جب ان کی ضرورت ختم ہوگئی ہو، لیکن چٹائی اور گھاس کے بارے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھیں دوسری مسجد میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔

### اللغات:

﴿بحرز﴾ محفوظ کر لی جائے گی، نکالی جائے گی۔ ﴿اعتاق﴾ آزاد کرنا۔ ﴿خوب﴾ اجڑ گیا، کھنڈر بن گیا۔ ﴿استفنی﴾ عنہ اس کی ضرورت نہ رہی۔ ﴿عینہ﴾ اس کو متعین کیا ہے۔ ﴿حصیر﴾ چٹائی، صف۔ ﴿حشیش﴾ گھاس۔

### مسجد بنانے کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی زمین میں مسجد بنوا کر اسے اللہ کے لیے فروخت کر دیا تو بانی اور واقف کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ جگہ واپس لے لے یا اسے فروخت کر دے یا میراث میں دیدے، کیونکہ مسجد بنانے سے وہ جگہ اللہ کے لیے خالص ہو گئی ہے اور چوں کہ دنیا و مافیہا کی ہر ہر شئی اللہ کی مملوک ہے، لیکن بندوں کی ضرورت کے پیش نظر ان کے لیے ملکیت اور استعمال کی اباحت ثابت کی گئی ہے، اب اگر کوئی بندہ کسی چیز سے مستغنی ہو کر اسے اللہ کے نام پر وقف کر دیتا ہے تو وہ چیز اپنے اصلی اور حقیقی مالک کی ملکیت منتقل ہو جائے گی اور دوبارہ بندے کی ملکیت میں عود نہیں کرے گی جیسے ایک غلام آزاد ہونے کے بعد اپنی اصل یعنی حریت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور دوبارہ معنق کی ملکیت میں عود نہیں کرتا یہی حال مسجد کا بھی ہے کہ وہ بھی دوبارہ بانی کی ملکیت میں عود نہیں کرتی۔

ولو خرب الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی مسجد کے ارد گرد کا علاقہ ویران ہو جائے مثلاً مسجد کسی گاؤں یا کھیت میں ہو اور وہ کھیتی اور جنگل میں تبدیل ہو جائے اور لوگوں کے لیے اس میں نماز پڑھنا ممکن نہ رہے تو بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں وہ جگہ مسجد کے حکم میں ہوگی اور بانی کا اس پر کوئی داؤ نہیں چلے گا، کیونکہ وہ جگہ بانی کی ملکیت سے نکل کر اللہ کے لیے خالص ہو چکی اور اب اس میں رجوع نہیں ہو سکتا۔

امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں اس صورت حال میں وہ جگہ بانی یا اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی، اس لیے کہ بانی نے اسے ایک خاص مقصد یعنی ادائیگی صلاۃ کے لیے بنایا اور وقف کیا تھا اور اس کے ویران ہو جانے سے یہ مقصد فوت ہو چکا ہے لہذا اب وہ پھر سے بانی کی ملکیت میں عود کر جائے گی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے مسجد میں چٹائی دی یا مسجد کی جگہ میں گھاس اُگی اور مسجد کو اس کی ضرورت نہ ہو تو عام لوگوں کے لیے اس کا استعمال مباح ہے، اسی طرح جب مسجد مسجد نہیں رہ گئی تو بانی کے لیے اس جگہ کو اپنے کام میں لانا مباح ہوگا۔ لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے خلاف یہ استشہاد درست نہیں ہے، کیونکہ حصر اور حشیش کی صورت میں بھی ان کے یہاں اباحت نہیں ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ انہیں کسی دوسری مسجد میں (جہاں کی ضرورت ہو) منتقل کیا جائے گا یہی محقق اور مفتی بہ ہے۔

قَالَ وَمَنْ بَنَى سِقَايَةً لِلْمُسْلِمِينَ أَوْ خَانًا يَسْكُنُهُ بَنُو السَّبِيلِ أَوْ رِبَاطًا أَوْ جَعَلَ أَرْضَهُ مَقْبَرَةً لَمْ يَزَلْ مِلْكُهُ عَنْ ذَلِكَ حَتَّى يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ لَمْ يَنْقَطِعْ عَنْ حَقِّ الْعَبْدِ، أَلَا تَرَى أَنَّ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهِ فَيَسْكُنَ فِي الْخَانِ وَيَنْزِلَ فِي الرِّبَاطِ وَيَشْرَبُ مِنَ السِّقَايَةِ وَيَذْفَنُ فِي الْمَقْبَرَةِ فَيُشْتَرِطُ حُكْمُ الْحَاكِمِ أَوْ الْإِضَافَةُ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ كَمَا فِي الْوَقْفِ عَلَى الْفُقَرَاءِ، بِخِلَافِ الْمَسْجِدِ، لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ لَهُ حَقُّ الْإِنْتِفَاعِ بِهِ فَخَلَصَ لِلَّهِ تَعَالَى مِنْ غَيْرِ حُكْمِ الْحَاكِمِ، وَعِنْدَ أَبِي يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَزُولُ مِلْكُهُ بِالْقَوْلِ كَمَا هُوَ أَصْلُهُ، إِذَا تَسَلَّمَ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ وَالْوَقْفُ لَا زِمٌ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ إِذَا اسْتَقَى النَّاسُ مِنَ السِّقَايَةِ وَسَكَنُوا الْخَانَ وَالرِّبَاطَ وَدَفَنُوا فِي الْمَقْبَرَةِ زَالَ الْمِلْكُ، لِأَنَّ التَّسْلِيمَ عِنْدَهُ شَرْطٌ وَالشَّرْطُ تَسْلِيمٌ نَوْعُهُ وَذَلِكَ بِمَا

ذَكَرْنَاهُ وَيَكْتَفِي بِالْوَاحِدِ لَتَعْدِرَ فِعْلُ الْجِنْسِ كُلِّهِ، وَعَلَى هَذَا الْبِيرُ الْمَوْقُوفَةُ وَالْحَوْضُ. وَلَوْ سَلِمَ إِلَى الْمُتَوَلَّى صَحَّ التَّسْلِيمُ فِي هَذِهِ الْوُجُوهِ كُلِّهَا لِأَنَّهُ نَائِبٌ عِنْدَ الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ وَفِعْلُ النَّائِبِ كَفِعْلِ الْمَنْوَبِ عَنْهُ. وَأَمَّا فِي الْمَسْجِدِ فَقَدْ قِيلَ لَا يَكُونُ تَسْلِيمًا، لِأَنَّهُ لَا تَدْبِيرَ لِلْمُتَوَلَّى فِيهِ، وَقِيلَ يَكُونُ تَسْلِيمًا لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى مَنْ يُكْنِسُهُ وَيُغْلِقُ بَابَهُ فَإِذَا سَلَّمَ إِلَيْهِ صَحَّ التَّسْلِيمُ، وَالْمَقْبَرَةُ فِي هَذَا بِمَنْزِلَةِ الْمَسْجِدِ عَلَى مَا قِيلَ لِأَنَّهُ لَا مُتَوَلَّى لَهُ عُرْفًا، وَقِيلَ هِيَ بِمَنْزِلَةِ السَّقَايَةِ وَالْخَانَ فَيَصَحُّ التَّسْلِيمُ إِلَى الْمُتَوَلَّى، لِأَنَّهُ لَوْ نَصَبَ الْمُتَوَلَّى يَصَحُّ وَإِنْ كَانَ بِخِلَافِ الْعَادَةِ. وَلَوْ جَعَلَ دَارًا لَهُ بِمَكَّةَ سُكْنَى لِحَاجِّ بَيْتِ اللَّهِ وَالْمُعْتَمِرِينَ أَوْ جَعَلَ دَارَهُ فِي غَيْرِ مَكَّةَ سُكْنًا لِلْمَسَاكِينِ أَوْ جَعَلَهَا فِي ثَغَرٍ مِنَ الثُّغُورِ سُكْنَى لِلْغَزَاةِ وَالْمُرَابِطِينَ أَوْ جَعَلَ غَلَّةَ أَرْضِهِ لِلْغَزَاةِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى وَدَفَعَ ذَلِكَ إِلَى وَالِي يَقُومُ عَلَيْهِ فَهُوَ جَائِزٌ وَلَا رُجُوعَ فِيهِ لِمَا بَيْنَنَا إِلَّا أَنْ فِي الْغَلَّةِ يَحِلُّ لِلْفُقَرَاءِ دُونَ الْأَغْنِيَاءِ، وَفِيمَا سِوَاهُ مِنْ سُكْنَى الْخَانَ وَالْإِسْتِقَاءِ مِنَ الْبِيرِ وَالسَّقَايَةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ يَسْتَوِي فِيهِ الْغَنِيُّ وَالْفَقِيرُ، وَالْفَارِقُ هُوَ الْعُرْفُ فِي الْفُصْلَيْنِ فَإِنْ أَهْلَ الْعُرْفِ يُرِيدُونَ بِذَلِكَ فِي الْغَلَّةِ الْفُقَرَاءَ، وَفِي غَيْرِهَا التَّسْوِيَةُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ، وَلَآنَ الْحَاجَّةُ تَشْمَلُ الْغَنِيَّ وَالْفَقِيرَ فِي الشَّرْبِ وَالنُّزُولِ، وَالْغَنِيُّ لَا يَحْتَاجُ إِلَى صَرْفِ هَذِهِ الْخُلَّةِ لِغِنَاهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے مسلمانوں کے لیے پانی کی سبیل بنوائی یا مسافروں کی رہائش کے لیے مسافر خانہ بنایا یا رباط بنوایا یا اپنی زمین کو قبرستان بنادیا تو جب تک حاکم اس کا فیصلہ نہیں کرے گا اس وقت تک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ چیز بانی کی ملکیت سے ختم نہیں ہوگی، اس لیے کہ ابھی وہ چیز بندے کے حق سے منقطع نہیں ہوئی ہے کیا دکھتا نہیں کہ بانی کو اس سے نفع اندوز ہونے کا حق ہے چنانچہ وہ مسافر خانہ میں رہ سکتا ہے، رباط میں ٹھہر سکتا ہے، سبیل سے پانی پی سکتا ہے اور قبرستان میں اسے دفن کیا جاسکتا ہے، لہذا حاکم کا فیصلہ کرنا یا واقف کا اپنی موت کے بعد کی حالت کی طرف منسوب کرنا شرط ہوگا جیسے وقف علی الفقراء میں ہوتا ہے۔ برخلاف مسجد کے کیونکہ مسجد سے واقف کو انتفاع کا حق نہیں رہتا اور حکم حاکم کے بغیر بھی مسجد اللہ کے لیے خالص ہو جاتی ہے۔

اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں واقف کے قول ہی سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی جیسا کہ یہی ان کی اصل ہے کیوں ان کے یہاں تسلیم الی المتولی شرط نہیں ہے اور اس کے بغیر بھی وقف لازم ہو جاتا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جب لوگ سبیل سے پانی پی لیں اور مسافر خانہ اور چھاؤنی میں ٹھہریں اور قبرستان میں مردے دفن کر لیں تو واقف کی ملکیت ختم ہو جائے گی، کیونکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تسلیم الی المتولی شرط ہے اور ہر چیز میں اس کے حسب حال تسلیم شرط ہے اور ہماری ذکر کردہ صورتوں میں یہ بات پائی جا رہی ہے اور تحقق تسلیم کے لیے شخص واحد کا فعل کافی ہے، کیونکہ پوری جنس کا



نفل معتذر ہے۔ اور وقف کردہ کنوئیں اور حوض بھی اسی اختلاف پر ہیں۔

اور اگر واقف نے شئی موقوف متولی کے سپرد کر دیا تو ان تمام صورتوں میں تسلیم صحیح ہوگی، کیونکہ متولی موقوف علیہم کا نائب ہوتا ہے اور نائب کا فعل اصل کے قائم مقام ہوتا ہے، رہا مسجد کا معاملہ تو ایک قول یہ ہے کہ محض متولی کے سپرد کرنے سے تسلیم متحقق نہیں ہوگی کیونکہ مسجد میں متولی کا عمل دخل نہیں ہوتا اور دوسرا قول یہ ہے کہ تسلیم متحقق ہو جائے گی اس لیے کہ مسجد کو ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو وہاں جھاڑو لگائے اور اس کا دروازہ بند کرے، لہذا اگر واقف متولی کو سپرد کرتا ہے تو تسلیم صحیح ہوگی۔

اور تسلیم کے معاملے میں قبرستان مسجد کے حکم میں ہے جیسا کہ کہا گیا ہے، کیونکہ عرف میں قبرستان کا کوئی متولی نہیں ہوتا دوسرا قول یہ ہے کہ قبرستان، مسافر خانہ اور سبیل کے حکم میں ہے اور تسلیم الی المتولی صحیح ہے، کیونکہ اگر خود واقف قبرستان کے لیے متولی مقرر کرے تو صحیح ہے اگرچہ خلاف عادت ہے۔

اگر کسی شخص نے مکہ مکرمہ میں موجود اپنے گھر کو حج اور عمرہ کرنے والوں کے لیے رہائش گاہ بنادیا یا غیر مکہ میں واقع اپنے گھر کو مساکین کے لیے وقف کر دیا یا کسی سرحد پر واقع اپنے گھر کو راہ خدا کے غازیوں اور چھاؤنی والوں کی قیام گاہ کے طور پر دیدیا یا اپنی زمین کی آمدنی مجاہدین کے لیے وقف کر دیا اور اسے کسی متولی یا نگران کے حوالے کر دیا تو جائز ہے اور اس میں رجوع نہیں ہو سکتا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں، لیکن آمدنی صرف فقراء کے لیے حلال ہوگی، مالداروں کے لیے حلال نہیں ہوگی اور اس کے علاوہ میں یعنی مسافر خانہ میں رہنے، کنوئیں اور سبیل سے پانی پینے وغیرہ میں غنی اور فقیر برابر ہیں اور دونوں صورتوں میں فرق کرنے والی چیز عرف عام ہے چنانچہ غلہ کی صورت میں وقف سے اہل عرف فقراء مراد لیتے ہیں اور غلہ کے علاوہ میں فقراء اور اغنیاء کو برابر مستحق سمجھتے ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ پینے اور ٹھہرنے کی ضرورت امیر و غریب دونوں کو عام ہے جب کہ غنی اپنی مالداری کی وجہ سے اس آمدنی کو استعمال کرنے کا ضرورت مند نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## اللغات:

﴿سقاۃ﴾ سبیل، پانی پینے کی جگہ۔ ﴿خان﴾ سرائے۔ ﴿بنو السبیل﴾ مسافرین۔ ﴿رباط﴾ گھوڑے باندھنے کی جگہ، چھاؤنی، سرائے۔ ﴿استقی﴾ پانی نکالا۔ ﴿غلۃ﴾ آمدن۔ ﴿بنو﴾ کنواں۔ ﴿تسویۃ﴾ برابری کرنا۔ ﴿مرابطین﴾ سرحدوں پر رہنے والے، مجاہد۔ ﴿نزول﴾ پڑاؤ ڈالنا۔ ﴿ثغور﴾ سرحدیں۔

## سبیل، مسافر خانہ چھاؤنی وغیرہ بنوانے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مسلمانوں کے لیے کوئی سبیل بنوادی جیسا کہ آج کل بڑے شہروں میں واٹر کولر لگوا دیئے جاتے ہیں یا مسافر خانہ بنوادی یا چھاؤنی بنوادی یا اپنی زمین میں قبرستان بنوادی تو جب تک قاضی اور حاکم اس چیز کے متعلق مسلمانوں کے ہونے کا فیصلہ نہیں کر دے گا اس وقت تک وہ چیز صانع اور بانی کی ملکیت سے جدا نہیں ہوگی، کیونکہ اس سے پہلے پہلے اس چیز سے خود بانی کا حق وابستہ رہتا ہے اور بانی از خود اس سے نفع اٹھا سکتا ہے لہذا اس چیز کے بانی کی ملکیت سے زائل ہونے کے لیے یا تو حاکم وقت کا اس کے متعلق حکم نامہ صادر ہونا ضروری ہے یا خود بانی کی طرف سے یہ وضاحت ضروری ہے کہ میری موت کے بعد یہ چیز عوام



کے لیے وقف ہے جیسے فقراء پر کوئی چیز وقف کرنے کی صورت میں واقف کی ملکیت کے زوال کے لیے ان دونوں (حکم حاکم اور اضافت مابعد الموت) میں سے ایک چیز شرط ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی ان میں سے ایک چیز شرط ہوگی، یہ حکم اور یہ تفصیل حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں ہے۔

اس کے برخلاف مسجد کا معاملہ ہے تو وہ ان اوقاف سے جدا ہے اور اس میں صرف وقف کرنے سے ہی واقف کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے کیونکہ مسجد واقف کو نفع حاصل کرنے کی کوئی راہ نہیں ہوتی اور حکم حاکم کے بغیر بھی مسجد اللہ کے لیے خالص اور مختص ہو جاتی ہے۔

وعند أبي يوسف الخ امام ابو يوسف رحمہ اللہ کے یہاں ان تمام صورتوں میں محض واقف کے قول جعلتہ للمسلمین کہنے سے ہی اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی اور زوال ملک کے لیے کسی تحریر نامے یا بیچ نامے یا حکم نامے کی ضرورت نہیں ہوگی، اس لیے کہ ان کے یہاں صحت وقف کے لیے تسلیم الی المتولی بھی شرط نہیں ہے اور محض واقف کے قول سے وقف تام ہو جاتا ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں یہ وقف اس وقت تام ہوگا جب لوگ سبیل سے پانی پی لیں گے یا مسافر خانہ اور رباط میں رہنے لگیں گے، یا اگر مقبرہ کا معاملہ ہو تو لوگوں کے اس میں مردوں کو دفن کرنے کے بعد اس زمین اور بنائی ہوئی چیز سے بانی اور واقف کی ملکیت ختم ہوگی، کیونکہ ان کے یہاں صحت وقف کے لیے تسلیم الی المتولی شرط ہے اور تسلیم کی صورت یہی ہے کہ جو چیز جس مقصد کے لیے بنائی گئی ہے جب اس مقصد میں استعمال ہونے لگے تو ظاہر ہے کہ تسلیم متحقق ہو جائے گی۔ البتہ تحقق تسلیم کے لیے فرد واحد کا استعمال کرنا کافی ہے، کیونکہ پوری جنس کا اکٹھا ہو کر سکنی یا سقایہ یا دفن کا فعل انجام دینا معتذر اور محال ہے وقف کردہ کنویں اور حوض کا مسئلہ بھی فقہائے احناف میں اسی طرح مختلف فیہ ہے۔

ولو سلم الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بانی اور واقف مسافر خانہ یا رباط اور قبرستان وغیرہ کو کسی منتظم اور متولی کے سپرد کر دے تو بھی تسلیم متحقق ہو جائے گی اور اس تسلیم سے امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی، کیونکہ متولی موقوف علیہم کا نائب ہوتا ہے اور نائب کا فعل اصل کے فعل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ لیکن مسجد کے متعلق اس سلسلے میں دو قول ہیں (۱) پہلا قول یہ ہے کہ متولی کے سپرد کرنے سے تسلیم متحقق نہیں ہوگی، بلکہ تسلیم کا تحقق اس میں عوام کے نماز پڑھنے سے ہوگا، اس لیے تنہا متولی کو دینے مسجد بنانے کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ صرف متولی کو مسجد سپرد کرنے سے تسلیم متحقق ہو جائے گی، اس لیے کہ مسجد کے لیے ایک خادم اور دربان کی ضرورت مسلم ہے اور یہ کام متولی کر دے گا اس لیے اس کی طرف تسلیم ہمیں تسلیم ہے، لیکن راقم الحروف کو یہ تسلیم نہیں ہے، اس لیے کہ صرف ایک ہی شخص کے لیے مسجد نہیں بنائی جاتی، بلکہ جماعت کے لیے مسجد تعمیر کی جاتی ہے لہذا تسلیم الی الجماعت کے بغیر مسجد کی تسلیم ناقابل تسلیم ہے۔

مقبرہ کے متعلق بھی دو قول ہیں (۱) مسجد کی طرح اسے بھی متولی کو تسلیم کرنے سے تسلیم متحقق نہیں ہوگی کیونکہ عرفاً قبرستان کا کوئی والی اور متولی نہیں ہوتا (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ جس طرح مسافر خانہ اور سبیل میں شخص واحد کے فعل سے تسلیم متحقق ہو جاتی ہے اسی طرح مقبرہ کو بھی متولی کے حوالے کرنے سے تسلیم متحقق ہو جائے گی اور اس سے واقف کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔

ولو جعل دارا الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا مکہ المکرمہ میں کوئی گھر ہو اور وہ اسے حاجیوں اور معتمروں کے

لیے رہائش بنا کر وقف کر دے یا اپنی زمین کی آمدنی اور پیداوار کو مجاہدین کے لیے وقف کر دے اور وہ مکان یا آمدنی کسی متولی یا نگران کے حوالے کر دے تو وقف درست اور جائز ہے اور وقف کو حق رجوع نہیں ہے، کیونکہ یہ چیز بندے کی عارضی ملکیت سے نکل کر اللہ کی حقیقی اور دائمی ملکیت میں داخل ہو گئی ہیں۔ لہذا بینا سے اسی طرف اشارہ ہے۔ البتہ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ مکان کے وقف میں تو امیر و غریب سب کے لیے رہائش حلال ہے لیکن غلہ اور پیداوار کا وقف صرف فقراء اور غرباء کے لیے حلال ہے اور یہ فرق عرف اور عادت کی وجہ سے ہے چنانچہ غلہ وقف کرنے کی صورت میں اہل عرف صرف فقراء کو اس کا مستحق گردانتے ہیں اور غلہ کے علاوہ مسافر خانہ اور سبیل وغیرہ کے وقف میں امیر و غریب دونوں طبقوں کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ اسی لیے ہم نے دونوں میں فرق کیا ہے۔ اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ پانی پینے اور قیام کرنے کی ضرورت امیر و غریب سب کو عام ہے جب کہ مالدار شخص وقف کی آمدنی اور منافع کی طرف توجہ نہیں دیتا اور اپنی قوت بازو کی کمائی سے کھاتا اور زندگی جیتا ہے، لہذا اس حوالے سے بھی شرب اور نزول میں امیر و غریب برابر ہوں گے اور غلہ کی حلت فقراء اور غرباء کے ساتھ خاص ہوگی۔ فقط واللہ اعلم و علمہ اتم۔

الحمد لله آج بروز جمعہ مورخہ ۸ شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ مطابق ۳۱ جولائی ۲۰۰۹ء کو احسن الہدایہ کی ساتویں جلد اختتام پذیر ہوئی  
ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم وتب علينا انک انت التواب الرحيم وصلى الله على خير خلقه  
محمد وآله وصحبه اجمعين، اللهم اغفر لشارحه ولوالديه وللمن سعى فيه

آج بروز پیر مورخہ ۳ مئی ۲۰۱۰ء کو احسن الہدایہ کی ساتویں جلد بحمدہ تعالیٰ اعراب، عنوانات اور حل لغات کے ساتھ مکمل ہوئی۔  
اللہ پاک اس کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

محمد صہیب اشفاق

